تفسیرِ حقانی

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

مفسر

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

حصہ پنجم

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

"تفسیر حقانی" کا یہ ایڈیشن تجرباتی طور پر شائع کیا جارہا ہے اس میں اگر کوئی غلطی یا آپ کی آرا ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تا کہ ہم اسے بہتر انداز میں شائع کر سکیں۔

(ادارہ)

297.1227
Quran
Tafseer-e-Haqqani / Tafseer uz Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq Haqqani.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2009.
8 vol 4 main(218;264;318;378;368;420;342;310p)

1. Haqqani, Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq I. Title card

ISBN 969-503-777-1

اکتوبر 2009ء

محمد فیصل نے

محبوب پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street,Urdu Bazar,Lahore.Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝١ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا
مُسْلِمِيْنَ ۝٢ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝٣
وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝٤ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ
اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝٥ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ
لَمَجْنُوْنٌ ۝٦ لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٧ مَا نُنَزِّلُ
الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝٨

یہ ہیں آیتیں کتاب اور کھلے قرآن کی، منکر بڑی حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہو جاتے (اے پیغمبر!) ان کو چھوڑ و کہ کھالیں اور برت لیں اور ان کو آرزو بھلائے رکھے پھر آئندہ تو جلد معلوم ہی کریں گے۔ اور ہم نے کوئی بھی ایسی بستی ہلاک نہیں کی کہ جس کے لیے (اول ہی) وقت مقرر نہ کیا گیا ہو کوئی قوم اپنے وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے اور (کفار نے) کہہ دیا کہ اے وہ شخص کہ جس پر نصیحت نازل کی گئی تو تو ضرور دیوانہ ہے ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچا ہے ہم فرشتے تو فیصلہ ہی کے لیے بھیجا کرتے ہیں اور پھر تو انہیں مہلت بھی نہ ملے گی۔

ترکیب : رب بالتخفیف والتشدید وضم الراء وفتحہا وما کافۃ لرب ویمکن ان یکون نکرۃ موصوفۃ ای رب شیء یودہ الذین ورب حرف جر لایعمل فیہ مابعدہ والعامل محذوف تقدیرہ رب کافر یود الاسلام الاولہا جملہ نعمت ہے قریۃ کی لوما بمعنی ھلا۔

تفسیر : یہ سورۃ بھی مکے میں نازل ہوئی اس میں حجر کے رہنے والوں کی ہلاکت زیادہ تر عبرتناک بات ہے یعنی قوم ثمود کا حال اور حجر شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے الٓرٰ سے مُبِیْنٍ تک قرآن کا منجانب اللہ ہونا بیان کر کے دنیا کی لذات وشہوات میں مبتلا ہونے والے کفار کا انجام کار بیان فرماتا ہے کہ ربما یود کہ قیامت کے دن یا بوقت مرگ یہ لوگ خواہش کریں گے کہ کاش ہم ایمان والے ہوتے۔ رب کے معنی بعض کہتے ہیں کہ بہت کے ہیں کہ بہت حسرت کریں گے اور بعض کہتے ہیں کم کے ہیں مگر مراد یہاں بہت ہے کہ عرب کی عادت ہے کہ کبھی کثیر الوجود چیز کو یقین دلانے کے لیے بلفظ قلیل ذکر کرتے ہیں جیسا کہ اس شخص کی نسبت کہ جس سے ہمہ وقت یا اکثر اوقات یاد کرنا متوقع ہو کہتے ہیں کہ کبھی تو ہمیں یاد کرو گے۔ مکے کے مشرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ میں مصروف تھے اور خدا کی اس مہلت پر مست تھے کہ اگر پیغمبر سچا ہے تو ہم پر کوئی آسمانی عذاب کیوں نہیں آتا۔ ہم تو ویسے کے ویسے مزے اڑاتے پھرتے ہیں۔ یہ ان کی حالت تھی جس کے رد میں اول تو الٓرٰ فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ یہ قرآن (الف) اللہ نے بواسطہ (لام) جبرئیل (ر) رسول اللہ پر نازل کیا ہے۔ اس میں کوئی دروغ نہیں۔ دوم اس سورۂ حجر کی نسبت جو قرآن مبین کا ایک جزو ہے فرماتا ہے کہ یہ قرآن مبین اور کتاب الٰہی کی چند آیات ہیں۔ ان کے مطالب پر غور کرو۔ تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ مضمون اس فصاحت و بلاغت کے ساتھ جس میں ان کی تکمیل کا پورا نقشہ ہے من جانب اللہ ہے۔ پھر مُبِیْنٍ کے لفظ سے اشارہ ہے کہ قرآن کی سب ہدایتیں واضح ہیں۔ کوئی بھی خلاف عقل سلیم نہیں[1]۔ پھر

[1] قرآن کی سب باتیں عقل سلیم کے نزدیک واضح اور کھلی ہیں کوئی بات بھی ایسی نہیں کہ جس کو خلاف عقل محض اعتقاداً ماننے پر مجبور کیا گیا ہو۔

اس کے ماننے میں کیوں تردد ہے۔ سوم مرنے کے وقت جو قریب ہے یا مرنے کے بعد یہ اس جہل و نادانی پر افسوس کریں گے اور حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ چہارم مہلت کی نسبت فرماتا ہے کہ یہ چند روزہ ہے۔ اس میں ان کو مزے کر لینے دو۔ ان کی لمبی چوڑی آرزوئیں دنیاوی کاروبار کی بابت کہ یوں کریں گے انہیں خود غفلت میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اور یہی لمبی چوڑی آرزوئیں غفلت کا پردہ ہیں۔ پھر ان کو جلد معلوم ہو جائیگا کہ ہائے کس غفلت میں پڑے ہوئے تھے خصوصاً جبکہ اپنے افعال بد کا بدنتیجہ دیکھیں گے ان سے پہلے بھی بہت سی قومیں تباہ ہوئی ہیں مگر ان کا ایک وقت مقرر تھا اس لیے آگے یا پیچھے نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی طرح ان کا بھی وقت معین ہے چنانچہ بدر میں اور قحط شدید میں ہلاک ہوئے۔ پیشین گوئی صادق آئی وہ کفار آنحضرت ﷺ کو دنیاوی مشاغل سے بے فکر اور آخرت کی طرف متوجہ دیکھ کر کہتے تھے کہ اے محمد! (ﷺ) تو جو کہتا ہے کہ مجھ پر نصیحت یعنی قرآن نازل ہو رہا ہے ضرور دیوانہ ہے چونکہ یہ قول دیوانوں کا تھا اس کا جواب کیا دینا تھا مگر وہ یہ جو کہتے تھے کہ اگر تو سچا ہے تو ہمیں فرشتے کیوں نہیں لا کر دکھاتا۔ اس کا جواب دیا کہ فرشتے تو جب آتے ہیں فیصلے ہی کے لیے آتے ہیں خواہ ہلاکت عامہ کے وقت یا موت کے وقت پھر جب وہ آئی تو مہلت کہاں۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝٩ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي
شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝١٠ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝١١
كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝١٢ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
الْأَوَّلِينَ ۝١٣ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝١٤ لَقَالُوا
إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ۝١٥ ع

ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان بھی ہیں اور آپ سے پیشتر ہم پہلی قوموں میں بھی رسول بھیج چکے ہیں اور وہ بھی جب کوئی رسول ان کے پاس آتا تو اس سے تمسخری کرتے رہے اسی طرح سے ہم گنہگاروں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یہ قدیم دستور چلا آیا ہے اور اگر ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں پھر وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں تو یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔

ترکیب: نحن مبتداء نزلنا خبر جملہ انا کی خبر یا نحن انا کی تاکید۔ کذلك ای الامر کذلک سلکناہ ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل کرنا اور ممکن ہے کہ صفت ہو مصدر محذوف کی ای سلوکا مثل استھزاء ھم۔ والضمیر للاستھزاء ای کمثل ادخالنا التکذیب فی قلوب اولئک نسلکہ ای ندخل الاستھزاء فی قلوب المجرمین ای کفار مکۃ ولو فتحنا جملہ شرطیہ لقالوا اس کی جزا۔

تفسیر: کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہا تھا جس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ جو کچھ رسول ہم کو سناتا ہے وہ کلام الٰہی نہیں دیوانوں کی بڑ اور بکواس ہے اور کفار جو انبیاء علیہم السلام کی نسبت ایسی باتیں کہا کرتے تھے اس کے چند سبب تھے: اول یہ کہ رسول شہوات و لذات باطلہ کے ترک اور عبادت و نیک روی کی تاکید کرتے تھے یہ بات ان پر شاق گزرتی تھی۔ دوم رسوم بد اور مذاہب باطلہ کا ترک کرنا جو پشت در پشت ان میں مروج ہونے کی وجہ سے ایک امر مناحق قرار پا گیا تھا اور بھی ناگوار معلوم ہوتا تھا اور اب بھی لوگوں کا رسوم و عادات خلاف شرع ترک کرنے میں یہی حال ہے۔ سوم انبیاء فقراء ہوتے تھے نہ ان کے پاس مال و جاہ تھا، نہ اعوان و انصار اس لیے رؤساء پر ایسے لوگوں کا مطیع ہونا شاق گزرتا تھا۔ چہارم ان کا گمراہ ازلی ہونا بڑا سبب تھا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے انا نحن الخ کہ ذکر یعنی

قرآن ہمارا ہی نازل کیا ہوا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اس پیشین گوئی کے مطابق آج تیرہ سو سال ہونے کو آئے قرآن ایسا محفوظ ہے کہ مشرق سے مغرب تک سب مسلمانوں کی زبان پر یکساں الفاظ ہیں ایک لفظ یا زیر و زبر کا بھی فرق نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر اب تک بلکہ قیامت تک حفاظ اور قراء اور علماء کی جماعتیں اس کی محافظت پر کمربستہ ہیں۔ یہ قرآن کا بڑا معجزہ ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں واعلم انہ لم یتفق لشیء من الکتب مثل ھذا الحفظ فانہ لا کتاب لاوقد دخلہ التصحیف والتحریف والتغییر۔ شیعہ میں جو متعصب اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں سے عثمان رضی اللہ عنہ نے فلاں فلاں سورتیں کم کر دیں اس آیت اور دیگر آیات سے مردود ہیں وہ بھی شیع الاولین میں داخل ہیں جنہوں نے رسولوں کا انکار کیا۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فرماتا ہے کہ ان کا ایسی باتیں کرنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ آپ سے پیشتر اے محمد! پہلی قوموں میں بھی ہم نے رسول بھیجے تھے ان کا بھی یہی حال رہا کہ جو رسول آیا اس کو جھٹلاتے رہے۔ اسی طرح ان کفار کے دلوں میں قضاء و قدر نے یہ انکار و تکذیب ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ وقد خلت سنۃ الاولین اور پہلوں کے ساتھ جو کچھ اللہ کا دستور تھا کہ اخیر وہ ان کو ہلاک کرتا آیا ہے وہ بھی چلا آتا ہے۔ وَلَوْ فَتَحْنَا الخ یعنی وہ جو کہتے ہیں کہ معجزہ کے طور پر فرشتے کیوں نہیں آتے فرشتے تو کیا اگر ہم ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیتے اور سیڑھی لگا دیتے کہ جس سے چڑھ کر وہاں کے حالات دیکھ آتے (یا یہ معنی کہ آسمان کے دروازوں سے فرشتوں کو چڑھتے اترتے دیکھتے) تو بھی یہی کہہ دیتے کہ یہ نظر بندی ہے اور جادو۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۝١٦ وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ
شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۝١٧ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ۝١٨ وَالْأَرْضَ
مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ۝١٩
وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ۝٢٠ وَإِن مِّن شَيْءٍ
إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝٢١ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ
لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۝٢٢
وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ۝٢٣ وَلَقَدْ عَلِمْنَا
الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ۝٢٤ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ
إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝٢٥ ع

اور البتہ ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور اس کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کر دیا اور اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا مگر جو کوئی چوری سے سن بھاگا تو اس کے پیچھے دہکتا ہوا انگارا پڑ گیا اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس پر لنگر ڈال دیے اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی اور اس میں تمہارے لیے روزی کے لیے

سامان رکھے اور ان کے لیے بھی کہ جن کے تم روزی دہندہ نہیں اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں کہ جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم صرف اس کو ایک اندازہ معین سے نازل کرتے ہیں اور ہم نے بوجھل ہوائیں چلائیں اور پھر آسمان سے پانی اتارا پھر وہ تمہیں پلایا حالانکہ تم اس کے خزانے دار نہیں اور ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور اخیر مالک بھی ہم ہی ہیں اور ہم کو تم میں سے اگلے اور پچھلے سب معلوم ہیں اور بے شک آپ کا رب ہی ان کو جمع کرے گا بے شک وہ حکمت والا خبردار ہے۔

ترکیب : الامن منصوب ہے استثناء منقطع ہونے کی وجہ سے اور جر بھی ہوسکتا ہے ممن استرق سے بدل ہوکر اور رفع بھی ہوسکتا ہے مبتدا ہوکر۔ والخبر فاجیء وجاز دخول الفاء فیہ لتضمن المبتداء معنی الشرط۔ والارض منصوب ہے مددنا محذوف سے ومن لستم منصوب ہے جعلنا سے والمراد بمن العبید والبھائم فانھا مخلوقۃ لنا منتفعا اور مجرور بھی ہوسکتا ہے۔ ای لکم ولمن لستم۔

تفسیر : قرآن مجید کی عادت ہے کہ ایک مقصد کے بعد دوسرے مطلب کو بیان فرماتا ہے تاکہ سننے والے کے دل پر بار نہ معلوم ہو۔ اس جگہ جبکہ مسئلہ نبوت میں کلام کر چکا تو مسئلہ توحید کو شروع کرتا ہے جس پر اثبات نبوت موقوف ہے اور نیز توحید کے متعلق ایسا کلام کرنا گویا نبوت۔ نبی کو اس کے اثر سے مشاہدہ کرا دینا ہے کہ جس کے منہ سے ایسی بات الہامی اور روح کو تازہ کرنے والی نکلی وہ قطعی نبی ہے نہ کہ مجنوں وَلَقَدْ جَعَلْنَا الخ توحید کے ثبوت میں دلائل سماویہ سے یہ اول دلیل ہے کہ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور آسمان کو ستاروں سے مزین کیا اور شیاطین سے اس کو محفوظ رکھا کہ کوئی شیطان وہاں تک جا نہیں سکتا اور جو کوئی چوری کے طور پر وہاں آسمانی بات سننے کو جا بھی پہنچا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے تو شہاب مبین یا شہاب ثاقب یعنی آگ کا شعلہ جس کو ستارہ ٹوٹا کہتے ہیں اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ رجیم رجم سے مشتق ہے جس کے معنی پتھراؤ کرنا یعنی پتھر پھینک پھینک کر مارنا، گالی گلوچ اور بہتان لگانے کو بھی اسی لیے رجم کہتے ہیں کہ گویا بیہودہ باتوں کے پتھر مارتے جاتے ہیں۔ منہ قولہ لَاَرْجُمَنَّكَ ای لاسبنک اور اسی مناسبت سے تخمینی اور بے تکی باتوں کو بھی رجم کہتے ہیں۔ منہ قولہ رجما بالغیب گویا شیاطین پر آتشی شعلوں کے پتھر مارے جاتے ہیں۔

مقدمہ تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ شیاطین کو لطافت مادہ کی وجہ سے ملائکہ کی باتیں سننے اور ان کے دیکھنے اور اونچے چڑھنے کی قدرت عطا کی گئی ہے۔ بروج برج کی جمع ہے اسی طرح ایک جگہ قرآن میں آیا ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا اور ایک جگہ ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ اس سے یہ مراد نہیں کہ جس طرح اینٹ پتھروں کی گول گول عمارت قلعوں کی دیواروں پر اور دیگر جگہ ہوتی ہے اسی طرح آسمان پر برج بنے ہوئے ہیں بلکہ یہ مراد کہ آسمان میں مختلف ستاروں کے نمودار ہونے سے خرپزے کی پھانکوں کی طرح آسمان کے بارہ حصے یا ٹکڑے جدا جدا معلوم ہوتے ہیں اور ان کے زبان عرب میں یہ نام مشہور تھے۔ حمل، ثور، جوز، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔

جبکہ طبیعت فلکیہ ایک تھی اور اسی لیے حکماء کے نزدیک اس کی شکل کروی یعنی گول بنی تو پھر یہ بروج مختلف الطبائع اور آسمان میں یہ گوناگوں چیزیں کس نے بنائیں ان میں کمی وبیشی کس نے کی اور ان اجزاء کو کس نے مرکب کیا؟ صرف ایک اللہ قادر مختار قوی وقہار و جبار نے۔ پھر اس نے نہ صرف ستاروں کو آسمان کی زیب وزینت بنایا بلکہ وہاں کا انتظام لائق بھی کیا۔ چونے شیطانوں کے لیے شہاب مبین کو کوتوال بنایا تو پھر کیا وہ انبیاء کو بھیج کر انتظام بنی آدم نہ کرتا؟ اور نیز شیاطین کو تو عالم علوی کی طرف رسائی نہیں پھر اگر خدا کا الہام اور جبرئیل امین کی پیغام رسانی نہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم علوی کی باتیں کیونکر معلوم ہوگئیں؟ سبحان اللہ اس ایک جملہ سے کس قدر باتیں ثابت کر دیں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا یہ عالم سفلی کے حالات سے دوسری دلیل ہے۔ اول زمین کو پھیلانا باوجود کروی ہونے کے اس کی ایسا سطح رکھنا کہ

جس پر مخلوق بس سکے اسی کی کاریگری ہے۔ دوم اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ مفرد راسی اور اس کی جمع راسیات اس کی جمع یعنی جمع الجمع رواسی ہے۔ رواسی ٹھہرنے اور جمنے والی چیزیں جس سے مراد پہاڑ ہیں۔ یہ مضمون بہت جگہ قرآن میں ہے منجملہ ان کے وَفِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ ان تمید بکم اور ان پہاڑوں کو اوتاد یعنی زمین کی میخیں بھی فرماتا ہے۔ خواہ یوں کہو کہ زمین پیدا کرنے کے بعد جو بارشیں ہوئیں تو بلند قطعات میں اِدھر اُدھر سے مٹی گر کر اونچے نیچے مختلف صورتوں کے ٹیلے جورو گئے تھے متحجر ہوکر پہاڑ بن گئے یا یوں کہو کہ بدء الخلقت میں ساتھ ہی خدا نے پہاڑ بھی بنائے مگر ان کا زمین کے لیے میخ اور بار اور تھماؤ ہونا کلام تشبیہی ہے گویا فرش زمین پر یہ بھاری بھاری پتھر دھر دیے ہیں کہ ہلنے نہ پاوے[1]۔ اس میں بھی قدرت کاملہ کی بڑی نشانی ہے اور نیز پہاڑوں کے فوائد اور ان کے معادن اور نباتات کے منافع بہ آواز بلند اپنے خالق یکتا کی توحید وصناعی پر گواہی دے رہے ہیں جن کی طرف وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ میں اشارہ ہے موزوں سے مراد اندازہ کی ہوئی چیز یعنی زمین میں یا پہاڑوں میں یہ بے انتہا جڑی بوٹیاں اس کے اندازے علمی سے باہر نہیں یا یہ مراد کہ وہ وزن رکھتی ہیں یعنی بے فائدہ اور عبث نہیں عمدہ اور مناسب چیز کو موزوں کہتے ہیں جیسا کہ کلام موزوں۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ سوم نہ صرف بندوں کی معاش اور روزی زمین پر پیدا کی بلکہ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ چارپائے اور تمہارے نوکر غلام باندیاں بچے کہ جن کو اپنے زعم میں تم روزی دیتے ہو ان کی روزی بھی اسی نے پیدا کی نہ تم نے یا یہ معنی کہ جن چیزوں کے تم روزی رساں نہیں ہو۔ چارپائے تمہارے غلام وغیرہ ان کو بھی خدا ہی نے تمہارے لیے پیدا کیا۔

و ان من شیء یہاں سے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عالم وجود میں جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں وہ بقدر حاجت مخلوق ظاہر کرتے ہیں یہ نہیں کہ وہ ہمارے ہاں اسی قدر تھا بلکہ اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں یعنی ہمارے ہاں بے انتہا ہے۔ بارش وغیرہ سب کا یہی حال ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ تیسری دلیل ہے کہ ابر اٹھانے والی ہواؤں کا چلانا اور مینہ برسانا اور بندوں کو نفع پہنچانا اسی کا کام ہے وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ الخ یہ چوتھی دلیل ہے کہ باوجودیکہ اپنی بقاء میں کوئی کیسی ہی کوشش کرے مگر ہم مارتے ہیں اور ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ اس میں کسی کو بھی دخل نہیں اور اگلے جو ہو چکے ہیں اور آئندہ جو ہوں گے وہ سب ہم کو معلوم ہے اور پھر ہم سب کو جمع کر لیں گے۔ یہ بھی ہمارا ہی کام ہے کیونکہ ہم حکیم اور علیم ہیں اس میں دار آخرت کا بھی کس عمدگی سے اثبات ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ
مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا
مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ
فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ
اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾
قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾
قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾

[1] یعنی پہاڑ جن کا وزن ثقل زمین کو ڈگمگانے نہیں دیتا۔ ۱۲ منہ

قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿٣٧﴾
إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ
وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ
عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْغَاوِينَ ﴿٤٢﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٣﴾ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ
لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿٤٤﴾

اور البتہ ہم نے انسان کو خشک مٹی سے خمیر دے کر بنایا اور جنات کو اس سے پہلے آگ کے شعلہ سے بنایا تھا اور (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر بنانے والا ہوں خشک مٹی خمیر دی ہوئی سے پھر میں جب اس کو ٹھیک بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ پھر سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔ خدا نے فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا اس نے کہا میں ایسا نہ تھا کہ ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں کہ جس کو تو نے خشک مٹی خمیر دی ہوئی سے بنایا۔ خدا نے فرمایا یہاں سے دور ہو بے شک تو پھٹکارا گیا ہے اور بے شک تجھ پر لعنت ہے قیامت تک۔ اس نے کہا اے رب! مجھے مہلت دے اس دن تک کی مردے جی اٹھیں خدا نے فرمایا البتہ تجھے مہلت ہے وقتِ معلوم (قیامت) کے دن تک۔ اس نے کہا اے رب! تو نے مجھے (انسان کی خاطر) خراب تو کیا ہے میں بھی انہیں زمین پر نہ رجھاؤں اور سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا مگر ان میں سے تیرے خالص بندے (بچ رہیں گے)۔ خدا نے فرمایا یہی (اطاعت کی) راہ ہم تک سیدھی پہنچتی ہے ہمارے بندوں پر تیرا کچھ بھی بس نہیں چلے گا مگر کچھ لوگوں میں سے جو تیری پیروی کرے گا (اس پر تیرا قابو چلے گا) اور جہنم تو ان سب کا ٹھکانا ہے کہ جس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک ایک فرقہ بنا ہوا ہے۔

ترکیب : من حما موضع جر میں صفت ہے صلصال کی باعادۃ الجار۔ والجان منصوب ہے، علی شریطۃ التفسیر الی الخ جملہ معترضہ ہے قال کا فاذا شرطو نفخت عطف ہے سویتہ پر۔ فقعوا جواب شرط میں اور قعوا امر ہے وقع یقع سے۔ تمام جملہ خبر میں ہے قال کے۔ الا ابلیس اگر منقطع کہا جاوے تو ابی ان الخ کے ساتھ متصل ہوگا ای ولکن۔ اور اگر متصل مانا جاوے گا تو جدا کلام ہوگا سائل کا جواب۔ الحماء الطین الاسود قال ابوعبیدۃ الحماء بسکون المیم والتحریک والجمع الحما مثل تمرۃ وتمر والحماء مصدر مثل البلغ والجزع۔ والمسنون قال الفراء ھو المتغیر وصلہ من سفت الحجر علی الحجر اذا حککتہ وما یخرج منہما یقال لا سنانہ۔ وقیل اصلہ من اسن الماء اذا تغیر ومنہ قولہ لم یتسنہ وقولہ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ و قال ابوعبیدۃ المسنون المصبوب والسن الصب وقال سیبویہ المسنون المصور صلصال طین یابس یتصلصل اذا حرک واذا نقر فھو الفخار اھ ۱۲

تفسیر : یہ پانچویں دلیل ہے توحید پر۔ پہلی آیات میں عام حیوانات کے پیدا کرنے سے توحید ثابت کی گئی تھی۔ ان آیات میں انسان اور جن کے پیدا کرنے کا ذکر کر کے اپنی توحید ثابت کرتا ہے جب یہ ثابت ہو چکا کہ حوادث کا سلسلہ غیر متناہی نہیں ضرور اس کی ابتداء ہوتی ہے تو اب انسان کا سلسلہ کہ جس کی پیدائش یکے از دیگرے ہوتی ہے ضرور کسی ایک ایسے شخص سے ہوگا جو ماں باپ سے پیدا نہ ہوا ہو اور چونکہ

انسان زمین پر رہتا ہے محسوس ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے ملاقی ہوتا اور جسم کثیف رکھتا ہے اور اسی لیے اس کو بشر کہتے ہیں (اما تفسیر کونہ بشرًا فالمراد منہ جسمًا کثیفًا یباشر ویلاقی، تفسیر کبیر)

اس لیے ضرور ہوا کہ اس کا مادہ غالب خاک ہو وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مگر خاک سے بغیر خمیر کیے اور گارا بنائے اس کا پتلا نہیں بن سکتا۔ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ، لہٰذا اس سر سلسلہ کو جس کا نام آدم علیہ السلام ہے خاک سے گوندھ کر بنایا اور پھر اس پتلے میں روح پھونک ڈالی اور فرشتوں سے سجدۂ تعظیمی کرایا۔ اگر غور کیا جاوے تو عاقل بہت جلد اقرار کر سکتا ہے کہ خاک اور پانی کا از خود جمع ہونا اور اس میں روح پڑنا از خود ممکن نہیں ضرور یہ کسی حکیم وعلیم کا کام ہے اور صرف آدم علیہ السلام ہی کو ہم نے قدرت کاملہ سے پیدا نہیں کیا بلکہ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ اس سے سینکڑوں ہزاروں برس پیشتر جنات (قوم جن) کے سر سلسلہ جان کو آگ سے پیدا کر چکے ہیں۔

جان، ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جان سب جنوں کے باپ کا نام ہے اور یہی قول اکثر مفسرین کا ہے اور یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے گو بعض نے جان سے مراد ابلیس لیا ہے جان کے معنی لغت میں ساتر یعنی چھپنے (چھپانے) والے کے ہیں کہتے ہیں جن الشی اذا استرہ چونکہ آدم کے خلاف اس کا غالب مادہ آگ کا لطیف شعلہ ہے اس لیے یہ قوم محسوس نہیں ہوتی ہر ایک کو دکھلائی نہیں دیتی اور اس لیے اس قوم کو جن اور اس کے باپ کو جان کہتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ لطیف وخبیر نے اول ملائکہ کو بنایا، ان کے بعد جن کی قوم کو جن کا مادہ ملائکہ سے ذرا قریب تر تھا، پھر انسان کو جس کا مادہ کثیف ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ دیگر حیوانات گدھا، گھوڑا، گائے، بھینس وغیرہ کب بنائے۔ آدم علیہ السلام سے پہلے یا پیچھے، لیکن اس میں تو کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان انواع کا بھی ایک ایک سر سلسلہ ہے جس سے یہ انواع پھیلے ہوں گے۔ اس آیت سے یہ بات تو صاف صاف معلوم ہو گئی کہ قوم جن انسان سے غیر ہے اور اس سے پہلے بنی ہے اور اس کا مادہ بھی انسان کے مادہ سے غیر ہے۔ پھر جو مسلمان کہلا کر غیر محسوس ہونے کی وجہ سے بہ تقلید فلاسفہ قوم جن کا انکار کرتا ہے اور توجیہ باطل کر کے ان کو انسانوں کے زمرے میں ملاتا ہے محض جاہل ہے۔

ان جنوں کا سر سلسلہ جان نبی تھا یا نہیں، قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس قوم میں جو کافر سرکش ہیں جن کا پہلا پیشوا ابلیس ہے ان کو شیاطین کہتے ہیں۔ قوم جن کی کیفیت کسی قدر ہم مقدمہ تفسیر میں بیان کر چکے ہیں اور یہ بحث کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر کس جگہ بنائے گئے تھے، سورۂ بقرہ کی تفسیر میں آ چکی ہے۔

ہر چند آدم علیہ السلام خاک سے بنایا گیا مگر اس میں وہ اسرار حکمت رکھے تھے کہ جن کی نہ فرشتوں کو نہ ابلیس کو خبر تھی اس لیے اس کے پیدا ہونے سے پیشتر ملائکہ کو خبر کر دی اور حکم دے دیا کہ جب وہ بن کے تیار ہو تو سب کے سب اس کے آگے جھک جانا تعظیم کے لئے۔ فرشتوں نے تو ایسا ہی کیا مگر ابلیس نے اس کے مادۂ خاکی پر لحاظ کر کے اس کو کمتر اور اپنے آپ کو اچھا سمجھا اور تکبر کی راہ سے حکم الٰہی نہ بجالایا اس کی سزا میں نکالا گیا اور بنی آدم کے بہکانے کا بیڑا اٹھایا اس لیے حشر تک زندہ رہنے کی دعا کی مگر وہاں سے وقت معین یعنی صور پھونکنے تک کی منظوری ہوئی۔ موت سے چارہ نہ ہوا اور فرما دیا کہ میرے خالص بندوں پر تیرا بس نہ چلے گا اور جو تیرے کہنے میں آئے گا جہنم میں جائے گا، جس کے سات دروازے یا طبقے ہیں یعنی جہنم بھی بڑی لمبی چوڑی تیار کر رکھی ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿٤٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي
صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٧﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا

هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ
هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ
فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ
عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا
بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ
اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ
اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ
قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

وقف لازم

ع ۳

ضرور پرہیزگار باغوں اور چشموں میں رہیں گے (کہا جائے گا) کہ ان باغوں میں سلامتی اور امن سے جا کر رہو اور جو کچھ ان کے دلوں میں رنجش ہوگی ہم اس کو بھی دور کر دیں گے۔ وہ تختوں پر آمنے سامنے بھائی بھائی بنے بیٹھے ہوں گے۔ نہ ان کو وہاں کچھ رنج پہنچے گا نہ وہاں سے نکالے جائیں گے (اے پیغمبر!) ہمارے بندوں کو جتلا دو کہ میں بڑا معاف کرنے والا ہوں اور یہ بھی (جتلا دو) کہ میرا عذاب بھی سخت ہے اور ابراہیم کے مہمانوں کا حال بھی ان کو سنا دو جبکہ وہ ان کے پاس آئے تو سلام کیا (ابراہیم نے) کہا مجھے تو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ وہ بولے کچھ خوف نہ کھایئے ہم آپ کو مژدہ دیتے ہیں ایک لائق فرزند (اسحاق) کا (ابراہیم نے) کہا (کیا) مجھے اب بڑھاپے میں مژدہ دیتے ہو سو اب کاہے کا مژدہ دیتے ہو (انہوں نے) کہا آپ کو صحیح مژدہ دیتے ہیں پھر آپ ناامید نہ ہوں (ابراہیم نے) کہا اپنے رب کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ (ابراہیم نے) کہا اے خدا کے فرستادو! تمہارا کیا قصد ہے؟ انہوں نے کہا ہم ایک نافرمان قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں مگر لوط کا کنبہ ہم ان سب کو بچالیں گے بجز اس کی بیوی کے ہم نے ٹھان لیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

ترکیب : سلاما حال ہے فاعل ادخلوا سے۔ ای سالمین اومسلما علیھم۔ اجلانا حال ہے ھم سے علی سرر بھی حال ہے اور متقابلین بھی۔ علی ان موضع حال میں ہے ای بشرتمونی کبیرا۔ تبشرون کے نون کو مکسور پڑھا ہے نون وقایہ ہے۔

تفسیر : توحید ثابت کرتے کرتے اس کے ضمن میں دار آخرت کا ذکر آ گیا اور وہاں گنہگاروں کے لیے جہنم میں جانا بھی مذکور ہوا تو اس کے بعد نیک لوگوں کا حال اور انجام بیان کرنا گویا بیان کو تمام کر دینا ہے۔ فرماتا ہے کہ متقین یعنی شرک وکفر سے بچنے والے یا کبائر سے بھی حتی المقدور باز رہنے والوں کو باغ اور ان میں نہریں رواں ملیں گے اور فرشتے ان سے استقبال کر کے کہیں گے ان باغوں اور چشموں میں سلامتی اور امن سے داخل ہو جاؤ یا سلام علیکم کہیں گے اور بہشتیوں کے دلوں میں باہمی کدورت اور رنج نہ ہوگا، دنیاوی رنجشیں دل سے نکال دی جاویں گی، بھائی بھائی بنے ہوئے سونے کے تختوں پر آمنے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، کسی کو کوئی بیماری وغیرہ کی تکلیف نہ ہوگی، نہ وہاں سے نکلیں گے۔ اس لیے فرماتا ہے کہ بندوں کو کہہ دو کہ میں غفور رحیم ہوں، فرمانبرداروں کو جنت دوں گا اور میرا عذاب بھی سخت ہے۔

توحید اور دار آخرت کا ذکر کر کے انبیاء سابقین اور ان کی قوموں کے عبرتناک واقعات شروع ہوتے ہیں تا کہ ناظرین کو عبرت اور

نصیحت ہو یہاں سب سے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اور اس کے ضمن میں لوط علیہ السلام کی قوم پر ہلاکت آنے کا ذکر ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک روز خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس چند مسافر آئے، مہمانی کے طور پر حضرت ان کے لیے تلا ہوا بچھڑا کھانے کو لائے۔ وہ دراصل فرشتے تھے، کھانے سے انہوں نے ہاتھ روکا۔ ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ یہ دشمن ہیں کیونکہ اس عہد میں دشمن اپنے دشمن کے گھر کھانا نہیں کھاتا تھا، یہی علامت عداوت تھی۔ کہنے لگے مجھے تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کی تسلی کی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی اور لوط علیہ السلام کی قوم کے ہلاک کرنے کا قصد بیان کیا۔ بحیرۂ لوط کے کنارے قوم لوط کی کئی بستیاں تھیں جنہیں اغلام کی عادت تھی۔ فرشتوں نے کہہ دیا کہ ہم اس ناپاک قوم کو ہلاک کرنے آئے ہیں مگر لوط نبی اور اس کے خاندان کو بجز ان کی بیوی کے کہ وہ قوم میں پیچھے رہ جائے گی، بچالیں گے۔

فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِ ۚ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ
جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾
فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ
وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ
هٰٓؤُلَاۗءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَاۗءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾
قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا
اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾
لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا
عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

پھر جب لوط کے گھر فرشتے پہنچے تو (لوط نے) کہا کہ تم اجنبی لوگ ہو۔ وہ بولے بلکہ ہم تمہارے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ شک کرتے ہیں اور ہم تمہارے پاس مقرر کی ہوئی بات لائے ہیں اور ہم سچے ہیں۔ پس تم اپنے لوگوں کو کچھ رات رہے سے لے نکلو اور تم ان کے پیچھے ہو لو اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں کا تم کیا جاوے (وہاں) چلے جانا اور ہم نے لوط کو قطعی طور پر یہ بات بتلا دی تھی کہ اس قوم کی صبح ہوتے ہوتے جڑ کٹ چکے گی اور (یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ) شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ لوط نے ان سے کہا یہ میرے مہمان ہیں سو مجھے رسوا نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو۔ وہ کہنے لگے کیا تم کو ہم نے دنیا بھر کی حمایت سے منع نہیں کر دیا ہے۔ لوط نے کہا یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے[1] (اے محمد!) آپ کی جان کی قسم گویا وہ اپنے نشے میں

[1] ان سے نکاح کر لو۔ ۱۲ منہ

اندھے ہو رہے تھے (لوط کی کیا سنتے) پھر تو دن نکلتے ہی ان کو ہولناک آواز نے آلیا۔ پھر تو ہم نے ان بستیوں کو زیر و زبر کر دیا اور ان پر سنگر کے پتھر برسائے" البتہ اس میں عبرت کرنے والوں کو بڑی نشانیاں ہیں اور بستیاں سیدھے رستے پر واقع ہیں البتہ اس میں ایمانداروں کے لیے نشانیاں ہیں۔

ترکیب : اولم تنهك الاستفہام لانکار والواو للعطف علی مقدر ای لم تحقدم الیک ولم نحک عن ان تکلمنا فی شان احد اذ قصد ناہ بالفاشۃ۔ لعمرک العمر بالفتح والضم واحد الکنهم خصوا القسم بالفتح اختیار الما خف لکثرۃ الاستعمال واتفق المفسرون انہ قسم بحیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانها الضمیر بقریۃ لوط وهی سدوم۔ لبسبیل مقیم ای طریق ثابت والباء بمعنی فی ای بهذہ القریۃ فی سبیل واضح عن المدینۃ الی الشام یری آثار غضب اللہ الی زماننا خذا، هؤلاء مبتدا بناتی خبر یعصهون حال ضمیر سکرتهم سے والعامل السکرۃ او معنی الاضافۃ، مشرقین وقت شروق الشمس حال ہے۔

تفسیر : پھر جب فرشتے لوط کے گھر پہنچے تو لوط نے ان کو نوجوانی کے عالم میں دیکھ کر اور اپنی قوم کی بدعادت پر خیال کر کے ان کا آنا مکروہ سمجھا چونکہ مہمان تھے گھر لے آئے، فرشتوں نے لوط سے بیان کر دیا کہ ہم اس قوم ناپاک کی ہلاکت کے لیے آئے ہیں، صبح ہوتے ہوتے یہ غارت ہو چکیں گے۔ تم اپنے خاندان کو لے کر بڑے سویرے چل دو اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ ان کی خبر بستی میں پہنچی۔ پھر کیا تھا بدمعاش شہوت پرستوں نے آ کر لوط علیہ السلام کا گھر گھیر لیا اس ارادے سے کہ ان لوگوں سے بدفعلی کریں۔ لوط علیہ السلام نے کہا یہ میرے مہمان ہیں ان کی بے عزتی میری بے عزتی ہے خدا سے ڈرو، مجھے رسوا نہ کرو۔ قوم نے کہا ہم نے تجھے منع کر دیا ہے کہ تو دنیا بھر کی حمایت نہ کیا کر یہ تیرے کون ہیں جو تو ان کی حمایت کرتا ہے؟ لوط نے کہا خیر اگر تمہیں یہی مقصود ہے تو میری یہ بیٹیاں[1] موجود ہیں، ان سے نکاح کر لو۔ خدا تعالیٰ حضرت ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تیری عمر کی قسم وہ اپنی مستی میں اندھے ہو رہے تھے اور بدمست اور سرشار تھے لوط علیہ السلام کی کیا سنتے۔

تفسیر میں جس قوم پر ادبار الٰہی نازل ہونے کو ہوتا ہے تب وہ اس بدفعلی میں ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ کسی کی نہیں سنتے۔ آج کل امرائے اسلام کی عجب حالت افسوسناک ہے۔ شراب خوری و عیاشی و کاہلی، بدفعلی و فضولی میں انتظام دنیوی، ملک کا بندوبست، بیدار مغزی ہر کام میں ہوشیاری تو درکنار ملت و مذہب سے بھی ایسے غافل کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کا مذہب کیا ہے؟ نہ اسلامیوں کی سی صورت نہ سیرت، نہ کسی اسلامی فریضے کے پابند، اس پر بے دین ملحدوں کی صحبت جو اسلام کی پابندی کو بربادی کا ذریعہ بتلاتے ہیں۔

وانها الخ یعنی وہ گاؤں الٹے ہوئے قریش کو جب کہ ملک شام میں تجارت کے لیے جاتے ہیں تو سیدھے رستہ پر ملتے ہیں ان خرابات[2] کے آثار موجود ہیں پھر کیوں عبرت نہیں کرتے؟

---

1. قوم کی بیٹیوں کی طرف اشارہ تھا کیونکہ نبی قوم کا باپ تھا، ان کی بیٹیاں اس کی بیٹیاں ہیں مراد یہ کہ اس کام کے لیے قوم میں لڑکیاں کیا کم ہیں ان سے نکاح کر لو۔

2. بحیرۂ مردار اس کے کنارے چند بستیاں تھیں سدوم و عمورہ وغیرہ ان کی ہدایت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو بھیجا لوط علیہ السلام کی بیوی انہیں بستیوں کی رہنے والی تھی دو بیٹیوں کے سوا اور کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی تھی ان بستیوں کے لوگوں میں علاوہ کفر و بت پرستی کے اغلام کی بھی سخت عادت تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نصیحت کرتے تھے مگر وہ کب ماننے والے تھے۔ آخر ان کی بربادی کے لیے فرشتے لڑکوں کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس بھی آئے۔ لوط علیہ السلام قوم کی عادت سے واقف تھے اول تو ان مہمانوں کے آنے سے ناخوش ہوئے مگر جب حال معلوم ہو گیا تو ان کو گھر لے گئے قوم نے یارادۂ بد گھر کو آ گھیرا حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی فرشتوں کے حکم کے مطابق بستی چھوڑ کر باہر نکلے مگر آخر میں بیوی کو ضعف اور قوم کی محبت نے مزید پیچھے دیکھنے پر مجبور کیا وہ نمک کا تھنبہ بن گئی اور صبح ہوتے تمام بستی غارت ہو گئی۔

وقف لازم

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ
مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا
فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾
فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا
خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ ۭ
فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ
سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ
اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّىْٓ اَنَا
النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ
عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾
الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ
صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ
رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

الربع

اور ایکہ کے لوگ بھی بدکار تھے پھر تو ان سے بھی ہم نے انتقام لیا اور وہ دونوں شہر کھلے شارع عام پر واقع ہیں اور البتہ حجر کے باشندوں نے بھی ہمارے رسولوں کو جھٹلایا تھا باوجودیکہ ہم نے ان کو اپنی نشانیاں بھی دی تھیں پھر وہ ان سے روگردانی کرتے رہے اور وہ پہاڑوں میں خاطر جمع سے گھر تراشا کرتے تھے۔ پھر ان کو صبح ہوتے ہوتے کڑک نے آلیا۔ پھر تو جو کچھ وہ (اپنی حفاظت کے لیے) کرتے تھے کچھ کام نہ آیا اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو بغیر حکمت کے نہیں بنایا اور قیامت ضرور آنے والی ہے۔ پس آپ ان سے خوش خلقی سے درگزر کیجیے۔ بے شک آپ کا رب ہی پیدا کرنے والا بڑا جاننے والا ہے اور ہم نے ہی آپ کو سات آیتیں دوہری (الحمد) اور قرآن عظمت والا دیا۔ آپ ان اقسام اقسام کی چیزوں کی طرف جو ہم نے ان کو برتنے کے لیے دے رکھی ہیں اپنی نظر نہ دوڑایئے اور نہ ان پر رنج کیجیے اور (آپ) ایمانداروں کے لیے جھک جایئے (اور کافروں سے) کہہ دو کہ میں (تو) کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (ہم نے ہی طرح نازل کیا) جس طرح کہ تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا تھا (اور) ان پر کہ جنہوں نے قرآن کو جدا جدا کر دیا آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے پرسش کریں گے

وقف لازم

کہ وہ کیا کیا کرتے تھے پھر جس کا آپ کو حکم ہے وہ کھلم کھلا کہہ دو اور مشرکوں سے کنارہ کش ہو جاؤ ہم کافی ہیں آپ کی طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کے لیے (اور) ان کے لیے جو اللہ کے ساتھ دوسرا خدا مقرر کرتے ہیں پس وہ بھی معلوم کر لیں گے اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل ان کی باتوں سے گھٹتا ہے۔ پس آپ تو اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ کیے جایئے اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔

ترکیب : اَلْاَیْکَۃِ مجمع الشجر ومجمع الشی والجمع الایک وفی الاصل اسم للشجر الملتف والمراد بھا الموضعۃ التی ہی محل اشجار مزوجۃ وقیل اسم قریۃ قال ابوعبیدہ ایکہ ولیکہ مدینتھم کتبۃ ولیکۃ واھلھا قوم شعیب کما ان اھل مدین امۃ علیہ السلام والحجر دیار ثمود قال ابن جریر ھی ارض بین الحجاز والشام۔ کما انزلنا کاف موضع نصب میں ہے لغت ہے مصدر محذوف کی۔ ای لقد آتیناک سبعا من المثانی اتیانا کما انزلنا لان آتیناک بمعنی انزلنا۔ وقیل ھو وصف المفعول الندیر اقیم مقامہ ای مثل العذاب الذی انزلنا علیھم عضین اجزاء جمع عضۃ واصلھا عضوۃ، بما تؤمر ما مصدریہ ہے تو حذف نہیں اور جو بمعنی الذی ہے تو عائد محذوف۔ والمثانی جمع مثناۃ من التثنیۃ وھی التکریر وقیل جمع مثنیۃ وھی القراۃ بعد قراۃ قال الزجاج ثنی بما قرء بعد ما معھا، الازواج الاصناف۔

تفسیر : و ان کان یہ تیسرا قصہ اصحاب الایکہ کا ہے۔ ایکہ درختوں کے بن کو کہتے ہیں یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جو حوالی مدین میں رہتی تھی۔ بعض کہتے ہیں اہل مدین ہی کو اصحاب الایکہ یعنی بن والے کہتے ہیں۔ اس سبب سے کہ ان کی بستی کے پاس درختوں کے بہت جھنڈ تھے۔ مدین قلزم کے مشرقی کنارہ کی طرف عرب کے گوشۂ مغرب وشمال میں آباد تھا وہاں کے لوگ بڑے بدکار تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ تب خدا نے اس قوم بد سے انتقام لیا۔ پہلے زلزلہ کی ہیبت ناک آواز محسوس ہوئی اور زمین سے مادۂ آتشیں اور گرم بخارات نکل کر دھواں سا ابر کی طرح نمودار ہوا اسی لیے ہلاکت کے دن کو یوم الظلہ کہتے تھے۔ اس حادثہ میں وہ قوم نیست ونابود ہوگئی۔ یہ قصہ بھی عرب میں مشہور ومعروف تھا۔ و انھما یعنی سدوم وغیرہ لوط کی بستیاں جو شام کے جنوبی حصہ میں جمیل مرداد پر واقع تھیں اور شعیب کی بستی مدین بعض کہتے ہیں۔ انھما سے مراد مدین اور ایکہ ہے جو اسی کے پاس ایک اور بستی تھی اس کے لوگ بھی قوم حضرت شعیب علیہ السلام میں تھے اور وہ بھی بدکاری میں مدین والوں کے مانند تھے اسی حادثہ میں ساتھ ہی وہ بھی ہلاک ہوئے۔ یعنی یہ دونوں مقام عبرت خیز لِبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ کشادہ رستہ پر واقع ہیں آتے جاتے میں قریش مکہ کو وہاں کے آثار باقیہ نظر آتے ہیں، عبرت عبرت!! وَلَقَدْ کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ یہ چوتھا قصہ اصحاب حجر کا ہے یعنی حجر کے رہنے والوں کا حجر اس وادی کو کہتے ہیں۔

جو عرب وشام کے درمیان واقع ہے یعنی قوم ثمود صالح پیغمبر علیہ السلام کی امت۔ یہ قوم بھی بدکار تھی۔ اطمینان سے پہاڑوں میں گھر تراشتے تھے۔ صالح علیہ السلام نے ناقہ کا معجزہ دکھایا اور نیز بہت سی آیات قدرت موجود ہیں کسی میں غور نہ کیا ہلاک ہوئے۔ اس کی تفصیل سورۂ اعراف میں دیکھو اگرچہ انہوں نے جو ایک نبی صالح علیہ السلام کو جھٹلایا مگر صالح علیہ السلام وہی باتیں کہتے تھے جو اور انبیاء فرما گئے تھے اس لیے انہوں نے سب انبیاء کو جھٹلایا۔ وماخلقنا السمٰوٰت الی ھو الخلاق العلیم صرف ان قصوں کو سن کر مکہ کے مشرک یہ خیال کرتے ہوں گے (اور منکر بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں) کہ پہلی قوموں کے لیے خدا تعالیٰ نشانیاں دکھلاتا تھا اب کیوں نہیں دکھلاتا اور پھر ان کی سرکشی پر ہلاک کر دیتا تھا اب ایسا کیوں نہیں کرتا اور اس پر بہت اصرار کر کے پیغمبر علیہ السلام سے تمسخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بس جو کچھ انسان کے لیے سعادت وشقاوت ہے وہ اسی دنیا میں ہے۔ قیامت کیسی اور دار آخرت کیسا؟ اور اچھا یوں ہے تو پھر دنیا میں منکروں کو کیوں پیدا کرتا ہے اور کیوں ان کو عیش وآرام دیتا ہے؟ ان چاروں باتوں کا جواب اس آیت کے چاروں جملوں میں کس لطف اور شان کبریائی کے ساتھ دیتا ہے، وَمَاخَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَابَیْنَھُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ یہ پہلی بات کا جواب ہے کہ آسمانوں اور زمین اور ان کی ہر چیز کو اور ان کی تغیرات کو دیکھو کہ ان میں ہماری کس قدر نشانیاں ہیں ہر چیز کو ہم نے کس اسلوب کے ساتھ بنایا ہے؟ اب غور کرنے والوں کے نزدیک ان سے بڑھ

کر اور کون سے معجزات آ سکتے ہیں، وان الساعۃ لاٰتیۃ اس میں دوسری بات کا جواب ہے کہ اب قیامت بہت قریب آ لگی ہے، وہیں جزا سزا جلد ہو جاوے گی اور پہلوں کو تمہارے لیے نظیر بنا دیا ہے، اب قرب قیامت میں تم کس کے لیے نظیر ہو گے معاملہ قریب آ لگا۔ نہ اب وہ عمریں ہیں نہ وہ قوئی ہیں اس لیے تم سے ویسا نہیں کیا جاتا، فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ میں ایسے ہٹا دینے کا حکم دیا، اس میں تیسری بات کا جواب ہے وھو الخلاق العلیم میں چوتھی بات کا جواب ہے کہ اس میں جو کچھ حکمتیں ہیں ان کو وہی علیم جانتا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ الی قولہ النذیر المبین ان جملوں میں ان کی تیسری بات کا اور بھی رد کرتا ہے کہ وہ اسباب دنیائے فانی پر فخر کر کے اے پیغمبر! آپ سے کیا تمسخر کرتے ہیں ہم نے آپ کو دولت سرمدیہ عطا کی ہے وہ کیا؟ سبعًا من المثانی (المثانی تثنیۃ یا ثناء سے مشتق ہے) اس میں مختلف اقوال ہیں مگر جمہور کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی سات آیات مراد ہیں کہ جو نماز میں دوہرائی جاتی ہیں اور جن میں خدا کی ثناء وصف بھی ہے اور قرآن عظیم بھی عطا کیا جس کے مقابلہ میں اور کوئی دولت ونعمت نہیں اس لیے لاتمدن ان کے اسباب دنیا اور اس کے تجملات کی طرف اے پیغمبر! (خطاب گو حضرت ﷺ کی طرف ہے مگر مراد اہل ایمان ہیں) نظر بھی نہ ڈال اور وہ اس دنیائے فانی پر غرور وتکبر کرتے ہیں مگر آپ اس نعمت عظمیٰ پر اے پیغمبر! ایمانداروں کے لیے جھک جاؤ، نرمی اور فروتنی کرو (چنانچہ آپ ایسا ہی کرتے تھے) اور کہہ دیجئے کہ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں تم پر بلا آنے والی ہے۔ کَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ، اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں صاف یہ ہے کہ ہم باقی مخالفین پر اسی طرح سے بلا نازل کریں گے کہ جیسے ہم نے ان لوگوں پر کی تھی کہ جنہوں نے قرآن کو بانٹ کر حصے کیے تھے۔ اس میں بھی مفسرین کئی طریق سے بیان کرتے ہیں مگر عمدہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں سے چند شریر اور سرکش تھے کہ جنہوں نے ایام حج میں مکہ کے رستے بانٹ رکھے تھے ہر ایک کو ایک رستے پر بٹھلا دیا تھا کہ جو لوگ اس راہ سے آئیں ان کو کہہ دینا کہ ہم میں محمد (ﷺ) جادوگر ہے، ایسا ہے، ایسا ہے، اس کی بات نہ ماننا اور انہیں نے تمسخر کی راہ سے قرآن کی سورتوں کے ناموں پر خیال کر کے اس کے حصے کیے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ بقرہ میں لونگا عنکبوت تجھے دیتا ہوں علی ہذا القیاس۔ یہ لوگ بری موت مرے اس پر اور لوگوں کو متنبہ کرتا ہے اور پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ ان تمسخر کرنے والوں کو تمہاری طرف سے ہم کافی ہیں سو وہ کافی ہوا۔ چونکہ مشرکین کی باتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اور یہ ایک فطری بات ہے اس لیے آپ کو تسلی دی کہ آپ کی طرف سے ہم ان کو کافی ہیں ان کا کوئی کید آپ پر غالب نہ آئے گا نہ وہ اس چشمۂ ہدایت کو بند کر سکیں گے۔ سو ایسا ہی ہوا بھی اس کے بعد جملہ ہموم وغموم دفع کرنے والے عمل کی طرف رغبت دلاتا ہے اور تبلیغ رسالت کے بعد اصلی کام بھی وہی ہے جس سے روح کو قوت ہوتی ہے وہ کیا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ الخ کو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کرو جب بندہ اس خالق ومالک کی جملہ اوصاف ذمیمہ سے تہری کرتا ہے اور اسی کو تسبیح بھی کہتے

لہ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں کس لیے کہ کیا نازل مقتسمین کون ہیں اور قرآن کو پارہ پارہ کر دینے سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں آیت کے یہ معنی ہیں کہ کہہ دو کہ میں تمہارے لیے ایسا ہی اس عذاب سے ڈرانے والا ہوں جیسا کہ مقتسمین پر عذاب نازل ہوا تھا۔ پھر وہ مقتسمین کون تھے؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ بعض جنہوں نے باہم مصالحہ کیا تھا یعنی صالح علیہ السلام کو رات میں ہلاک کرنے کی قسم کھائی تھی اور الذین جعلوا القرآن مقتسمین کی صفت نہیں بلکہ محذوف کی ای انا النذیر المبین' لقوم الذین جعلوا القرآن اس تقدیر پر الذین سے کون لوگ مراد ہیں اس میں متعدد اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ کفار مکہ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے کر دیا وہ کہتے تھے قرآن میں کچھ تو پہلوں کے افسانے ہیں اور کچھ اس میں جادو ہے اور کچھ شعر ہیں بعض کہتے ہیں کہ جو کچھ قرآن ان کی مرضی کے موافق تھا اس کو مانتے تھے اور جو رد وشرک میں تھا اس کو نہیں مانتے تھے۔ یہ تھا ان کا قرآن کو تقسیم کرنا اب انزلنا سے مراد عذاب نازل کرنا نہ لیا جائے بلکہ کلام الٰہی تب یہ معنی ہوں گے کہ اے کفار مکہ تم قرآن کے منزل ہونے سے کیوں تعجب کرتے ہو اسی طرح نازل کیا ہے جیسا کہ ان سے آگے ان قوموں پر کلام نازل کیا تھا جنہوں نے آج قرآن کو ٹکڑے کر دیا یہ کون یہود ونصاریٰ۔ قرآن میں سے جو کچھ ان کے مطلب کے موافق ہے اس حصے کو مانتے ہیں اور دوسرے کو نہیں۔

ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی بے حد نعمتوں کی شکر گزاری اور اس کے اوصاف حمیدہ پر خوبیاں زبان سے ایسے دلالت حال سے بیان کرتا ہے تو ایک انجذاب بارگاہ قدس تک پیدا ہوتا ہے پھر بارگاہ قدس میں بندہ کو بجز عبادت الٰہی کے خواہ ذکر ہو یا مراقبہ ہو چارہ ہی نہیں ہوتا اس لیے اس کے بعد یہ بھی فرمادیا واعبد ربك کہ اپنے ربّ کی عبادت میں مصروف رہا کرو مگر جب تک یہ رابطہ دائمی قائم نہیں ہوتا، بندہ کی تکمیل نہیں ہوتی اس لیے اس کو مقید کر دیا عارف وسالک کو حضور میں پہونچاتا ہے۔

بدر و یقین پردہ ہائے خیال نماند سرا پردہ الاجلال

یہ تسبیح وعبادت کاروبار رسالت کی تکان کے لیے ایک قوت بخش دوا ہے۔

ہر چند پیر وخستہ دل و ناتواں شدم ہر گاہ کہ یاد روئے تو کردم جواں شدم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱ يُنَزِّلُ
الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ۝۳ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴
وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْٓءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵ وَ لَكُمْ فِيْهَا
جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ
تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ وَّ الْخَيْلَ
وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸ وَ عَلَى اللّٰهِ
قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹

ع

(منکرو!) خدا کا حکم آ گیا (عذاب) سو تم اس کی جلدی نہ کرو۔ وہ پاک اور بری ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے وہ اپنے بندوں سے جس کے پاس چاہتا ہے فرشتوں کو وحی دے کر بھیجتا ہے کہ (لوگوں کو) متنبہ کر دو کہ میرے سوا اور کوئی (دوسرا) معبود نہیں پھر مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ (لوگو!) اسی نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے بنایا ہے پاک ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے۔ آدمی کو اسی نے پانی کی بوند سے پیدا کیا پھر وہ یکایک کھلم کھلا جھگڑنے لگا اور چارپایوں کو بھی اسی نے بنایا تمہارے لیے ان میں جڑاول ہے اور فائدہ بھی اور بعض کو ان میں سے تم کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان میں زینت بھی ہوتی ہے جبکہ تم ان کو شام کو (چرا کر) واپس لاتے ہو اور

وقف معناہ والسخاویہ وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ وقف الشباب ای من الاکیۃ والاریۃ۔ حقانی

یعنی ان کی کھال اور بالوں سے جاڑے کے کپڑے بناتے ہو۔

جبکہ تم (چرانے جنگل) لے جاتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ (بھی) اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک تم بجز جانکاہی کے نہیں پہنچ سکتے بے شک تمہارا رب تم پر بڑا شفیق ومہربان ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے (بھی) اسی نے تمہاری سواری اور زیبائش کے لیے پیدا کئے اور وہ (بہت سی ایسی چیزیں) بناتا ہے جنہیں تم جانتے بھی نہیں اور سیدھا رستہ تو خدا تک پہنچتا ہے اور بعض ٹیڑھے رستے بھی ہیں اور اللہ چاہتا تو تم سب کو سیدھا رستہ ہی دکھا دیتا۔

ترکیب: اتی صیغہ ماضی مگر معنی میں مستقبل کے ہے۔ ہ ضمیر اسم اللہ کی طرف راجع ہے بالروح ای بالوحی موضع نصب میں حال ہو کر ملائکہ سے ای ومعہ الروح من امرہ روح سے حال ہے۔ ان انذروا بمعنی ای الان الوحی یدل علی القول فیفسر بان۔ الخ جملہ محل نصب میں ہے مفعول انذروا ہو کر۔

تفسیر: یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ حسن، عکرمہ، جابر بن عبداللہ، ابن عباس، ابی قتادہ کا بھی یہی قول ہے اس کی ایک سو اٹھائیس آیتیں ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین عرب کو خدا کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے کہ وہ دنیا میں بھی عنقریب آنے والا ہے۔ منکرین کہتے تھے کہ ابھی تو نہیں آیا اگر تو سچا ہے تو جلد بھیج۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے؟ اس لیے اس سورۃ میں سب سے اول ان کی اس دلیری اور جلد بازی کا جواب آیا کہ امر اللہ یعنی عذاب الٰہی عالم غیب میں تم پر مقرر ہو چکا اور تم پر آ چکا گو ظہور اس کا کسی حکمت و رحمت سے وقت معین پر ہوگا پھر کس لیے جلدی کر رہے ہو۔ فصحاء بلغاء قطعی ہونے والی اور قریب تر ہونے والی بات کو ماضی کے لفظوں سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ اچھا دنیا میں یا آخرت میں ہمارے ان افعال پر کوئی بلا بھی آئے تو کیا پروا ہے۔ فلاں بزرگ فلاں فرشتہ فلاں دیوتا جو خدا کے ہاں کار مختار ہے اور اس کے ساتھ قضا، وقدر میں شریک ہم ان کی مورتیں پوجتے ہیں، نذر و نیاز کرتے ہیں وہ ہماری بلا کو دفع کر دیں گے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ کہ وہ جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو ان سے بری ہے یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اس کے کام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا اور یہ بھی کہتے تھے کہ اگر ہماری یہ باتیں ناپسند ہیں تو ہم کو خدا فرشتے کے ذریعہ سے کیوں نہیں مطلع کر دیتا۔ اے محمد! تجھ میں کیا خصوصیت ہے جو تیرے پاس فرشتہ وحی لاتا ہے۔ اس کا جواب دیتا ہے ینزل الملائکۃ الخ کہ یہ اللہ کے اختیار کی بات ہے جس کو نبوت کے قابل دیکھتا ہے اس کے پاس فرشتوں کو وحی دے کر بھیج دیتا ہے کہ لوگوں کو مطلع کر دے کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کرو مجھی سے ڈرو۔ الملائکہ جمع کا صیغہ ہے مگر مراد اس سے ایک فرشتہ جبرئیل ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور واحدی اس کی تائید کرتے ہیں کہ سردار اور رئیس کو محاورۂ عرب میں بلفظ جمع تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں۔

قرآن کا روح ہونا: بالروح روح سے مراد وحی اور قرآن ہے قرآن مجید میں اور کئی موقعوں میں قرآن ووحی پر یہ لفظ بولا گیا ہے از آنجملہ قولہ تعالیٰ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا وجہ اس کی یہ ہے کہ روح نورانی چیز کو کہتے ہیں جو حیات کا باعث ہو۔ جسم ایک کثیف اور ظلماتی چیز ہے۔ خدا تعالیٰ نے جب اس میں روح انسانی ڈالی تو نور کے آثار اس کے حواس خمسہ میں ظاہر ہوئے مگر اس میں بھی کسی قدر تیرگی تھی تو عقل کے ساتھ اس کو منور کیا لیکن عقل بمنزلہ آنکھ کے ہے اور آنکھ جب تک کہ آفتاب یا کوئی اور روشنی نہ ہو برگز نہیں دیکھ سکتی تو اس کی خلعت کو آفتاب وحی والہام کے ساتھ دور کیا پس قرآن مجید ایک ایسا نور ہے کہ جس سے حیات ابدی قائم ہوتی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ قرآن اور وحی سے مستفید نہیں وہ نہ صرف اندھیرے میں گرفتار ہیں بلکہ حیات ابدی سے بھی محروم ہیں۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے اگلی آیت میں بذریعہ وحی توحید پر بقولہ انہ لا الہ الخ اور تقویٰ پر بقولہ فاتقون مطلع فرمایا تھا جو باعتبار تکمیل قوت نظریہ و عملیہ کے سعادت دارین کے دو رکن تھے اب خلق السموات والارض الخ میں اپنی خدائی اور یکتائی پر دلائل قائم کرتا ہے اور دلائل بھی وہ

کہ جن میں اس کے بندوبست پر بے حد انعام ولطف پایا جاتا ہے جن کے سننے سے دانشمند کا دل اپنے مولیٰ منعم حقیقی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نیز ان دلائل میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہم تو تمہارے حال پر اس قدر مہربان ہیں پھر تم شرارت کرتے جاتے ہو اور اس پر اپنی سزا کی جلدی کرتے ہو جو انجام کار مفسدوں کے لیے مقرر ہے۔ چنانچہ بدر کی لڑائی میں ان کا خاتمہ ہوا اور ایک قحط شدید پڑا اور متکبرانہ انواع واقسام کی بلاؤں میں مبتلا ہو کر کیڑے پڑ پڑ کر مرے اور اخروی سزا جہنم کی طرف روانہ کیے گئے۔ ان دلائل کے چند قسم ہیں:

اول قسم: آسمانوں اور زمین کا ایک ٹھیک اندازے پر پیدا کرنا باآواز بلند اس کی یکتائی پر گواہی دے رہا ہے اور زمین وآسمان کا ہر ہر جزو باآواز بلند یہی کہہ رہا ہے تعالیٰ عمایشرکون۔

دوسری قسم: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ آسمان اور زمین کے بعد دیگر اجسام سے اشرف انسان ہے۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ اول بدن، دوم نفس۔ اب اس کے دونوں جزوں سے استدلال کرتا ہے۔ اول سے یوں کہ انسان کے بدن کی بنیاد نطفہ یعنی منی کے چند قطرے ہیں جو عورت کے رحم میں جانے کے بعد خون بن جاتے ہیں، پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر اعضاء نمودار ہوتے ہیں اور باوجودیکہ ایک مادہ ہے اور ایک جگہ میں ہے پھر اس میں سے کسی کے ہاتھ پاؤں، ہڈی بنتی ہے، کسی کے سر، قلب وغیرہ، اعضاء۔ پھر وہ اعضاء بے ڈول نہیں بلکہ ہر ایک مناسب۔ بالوں کی جگہ بال، آنکھ کی جگہ آنکھ۔ اب دیکھو یہ کس کا کام ہے۔ ماں باپ کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ اندر کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے؟ اگر کہو طبیعت یا مادہ کا فعل ہے جیسا کہ بعض کہتے ہیں تو پوچھنا چاہیے کہ اول تو افعال طبیعہ یکساں ہوتے ہیں۔ اس کا مقتضی یہ تھا کہ انسان کی شکل کروی ہوتی۔ آدمی ایک گول مول گتا سا ہوتا، جیسا کہ حکماء آسمان اور زمین کی شکل کی نسبت کہتے ہیں اور مان لو کہ طبیعت کا فعل ہے تو پھر پوچھو کہ یہ طبیعت کس نے پیدا کی، اس کل کو کس نے چلایا، آخر وہی حکیم وعلیم آ کر ٹھہرے گا۔ دوسرے جزو سے استدلال یوں ہے کہ پیدا ہونے کے بعد حضرتِ انسان مرغی کے بچے کے برابر بھی ہوشیاری نہیں رکھتے، وہ تو انڈے سے نکلتے ہی دوست دشمن کو پہچاننے لگتا ہے، بلی، چیل سے بھاگتا، ماں کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ برخلاف انسان کے کہ انہیں کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ پھر وہ کون ہے کہ جس نے اس کو چالاک اور صاحب ادراک کر دیا کہ صاحب ادراک ہوتے ہی آسمانوں اور زمین کے قلابے ملانے لگے، دنیا میں ہزاروں صنعتیں اور بہت سی کلیں تو اس نے ایجاد کی ہی تھیں، بارے اب پیغمبروں سے بھی مقابلہ کرنے لگے، قیامت اور خدا کے منکر بن گئے۔ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا اِلیٰ قولہ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یہ تیسری قسم ہے۔ اس میں انعام کے پیدا کرنے سے اور ان سے انسان کے لیے فوائد حاصل ہونے سے استدلال کرتا ہے۔ الانعام بھیڑ بکری، اونٹ گائے کو کہتے ہیں۔ اول تو ان کی پیدائش میں غور کیجیے کہ ہر ایک کو اس کے مناسب حال پر بنایا۔ اگر اونٹ کی لمبی گردن نہ ہوتی تو بوجھ اٹھا کر اس سے اٹھانہ جاتا۔ علی ہذا القیاس پھر جو ان سے انسان کو منافع اور فائدے پہنچتے ہیں ان میں فکر کیجیے۔ پہلا ضروری فائدہ تو ان کے بالوں سے وہ کپڑے تیار ہوتے ہیں کہ جن سے سردی دفع ہوتی ہے۔ اونٹ اور بھیڑ بکری کی پشم اس میں بہت مستعمل ہوتی ہے۔ دوم اور بہت سے فائدے ہیں ومنافع۔ سوم بعض ان میں سے کھائے جاتے ہیں۔ یہ ضروری فائدے ہیں اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ الخ کہ جب وہ شام کو جنگلوں سے چر کر گھروں میں آتے ہیں اور ان کے مالک ان گلوں اور ریوڑوں کے انتظار میں گاؤں کے کنارے نکل کر بیٹھتے ہیں تو پھر اس وقت ان کو جو کچھ رونق اور زینت ہوتی ہے انہیں کے دل سے پوچھنی چاہیے اسی طرح جب صبح کو چرنے جاتے اور غل وشور مچاتے ہیں تو وہ بھی عجب کیفیت ہوتی ہے۔ یہ بھی خدا ہی کا کام ہے کہ ان جانوروں کو تمہارے قابو میں کر دیا ورنہ زور وطاقت میں وہ بھی کچھ کم نہیں۔ اس کے سوا ان پر بوجھ لاد کر ایسے دور دراز شہروں میں لے جاتے ہو کہ اگر خود اٹھا کر لے جاتے تو حقیقت معلوم ہوتی یہ سب باتیں اس کی رحمت سے ہیں اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ اس پر بھی عذاب کی جلدی کرتے ہو۔

والخیل والبغال والحمیر الخ یہ چوتھی قسم ہے۔ چارپایوں میں سے بالخصوص ان کے ساتھ استدلال ہے کہ جو بالخصوص سواری کے کام آتے ہیں اور زینت کا بھی باعث ہوتے ہیں۔ ان چند چیزوں کو شمار کر کے اجمالاً ان سواریوں کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو ہنوز ظہور میں نہیں آئی تھیں یا آیندہ آئیں گی جیسا کہ ریل گاڑی اور دخانی جہاز یا جن کو عرب جانتے نہ تھے۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ دلائل توحید بیان فرما کر یہ ظاہر کرتا ہے کہ اپنی رحمتِ خاصہ سے اللہ کا کام ہے کہ وہ سیدھا رستہ بیان فرماوے۔ چنانچہ اس نے انبیاء بھیجے اور دلائل بیان فرمائے مگر کچھ رستے ٹیڑھے بھی ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ اگر کوئی کہے اس نے ایسا کیوں ہونے دیا اس کا جواب دیتا ہے کہ اس کی مشیت یوں ہی ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت کرتا مگر نہ کی۔ بعض مفسرین وعلی اللہ الخ کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ راہ راست کہ جو انبیاء کی معرفت دنیا میں قائم کی گئی اللہ تک پہنچتی ہے، یعنی شریعت انبیاء پر چلنے والا اللہ تک اغلی اس کی رضا تک پہنچتا ہے اور بعض ٹیڑھے رستے ہیں ولوشاء الخ میں قدریہ کا صاف رد ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝١٠
يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١١ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ۝١٢ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝١٣

(لوگو!) وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے (فائدے کے) لیے آسمان سے پانی برسایا جس میں سے تم پیتے ہو اور اس سے پیڑ اگتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو تمہارے لیے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے بھی اگاتا ہے۔ البتہ اس میں اس قوم کے لیے جو غور کرتی ہے ایک بڑی نشانی ہے اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کر دیا اور آفتاب اور چاند کو بھی اور ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں البتہ اس میں عقلمند قوم کے لیے (قدرت کے بڑے بڑے) نشان ہیں اور جو زمین پر رنگ برنگ کی چیزیں تمہارے لیے پیدا کی ہیں البتہ اس میں بھی اس قوم کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھدار ہیں۔

ترکیب: منه شراب جملہ اور نیز منه شجر دونوں جملے ما، کی صفت ہیں و ماذرأ لکم نصب میں ہے خلق یا ثبت محذوف سے۔ مختلفاً حال ہے واصل السوم الابعاد فی المرعی قال الزجاج من السومۃ وھی العلامۃ لانہا توثر فی الارض۔ علامات بر عیہا یقال سامت السائمۃ تسوم سوماً رعت فہی سائمۃ۔

تفسیر: عالم سفلی میں حیوان کے بعد اشرف الاجسام نباتات ہیں۔ پس حیوان کے عجائب حالات سے خدا تعالیٰ کا قادر مختار ہونا ثابت کر کے نباتات کے عجائب حالات سے ثابت کرتا ہے چونکہ نباتات کے پیدا ہونے کا سبب مینہ ہے۔ اس لیے سب سے اول فرماتا ہے کہ ھوالذی الخ ہم نے ہی تو آسمان سے یعنی بادل سے پانی اتارا یعنی برسایا۔ جس کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ تم اس کو پیتے اور پی کر جیتے ہو۔ جہاں کنوؤں اور نہروں کا پانی نہیں وہاں تو اسی پر زندگی ہے اور کنوؤں، نہروں کا پانی بھی برسات نہ ہو تو خشک ہو جاوے۔ دوسرا فائدہ ومنه شجر

الخ یہ کہ اس سے شجر یعنی گھانس اگاتا ہے جس سے تمہارے چارپایوں کی زندگی ہے، نجم اس گھانس کو کہتے ہیں جو زمین پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ بیل اور شجر وہ جو اٹھا ہوا ہوتا ہے اور اگر شجر سے درخت بھی مراد لیے جاویں تو درختوں کے پتے بھی اکثر حیوانات کی روزی ہے۔ حیوانات کی روزی بیان فرما کر اب اس پانی سے انسان کی روزی پیدا کرنا ذکر فرماتا ہے اور چونکہ اناج سب سے ضروری چیز ہے جس بغیر سرتا ہی نہیں سب سے اول اسی کا ذکر کرتا ہے یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ یہ تیسرا فائدہ ہے والزیتون اس کے بعد بہت کارآمد چیز ہے والنخیل والاعناب پھر کھجور اور انگور میووں میں سب سے اس لیے بڑھ کر ہیں کہ صرف انہیں کو کھا کر انسان مہینوں جی سکتا ہے اس کے بعد بیشمار میووں اور پھلوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ومن کل الثمرات اب غور کرو کہ بادلوں میں پانی کا ہونا اور پھر اس سے یہ چیزیں پیدا کرنا پھر ان کے پتوں اور پھولوں میں یہ گلکاری کرنا ایک دانہ کو زمین میں ڈال کر اس سے یہ باتیں ظہور میں لانا کیا بغیر کسی قادر مختار حکیم علیم کے ہو سکتا ہے؟ آپ سے آپ یہ چیزیں اس اسلوب سے کہیں ہو سکتی ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بڑے حکیم کا کام ہے مگر ان فی ذلک لایۃ لقوم یتفکرون، اس نشانی کو غور و فکر کرنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر کوئی کوتاہ فہم ان چیزوں کو ان کے اسباب ظاہری آفتاب مہتاب و ستاروں کی تاثیروں، رات کی گرمی سردی کی طرف منسوب کرے تو اس کو خیال کرنا چاہیے کہ یہ اسباب کس کے بس میں ہیں، کس نے ان کو تمہارے کام پر لگا رکھا ہے وسخر لکم اللیل الخ اسی قادر مختار نے کیونکہ آفتاب و مہتاب اجسام ہیں، ان میں یہ تفاوت اگر جسم من حیث الجسم ہونے کی وجہ سے ہے تو یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ اس میں سب برابر ہیں۔ پھر آخر اور کوئی ہے جس نے یہ تفاوت کیا اس کو اہل عقل خوب سمجھتے ہیں۔ ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون، اچھا اگر انہیں کی تاثیر ہے تو پھر یہ تمام نباتات میں برابر ہونی چاہیے تھی ایک ہی درخت ہے، ایک ہی ماہیت ہے، ایک ہی پانی دیا جاتا ہے مگر پھر ماذرا لکم فی الارض مختلفا الوانہ رنگ برنگ کے پتے ہیں، ان فی الخ مگر اس بات کو بجز اہل عقل کے حقاء کیا سمجھ سکتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸﴾

اور وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے بس میں دریا کر دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور (تا کہ) اس سے زیور (موتی مونگا) نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور (اے مخاطب) تو اس میں جہاز دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اس لیے بھی دریا کو مسخر کیا کہ تم اس کے فضل[1] کو تلاش کرو اور اس لیے بھی کہ تم شکر

گزار ہو اور (بھی تو ہے کہ جس نے) زمین پر پہاڑوں کے بوجھ ڈال دیے تا کہ تم کو لے کر نہ ڈگمگائے اور تمہارے لیے نہریں اور رستے بنا دیے تا کہ تم راہ پاؤ اور نشانیاں بھی (بنائیں) اور ستاروں سے وہ رستہ پاتے ہیں پھر کیا (ان سب کا) بنانے والا اس کے برابر ہو گیا جو کچھ بھی نہیں بنا سکتا۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے اور اگر اللہ کی نعمتوں کو گنو بھی تو شمار نہ کر سکو گے البتہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب : و تستخرجوا معطوف ہے تاکلوا پر تلبسونها جملہ حلیۃ کی صفت، و ترى کا مفعول ثانی مواخر من الخ بمعنی شق الماء، فیہ مواخر سے متعلق جملہ البحر کے بیان حال کے لیے۔ والتبتغوا عطف ہے لتاکلوا پر۔ ولعلکم اس پر ان تمید ای مخافۃ ان۔ لحمًا طریًا والمراد بہ السمک وانما وصفہ بالطراوۃ اشعارا بلطافتہ، والطراوۃ ضد الیبوسۃ ای غضا جدیدا یقال طریت کذا ای جدتہ واطریت فلانا ای بالغت فی مدحہ مدحۃ باحسن مافیہ۔

تفسیر : اول بار ذات الٰہی کا ثبوت اجرام سماویہ سے کیا تھا پھر دوسری مرتبہ میں انسان کے بدن اور اس کے نفس سے تیسری مرتبہ میں عجائب خلقت حیوانات سے چوتھی مرتبہ میں نباتات کے غرائب حالات سے اب پانچویں مرتبہ میں خدا کا موجود و قادر دیکھنا ہوا اس کی اس صنعت سے دکھاتا ہے جو عناصر کے ساتھ متعلق ہے۔ سب سے اول پانی کا ذکر کرتا ہے بقولہ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ۔ بحر سے مراد سمندر ہے جو زمین کے چاروں طرف محیط ہے جس میں سے تقریباً چہارم حصہ کے قریب زمین کھلی ہوئی ہے جس پر یہ حیوانات انسان رہتے ہیں۔ اب اول تو اس پانی کو دیکھئے کہ کہاں سے آیا اور کس نے اس کو پیدا کیا؟ پھر اس کو غور کیجئے کہ خدا نے ایسا گہرا پانی کہ جہاں آدمی کا پتا بھی نہ لگے انسان کے لیے کس طرح سے مسخر کر دیا اس کے قابو میں کیسا کر دیا کہ اول تو اس سے لحم طری یعنی تازہ گوشت نکال کر کھاتے ہیں، وہ بھی مچھلی اور عام اقوام کے لیے کچھوے وغیرہ دیگر چیزیں بھی کہ سمندر سے نکال کر کھاتے ہیں۔ یہ قدرت ہے کہ آدمی جو پانی میں دم بھر میں ڈوب مرتا ہے وہ پانی کے جانوروں کو کس طرح سے پکڑتا ہے اور لطف یہ ہے کہ سمندر کا پانی کھاری اور وہاں کے جانوروں کا گوشت خصوصاً مچھلی کا کھاری نہیں۔ دوم تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً الخ کس اطمینان کے ساتھ سینکڑوں گز پانی سے غوطہ لگا کے (لیکن وہ غوطہ یوں نہیں ملتا اس کی اور تدبیر ہوتی ہے جس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں) زیور نکالتے ہو یعنی موتی اور اس کے عمدہ عمدہ سیپ اور مونگا جن کو طرح طرح سے زیور بنا کر پہنتے ہیں۔ پہنتی تو عورتیں ہیں مگر مردوں سے اس لیے خطاب کیا کہ عورتوں کے پہننے سے مردوں کا دل خوش ہوتا ہے اور نیز بعض مرد بھی پہنتے ہیں۔ سوم وَتَرَى الْفُلْكَ الخ کہ بڑی بڑی کشتیاں جو ہوا کے زور سے چلتی ہیں، پانی کو چیرتی پھاڑتی کس تیزی کے ساتھ آتی جاتی ہیں، ہوا کو بھی انسان کے کیا بس میں کیا ہے۔ عنصر ہوا کا بھی اور نیز آگ کا بھی اس میں مجملاً ذکر آ گیا کیونکہ دخانی جہاز یا آگبوٹ یا سٹیمر سمندر میں اس طرح ادھر ادھر دوڑتے پھرتے ہیں کہ جس طرح زمین پر لگام کے اشارہ سے گھوڑا ادھر ادھر دوڑتا ہے گویا سمندر کو سطح زمین کر دیا۔ لاکھوں من اسباب دور دراز ملکوں سے کس سہولت کے ساتھ آتا ہے اور کیسی تجارت ہوتی ہے جو مال داری کا جلد باعث ہو جاتی ہے ولتبتغوا من فضلہ میں یہی مراد[2] ہے کیونکہ فضل رب سے روزی اور فراخ دستی کی طرف اشارہ ہے۔

اب اس سے زیادہ کیا تسخیر بحر ہو گی۔ اسی نے یہ تدابیر تم کو تعلیم فرمائیں لعلکم تشکرون تا کہ تم اس کا شکر کرو مگر شکر تو درکنار لوگ اپنی ہی تدبیر اور کاریگری پر نازاں ہو کر خدائے تعالیٰ ہی کو بھول گئے۔

والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم الخ۔ المید الحرکۃ والاضطراب یمینا وشمالا یقال مادمید میہ ای مادمت حرکتہ

[1] تمہارے اسباب معاش تمہیں حاصل ہو جاویں اور ان میں تمہیں کامیابی ہو۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان اسباب سے منسوب الی اسباب ہونا معارف کو بہ نعوت میں اسی کا یہ ہدایت دکھاتا ہے۔

[2] اس میں بحری تجارت اور سفر کی طرف اشارہ ہے۔

ہیں۔ اب عنصرِ خاک یعنی زمین کے حالات سے استدلال کرتا ہے کہ جس پر وہ کریہ بنی آدم غرور کرتے ہیں اور بعض تو سرے سے خدا تعالیٰ کے ہی منکر ہیں اور بعض اس کے ساتھ اور معبود قرار دیتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح خاکی کشتی ادھر اُدھر بلا کرتی ہے اور جب اس میں کچھ بوجھ پتھر ڈال دیتے ہیں تو اس کے دباؤ سے نہیں ہلتی۔ یہی حال زمین کا تھا پھر جب خدا نے اس پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا تو ہلنے سے رک گئی۔

زمین ازتپ و لرزہ آمد ستوہ فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

زمین پر پہاڑوں سے بوجھ ڈالنے پر اعتراض اور اس کا جواب : مگر اس تفسیر کے ظاہری معنی پر چند اعتراض ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ جس طرح پانی اپنی جگہ پر میلِ طبعی کی وجہ سے ٹھہرا ہوا ہے تو زمین جو اس سے بھی ثقیل ہے بدرجہ اولیٰ اپنے میلِ طبعی پر ٹھہری ہو گی پھر اس کے ہلنے کے کیا معنی۔ کچھ وہ پانی پر کشتی کی طرح نہیں بلکہ پانی اس پر ہے اس کے اردگرد سمندر لپٹا ہے۔ دوم اگر باوجود اس جسامت اور ثقل کے زمین کی طبیعت میں سکون نہ تھا تو پہاڑ بھی تو زمین ہی کے جزو بدن ہیں جیسا کہ آدمی کے بدن پر پھوڑے اور پھنسیاں ابھر آتی ہیں ایسا ہی پہاڑوں کو سمجھ لو پھر پہاڑوں کی طبیعت میں سکون کہاں سے آ گیا؟ اور یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ پہاڑ بعد میں زمین پر رکھے گئے ہیں۔ اس اعتراض کو مخالفین نے بڑے شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس کا جواب بھی مفسرین نے خوب دیا ہے مگر کاتب الحروف کے نزدیک سرے سے اس آیت پر اور نیز اسی قسم کی دیگر آیات پر کوئی اعتراض ہی نہیں پڑتا کیونکہ صاف معنی یہ ہیں کہ خدا نے زمین پر وہ اسی بوجھ ڈالے یعنی اس کی طبیعت میں ثقل اور بھاری پن رکھا اور پہاڑ چونکہ اس کے اجزا میں سخت اور ثقیل تر اجزاء ہیں اس لیے یہ ثقل ان کی طرف منسوب کیا گیا اور ان کو زمین کی میخیں قرار دیا، ہوا کی طرح زمین کو خفیف نہیں بنایا جو ادنیٰ سے سبب سے حرکت کرنے لگتی اس لیے البتہ اس پر سکون مشکل ہے بلکہ زمین میں ثقل پیدا کیا جس سے وہ ہلتی نہیں۔ اس تقدیر پر اگر یہ مسئلہ بھی حکماء حال کا مان لیا جاوے کہ زمین حرکت کرتی ہے تب بھی کچھ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس کی یہ حرکت اپنی یا وضعی جو کچھ ہو وہ نہیں کہ جس سے اس کے رہنے والے ہلنے لگیں اور پھرنا دشوار ہو جاوے جیسا کہ اس کی کرویت بساط ہونے کے منافی نہیں۔ یہ کیا احسانِ باری ہے۔

وانہٰرًا وسبلًا و علامات یہ تین باتیں اور بیان فرماتا ہے جو اس کی قدرت کاملہ کی دلیل اور بندوں کے حق میں احسانِ عظیم ہے یعنی زمین پر نہریں جاری کیں جن سے آبادی ملک ہے اور رستے بھی پہاڑوں اور دروں میں اسی نے رکھے اور پہاڑوں اور ٹیلوں کی علامتیں کر دیں اگر سب زمین یکساں ہوتی تو بڑی مشکل پڑ جاتی۔ **وبالنجم هم یهتدون** یعنی نہ صرف زمین ہی کی چیزیں ان کے لیے رستوں کی علامات ہیں بلکہ رات کو لق ودق بیابانوں میں ستاروں کی سیدھ میں قافلے چلتے ہیں۔ **افمن الخ** پھر جس نے یہ چیزیں بنائیں کیا وہ تمہارے بتوں کے برابر ہو گیا جو کچھ بھی نہیں بنا سکتے۔ ان سب کے بعد فرماتا ہے کہ میری اور بیشمار نعمتیں ہیں جن کو تم شمار نہیں کر سکتے، اس پر بھی تم ناشکر اور غیر معبودوں کی طرف مائل ہو جس کی سزا میں یہ نعمتیں چھین لینا بجا تھا مگر اس پر بھی ہم بڑے غفور رحیم ہیں، درگزر ہی کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ
اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ع ۱۴

قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ
اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ
مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۱۴

اور اللہ (خوب) جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جن کو وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں وہ تو کچھ بھی نہیں پیدا کر سکتے حالانکہ وہ خود بنائے جاتے ہیں (اور) وہ تو مردے ہیں بے جان اور انہیں کچھ بھی معلوم نہیں کہ کب لوگ زندہ کئے جاویں گے۔ تمہارا معبود تو خدائے واحد ہے پھر وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل نہیں مانتے اور وہ ہیں ہی سرکش ضرور اللہ (خوب) جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک اس کو غرور کرنے والے پسند نہیں آتے اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ (کچھ نہیں) اگلے لوگوں کے قصے تا کہ قیامت کے دن اپنا بھی پورا بار گناہوں کا اٹھاویں اور ان کا بھی کہ جن کو نادانی سے گمراہ کر رہے ہیں دیکھو کیا بُرا بوجھ ہے کہ جسے وہ اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں۔

ترکیب : لایخلقون خبر ہے والذین کی اموات خبر ثانی غیر احیاء تاکید ہے۔ ایان منصوب ہے یبعثون سے فالذین مبتدا قلوبهم جملہ خبر، ان اللہ الخ جملہ لاجرم بمعنی حق وثبت کا فاعل جملہ ان اللہ الخ ما استفہامیہ وذا موصولہ والعائد محذوف اساطیر الاولین خبر ہے مبتداء محذوف کی لیحملوا ای قالوا ذالک۔ لیحملوا لام العاقبۃ۔ و من انحش کے نزدیک زائدہ ہے۔ والاساطیر جمع اسطورہ کی جیسے احادیث جمع احدوثہ اضافیک جمع اضحوکۃ واعاجیب جمع اعجوبۃ بغیر علم حال من الفاعل ای یضلون الناس جاہلین۔

تفسیر : واللہ یعلم الخ اس میں ایک اور فرق الٰہ حق اور فرضی معبودوں میں بتلایا ہے کہ اللہ کو ہر ایک ظاہر و باطن بات معلوم ہے تمہارے معبودوں کو نہیں۔ **والذین یدعون من دون اللہ الخ** جمہور مفسرین کے نزدیک ان سے مراد ان کے بت ہیں کہ جن کو وہ قادر زندہ اور دانا جان کر پرستش کرتے تھے، جلالین میں ہے وهم الاصنام۔ تفسیر کبیر میں اس جملہ کی شرح یوں کی ہے فاعلم انہ تعالیٰ وصف هذا والاصنام بصفات کثیرۃ الخ پھر ان کے بتوں کی قدرت کو یوں باطل کرتا ہے لایخلقون شیئا وهم یخلقون۔ کہ وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، بنگتراش ان کو گھڑ گھڑ کر بناتے ہیں، زندگی کا بطلان یوں کرتا ہے۔ اموات غیر احیاء کہ بے جان ہیں، حس وحرکت بھی نہیں۔ ان کے علم و دانائی کو یوں باطل کرتا ہے وما یشعرون کہ انہیں جو ضروری بات ہے وہ بھی معلوم نہیں کہ انسان مر کر کب زندہ ہوں گے۔ پھر جب یہ تینوں باتیں نہیں تو ان کی خدائی کیسی اور ان کی عبادت لغو اور بے فائدہ ہے اس لیے فرمایا الهکم اله واحد کہ تمہارا خدا صرف ایک ہی خدا ہے۔ مخالفین ان دلائل توحید سے بند ہو جاتے تھے اور دل میں بھی سمجھتے تھے مگر قوم کی رسم و عادت سے ان کی پرستش نہیں چھوڑتے تھے، دل میں توحید نہیں سماتی تھی اور نہ ان کا تکبر پیغمبر علیہ السلام کی پیروی کی اجازت دیتا تھا اس بات کو فالذین سے لے کر لایحب المستکبرین تک بیان فرماتا ہے۔

واذا قیل لهم اب ان کی ضد اور تکبر اور عناد کی ایک اور بات بیان فرماتا ہے کہ جب ان سے کوئی قرآن کی نسبت سوال کرتا ہے کہ وہ

کیسا ہے تو اس کے الہامی مطالب سے قطع نظر کر کے طعن کی راہ سے اس کے چند آمیز قصوں کو اگلے لوگوں کی کہانیاں کہہ دیتے تھے، جاہلوں کو گمراہ کرنے کے لیے لیحملوا الخ ولا تزر وازرۃ وزر اخری کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہاں یہ مراد نہیں کہ دوسروں کا گناہ اٹھا کر ان کو بری کر دیں گے بلکہ یہ کہ ایک تو اپنا ذاتی گناہ اٹھاویں گے، دوم جن کو گمراہ کیا ہے ان کی گمراہی کا گناہ بھی انہی کے سر پر رہے گا اور ولا تزر الخ میں یہ مراد کہ دوسرے کو بری نہ کرے گا۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا پھر اللہ نے بھی ان کی عمارت کو بنیادوں سے ڈھا دیا اور ان کے اوپر چھت گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب موجود ہوا جہاں کی ان کو خبر بھی نہ تھی پھر قیامت میں بھی ان کو خدا رسوا کرے گا اور پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن میں تم جھگڑا کیا کرتے تھے (ان کو تو جواب بھی نہ آوے گا لیکن) علم والے (انبیاء) کہا کریں گے کہ آج منکروں کی رسوائی اور بدی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی فرشتوں نے ایسی حالت میں روحیں نکالی تھیں کہ وہ اپنے اوپر ستم کر رہے تھے پھر تو شرمندہ ہو کر کہیں گے کہ ہم تو کچھ بھی برائی نہ کیا کرتے تھے۔ (فرشتے کہیں گے) ہاں ہاں اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ کہ تم کیا کرتے تھے۔ پھر (حکم ہوگا کہ) دوزخ کے دروازہ میں داخل ہو جاؤ کہ وہاں ہمیشہ رہا کرو پھر متکبروں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

ترکیب : فاتی اللہ ای قصد۔ من فوقھم متعلق ہے خرّ سے دیجوز ان یکون من الابتداء الغایۃ وان یکون حالا ای کائنا من فوقھم یوم القیامۃ ظرف ہے یخزیھم کا الیوم کا عامل الخزی الذین جملہ الکافرین کی صفت ہے ظالمی حال ہے ھم ضمیر تتوفّٰھم سے السلم بمعنی القول جیسا کہ دوسری آیت میں ہے فالقوا الیھم القول۔ لکن تفسیر السلم کی۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ کافر قرآن کو مکر و فریب سے قصے کہانیاں بتلاتے ہیں، لوگوں کو بہکانے کے لیے اب فرماتا ہے کہ کچھ انہیں پر منحصر

لہ منکرین کو قیامت میں دو ہرا عذاب ہوگا ایک تو اپنے گناہوں کی سزا دوسرے ان کے گناہوں کی سزا جن کو بے بھی سے یہ سب گمراہ کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جس نے ایک اچھی طرف ہدایت کی تو جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے سب کے ثواب کے برابر اس بتلانے والے کو بھی ثواب ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کا ثواب کچھ کم نہ ہوگا اور جس کسی نے کوئی بری بات کی طرف بلایا تو جتنا عمل کرنے والوں کو گناہ ہوگا ان سب کے برابر اس عمل جاری کرنے والے کو بھی گناہ ہوگا عمل کرنے والوں کا کچھ عذاب کم نہ ہوگا۔ منہ

نہیں ان سے پہلوں نے بھی دین حق کے مقابلہ میں بہت کچھ مکر و فریب کیے تھے کہ جن کو خدا نے برباد کر دیا۔ فاتی اللہ الخ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت کے ظاہری معنی مراد ہیں کہ ازراہ مکر قدیم زمانہ میں کفار نے مقامات بلند بنائے تھے خدا نے ان کو جڑ سے گرا دیا، چھت ان کے اوپر آ پڑی، وہ کر مر گئے جیسا کہ طوفان نوح کے بعد بابل شہر میں ایک نہایت بلند برج بنایا تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ ایک محاورے کی بات ہے کہ ان کے منصوبوں کو ڈھا دیا جیسا کہ کسی منصوبے کے پورا نہ ہونے کے موقع پر کہتے ہیں کہ چنا چنایا گھر گر پڑا۔ ثم یوم القیامۃ پھر فرماتا ہے کہ کچھ دنیا ہی کی سزا پر منحصر نہیں بلکہ قیامت کے دن بھی اللہ ان کو رسوا کرے گا کہ ان سے پوچھے گا کہ وہ میرے شریک جو تم نے اپنے نزدیک قرار دے رکھے تھے، کہاں ہیں؟ ادھر طعن و توبیخ کے طور پر اہل علم (مومنین یا انبیاء یا ملائکہ) انہیں کہیں گے کہ آج کفار کی رسوائی اور برائی ہے۔

الذین تتوفٰھم الملٰئکۃ یہ کفار کی رسوائی اور قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس روز ان سے خدا پوچھے گا کہ جن کو تم نے دنیا میں میرا شریک بنا رکھا تھا وہ کہاں ہیں، جواب نہ آئے گا، سرنگوں ہو جائیں گے، ان کی سرزنش کے لیے علماء، انبیاء، ملائکہ کہیں گے کہ یہ بڑے بدنصیب اور قابل سزا ہیں۔ مرتے دم تک یعنی اس وقت تک کہ فرشتے جان نکالنے آئے، اپنی اسی بت پرستی اور بدکاری میں اپنی جانوں پر ستم ڈھا رہے تھے اس وقت بھی ان کو توبہ نصیب نہ ہوئی اس پر وہ بدبخت سر نیچا کر کے ان اہل علم کے جواب میں کہیں گے ہم تو دنیا میں کوئی بھی برا کام نہیں کرتے تھے۔ ان کی دروغ گوئی پر ملائکہ کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو، تمہارے اعمال خدا کو معلوم ہیں، اس کے بعد ان کو فیصلہ سنایا جاوے گا کہ چلو جہنم کے دروازوں میں گھسو جہاں تم کو سدا رہنا ہوگا یعنی عمر قید اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ کیا ہی برا ٹھکانا ان متکبروں کا ہے یعنی بہت بری سزا کے مستوجب ہیں۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع

اور پرہیزگاروں سے جو پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا؟ تو کہتے ہیں اچھی چیز جنہوں نے نیکی کمائی ہے (ان کے لیے) اس دنیا میں بھی بھلائی ہے

لہ یہاں ہے دہریہ مفسر جو فرشتوں کا انکار کرتا ہے اور ان کو کبھی انسانی قوتیں اور کبھی صفات باری اور کبھی جمادات کی قوتیں نکالتا ہے۔

اور البتہ آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے اور پرہیزگاروں کا کیا ہی خوب گھر ہے۔ رہنے کے باغ کہ جن میں وہ داخل ہوں گے (وہاں) ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (اور وہاں) ان کے لیے جو چاہیں گے موجود ہوگا۔ اللہ پرہیزگاروں کو ایسا ہی بدلا دیتا ہے ان کو کہ جن کی فرشتے ایسی حالت میں روح قبض کرتے ہیں کہ وہ (آلائش گناہ سے پاک) صاف ہوتے ہیں ان سے آکر سلام کرتے اور کہتے ہیں کہ جنت میں چلو اپنے عملوں کی وجہ سے کہ جن کو تم کیا کرتے تھے، کیا منکر اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا حکم آجاوے ان سے پہلوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اللہ نے تو کچھ بھی ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے پھر ان کو ان کے اعمال بد کے نتیجے مل کر رہے اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی ان پر نازل ہوا۔

ترکیب : ماذا محل نصب میں ہے انزل سے جیسا کہ ماذا کے جواب قالوا خیرا ای انزل خیرا سے معلوم ہوتا ہے جنت عدن مخصوص بالمدح لعم کا یدخلونها اس سے حال اور ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو کہ یدخلونها اس کی خبر ہو یا محذوف ہو طیبین حال من المفعول وھوالقوی وقیل من الفاعل مقارنۃ اومقدرۃ۔

تفسیر : کافروں کے مقابلہ میں مومنین کا ذکر کرتا ہے وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ الخ کہ ان سے جو قرآن کا حال پوچھا جاتا ہے تو اس کو بہتر اور عمدہ بتلاتے ہیں۔ مکہ کے مشرکین ایام حج میں بدمعاش لوگوں کو مکے کے رستوں پر بٹھلا دیتے تھے اور عرب کے قبیلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور قرآن کا ایک حیرت خیز چرچا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اپنے اپنے ان ایام میں اس امر کے دریافت کرنے کو بھیجتے تھے یہ رستوں پر بیٹھنے والے ان سے کہہ دیتے تھے کہ قرآن بہت بری چیز ہے، پھر بعض انہیں کے مزاج کے اس کو سچ جان کر اپنی قوم میں برائی سے یاد کرتے تھے اور نیک طینت مکہ میں حضرت ﷺ کے صحابہ سے مل کر اصل حال سے واقف ہوتے تھے اور اپنی قوم میں جا کر بھلائی کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ اس آیت میں اس واقعہ کی طرف سے اشارہ ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الخ یہاں سے نیکی کا نیک بدلہ ملنا بیان فرماتا ہے فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا کو بعض مفسرین احسنوا سے متعلق کرتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کمائی ہے ان کو دار آخرت میں نیک بدلہ ہے اور اکثر حسنہ سے متعلق کرتے ہیں اور یہی قوی ہے یعنی نیکوں کو اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا اجر تو بہت ہی کچھ ہے۔ دنیا میں بھلائی ملنا عام ہے، نیک نامی ہو یا فراخ دستی، خوشحالی ہو یا مخالفوں پر فتح یابی یا روح کا نور و سرور ہو۔ پھر دار آخرت کے اجر کا بیان فرماتا ہے کہ جنت ہے اور اس میں یہ یہ نعمتیں ہیں۔ الذین سے نیکوں کی صفت بیان فرماتا ہے کہ فرشتے جو ان کی جان قبض کرنے آتے ہیں تو اس وقت وہ طیب ہوتے ہیں (یہ بھی بڑا وسیع المعنی لفظ[1] ہے شامل ہے گناہوں کے میل کچیل سے پاک وصاف ہونے کو اور نیز علائق دنیا دل سے دور ہونے کو اور اصلی گھر میں جانے کی خوشی کو اور شوق دیدار الٰہی کو) فرشتے ان سے سلام علیکم کہتے ہیں اور جنت کا مژدہ دیتے ہیں۔ ھل ینظرون سے یہ بات بتلاتا ہے کہ منکر بجز موت کے فرشتوں کے دیکھنے کے یا عذاب الٰہی دیکھنے کے نہیں مانیں گے برخلاف ایمانداروں کے کہ پہلے ہی سے ایمان رکھتے ہیں سو یہ کچھ نئی بات نہیں پہلے بھی ایسا ہی کرتے تھے جو بلا میں پڑے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا

[1] جس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ اس وقت خدا کے پاس جانے کے لیے خوش ہوتے ہیں اور دار البقاء کا شوق ان پر غالب ہوتا ہے دنیا سے جانا قید خانہ سے رہائی سمجھتے ہیں اور جب طیبین کو ملائکہ سے حال بنایا جائے گا تو یہ معنی ہوں گے کہ ملائکہ موت نہایت خوش اخلاقی سے مونس بن کر سلام کہتے ہیں اور دار الخلد کا مژدہ دیتے ہیں اس وقت مومن نیکوکار کو ایسی فرحت ہوتی ہے کہ جس کا بیان نہیں برخلاف ان کے جو دنیا اور اس کے لذات اور گناہوں کی آلائش میں ڈوبے ہوتے ہیں اور برے اعمال کے برے نتائج دیکھتے ہیں اور دنیا کی محبت اور لذات و شہوات کی بھاری بیڑیاں پاؤں میں ہوتی ہیں تو بڑا رنج ہوتا ہے اور جس طرح کوئی قیدی کو زبردستی جیل خانہ میں گھسیٹ لے جاتا ہے اسی طرح وہ دوسرے جہان میں جاتے ہیں۔

وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

اور مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ہم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ بغیر اس کے حکم کے ہم کوئی چیز حرام قرار دیتے۔ ان سے پہلوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا پھر رسولوں پر اس کے سوا اور کیا تھا کہ صاف صاف حکم پہنچا دیں اور ہم ہر قوم میں ایک نہ ایک رسول (اسی بات کے لیے) بھیجتے رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور بتوں سے بچو، پھر ان میں سے کسی کو تو اللہ نے ہدایت دی اور کسی پر گمراہی سوار ہوگئی پھر ملک میں پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

ترکیب : نحن تاکید لضمیر عبدنا' دونه من شیء من الاولی والثانیۃ زائدتان الطاغوت من الطغیان یذکر ویونث ویقع علی الواحد والجمع والمراد به کل معبود دون اللہ کالشیطان والصنم وکل من دعی الی الضلال۔

تفسیر : نبی علیہ السلام جب کفار کو ان کی بری باتوں سے منع کرتے اور عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے تو وہ یہ بھی جواب دیا کرتے تھے کہ ہمارا یہ شرک کرنا' بت پوجنا اور اسی طرح بتوں کے نام کی چیزوں کو تعظیماً حرام سمجھنا جیسا کہ بحیرہ اور سائبہ ہے کچھ آج سے نہیں بلکہ باپ دادا کے زمانہ دراز سے چلا آتا ہے اگر یہ امر خدا کو منظور نہ ہوتا تو نہ انہیں کرنے دیتا نہ ہمیں خود کرنے دیتا کیونکہ بندہ اس کے بس میں ہے اب اس کو اے رسول! تمہاری معرفت منع کرنے کی کیا ضرورت؟ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ چونکہ یہ جبر و قدر کا نازک مسئلہ اس قابل نہ تھا کہ جس کو وہ سمجھتے کہ فی الجملہ بندہ کو بھی اختیار دیا گیا ہے اور نیز ان کی یہ حجت معاندانہ تھی جس سے انکار نبوت مقصود تھا اس لیے فرمایا کہ ان سے پہلے جہلا بھی یوں ہی حجت کرتے آئے ہیں انبیاء کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے ان کا کام صرف سمجھا دینے کا ہے اور ہر قوم میں رسول آکر بت پرستی سے منع کرتے آئے ہیں اور توحید کا حکم دیتے آئے ہیں جس طرح آج تم میں سے جو ازلی نیک ہیں رسول کے مطیع اور بدبخت ازلی رسول کے نافرمان ہیں وہ بھی ایسے ہی تھے۔ پھر تم نے یہ کہاں سے ثابت کر لیا کہ خدا ہمارے اس کام سے خوش ہے اگر ہمیشہ سے اللہ کی عادت یوں جاری نہ ہوتی کہ وہ انبیاء بھیج کر بری باتوں سے منع نہ کرتا تو اس کا سکوت رضامندی پر محمول کرتے۔ حاصل یہ کہ ہمیشہ سے ہر جگہ رسول بری باتوں سے منع کرتے آئے ہیں ان کا کام حکم پہنچا دینا تھا پہنچا دیا لیکن گمراہوں نے نہ مانا سو تم بھی ان کی پیروی کر رہے ہو خدا تمہارے اس کام سے خوش نہیں اب تم زمین پر پھر کر دیکھ لو کہ رسولوں کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ کسی پر کچھ مصیبت آئی کسی پر کچھ۔ گاؤں اور شہر اجڑے پڑے ہیں ان کے آثار اور بقیہ علامات ان کے حال زار پر اشک حسرت بہا رہے ہیں۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ پہلوں کی بری باتیں بھی قابل سزا تھیں۔

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کچھ پہلوں ہی پر وبال الٰہی کا آنا منحصر نہیں گو اللہ تعالیٰ غصہ کا دھیما اور بہت فروگزاشت کرنے والا ہے جھٹ پٹ انسان کو دنیا میں اس کے برے کام پر سزا نہیں دیتا مگر جب کسی قوم کی شرارت حد کو پہنچ جاتی ہے تو انتقام الٰہی کا وقت بھی آجاتا ہے اور مختلف طور پر دنیا میں عذاب اترتا ہے کسی کو دشمن کی تیغ بے دریغ کا لقمہ کرتا ہے کسی کو افلاس و نفاق کی بلا سے ہلاک کرتا ہے، کسی کو ہیضہ

ے کسی کو زلزلہ سے، کسی کو پہاڑوں کے آتش فشاں مادے سے، کسی کو قحط شدید سے ہلاک کرتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾
وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ
حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ
وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ
اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾

(اگر آپ ان کی ہدایت کی حرص بھی کریں (تو کیا) اس لیے کہ اللہ جس کو گمراہی پر رکھنا چاہتا ہے تو اس کو ہدایت نہیں دیتا اور نہ ان کی کوئی مدد کر سکتا ہے اور وہ (منکر) اللہ کی سخت سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ مردوں کو زندہ نہیں کرے گا ہاں ہاں اس نے اپنے اوپر وعدہ کر لیا ہے لیکن بہت سے لوگ جانتے ہیں (وہ ضرور زندہ کرے گا) تاکہ جو اس میں اختلاف کر رہے ہیں ان کو معلوم کرا دے اور (اس لیے بھی کہ) کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے۔ ہم جس چیز کو کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لیے ہمارا اتنا ہی کہنا بس ہے کہ ہم اسے کہتے ہیں ہو جا پھر وہ ہو ہی جاتی ہے۔

ترکیب : ان تحرص شرط ،لاتقدر جواب محذوف فان اللہ اس کی جگہ قائم ہے۔ من یضل مفعول ہے لایھدی کا۔ لیبین یبعث مقدر سے متعلق قولنا مبتدا الشیء موصوف اردناہ صفت قولنا سے متعلق ان نقول خبر۔ جھد ایمانھم الجید انجم المشقۃ وضعھا الطاقۃ نصب علی المصدریۃ والمعنی حلفوا جاھدین غایۃ اجتہادہم وذالک انھم کانوا یقسمون بآبائھم واصنامھم فاذا کان الامر عظیما اقسموا باللہ تعالی وعدا مصدر موکد لما دل علیہ بلی۔

تفسیر : پچھلی آیتوں میں ظالموں اور نبی کے منکروں کا انجام کار بیان فرمایا تھا اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ کی ہدایت و تلقین میں کوئی قصور نہیں لیکن جس طرح پہلے زمانہ میں ازلی گمراہ ہدایت پر نہ آئے یہاں تک کہ ہلاک ہو گئے آپ کی قوم کے ازلی گمراہوں کا بھی یہی حال ہے یہ سب انبیاء کے ساتھ ہوتا آیا ہے اب آپ تبلیغ کر چکے ان کی ہدایت پر حرص نہ کریں فائدہ مند نہ ہوگا کیونکہ یہ ازلی گمراہ ہیں ان کو کون ہدایت دے سکتا ہے۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ یہ ان کی ضلالت ازلی کی ایک بڑی بھاری بات تھی کہ جس کا ذکر کرنا یہاں مناسب تھا وہ یہ کہ ان کو قیامت کا سخت انکار تھا وہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ مر کر کوئی زندہ نہ ہوگا اس خیال کو اس کوتاہ فہمی نے اور بھی قوی کر رکھا تھا کہ جب آدمی مر گیا اور اس کے اجزاء بدن ریزے ریزے ہو کر خاک میں اس طرح مل گئے کہ جن کا بہم کرنا ان کے خیال میں محال در محال تھا۔ پھر ان کا جمع کرنا اور روح ڈالنا ناممکن تھا اور جب انسان کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ مر کر نیست ہو جاتا ہے تو پھر نیکی اور بدی کی اس کو کچھ بھی پروا نہیں رہتی۔ دنیا ہی کی کامیابی اور ناکامی کو یہ نجات اور عذاب سمجھنے لگتا ہے جیسا کہ آج کل ہم دیکھتے ہیں۔ بلی عَدًا عَلَيْهِ حَقًّا ان کے اس خیال باطل کو ایک دلیل نقلی اور دلیل عقلی سے رد کرتا ہے اور نقلی دلیل چونکہ جلدی ساکت کر دیتی ہے اس لیے اس کو بلیٰ وعداً سے لیکر اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ تک تمام کیا عرب کے مشرکین انبیاء سابقین کے حقیقی یا ادعائے پیروؤں سے یہ سنتے آئے تھے کہ خدا نے پہلی کتابوں میں پہلے انبیاء کی معرفت مرنے کے بعد زندہ کرنے کا وعدہ کر لیا ہے تاکہ وہاں انسان کے نیک و بد کام کی کامل

سزا و جزا ملے۔ لیبین ولیعلم میں اس طرف اشارہ ہے پس خدا اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا خدا کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ انما قولنا الخ یہ دلیل عقلی ہے کہ ہر عاقل یہ بات جانتا ہے کہ اس عالم گوناگوں کو قادر مختار نے بنایا ہے اور نیز وہ کسی بات میں عاجز نہیں جب کسی چیز کا پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کو کن کہتا ہے یعنی ہو سو وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ اس کے اسباب بھی معاً بہم ہو جاتے ہیں۔ پھر انسان کا مارا گرا زندہ کرنا اور موجود کرنا اس کے نزدیک کیسا محال ہے؟ وہ قادر مطلق ہے جس نے انسان کو قطرۂ منی سے بنایا وہ اس کو بارہ گر بھی بنا سکتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ
وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔـلُوْٓا اَهْلَ
الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

وقف لازم — النصف

اور جنہوں نے ظلم اٹھانے کے بعد اللہ کے لیے ہجرت اختیار کی ہے تو البتہ ہم ان کو دنیا میں بھی اچھی جگہ دیں گے اور آخرت کا بدلہ تو بہت ہی بڑا ہے کاش انہیں معلوم ہوتا کہ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کیے رہے اور ہم نے آپ سے پہلے بھی تو انسان ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے پھر اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو یاد رکھنے والوں (اہل علم) سے پوچھ دیکھو ان کو ہم نے معجزے اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور (اے رسول!) آپ کے پاس بھی ہم نے قرآن بھیجا تاکہ جو کچھ لوگوں کے حکم کے لیے بھیجا گیا ہے آپ ان کو بیان کر دیں اور تاکہ وہ خود بھی سوچیں۔

ترکیب : والذین الخ مبتدا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ خبر حَسَنَةً لنبوئنھم کا مفعول ثانی کیونکہ لنبوئنھم بمعنی اعطینھم ہے۔ اور ممکن ہے کہ بمعنی مکنھم ہو فالتقدیر نیز لنمکنھم فی الدنیا واراحۃ۔ الذین صبروا موضع رفع میں ہے علی اضمارھم۔ بالبینات متعلق ہے ارسلنا محذوف سے۔

تفسیر : پہلی آیتوں میں تھا کہ کفار قسم کھا کر قیامت کا انکار کرتے ہیں پھر جب دار جزا سے ان کو اس قدر انکار تھا تو ایسی حالت میں کہ مکہ میں انہیں کا غلبہ اور زور تھا دیندار مسلمانوں پر کیا کچھ ظلم و ستم نہ کرتے ہوں گے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیت چھ صحابہ کے بارہ میں نازل ہوئی جو قریش مکہ کے غلام تھے اور اسلام لانے کی وجہ سے ان پر بڑا ظلم و ستم ہوتا تھا منجملہ ان کے صہیب و بلال و عمار رضی اللہ عنہم ہیں (ک) اس لیے والذین ھاجروا سے لے کر وعلی ربھم یتوکلون تک ایمانداروں کو صبر و برداشت اور توکل کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور دنیا اور آخرت میں اس کے اجر کا وعدہ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا یعنی اول کفار کی ایذائیں سہنا ان کی مار پیٹ سب و شتم پر برداشت کرنا پھر لاچار ہو کر اللہ کے لیے وطن چھوڑ دینا جبکہ وہاں رہنا مشکل ہو جائے جیسا کہ ابتداء اسلام میں ہوتا تھا ایسے لوگوں کے لیے دو وعدے کرتا ہے۔ اول لنبوئنھم الخ یہ کہ ہم دنیا میں بھی حیران و سرگرداں نہیں رہنے دیں گے بلکہ ان کو اچھے طور سے جگہ دینگے جیسا کہ صحابہ کو مدینہ میں عمدہ جگہ دی (حسن، شعبی، قتادہ)۔ دوم ولاجر الاخرۃ اکبر یعنی دار آخرت میں ان کے لیے بڑا اجر ہے وہ کیا؟ سرور جاودانی اور حیات ابدی کی بادشاہت ان دونوں صفتوں کے مقابلہ میں دو انعام کا وعدہ ہوا۔ پھر ان دونوں وصفوں کی عام طور پر تشریح فرماتا ہے الذین صبروا یعنی مخالفوں کی ایذائیں سہارنا اور حق پر ثابت قدم رہنا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ یعنی خدا پر توکل

کرنا جو اپنے رب سے بہتری کی امید پر ہجرت کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ صبر توظلموا سے متعلق ہے اور توکل ھاجروا سے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کچھ کفار کے ستم اٹھا کر ہجرت کرنے پر ہی یہ وعدۂ الٰہی منحصر نہیں بلکہ صبر وتوکل پر جہاں کہیں ہو اور کسی بات میں ہو خواہ گناہوں کے ترک کرنے پر اور نفس ظالم کے صدمات اٹھا کر اس کو اس کی بری خواہشوں سے روکنے پر یا دین الٰہی میں کوئی محنت ومشقت کا کام اختیار کرنے پر اسلام کی ترویج وافشاء پر خواہ کفر وبت پرستی چھوڑ کر خدا کی طرف آنے میں۔ گویا یہ آیت جس طرح اس کی راہ میں صبر وتوکل کرنے والوں کے لیے انعام الٰہی کا پروانہ ہے اسی طرح اس بات کے لیے بھی اعلان ہے کہ خدا تعالیٰ سے رابطہ کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں اس رستہ میں بڑا مستحکم ہو کر مصائب پر صبر کرنا چاہیے وما ارسلنا من قبلك الخ ان آیتوں میں پھر اسی بات کی طرف رجوع ہے کہ اس کی وجہ سے مشرکین عرب مسلمانوں اور نبی علیہ السلام کو تکلیفیں دیتے تھے جن پر صبر اور برداشت اور توکل کا ان کو پچھلی آیت میں حکم دیا گیا تھا۔

اور وہ بات یہ تھی کہ عرب کے لوگ حضرت ﷺ کا وعظ سن کر جس میں حرام اور ناپاک اور مکروہ افعال کی مذمت اور بت پرستی کی قباحت اور مکارم اخلاق کی تاکید تھی یہ کہتے تھے کہ اگر خدا کو ہمیں سمجھانا ہی مقصود تھا تو ہمارے پاس آسمان سے فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا؟ چنانچہ یہ شبہ ان کا مع الجواب قرآن مجید میں اور مقامات پر بھی ذکر ہوا ہے۔ اب اس شبہ کا اس آیت میں یوں جواب دیتا ہے کہ چند در چند اسرار ومصالح کی وجہ سے ہمیشہ انسان ہی رسول ہوتے آئے ہیں اور وہ ہی خدا کے صحیفے اور معجزات لائے ہیں اگر تمہیں یہ بات معلوم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ دیکھو اور اسی لیے ہم نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر بھی ذکر یعنی قرآن نازل کیا تا کہ لوگوں کو آپ احکام الٰہی بتا دیں اور آیات قدرت سے نصیحت حاصل کرنا سکھا دیں اور تا کہ وہ خود بھی فکر وغور کریں۔

فوائد : (۱) فسئلوا اهل الذكر میں علماء کے کئی قول ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اہل تورات یعنی یہود مراد ہیں۔ زجاج کہتے ہیں عموماً اہل کتاب مراد ہیں کیونکہ وہ سب جانتے ہیں کہ پہلے انبیاء بھی انسان تھے اور عرب کے مشرک اہل کتاب کو اہل الذکر یعنی اہل علم سمجھتے تھے اس لیے ان سے دریافت کرنے کا حکم دیا بعض کہتے ہیں عموماً اہل علم مراد ہیں۔

(۲) اس آیت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت تورات یا انجیل اہل کتاب کے پاس بلا تحریف موجود تھی جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۳) بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ارسلنا کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ آیت کا سیاق اور سباق چاہتا ہے نہ کہ فاسئلوا سے۔

(۴) اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی کو کوئی بات خصوصاً شرعی مسئلہ از خود معلوم نہ ہو تو جو اس کو جانتا ہے اس سے دریافت کر لینا چاہیے۔ یہ بات بھی مان لینی چاہیے کہ دریافت کرنے میں کسی کی خصوصیت نہیں کہ کس سے دریافت کرے کوئی اہل علم خواہ آیات احادیث واقوال علماء سلف صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے ماہر اور ان سے جواب دے خواہ قرآن واحادیث سے استنباط کر کے۔ اصول فقہ میں علماء نے اس بات کو طے کر دیا ہے کہ اول قرآن سے پھر احادیث سے پھر اجماع سے حجت پکڑی جاتی ہے اور پھر جب کوئی مسئلہ صاف طور پر نہ قرآن میں ملے نہ احادیث میں نہ اجماع سے ثابت ہو تو پھر استنباط کی ضرورت ہے اور استنباط خود پیغمبر علیہ السلام نے بھی کیا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی۔ اس لیے دین میں استنباط بھی ایک مستند چیز مانی گئی اور ضرور ماننی چاہیے کیونکہ بغیر اس کے قرآن مجید تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ نہیں ہو سکتا، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ استنباط کرنا ہر ایک کا کام نہیں اور اس کے شروط بھی ہیں اور استنباط کو فقہاء قیاس بھی کہتے ہیں جو استنباط نہ کر سکتا ہو اس مسئلہ میں جو اس کو کتاب وسنت واجماع میں نہ ملے تو مستنبط یعنی مجتہد سے پوچھ کر اس پر عمل کرنا چاہیے اور اسی کو تقلید شرعی کہتے ہیں جس کی ضرورت سمجھی گئی واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ
الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم
بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ ۖ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٧﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا
إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ
وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ
وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾ السجدة ع

پھر کیا جو لوگ بڑی بڑی تدبیریں کیا کرتے تھے (ان کو اس بات کا کچھ بھی خوف نہیں رہا کہ) خدا ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر (وہاں سے) عذاب آجائے کہ جدھر کی انہیں خبر بھی نہ ہو یا خدا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے پھر وہ اس کو ہرا بھی نہ سکیں یا ان کو خوفناک حالت میں آ پکڑے اس میں شک نہیں کہ تمہارا رب نہایت شفیق رحم کرنے والا ہے۔ کیا وہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے سائے (کبھی) دائیں طرف (کبھی) بائیں طرف جھکتے جاتے ہیں اور نہایت عجز کے ساتھ خدا کو سجدہ کر رہے ہیں اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (اور) زمین پر سب چلنے والے وہ سب کے سب انکساری کے ساتھ اللہ ہی کو سجدہ کر رہے ہیں (اور) اپنے بالا دست رب سے ڈر رہے ہیں اور جو کچھ ان کو حکم ہوتا ہے اسی کو بجا لاتے ہیں۔

ترکیب : السيئات صفت ہے المکرات مفعول محذوف کی ای مکروا المکرات السیئات۔ ان یخسف الخ جملہ مفعول امن او یاتیھم معطوف ہے یخسف پر اسی طرح یاخذ اور یاخذ ثانی علی تخوف موضع حال میں ہے فاعل یا مفعول سے جو یاخذھم میں ہے۔ یتفیئوا تمیل ظلال جمع ظل۔ یا تو واحد کو موضع جمع میں استعمال کیا ہے یا ہر روز کے سایہ کے لحاظ سے یا وقتاً فوقتاً پھیلنے کے لحاظ سے سایہ کو متعدد سایوں کے ساتھ تعبیر کیا یعنی لفظ جمع ظلال استعمال کیا گیا عن واسطے مجاوزۃ کے۔ تتجاوز الظلال الیمین الی الشمال۔ شمائل جمع۔ سجدًا حال ہے ظلال سے وھم داخرون بھی انہیں سے حال ہے ان کو ذی عقل قرار دے کر۔

تفسیر : اب ان سرکشوں کو (کہ جو بڑے مکر وفریب کرتے تھے یعنی مخفی طور پر اسلام کے مٹانے کی تدبیریں کیا کرتے تھے) اپنے قہر وجبروت سے دھمکاتا ہے کہ کیا ان کو چار باتوں سے بھی ڈر نہیں اور کیوں اطمینان اور امن ہو گیا؟ (۱) اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دیوے پہلی بھی اور پچھلی صدیوں میں کیا بلکہ حال میں بھی زلزلہ آ کر زمین پھٹ گئی اور بڑے بڑے جبار وشہوت پرست مع مکانات زمین میں سما گئے قارون بھی سما گیا تھا۔

(۲) اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ کہ ان پر ایسے طور پر ایسی جگہ سے عذاب آوے کہ جس کی انہیں خبر بھی نہ ہو آسمان سے دفعۃً اولے کیا بلکہ بڑی بڑی سلیں برسنے لگیں چنانچہ ابھی کئی سال کا عرصہ گزرا کہ مراد آباد اور اس کے نواح میں بڑے بڑے اولے کیا آسمانی گولے برسے کہ جس سے صدہا آدمی اور جانور ہلاک ہو گئے اور سینکڑوں درخت گر پڑے۔ خاص دہلی میں میرے ایک دوست نے

لہ الدخور انصاره الذال قال الازہری تصیر الظلال رجوعها بعد انتصاف النہار فتصیر الی یکون الا بعد زوال الشمس والقمر والذی یکون بالغداۃ ہو الظل والم او مطلق الظل قال صاحب التصیر من فارمی اذا رجع فاذا اردیۃ تعدی بالھمزۃ کقولہ ما افاء اللہ علی رسولہ او بالتضعیف تخفیا اللہ الظل ۔۱۲ منہ

جو ایک اولا تو آدھ سیر کا تھا اور پہلی امتوں میں بھی اولے مائیت سے متحیل ہو کر حجریت میں آ گئے تھے اور بڑے بھاری پتھر بن کر برسے جیسا کہ نوط علیہ السلام کی بستیوں پر واقعہ گزرا یا پانی سے دفعۃً روآ کر غارت کر دیے گئے۔ چنانچہ دو تین سال کا عرصہ گزرا کہ آدھی رات کے قریب جبکہ لوگ خواب راحت میں تھے شہر پٹیالہ میں ایسی رو آئی کہ مکانوں اور بازاروں میں گزوں پانی تھا جس سے صدہا آدمی ڈوب مرے صدہا مکانات گر گئے یا ایسی تند ہوا آ جاوے جو بربادی کا باعث ہو، الغرض خدا کی صدہا بلائیں ہیں جو دفعۃً آ جاتی ہیں جس میں بادشاہ سے لے کر رعیت تک کسی کا چھوڑ نہیں چلتا۔

(۳) اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ اس کی کئی طور پر تفسیر ہو سکتی ہے۔ اول یہ کہ ان کو سفر میں مبتلائے بلا کر کے ہلاک کرے کیونکہ جو وطن میں ہلاک ہو سکتا ہے وہ سفر میں بھی اور وہاں کی ہلاکت بسبب پردیس ہونے کے کہ جہاں نہ کوئی یار ہوتا ہے نہ غمگسار اور ابھی سخت ہوتی ہے اور قریش مکہ سفر کے عادی تھے اور لفظ تقلب بمعنی سفر بھی آیا ہے جیسا کہ اس آیت میں لایغرنك تقلب الذین کفروا فی البلاد۔ دوم یہ کہ ان کو حالات انقلابات اور تدابیر میں کامیاب نہ ہونے دے اور ہلاک کر دے اور یہ معنی اس آیت سے ماخوذ ہیں وقلبوا لك الامور۔ (۴) اویاخذهم علی تخوف تفعّل ہے خوف سے (یقال خوفت الشیٔ، تخوفته) یہ معنی کہ دفعۃً بلا نازل نہ کرے بلکہ اس کے پہلے علامات و آثار نمایاں کرے اور لوگوں میں ہلاکت سے پہلے خوف اور پریشانی پیدا ہو پھر ہلاک ہو جائیں جیسا کہ قحط شدید اور وبا، یا دشمنوں کے غلبہ میں ہوتا ہے مگر خدا رؤف ہے اس لیے مہلت دیتا ہے۔ اولم یروا الی ماخلق اللہ الخ اپنا رؤف رحیم ہونا ان آیات میں ظاہر فرماتا ہے کہ جن میں اس کے آثار حیرت اور قدرت کاملہ کا بیان ہے جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام عالم اس کے آگے مسخر ہے تا کہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس کو دفعۃً یا تدریجاً ہلاک کرنے کی بھی قدرت ہے پھر اس سے نذر ہونا اور باوجودیکہ درختوں اور جمیع سایہ دار چیزوں کے سائے اس کو سجدہ کر رہے ہیں (ان کا زمین پر پڑنا گویا سجدہ کرنا ہے) اور اسی طرح آسمانوں اور زمین کے تمام رہنے والے چار پائے اور فرشتے اس کے آگے سر بسجود اور اس کے فرمانبردار اور خائف ہیں پھر بندہ کا نافرمان ہونا اور تجھیں کرنا اور اس کے بادیوں اور ان کے پیروؤں کو ستانا کیسی لغو بات ہے۔

یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ یتفیؤ افتعل من الفی۔ کہتے ہیں فاء الظل فیٔا زال رجع وعاد۔ فی کے معنی اصلی رجوع کرنے کے ہیں جیسا کہ آیا ہے فان فاؤوا فان اللہ غفور رحیم۔ ازہری کہتے تفیؤ الظلال پچھلے پہر کے سایہ ڈھلنے کو کہتے ہیں مگر یہاں عام مراد ہے، موسم گرمی اور سردی اور آفتاب و مہتاب اور خط استواء کے قرب و بعد اور شام و صبح کے لحاظ سے کبھی سایہ دائیں طرف سے کبھی بائیں طرف سے جاتا ہے۔ یمین مفرد اور شمائل جمع لانے میں کئی باتیں ہیں یا تو یہ کہ یمین گو لفظ مفرد ہے مگر مراد جمع ہے جیسا کہ یولون الدبر میں یا یہ کہو کہ شیٔ چونکہ لفظاً مفرد ہے اس کے لحاظ سے یمین لفظ مفرد آیا اور معناً جمع ہے اس کے لحاظ سے شمائل جمع آیا گویا دونوں کی رعایت کی یا یوں کہو کہ عرب جب دو صیغے جمع کے لانا چاہتے ہیں تو ایک کو مفرد کر کے لاتے ہیں جیسا کہ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْر اور ختم اللہ علی قلوبهم و سمعهم میں سجدًا للہ وهم داخرون سجدہ سے مراد مطیع ہونا جھکنا عرب کہتے ہیں سجد البعیر جبکہ وہ سوار ہونے کے وقت گردن جھکا دیوے چونکہ خدا تعالیٰ نے آفتاب و مہتاب و ستاروں کو جن سے اجسام کثیفہ پر سایہ پڑتا ہے ایک چال خاص پر مامور کر رکھا ہے جس سے ان سایوں میں فرق نہیں آتا، سو یہ فرق نہ آنا اور ایک خاص طور پر رہنا سجدہ کرنا ہے انہیں معنوں میں یہ آیت ہے النجم والشجر یسجدان وقوله وظلال لهم بالغدو والاصال یا یوں کہو کہ سایہ زمین پر لگا ہوا چلتا ہے جس طرح عابد زمین پر سر رکھ کر سجدہ کرتا ہے گویا تشبیہ مراد ہے اور غرض اس کلام سے اس کا جبروت و تسلط عالم پر ظاہر کرنا ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالم حسی میں یہ اشیاء جو وجود حقیقی کا ظل ہیں اس کے حکم کے پابستہ ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾
وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا
بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا
كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَآ
اٰتَیْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۟ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَیَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ نَصِیْبًا مِّمَّا
رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ
سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ
مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ ﴿۵۸﴾ یَتَوٰرٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَیُمْسِكُهٗ
عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِیْنَ
لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ
الْحَكِیْمُ ﴿۶۰﴾

اور اللہ فرما چکا ہے کہ دو خدا نہ بناؤ۔ خدا ایک ہی خدا ہے پھر مجھی سے ڈرا کرو اور اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور بندگی (ہمیشہ) اسی کے لیے سزاوار ہے پھر کیا تم اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو کچھ نعمت ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تم پر سختی آتی ہے تو اسی کی طرف آہ وزاری کرتے ہو پھر جب وہ تمہاری مصیبت دور کر دیتا ہے تو فوراً تم میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شریک بنانے لگتی ہے تا کہ جو کچھ نعمتیں ہم نے دی تھیں ان کی ناشکری کریں (تو خیر دنیا میں چند روز) مزے کر لو پھر (آخرت میں) تو تم کو معلوم ہو ہی جائے گا اور جن کو وہ جانتے ہی نہیں (یعنی بت) ان کے لیے ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ایک حصہ مقرر کرتے ہیں قسم ہے خدا کی (یعنی اپنی) تم سے ضرور ضرور تمہاری افترا پردازی پر باز پرس ہوگی اور یہ منکر (فرشتوں کو) خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں سبحان اللہ! (اس کے لیے تو بیٹیاں) اور ان کے لیے جس کو دل چاہے (یعنی فرزند) حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو غم کے مارے چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے بیٹی کی خبر کی عار سے قوم سے چھپا چھپا پھرتا ہے (سوچتا ہے) آیا اس کو اپنی ذلت پر رہنے دے یا اس کو خاک میں گاڑ دے دیکھو کیا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے حالت تو انہیں کی بری ہے اور اللہ کی تو بلند شان ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

ترکیب : اثنین تاکید ہے اِلٰهَیْنِ اور مفعول ثانی لاتتخذوا کا بھی ہو سکتا ہے وفیه مافیه۔ واصبا ای دائما حال ہے الدین سے اور عامل اس میں معنی ظرف کے ہیں، بمعنی الذی بکم اس کا صلہ من نعمة حال ہے ضمیر سے جو جار میں ہے فَمِنَ اللّٰهِ خبر دوسری وجہ بھی ممکن ہے۔ تجؤرون ترفعون اصواتکم بالاستغاثة سبحانه جملہ معترضہ مسودًا خبر ظل۔ یتواری حال ہے ضمیر کظیم سے۔ اذا کشف الم اذا

شرطیہ اذا فریق فجائیہ جواب الشرط لیکفروا لام کے وقیل لام العاقبۃ۔

تفسیر : پچھلی آیتوں میں یہ ثابت کر کے کہ تمام عالم اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اسی کے آگے سرِ تسلیم جھکائے ہوئے ہے۔ قال اللہ سے لے کر فارھبون تک توحید خالص کا حکم دیتا ہے پھر وله مافی السموات والارض سے لے کر تتقون تک اس پر اور دلیل قائم کرتا ہے کہ عبادت کا مدار دو چیزوں پر ہے اول یہ کہ کسی کا خوف ہو کہ اگر نذر و نیاز اور دیگر عبادت نہ کریں گے تو وہ ہم کو جانی یا مالی کوئی نقصان پہنچا دے گا جیسا بت پرستوں کا اپنے معبودوں کی نسبت خیال ہے۔ سو یہ بھی اللہ کے سوا اور کسی کا مرتبہ نہیں کس لیے کہ ایسا وہ کر سکتا ہے کہ جس کا مخلوق پر کوئی اختیار و اقتدار ہو۔ سو یہ ہے نہیں اس لیے اول فایای فارھبون فرمایا اور وجہ اس کی وله مافی السموات الخ میں ذکر فرمائی اس کے بعد اسی بات کو بطور نتیجہ بدلیل اعادہ کیا افغیر اللہ تتقون دوم یہ کہ کسی کی نعمت تندرستی' مال و جاہ وغیرہ اس سے حاصل ہو اس طمع میں عبادت کی جاتی ہے۔ یہ بات بھی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں کس لیے کہ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں اول تو اس لیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور کسی کے پاس دھرا ہی کیا ہے جو تم کو دے گا۔ دوم جب تم پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو فطرت انسانیہ اللہ ہی کی طرف فریاد کرنے کو مجبور کرتی ہے اس وقت اپنے معبودوں کو بھول جاتے ہیں' عوارضِ جہل اٹھ جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بنی آدم کے دلوں میں بھی اصلی اعتقاد اسی بات کا ہے مگر جب وہ وقت نکل جاتا ہے اور جہل و خرمستی کے پردے نور فطرت پر کائی کی طرح پھر آپڑتے ہیں تو پھر اپنے فرضی معبودوں یا اسباب کے استقلال اور اپنی تدبیر کی درستی پر تکیہ کرنے لگتے ہیں اور یہ پوری نمک حرامی اور کامل ناشکری ہے جس کا یہ بدنتیجہ عنقریب معلوم ہو جائے گا یا تو دنیا ہی میں بار بار گرفتارِ مصیبت ہونے پر یا دارِ آخرت میں منجملہ نمک حرامیوں کے۔ ایک یہ بھی ہے کہ جن معبودوں کی اصل حقیقت بھی انہیں معلوم نہیں کہ آیا وہ فرضی نام ہیں جن کو باپ دادا سے سنتے چلے آئے ہیں یا وہ کچھ تھے بھی اور تھے تو ان کا مخلوق پر کیا اختیار و اقتدار تھا' ان کے لیے ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے مال میں سے اولاد میں سے حصہ مقرر کرتے ہیں۔ کھیتی میں سے ایک حصہ اور اولاد میں کوئی ایک بیٹا بتوں کے نام سے نامزد کرتے تھے اور بتوں پر اولاد مواشی کی قربانیاں کرتے تھے، ان کے نام کے سانڈ اور جانور چھوڑتے تھے، اس پر جوان سے کہا جاتا تھا کہ ان ارواحِ غیر مرئیہ کو خدا کے کارخانہ میں کیا دخل ہے اور وہ اس سے کیا تعلق رکھتے ہیں تو مشرکین کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ خدا کی لاڈلی بیٹیاں ہیں، ان کی بڑی خاطر منظور ہے، یہ جو کچھ چاہتی ہیں کرتی ہیں، یہ دیویاں اور پری کالی پری ہند ہیں انہیں کے نمونہ ہیں۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ میں ان کا ذکر ہے اس کے رد میں ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے لیے تو بیٹیاں ہونا پسند ہی نہیں کرتے حالانکہ خود بیٹیوں کے بقاءِ نسل میں محتاج ہیں اس پر بھی بیٹی پیدا ہونے کی خبر سن کر غم کے مارے چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، زندہ گاڑ دینے کی کبھی ٹھہراتے ہو کبھی بڑی ذلت سمجھ کر ان کو رہنے بھی دیتے ہو پھر خدائے بے نیاز کو اولاد اور بیٹیوں سے کیا تعلق ہے جس کی شان بلند اور اعلیٰ ہے حدوث و احتیاج سے پاک ہے برخلاف تمہارے وله المثل الاعلیٰ۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۗ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾

اور اگر خدا لوگوں کو ان کے گناہوں پر پکڑتا تو کسی جاندار کو بھی زمین پر نہ چھوڑتا لیکن ایک مدتِ مقرر تک ان کو مہلت دیتا ہے پھر جب ان کا وقت آتا ہے تو نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں اور یہ منکر اللہ کے لیے وہ چیزیں تجویز کرتے ہیں کہ جن کو آپ بھی پسند نہیں کرتے اور زبان سے جھوٹے دعوے کرتے جاتے ہیں کہ آخرت کی بھلائی انہیں کے لیے ہے (بھلائی تو کیا) ان کے لیے جہنم ہی ہے۔ جس میں سب سے اول داخل کیے جائیں گے (اے رسول!) اللہ کی قسم (یعنی اپنی) ہم نے آپ سے پہلے بھی قوموں میں رسول بھیجے تھے پر شیطان نے ان کے اعمال (بد) کو عمدہ کر دکھایا۔ سو آج بھی ان کا وہی دوست بنا ہوا ہے اور ان کو عذاب الیم ہونا ہے۔ ہم نے آپ پر اس لیے کتاب اتاری ہے کہ جن چیزوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں آپ ان کو کھول کر بیان کر دیں اور (نیز یہ کتاب) ایمانداروں کے لیے ہدایت اور رحمت بھی ہے۔

ترکیب : الکذب بالنصب مفعول ہے تصف کا ان لھم الحسنی اس سے بدل۔ الکذب بضم الکاف والذال والباء جمع کذوب جیسا کہ صبور' صبر تب یہ السنۃ جمع لسان صفت ہوگا واللسان یذکر ویونث۔ وھدی معطوف ہے لتبین پر۔ ای للتبین والھدایہ والرحمۃ۔

تفسیر : مشرکوں کے قبائح اور اقوالِ فاسدہ بیان کر کے یہ ظاہر فرماتا ہے کہ ہم صرف اپنی رحمت سے درگزر کرتے ہیں جو دنیا میں عمرِ معین تک جینے دیتے ہیں اور نعمتیں سلب نہیں کر لیتے ورنہ ان کے گناہوں پر جائیں تو دنیا پر کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں۔ ان کی نحوست سے بلا آ جائے۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ سے اس بیہودہ بات پر کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں بار بار سرزنش فرماتا ہے بالخصوص اس لیے کہ اس نالائق قول و فعل و اعتقاد پر دعویٰ کے ساتھ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ دارِ آخرت کے درجات ہمارے لیے ہیں کیونکہ ہمارے یہ وسیلے ہیں اس پر فرماتا ہے کہ آخرت کی بھلائی کی جگہ ان کے لیے اس جرم پر ضرور نارِ جہنم ہے جس میں سب سے اول داخل ہونگے۔ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ نافع اور قتیبہ اور کسائی کی روایت سے مفرطون کو بکسر الراء پڑھتے ہیں اور باقی بفتح الراء۔ اول قرأت پر یہ معنی ہوئے کہ وہ گناہوں میں یا خدا پر جھوٹ بولنے میں افراط یعنی زیادتی کرنے والے ہیں۔ دوسری قرأت پر یہ معنی انھم متروکون فی النار یعنی آگ میں ڈالے گئے، وہاں چھوڑے گئے۔ کہتے ہیں ما افرطت من القوم احدا' اے ما ترکت یا یہ معنی انھم معجلون یعنی آگ کی طرف ان افعال سے جلدی کر رہے ہیں' سب سے پہلے جا رہے ہیں۔ واحدی کہتے ہیں عرب بولتے ہیں فرط الرجل اصحابہ یفرطھم فرطا و فروطا اذا تقدمھم لتدبیر حوائجھم یعنی اوروں کے قافلہ سالار بن کر پہلے جہنم میں جھنڈے لیے جا رہے ہیں تاللہ الخ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی ہم نے قوموں کی طرف رسول بھیجے تھے سو شیطان نے ان قوموں کو ایسا بہکایا کہ بری باتوں کو ان کی نظروں میں بھلا کر دکھایا آج کے دن بھی وہی شیطان ان لوگوں کا رفیق بن کر بہکا رہا ہے' جہنم کا رستہ بتا رہا ہے اس لیے ہم نے اے محمد! تم پر قرآن نازل کیا کہ آپ ان کو مطلع کر دیں اور نیز نیکوکاروں کے لیے یہ قرآن ہدایت و رحمت بھی ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ اِنَّ فِىْ

لِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ
سْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا
لشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ
رِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے مرجانے کے بعد (خشک ہوجانے کے بعد) زمین کو زندہ کردیتا ہے بے شک اس میں سننے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے اور تمہارے لیے چارپایوں میں بھی ایک غور کا مقام ہے کہ ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون میں سے (چھانٹ کر کے) تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کو بڑا پچتا ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں بھی (عبرت ہے) جن میں سے تم شراب بناتے ہو اور عمدہ روزی بھی (قرار دیتے ہو) بے شک اس میں بھی عقلمندوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب : لعبرة اسم ان لکم خبر بطونه بطون جمع بطن بمعنی شکم بطونہ کی ضمیر انعام کی طرف راجع ہے کیونکہ انعام مذکر بھی ہے اور مونث بھی۔ من بین من للابتداء متعلق ہے نسقیکم سے لبنا مفعول ثانی ہے نسقیکم کا خالصًا سائغًا اس کی صفت و من ثمرات الخ محذوف سے متعلق ہے ای نسقیکم من ثمرات الخ تتخذون جملہ مستانفہ یا صفت ہے محذوف کی تقدیر ہے شیئا تتخذون منه ای وان من ثمرات النخیل شیئا۔

تفسیر : قرآن مجید کا دستور ہے کہ وہ ایک اصول میں گفتگو کر کے دوسرے اصول کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ الٰہیات کے بعد معاد اور کبھی نبوات اور کبھی اصلاح افعال اور اعتقاد عباد کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہی چاروں باتیں کتاب الٰہی کے اصل اصول ہیں۔ اسی قاعدہ سے کلام تمام کر کے اب الٰہیات میں کلام کرتا ہے اور اپنا قادر و مختار ہونا ثابت کرتا ہے جس میں توحید اور صفات باری کا کامل ثبوت ہے۔ وہ دلائل (کہ جن سے خدا تعالیٰ کا وجود اور اس کا وحدہ لاشریک ہونا اور ہر چیز کا اسی کے دست قدرت میں ہونا ثابت ہوتا ہے) پانچ قسم کے ہیں: اول آسمانی چیزیں جن میں سے یہاں پانی کا ذکر کرتا ہے وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ کہ اللہ نے آسمان سے یعنی بادلوں سے پانی برسایا جس سے مردہ زمین یعنی خشک زندہ ہوجاتی ہے یعنی ہری بھری جڑی بوٹیاں گھاس اور درخت اور کیا کیا کارآمد برائے انسان چیزیں اگتی ہیں جس سے اس کے آثار قدرت و رحمت نمودار ہیں۔ دوم انسان کے حالات اور اس کی پیدائش۔ سوم حیوانات کی پیدائش اور ان سے انسان کے لیے نفع دینے والی چیزوں کا پیدا کرنا جن کی طرف وان لکم فی الانعام لعبرة الخ میں اشارہ ہے کہ حیوانات گائے بھینس، بھیڑ بکری، اونٹنی وغیرہ کا دودھ بھی ایک غور کرنے کی بات اور اس کی بڑی نشانی ہے، اس کو ہم پلاتے ہیں پر یہ تو دیکھو کہ وہ کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ جانوروں کے شکم میں گھاس جا کر گوبر، لید، مینگنی بن جاتی ہے اس کا عطر کھینچ کر جگر میں (یا اور جگہ بقول حکما بحال) خون بنتا ہے، پھر

ھو اسم جمع لاجمع ولذلک عدہ سیبویہ فی المفردات المبنیۃ علی افعال کاطلاق واکباش۔

جن سے یہ بھی ثبوت ہوتا ہے کہ جس طرح ایک سال زمین برسات میں ہری بھری ہوتی ہے یہ تنکروں بوٹیاں لہلہاتی ہیں پھر وہ سب خشک ہو کر نیست و نابود ہوجاتی ہیں اس کے بعد سال آیندہ میں پھر ویسی ہی جڑی بوٹیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح زمین کے کھیت پر انسان بھی قدرت کے عمدہ پودے ہیں اس کھیت کو بھی وہ فنا ہوجانے کے بعد قیامت میں جو حیات کی دوسری فصل ہے پھر زندہ کر سکتا ہے اس میں مسئلہ حشر بالاجساد کا بھی ثبوت ہے اور عبرت کے معنی قیاس کرنے کے یہاں زیادہ چسپاں ہیں۔ ۱۲ منہ

عروق کے ذریعہ سے وہ خون ان جانوروں کے تھنوں میں (پستانوں میں جو نرم گوشت ہے اور جس کی تاثیر یہ ہے کہ خون کو دودھ کر دے) دودھ بن جاتا ہے غور کرو گوبر اور خون میں سے جو شکم میں ملے جلے تھے ایک دوسرے کا کس طرح سے امتیاز کرتا ہے اور ان میں سے خوشگوار شیریں دودھ کس طرح نکال کر تمہیں پلاتا ہے پھر یہ کام بجز اس کے اور کون کر سکتا ہے؟ دیکھو وہ کیسا منعم ہے۔ چہارم نباتات جس میں سے یہاں کھجور اور انگور کا ذکر کرتا ہے کہ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا سکر سے مراد شراب ہے چونکہ خطاب قریش مکہ کی طرف ہے اور نیز مکہ میں شراب حرام بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ مدینہ میں آ کر حرام ہوئی اس لیے ان لوگوں کو ان کے فوائد بتلاتا ہے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سکر سے مراد نبیذ ہے، کھجور یا انگور کا شیرہ جس کو یہاں تک جوش دیا جائے کہ دو حصہ جل جائیں چونکہ اس میں نشہ نہیں ہے یہ حلال ہے، وَرِزْقًا حَسَنًا یعنی تم انگور اور کھجور سے سکر اور اچھی چیزیں کھانے کی بناتے ہو، سرکہ اور شکر اور بہت چیزیں بنتی ہیں اور وہ خود بھی عمدہ غذائیں اور نفیس میوے ہیں پھر یہ کس کی بنائی ہوئی ہیں کس نے ان میں لذت اور شیرینی پیدا کی؟ پانچویں پہاڑ زمین دریا جن کا ذکر آیندہ آتا ہے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ
وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ
ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جنہیں لوگ بناتے ہیں اپنے چھتے بنایا کرے پھر ایک پھل کو کھایا کرے پھر سوراخوں میں سے سمٹ کر آیا جایا کرے ان کے پیٹوں میں سے ایک ایسا شربت نکلتا ہے جس کی مختلف رنگتیں ہوتی ہیں اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے، بے شک اس میں بھی غور کرنے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب : ان مفسرہ ہے اتخذی جملہ تفسیر اوحی کی لفظ نحل اگرچہ مذکر ہے۔ مگر معنی کے لحاظ سے مونث کا صیغہ[1] آیا۔ بیوتا اتخذی کا مفعول ومن الشجر معطوف ہے من الجبال پر ذللا جمع ذلول کی یہ حال ہے ضمیر اسلکی سے یا سبل سے ای اسلکی سبل ربک وانت ذلل منقادۃ اور اسلکی سبل ربک حال کو فاء لذلک ذللها الله تعالیٰ وسهلها یخرج جملہ مستانفہ جس میں شہد کی مکھیوں کے الہام کا نتیجہ بتاتا ہے۔

تفسیر : حیوانات میں چرندوں میں سے دودھ کا نکالنا بیان ہو چکا۔ اب پرندوں میں جو کچھ منافع انسان کے لیے رکھے ہیں ان کا ذکر فرماتا ہے یا یوں کہو وہاں چارپایوں سے دودھ نکالنا بیان کیا تھا جن کو انسان دانہ چارہ بھی کھلاتا ہے یہاں پرندوں سے شہد کا نکلنا بیان فرماتا ہے ان پرندوں میں سے کہ جن میں زہر بھی رکھا ہوا ہے وہ کون شہد کی مکھیاں جن کو عربی میں نحل اور ہندی میں مہال کہتے ہیں اور اوحٰی کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نہ صرف انسان کو انبیاء کی معرفت ہم وحی الہام کے ذریعہ سے ان کے فوائد دنیاویہ واخرویہ تعلیم کرتے ہیں بلکہ حیوانات خصوصاً پرندوں کو بھی ان کے کارآمد باتیں الہام ہوتی ہیں جس کو الہام فطری کہنا چاہیے مگر کمبخت انسان اپنے روحانی سرداروں کا مقابلہ کرتا ہے برخلاف مہال کے کہ ان میں جو ایک بڑی مکھی ہوتی ہے جس کو یعسوب کہتے ہیں سب ان کی اطاعت کرتی ہیں اَنِ اتَّخِذِيْ الخ یہ پہلی بات ہے جو ان کے دل میں القا کی گئی ہے کہ پہاڑوں اور درختوں کی چوٹیوں یا چھتوں میں اپنا گھر بنائے اور نیز ان چھتوں میں بھی کہ جن کو انسان بناتے ہیں

---

[1] لان المراد بہ الجنس

چھپر وغیرہ یا انگور کی بیلوں کے چھتوں میں تاکہ ہر ایک کا وہاں ہاتھ نہ پہنچے، ان کے گھر کو کوئی نہ بگاڑے یا زمین سے مرتفع رہنے میں ابخرات و قاذورات زمین کا ان تک اثر نہ پہنچے پھر ان کے گھروں کو یعنی سوراخوں کو دیکھئے کہ مسدس بنے ہوتے ہیں جس سے ذرا بھی جگہ بیکار نہیں جاتی اور کس پرکار سے بنے ہوتے ہیں کہ ذرا بھی کم زیادہ نہیں ہوتے۔

ثم کلی من کل الثمرات پھر یہ القاء ہوا کہ بلا قید ہر قسم کے پھل کھایا کرے۔ بعض کہتے ہیں درختوں کے پتوں پر شبنم کی وجہ سے ایک شیریں چیز جمی ہوتی ہے اس کو مکھیاں چاٹتی ہیں اور وہی شہد ہے بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ ان کے پیٹ میں ہر چیز جا کر شہد ہو جاتی ہے اور چونکہ پھلوں میں مٹھاس ہے بیشتر شہد کی مکھیاں انہیں کو کھاتی ہیں فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا یہ وہ تیسری بات ہے جو ان کو الہام کی گئی ہے جو علماء ذللا کو سہل ربك سے حال ڈالتے ہیں وہ یہ معنی قرار دیتے ہیں کہ آنے جانے کے رستے جو خدا نے مکھیوں کے لیے سہل کر رکھے ہیں ان سے چلنے کا القاء کیا جیسا کہ اس آیت میں ہے جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا بعض کہتے ہیں یہ ضمیر اسلکی سے حال ہے تب ذللا کے معنی منقاد اور فرمانبردار ہو کر چلنے کے ہیں۔ سبل ربك وہ اس کے سوراخ ہیں جن کو اللہ ہی نے بنایا ہے اور مسخر ہو کر چلنا بتایا یعنی سمٹ کر کیونکر پر کھول کر مکھی ان میں نہیں گھس سکتی نہ نکل سکتی ہے یہ ہیں ذللا کے معنی یخرج من بطونها شراب یہ نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ مختلف رنگ کا شہد ان کے پیٹ سے نکلتا ہے سفید، زرد جس میں بیشتر امراض کے لیے شفاء ہے۔ بعض کہتے ہیں فیه شفاء للناس قرآن مجید کی بابت جملہ ہے کہ قرآن میں ہر روحانی مرض کی شفاء ہے وہ کس طرح دلائل سے توحید و دار آخرت و نبوت کا ثبوت کرتا ہے شہد میں شفا ہونے کے یہ معنی کہ اکثر امراض کی شفاء ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ
لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ فَضَّلَ
بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ
وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ
هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝

اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر وہی تم کو مارتا بھی ہے اور کچھ تم میں سے نکمی عمر تک بھی پہنچائے جاتے ہیں کہ جن کو علم کے بعد کچھ بھی معلوم نہیں رہتا۔ بے شک اللہ بڑا علم اور قدرت والا ہے اور اللہ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں فضیلت دی ہے پھر جن کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے غلاموں کو نہیں دے ڈالتے تاکہ پھر وہ ان کے برابر ہو جائیں پھر کیا اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ نے تمہارے لیے تمہیں میں سے جوڑے (بیویاں) پیدا کیے اور تمہاری

بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں پھر وہ کیوں جھوٹے معبودوں پر ایمان رکھتے اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین سے ان کی روزی کا ان کے لیے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ رکھ سکتے ہیں۔

ترکیب : شیئًا بصریوں کے نزدیک مصدر سے منصوب ہے اور کوفیوں کے نزدیک یعلم سے فهم فیه سواء مبتداء خبر سے مل کر یہ جملہ واقع ہے موقع میں فعل و فاعل کے فالتقدیر فما الذین فضلوا برادی رزقهم علی مملکت ایمانهم فیستووا اور یہ فعل منصوب ہے جواب نفی ہو کر اور مرفوع بھی ہو سکتا ہے شیئًا رزقا سے منصوب ہے اگر اس کو مصدر مانا جائے اور اگر بمعنی مرزوق لیا جائے تو اس سے بدل ہے۔

تفسیر : ان آیات میں انسان کے حالات سے استدلال کرتا ہے: اول اللہ خلقکم الخ کہ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا۔ نطفہ کا رحم میں انسان بنانا اور اس کے موافق اس کو اعضاء عطا کرنا یہ ضرور کسی مدبر حکیم کا کام ہے طبیعت اور مادہ تو خود بے شعور ہے اور اچھا یہ بھی سہی تو پھر یہ طبیعت اس میں کس نے رکھی ہے؟ ثم یتوفکم یہ بھی اس کے آثار قدرت کی برہان قاطع ہے کسی حکیم فیلسوف سے موت کا بندوبست نہیں ہوا نہ ہوگا۔ و منکم من یرد الخ ایسی بڑی عمر تک پہنچنا جس میں کہ تمام علوم و فنون بھول جائے پھر وہی لڑکپن آ جائے اسی کا کام ہے ان اللہ علیم قدیر ان امور کی حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو وہی جانتا ہے۔ دوم واللہ فضل الخ کہ کوئی غنی ہے کوئی فقیر ہے، یہ بھی اس کی طرف سے ہے اگر یہ بات عقل و علم پر موقوف ہوتی تو کوئی بدعقل، جاہل، مالدار اور عالم و دانا خوار نہ ہوتا حالانکہ معاملہ بالعکس ہے۔ پھر فما الذین سے یہ بات ثابت کرتا ہے کہ ہر چند روزی رزق ہم دیتے ہیں مگر بااین ہمہ تم اپنے نوکروں، غلاموں کو اپنا مساوی اور برابر کا اس میں نہیں کرنا چاہتے پھر خدا تعالیٰ کیونکر اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنے برابر کر دے گا؟ لیکن تم اللہ کی نعمتوں سے انکار کر کے ان نعمتوں کو فرضی معبودوں کی طرف منسوب کرتے ہو کہ تندرستی فلاں دیوتا نے عطا کی، بیٹا فلاں بزرگ نے دیا، یہ کام فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہوا یا یہ معنی کہ باوجود یکہ روزی میں تم اور تمہارے غلام برابر ہیں کچھ ان کو تم نہیں دیتے بلکہ ہم دیتے ہیں، مگر پھر ہم نے تم کو فضیلت دے رکھی ہے اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ سوم واللہ جعل لکم من انفسکم الخ کہ اللہ نے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اگر مرد کو عورت نہ ملے تو دنیا کا عیش تلخ ہو جائے اس میں کسی کی حکمت اور علم اور طبیعت کا کیا دخل ہے؟ پھر عورتیں کیسی تمہاری جنس اور قبیلے کی جن کی مجانست سے تمہاری پوری موانست ہوتی ہے پھر اگر اولاد اور اہل قرابت کام آنے والے نہ ہوتے تو بھی مشکل پڑ جاتی اس لیے بَنِيْنَ وَحَفَدَةً[ج] بیٹے اور پوتے اقارب بھی پیدا کیے اس پر رزقکم من الطیبٰت اچھی چیزیں کھانے کو دیں پھر اس پر بھی لوگ جھوٹے معبودوں پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کے منکر ہوتے ہیں کیونکہ ان نعمتوں کو اوروں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ اوروں کی عبادت کرتے ہیں جن کو رزق روزی دینے میں نہ اختیار ہے نہ قدرت۔

ا انسان ہے کہ ماں کے پیٹ سے جو اس کی پہلی منزل ہے اپنی عمر کی منزلیں بے اختیار طے کرتا ہوا چلا جاتا ہے اس کی عمر کی ریل گاڑی کس سرعت کے ساتھ رات دن کے اسٹیشنوں کو دھکے کرتے ہوئے جا رہی ہے۔ یہ لاکھ چاہے کہ چند روز لڑکپن یا جوانی کے ملک میں ٹھہرے مگر کب ٹھہر سکتا ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

سب کی منزل مقصود معبود حقیقی کے ہاں جانا ہے۔ پھر کوئی جلد ہی کوئی دیر ایسا بڈھا ہو کر لڑکوں کی طرح سب کچھ بھول جاتا ہے پھر قیامت اگر دوبارہ زندہ کرے تو کیا تعجب ہے جس پر کفار تعجب کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ج حفدہ جمع حافدہ کی ہے اور حافد اس کو کہتے ہیں جو بلا عذر و خدمت کرے حفد خدمت کرنا، دعا، قنوت میں بھی آیا ہے، کفد یہاں اس کا اطلاق اقارب پر ہوا ہے جو کام آتے ہیں جس میں پوتا بھی داخل ہے بعض کہتے ہیں خالص پوتے پر بولا گیا ہے۔ ۱۲

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ
اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا
حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى
شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ
هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

پس اللہ کے لیے (اپنی انکل سے) مثالیں نہ گھڑو کیونکہ اللہ ہی خوب جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ (دیکھو) اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک غلام ہے تابعدار کہ جو کسی چیز پر بھی قدرت نہیں رکھتا اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے ہاں سے خوب روزی دے رکھی ہے سو وہ اس میں سے چھپا کر اور دکھا کر خرچ کرتا ہے کیا دونوں برابر ہیں؟ (وہ کہیں گے نہیں تو آپ کہیے) الحمد للہ (اتنا تو سمجھے، مگر انہیں سے) اکثر تو یہ بھی نہیں جانتے اور خدا (دوسری) ایک اور مثال دو آدمیوں کی بیان کرتا ہے کہ ان میں سے ایک تو گونگا ہے (اس پر اپاہج) کچھ بھی نہیں کر سکتا اور وہ (اس لئے) اپنے آقا پر بار بھی ہے جہاں کہیں جاتا ہے بھلائی لے کر نہیں آتا۔ کیا یہ اور وہ برابر ہے کہ جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ خود بھی سیدھے رستہ پر قائم ہے؟

ترکیب : عبدًا موصوف مملوکًا صفت اول لایقدر صفت ثانی پھر یہ بدل ہے مثلًا سے ومن معطوف ہے عبدًا پر یہ بھی مجموعہ میں شامل ہو کر مثل سے بدل ہوگا سرًا و جهرًا حال ہے ضمیر ینفق سے اور اسی طرح رجلین مثلًا سے بدل ہے پھر احدهما سے رجلین کا بیان ہے۔

تفسیر : مشرکین رد شرک کے یہ دلائل سن کر جواب میں یہ مثالیں بیان کیا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی شخص بادشاہوں سے ان کے وزیروں اہلکاروں کے ذریعہ بغیر عرض حال نہیں کر سکتا اور نیز جس طرح بادشاہوں نے اپنے تمام کارخانوں کے مختار کر رکھے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ نے بھی ان کے جواب میں فرمایا ہے فَلَا تَضْرِبُوْا الخ کہ یہ مثالیں نہ بناؤ خدا کا معاملہ بندوں کا سا نہیں ان اللہ یعلم الخ میں اسی طرف اشارہ ہے اس کے بعد خدا تعالیٰ دو مثالیں بیان فرماتا ہے جن سے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے آگے اس کی تمام مخلوق عاجز اور اسی کی دست نگر ہے اس کے حکم بغیر ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا خصوصاً بت پرستوں کے بت کہ وہ تو بے حس ہی ہیں پہلی مثل کو ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا سے شروع کرتا ہے کہ ایک تو غلام ہو اور غلام بھی کیسا مملوکا آزاد کیا نہ ہوا یا اسے کاروبار تجارت میں اجازت نہ ہو نہ مولیٰ نے اپنے مرنے کے بعد اس کی آزادی مقرر کی ہو نہ کسی قدر مال ادا کرنے پر اس کی آزادی معین ہوئی ہو اس پر طرہ یہ ہو کہ لایقدر علی شیء خانہ داری کے امور میں بھی کسی کو دینے لینے کی اس کو کچھ بھی قدرت نہ ہو اور ایک وہ امیر با اختیار ہو کہ جس کو اپنے مال میں چھپے کھلے ہر طرح کے تصرف کی نہ صرف قدرت ہی ہو بلکہ وہ تصرف بھی کرتا ہو پھر کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اللہ کے سوا جس قدر اس کی مخلوقات ہیں (کہ جس کو مشرکین پوجتے ہیں اور نئے نئے طریقوں سے ان کو حاجت برآری کا ذریعہ جان کر ان کو پکارتے ہیں اور ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں جیسا کہ عرب میں دستور تھا) سب اس کے آگے اس غلام کی طرح محتاج ہیں کہ جس کو اس کی اجازت بغیر کچھ بھی قدرت نہیں، نہ

لینے کی نہ دینے کی اور امیر با اختیار کی مثال اللہ قدیر کی ہے جس کو ہر طرح کے تصرف کی قدرت ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے پھر کیسی بیوقوفی ہے کہ گھر کے مالک کو جو بڑا داتا اور کریم بھی ہو چھوڑ کر اس کے ایسے بے بس غلام سے سوال کیا جائے؟ اس مثال کے بعد یہی جواب دیں گے کہ ہرگز برابر نہیں اس پر فرماتا ہے الحمد للہ کہ اس قدر تو سمجھ ہے کہ دونوں برابر نہیں۔ مگر اکثرهم لایعلمون اکثر کو تو یہ بھی خبر نہیں اس قدر جاہل و بے تمیز ہیں۔ دوسری مثال وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ میں ہے یہ دو شخصوں کی مثال ہے جن میں سے ایک تو گونگا ہو اور اپاہج بھی اور نکما بھی جہاں جائے کوئی کام بنا کر نہ آئے دوسرا حکیم و دانا ہو کہ لوگوں کو بھی نیکوکاری، عدل و انصاف کا حکم دیتا ہو اور خود بھی راہ مستقیم پر قائم ہو۔ بھلا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ پہلے شخص سے ان کے معبود دوسرے سے وہ خدائے قادر حکیم مراد ہے مشرکین دو قسم کے تھے بلکہ اب بھی ہیں۔ ایک وہ جو پتھر یا اور چیزوں کی مورتوں کو پوجتے تھے ان کے معبودوں کی مثال اخیر میں ذکر کی اور ایک وہ جو بزرگوں کو پوجتے تھے ان کے لیے مثال اول ہے۔

وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ
اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ
اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ
مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ
لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا
تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا
وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ
ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ
الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ
تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ
ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع ۱۰

اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں تو اللہ ہی کو معلوم ہیں اور قیامت کا معاملہ تو بس ایسا ہے کہ جیسا پلک کا جھپکنا یا اس سے بھی قریب تر کیونکہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اللہ ہی تو ہے کہ جس نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے باہر نکالا (جس وقت) کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور تم کو کان اور آنکھ اور دل عطا کئے تا کہ تم شکر

کر دکیا پر بندوں کو نہیں دیکھتے کہ آسمان کے فضا میں (ادھر) تھمے ہوئے ہیں ان کو کون سنبھال رہا ہے اللہ کے سوا البتہ اس میں بھی ایمانداروں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور اللہ ہی نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیے آرام کی جگہ بنایا اور تمہارے لیے چارپایوں کی کھال کے خیمے بنائے جنہیں تم اپنے سفر اور اقامت میں بہت ہلکے پاتے ہو اور ان کی اون اور روؤں اور ان کے بالوں سے بھی بہت سے سامان اور ایک وقت تک کارآمد چیزیں بنائیں اور اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے بعض کو تمہارے لیے سایہ دار بنایا اور تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لیے کرتے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور زرہ بھی جو تمہیں جنگ میں محفوظ رکھتی ہیں وہ یوں تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تاکہ تم جھکو پھر بھی اگر نہ مانیں تو (اے رسول!) تم پر صرف کھول کر حکم پہنچا دینا ہے۔ وہ اللہ کی نعمتیں پہچانتے بھی ہیں پھر مکر تے ہیں اور بہت سے تو ناشکر ہی ہیں۔

ترکیب : اَوْهُوَ اَقْرَبُ او للتمثیل او للتخییر وقیل لشک المخاطب وقیل بمعنی بل والجملۃ تمثیل لسرعۃ وقوع القیامۃ۔ مسخرات حال من الطیر۔ سکنًا بمعنی مسکون لاتعلمون جملہ حال ہے ضمیر منصوب امھاتکم سے۔ مایمسکھن جملہ حال ہے مسخرات سے۔ ظعن سفر۔ اثاثا معطوف ہے سکنًا پر اور دونوں میں اصوافھا جار مجرور کا فصل مستقبح نہیں ہے کیونکہ جار مجرور بھی مفعول ہے اور ایک مفعول کا دوسرے پر مقدم کرنا قبیح نہیں الظعن بفتح العین وسکونہا کالنہر وھو سیر اہل البادیۃ من موضع الی موضع والصوف للغنم والوبر للابل والشعر للمعز اکنانا جمع کن وھو ما یستکن بہ۔

تفسیر : ان آیات میں خدا تعالیٰ ان کے ان معبودوں کے مقابلہ میں کہ جن کو دو مثالوں میں عاجز اور کمزور ثابت کیا تھا اپنے کمال وقدرت واحسان کو ذکر فرماتا ہے۔ وللہ غیب الخ میں اپنا علم بیان کرتا ہے اور غیب کی نادر چیزوں میں سے قیامت کا قائم ہونا تھا اس لیے اس کو بھی ذکر کرتا ہے کہ نہ صرف ہم کو اس کا علم ہے بلکہ وہ ہمارے قبضۂ قدرت میں بھی ہے، پلک جھپکنے سے بھی جلد وہ ظاہر ہوگی ہم کو ہر چیز پر قدرت ہے، اس میں اس کی قدرت کا بھی اظہار ہے پھر اس قدرت کی دلیل کہ جس میں بندوں پر احسان بھی ہے۔ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ الخ سے شروع کرتا ہے کہ تم کو پیدا کیا تم کو علم وادراک دیا معدوم سے موجود کر دیا اگر اپنی وہ حالت یاد نہ ہو تو ہوا میں اڑنے والے جانوروں کو دیکھو کہ فضا میں اسی کا ید قدرت ان کو تھامے رہتا ہے اور اپنے اوپر روزمرہ احسانوں کو غور کرو کہ جن میں سے ایک تمہارے رہنے کے مکانات ہیں۔ پھر سفر کے مکانات کہ جن کا ساتھ لے چلنا آسان ہے جانوروں کی کھال اور بالوں کے خیمے تم کو دیے، عرب میں اونٹ یا جانوروں کی کھال کے رنگ کر خیمہ بناتے تھے اور دنبے بھیڑ کے بالوں سے جن کو اصواف (جمع صوف) کہتے تھے اور اونٹ کے بالوں سے جن کو اوبار (جمع وبر[1]) کہتے تھے اور بکری کے بالوں سے جن کو اشعار (جمع شعر) کہتے تھے، خیمہ وغیرہ بناتے تھے ان چیزوں کے بنانے کا تم کو علم دیا پھر ان سے کیسے کیسے کپڑے اور وردیاں تیار کرتے ہو جو مدتوں تمہارے لیے کارآمد ہوتی ہیں اور مخلوق الٰہی میں سے ایسے اجسام بھی بنائے جن کے سایہ میں آرام پاتے ہو اور پہاڑوں میں غار وغیرہ بھی اس طور کے تیار کیے جن میں چھپ کر دشمنوں سے امان پاتے ہو اور بارش وغیرہ سے بھی پناہ لیتے ہو اور تمہیں کپڑے سینے کا بھی علم دیا کہ اس طرح کرتے بناتے ہو جن سے دھوپ سے بچتے ہو اس کے سوا لوہے کے بھی کپڑے زرہ وخود وغیرہ بنانے سکھائے جن سے جنگ میں محفوظ رہتے ہو۔ یہ سب ماؤں کے پیٹوں سے باہر آنے کے بعد کی انسانی ترقی ہے اور اس ادراک عطا کردہ کا نتیجہ اس پر بھی اس کی طرف نہ جھکیں تو جہنم میں جائیں۔ رسول پر بجز پیغام رسانی کے کوئی مطالبہ نہیں یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں جن میں ان کے معبودوں کا کوئی بھی دخل نہیں مگر بت پرستی کر کے سب کا انکار کیے دیتے ہیں۔

[1] محاورہ میں بھیڑ دنبے کے بالوں کو پشم یا اون کہتے ہیں شاید بکری کے بالوں پر بھی کہیں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے بلکہ اونٹ کے بالوں پر بھی لیکن اونٹ کے بالوں کو جت بھی دیہات میں کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ
يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ
يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ
شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ
الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا
عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ
الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور (لوگو اس دن کو یاد کرو) جس دن کہ ہم ہر قوم میں سے ایک گواہ کھڑا کر دیں گے پھر نہ تو کافروں کو اجازت ملے گی اور نہ ان کا کوئی عذر قبول کیا جائے گا اور جبکہ ستمگار عذاب دیکھیں گے۔ پھر تو نہ ان پر تخفیف (عذاب) ہوگی اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی اور جبکہ مشرک اپنے معبودوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب ایہی تو ہمارے وہ معبود کہ جن کو ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے پھر وہ انہیں جواب دیں گے کہ تم سراسر جھوٹے ہو اور وہ اس دن اللہ کے سامنے سر جھکا دیں گے اور (دنیا میں) جو ڈھکوسلے بنایا کرتے تھے سب گئے گزرے ہو جائیں گے جو لوگ (دنیا میں) خود بھی منکر ہوئے اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے رہے ان کی بدمعاشی کی سزا میں ہم ان کے لیے عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے۔ (اس دن کو یاد کرو) کہ جس دن ہر ایک گروہ میں سے ان کے اوپر انہیں میں کا ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور (اے نبی!) آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے (اس لیے) کہ آپ پر ہم نے ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان کافی ہے اور وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

ترکیب : یوم اذکر محذوف سے منصوب۔ یُسْتَعْتَبُوْنَ لایطلب منھم العتبی ای الرجوع الی مایرضی اللہ۔ قالوا ربنا جواب ہے اذا را الذین کا۔

تفسیر : منکرین انعام الٰہی اور ان کے ان بیہودہ حرکات کا ذکر کر کے جو آخرت میں باز پرس کے قابل ہیں یَوْمَ نَبْعَثُ سے لے کر آخر تک روز حشر کی کیفیت باز پرس اور حساب وکتاب بیان فرماتا ہے کہ ہر قوم میں سے ایک ایک گواہ بلائیں گے جو اس قوم مشرک وکافر کے مقابلہ میں گواہی دے گا کہ ہم نے ان کے پاس توحید واحکام الٰہی پہنچائے پر انہوں نے نہ مانا (گواہی دینے والے انبیاء یا ان کے جانشین ہیں جن سے کوئی گروہ خالی نہیں) گواہی کے بعد وہ اجازت مانگیں گے کہ ہم پھر دنیا میں جائیں۔ یہ قبول نہ ہوگا عذر ومعذرت کریں گے یہ بھی نہ سنا جائے گا۔ پھر مشرکین دنیا میں اللہ کے سوا جن معبودوں کو پوجتے اور ان کو حاجت روا جان کر پکارتے تھے وہاں ان کو دیکھ کر کہیں گے

کہ الٰہی ہم ان کو پوجتے تھے یعنی انہیں کا اشارہ تھا گویا اپنے اوپر سے الزام اٹھانا چاہیں گے۔ اس کے جواب میں وہ کہیں گے تم جھوٹے ہو ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ تم ہم کو حاجت روا جانو۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اس سے دنیاوی باتیں مراد نہیں بلکہ دینی کیونکہ قرآن کے بعد اور کوئی کتاب نہیں آنے کی پھر اس میں بھی سب دینی مسائل نہ ہوں تو کیا ہو۔ تبیان یعنی کھول کر بیان کرنا قرآن کا سب مسائل کو حاوی ہونا دو دلیلوں کے ذریعہ سے ہے اول سنت یعنی جو کچھ قرآن کے بعد مسائل تھے ان کو ان کے اصول مودوعہ سے جو قرآن میں ودیعت رکھی گئی ہیں رسول نے بیان کر دیا اور جو ان سے بھی بچی ان کو مجتہدین نے استنباط کر کے بیان کر دیا اور آیندہ استنباط کے اصول فقہ میں قواعد مقرر کر دیے۔ اس اعتبار سے مجتہدین بھی قرآن کا وکیل یا ترجمان ہے غیر مجتہد پر بضرورت اس کی تقلید کرنا قرآن کو ماننا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۚ تَتَّخِذُوْنَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُوْنَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبٰى مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

مر دو اللہ انصاف کرنے کا اور سلوک کرنے کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم سمجھو اور جن کے تم عہد باندھو تم اللہ کے (نام کے) عہد پورا کیا کرو اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑا کرو حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن بھی کر چکے ہو۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ سب جانتا ہے اور اس عورت جیسے نہ ہو جو اپنا سوت (مضبوط) کات کر توڑ ڈالے تاکہ تم اپنی قسموں کو آپس میں (اس لئے) حیلہ بنانے لگو (یہ سمجھ کر) کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے زبردست ہے اللہ اس میں تمہاری آزمائش کرتا ہے (کہ تم زبردست کا لحاظ کرتے ہو یا قسم کا) اور جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو اللہ اس کو ضرور قیامت میں ظاہر کر دے گا۔

کیب : انکاثا جمع نکث بمعنی المنکوث ای المنقوض شکستہ مفعول ثانی ہے کیونکہ نَقَضَتْ بمعنی صیرت اور حال بھی ہو سکتا ہے۔ غَزْلَهَا تتخذون جملہ حال ہے غیر تکونوا سے ان تکون ای مخافۃ ان تکون۔ امۃ اسم کان ھی اربی جملہ خبر کان۔

بر : روز حشر کی کیفیت کے بعد وہ باتیں ذکر فرماتا ہے کہ جن پر عمل کرنے سے محشر میں کامیابی ہو۔ ان اللہ الخ اس آیت میں انسان

کیونکہ اگر یہ تسلیم نہ کئے جائیں تو دعویٰ تبیان لکل شیء صحیح نہ ہو کس لیے کہ بہت سے مسائل نصوص قرآنیہ میں نہیں ہاں احادیث میں ہیں۔ اسی طرح بہت سے احادیث میں بھی نہیں وہ استنباط قرآن و احادیث سے ظاہر ہوتے ہیں اس لیے اس مقام پر بیضاوی وغیرہ کہتے ہیں من امور الدین علی التفصیل الا جمال بالاحالۃ الی السنۃ او القیاس انتہی۔ ۱۲ منہ

کے مکارم اخلاق و تدبیر منزل سیاست مدن کے سب مسائل آ گئے جن کی تفصیل کو ایک دفتر درکار ہے انسان کے یا تو وہ معاملات ہیں جو خدا تعالیٰ سے متعلق ہیں عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ یا وہ ہیں جو باہم آپس میں ایک دوسرے کے متعلق ہیں بیع شراء سیاست ملک والدین و اولاد اقارب کے ساتھ برتاؤ۔ ان دونوں قسموں کے پھر صدہا اقسام ہیں پس ان سب کو برابر اور پورا پورا ادا کرنا عدل ہے۔ یہ عبادات معاملات سب میں ہے یہ حکم سب پر فرض ہے۔ اس کے بعد اس پر ایک عمدگی کا رتبہ ہے جس کو احسان کہتے ہیں۔ عبادات میں احسان کی تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تعبد اللہ کانک تراہ (الحدیث رواہ البخاری) کہ اللہ کی عبادت کرنے میں یہ خیال کر کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں اگر یہ نہ ہو تو یوں خیال کر کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور معاملات میں احسان اپنے حقوق اور انتقام سے درگزر کرنا غیر کو اس کے استحقاق سے زیادہ نفع پہنچانا جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جو تجھے گالی دے تو اس کو دعا دے جو تجھ سے توڑے تو اس سے رشتہ محبت جوڑ چونکہ اس احسان میں زیادہ تر منظور نظر اہل قرابت ہیں ان سے سلوک کرنے کی بھی تیسری مرتبہ میں تصریح فرمائی اسی طرح ان تینوں باتوں کے مقابلوں میں تین چیزوں سے منع کیا۔ اول فحش سے خواہ وہ زبان سے ہو گالی دینا، بے شرمی کی باتیں کرنا یا افعال سے جیسا کہ زنا لواطت وغیرہا یہ قوت شہوانیہ کا اثر ہے۔ پھر منکر سے یعنی ناپسند باتوں سے جو قوت غضبیہ کا اثر ہے۔ پھر بغی سرکشی سے جو قوت وہمانیہ کا اثر ہے اور یہی تین قوتیں انسان کو ہلاکت میں ڈالتی ہیں۔ یہ ایسی جامع آیت ہے کہ کوئی بات اس میں رہ نہیں گئی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وغیرہ بہت سے لوگ اس آیت کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد قسم اور عہد کی پابندی کی تاکید فرماتا ہے جس پر تمام دینی و دنیاوی کاموں کا دارومدار ہے اور فرماتا ہے کہ قسم کھا کر نہ توڑو جس طرح کوئی بیوقوف عورت سوت کات کر توڑ ڈالے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش میں ایک ایسی عورت تھی۔ بعض کہتے ہیں محض تمثیل مقصود ہے کسی خاص عورت کی طرف اشارہ نہیں۔ جاہلیت میں ایک قوم سے ہم قسم ہونے کے بعد جب ان کے مقابلہ میں دوسری زیادہ قوم کو دیکھتے تھے تو قسم توڑ کر ان کے ساتھ ہو جاتے تھے اس سے بھی منع کرتا ہے کہ یہ آزمائش کا مقام ہے۔ عہد سے ہر عہد عموماً مراد ہے مگر اس میں بالخصوص اس عہد الست اور اس کے بعد عہد یعنی بیعت کی طرف بھی ایماء ہے جو مسلمانوں نے رسول کریم سے بوقت قبول اسلام باندھا تھا کہ جو کچھ ہو اس پر ثابت رہنا اور اس کے مقابلہ میں جو کفار اسلام سے پھیرلانے میں شبہات و شکوک پیش کریں ان کی طرف التفات نہ کرنا کیونکہ وہ سب طمع کاری ہے جس کو اللہ قیامت میں تخت عدالت کے سامنے کھول دے گا۔ ان آیات میں کس خوبی کے ساتھ معاد کے مسئلہ کو احکام مفیدہ کے بعد بیان فرمایا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَّعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ إِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور البتہ تم سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا کرتے تھے اور نہ تم اپنی قسموں کو آپس کے فساد کا سبب بناؤ کہ جس کے پیچھے قدم اکھڑ جائیں اور تم کو اللہ کے رستے سے روکنے کا مزہ چکھنا پڑے اور تمہارے لیے بڑی سزا بھی ہو اور نہ اللہ کے (نام کے) عہد کو تھوڑے سے داموں پر بیچو جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تو تمام ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہتا ہے اور ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اچھے کاموں کا ضرور بدلہ دیں گے جو کچھ نیک کام کرے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو دنیا میں بھی اس کی زندگی اچھی بسر کرائیں گے[1] اور آخرت میں بھی ان کے کاموں کا ضرور عمدہ بدلہ دیں گے۔

ترکیب : فنزل جواب ہے نہی لاتتخذوا کا وتذوقوا جواب پر معطوف انما متصل لکھا جاتا ہے ورنہ یہ ان اور ما موصولہ ہے۔ ھو ضمیر اس کی طرف راجع من ذکر الخ من کا بیان ہے۔ وھو مؤمن جملہ حال ہے من سے فَلَنُحْيِيَنَّهٗ جواب ہے مَنْ عَمِلَ کا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اس پر معطوف۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ جس چیز میں تم اختلاف کر رہے ہو (کہ بعض تم میں سے اپنے طریقے کو اچھا اور بعض اس کو برا کہتے ہیں) اس سے سوال ہوگا اس پر ناظرین کو تسلی دیتا ہے کہ یہ اختلاف بھی قضاء وقدر سے ہے ورنہ خدا چاہتا تو سب کو امۃ واحدۃ یعنی متفق العقائد و المذہب کر دیتا مگر یہ ہدایت و گمراہی اس کے ہاتھ میں ہے پھر اس پر اس سے کون سوال کر سکتا ہے کہ تو نے یوں کیوں کیا بلکہ تم سب سے سوال ہوگا کہ تم کیا کیا کرتے تھے؟ موت کے بعد ہی اس سوال وحساب کا وقت آجاتا ہے ولاتتخذوا الخ یہاں سے پھر اسی قسم وعہد پر قائم رہنے کی تو کید وتہدید فرماتا ہے۔ دستور تھا اور اب بھی ہے کہ قسم کھا کر دوسرے کو فریب دیتے تھے اس سے منع کرتا ہے اور نیز نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام سے بعض قبائل عرب ایسا کیا کرتے تھے۔ فرماتا ہے کہ اگر قسم توڑ کر بدعہدی کرو گے اور قدم جما کر پھسلاؤ گے تو دنیا ہی میں برا مزہ چکھو گے اور آخرت میں بھی عذاب الیم پاؤ گے۔ ولاتشتروا الخ عہد الٰہی دین اور خدا کے رسول کی فرمانبرداری کا اقرار ہے جو ازل میں ہر ایک نے کیا تھا اور نیز دنیا میں بھی زبان سے لوگ حضرت ﷺ سے عہد کرتے تھے اور خدا کے نام پاک کی قسم کھا کر اقرار کرنا یہ بھی عہد الٰہی ہے پھر اس عہد کو بیشتر لوگ دنیاوی طمع میں آکر یا اس پر قائم رہنے میں مال کا نقصان جان کر توڑ ڈالتے ہیں اس کو تھوڑے سے داموں پر فروخت کرنا فرمایا اور اس سے منع کیا اور پھر دنیا کی بے ثباتی بیان کی کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ٹھہر جاتا ہے اس کو فنا ہے خود تم کو بھی فنا ہے

[1] حیات طیبہ کی تفسیر میں علماء کے متعدد اقوال ہیں ابن عباس وسعید بن جبیر وضحاک وعطا کہتے ہیں دنیا میں رزق حلال نصیب ہونا آخرت میں اعمال صالحہ کی عمدہ جزا پانا حیات طیبہ ہے حسن بصری ووہب بن منبہ کہتے ہیں قناعت سے بسر کرنا حیات طیبہ ہے انسان کے لیے لاکھ دولت ہو جب قناعت نہیں دل کی بے چینی جو طلب جاہ ومال میں رہتی ہے کسی نعمت کا مزہ نصیب نہیں ہونے دیتی۔ امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں خدا کی اطاعت میں عمر بسر کرنا حیات طیبہ ہے ابوبکر وراق فرماتے ہیں خدا کی اطاعت میں نصرت پانا حیات طیبہ ہے۔ سہل تستری فرماتے ہیں اپنی جملہ تدابیر کو خدا کے حوالے کر کے راحت سے گزارنا حیات طیبہ ہے۔ فقیر کہتا ہے دنیا میں عافیت سے نیک نامی کے ساتھ جینا اور رضائے الٰہی اور ثواب آخرت کما کر ساتھ لے جانا اور بعد میں ذکر خیر اور حسنات باقیہ چھوڑ جانا حیات طیبہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار اور دشمنوں سے مامون رہنا عزت وشوکت سے بسر کرنا ان کا محکوم رہ کر نہ جینا حیات طیبہ ہے اور صحابہ چونکہ ابتدائے اسلام میں بڑی سخت حالت میں تھے اسی کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے جس کو اس نے بہت جلد پورا کیا وہ گدا اور مساکین اس عہد پر قائم رہنے کے سبب بہت جلد سرسبز سلطنتوں کے فرمانروا اور شاہان عادل ہو گئے یہاں تک کہ عرب کی قومی محبت دنیا کی نگاہوں میں ثابت ہوئی۔ ۱۲ منہ

اور خدا کے ہاں جو کچھ اجر آخرت ہے اور ہمیشہ رہے گا اور جو اس امر میں تکالیف وخسارت مال کی برداشت کرے گا عہد الٰہی پر قائم رہے گا خدا اس کے اچھے عملوں کا اچھا بدلہ دے گا۔

من عمل الخ سے عام بندوں کو بشرطیکہ وہ مومن ہوں اطلاع دیتا ہے کہ نیکوں کو دنیا میں بھی خوش رکھیں گے اور آخرت میں بھی اجر نیک دیں گے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

پھر (اے نبی!) جب آپ قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو کیونکہ اس کا ان پر کچھ بھی قابو نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا قابو تو انہیں پر چلتا ہے کہ اس کو دوست بنائے رکھتے ہیں اور خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا کرتے ہیں۔

ترکیب : فاذا قرأت ای اردت قرأتہ شرط فاستعذ جواب۔ سلطانہ ای الشیطان مبتدا علی الذین خبر یتولونہ ای الشیطان والذین معطوف ہے الذین پر مجرور ہے علی کابہ ای اللہ ای سلطان الشیطان علی الذین یشرکون باللہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا من عمل صالحا الخ اور نیک کاموں میں قرآن مجید کا پڑھنا ایک اعلیٰ درجہ کا کام ہے اور انسان جب قرآن پڑھتا ہے تو اس کی قوت ملکیہ کو غلبہ اور بہیمیہ کو (جو شیطان ابلیس یا اس کی ذریت کا مرکب ہے) کمزوری حاصل ہوتی ہے تب شیطان اس کی اعانت کے لیے اس فعل میں تشویشات ڈالتا ہے اس لیے اس کے دفعیہ کے لیے خدا تعالیٰ سے پناہ لینی چاہیے۔ منجملہ تشویشات شیطانیہ کے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کو اس کے نیک کام پر غرور وخود بینی کی طرف ابھارتا ہے اس لیے فرمایا فاذا قرأت القرآن الخ آیت میں گو خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر مراد سب لوگ ہیں۔ کس لیے کہ جب ایسے بڑے جلیل القدر انبیاء کو پناہ مانگنے کا حکم ہوا تو اوروں کو بدرجۂ اولیٰ حکم ہے اور اسی طرح جب قرأت قرآن کے وقت استعاذہ[1] کا حکم ہے حالانکہ قرآن کی حفاظت کا بارگاہ الٰہی نے ذمہ بھی لے لیا ہے بقولہ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ وبقولہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ تو اور کاموں میں بھی استعاذہ بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے۔

جمہور کے نزدیک یہ حکم ندب کے لیے ہے خواہ قرآن نماز میں پڑھا جائے یا نماز سے باہر تو اول میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا مندوب یعنی بہتر اور عمدہ بات ہے مگر عطاء ظاہر الفاظ پر خیال کر کے اس حکم کو وجوب پر محمول کرتے ہیں یعنی استعاذہ واجب ہے خصوصاً جبکہ قرآن نماز میں پڑھا جائے۔ شافعیہ کہتے ہیں چونکہ نماز کی ہر رکعت میں قرآن کا پڑھنا ایک مستقل پڑھائی ہے اس لیے ہر رکعت میں جبکہ قرآن پڑھا جائے اعوذ کہنا چاہیے مگر حنفیہ وغیرہم فرماتے ہیں کہ سب رکعات کا حکم ایک ہے۔ متعدد قرأت نہیں بلکہ یہ ایک ہی قرأت ہے سلام پھیرنے تک اس لیے ایک بار اعوذ کہنا اول میں کافی ہے فاستعذ کی ف تعقیب کے لیے ہے اس لیے ظاہری معنی پر خیال کر کے اہل علم کی ایک جماعت جن میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور داؤد ظاہری رحمہ اللہ وغیرہ ہیں یہ کہتے ہے کہ قرأت کے بعد اعوذ کہنی چاہیے تاکہ جو اس کو اس

[1] اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا۔

نیک کام سے عجب پیدا ہو دور ہو جائے مگر جمہور اس کے برخلاف ہیں کیونکہ محاورہ کے موافق افعال سے مراد ان افعال کا ارادہ کرنا ہوتا ہے جیسا کہ آیا ہے اِذَا اَکَلْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ وَاِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ جس سے یہ مراد نہیں کہ جب کھا چکو تب بسم اللہ کہو بلکہ جب کھانے کا قصد کرو پہلے بسم اللہ کہو اسی طرح یہاں حکم ہے اور اسی کو عقل چاہتی ہے۔ اس حکم سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ شیطان کو بھی انسانی کاموں میں قدرت تصرف ہے نیک و بد سب پر اس کا زور چلتا ہے اس شبہ کو اس قول سے دفع کر دیا انہ لیس لہ سلطان الخ کہ ایمانداروں اور خدا پر بھروسہ کرنے والوں پر اس کا کچھ بھی زور نہیں چلتا کبھی بشریت سے جو وسوسہ پیدا ہوتا ہے دفع ہو جاتا ہے اور اس پر جمتے نہیں اور جو گناہ بھی سرزد ہو جاتا ہے اس کے وسوسہ سے تو اس کے بعد وہ توبہ و استغفار کر کے اس کو دھو ڈالتے ہیں۔ ہاں اس کا زور تو انہیں پر چلتا ہے جو اس کو دوست بنائے رکھتے ہیں یعنی قوت بہیمیہ اور لذائذ شہوانیہ میں گرفتار ہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ۙ وَّاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْہِ اَعْجَمِیٌّ وَّھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۙ لَا یَھْدِیْھِمُ اللّٰہُ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں حالانکہ جو کچھ وہ نازل کرتا ہے (اس کی مصلحتوں کو) اللہ ہی خوب جانتا ہے تو کہتے ہیں کہ تو از خود گھڑ لیتا ہے (نہیں نہیں) بلکہ اکثر ان میں سے جانتے ہی نہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اس کو تو روح القدس میرے رب کے پاس سے سچائی کے ساتھ لے کر آئے ہیں تاکہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کو ثابت (قدم) رکھے اور فرمانبرداروں کے حق میں ہدایت اور خوشخبری ہو اور (اے نبی!) ہم کو خوب معلوم ہے جو منکر کہتے ہیں کہ اس کو کوئی آدمی سکھایا کرتا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ (قرآن) تو فصیح عربی ہے بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ بھی ان کو ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے۔ جھوٹ تو وہی بنایا کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور (دراصل) وہی جھوٹے ہیں۔

ترکیب : اذا شرطیہ واللہ اعلم بما ینزل جملہ معترضہ شرط اور جزا ہیں۔ قالوا جملہ جواب شرط، مفتر صیغہ اسم فاعل الافتراء یفتری سے ی گر گئی مفتری تھا وھدیً و بشریٰ دونوں محل نصب میں ہیں مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ان کا لیثبت پر عطف ہے تقدیر ہوا ان یثبت۔ اعجمی لسان الذی کی خبر۔ لایھدیھم خبر ہے ان کی الذین یفتری کا فاعل۔ افترا کسی پر جھوٹ سے کوئی بات بنانا۔ العجمۃ الاحتباء وھی ضد البیان والعرب یقال رجل اعجمی وامراۃ عجمیۃ ورجل اعجم وامرۃ عجماء امی لایفصحان۔ وقیل العجمی منسوب الی العجم والاعجمی من لایفصح سواء کان من العرب او العجم وقیل الاعجمی من لایفصح والاعجم الذی من العجم وقال الراغب الاصفہانی بالعکس یعنی الاعجمی الذی من العجم والاعجم من

فی لسانہ عجمۃ وان کان من العرب۔

تفسیر : اس مقام سے منکرین نبوت کے شبہات کا جواب شروع ہوتا ہے۔ (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ایک آیت میں کوئی سخت حکم نازل ہوتا اور اس کے بعد کوئی ایسی آیت نازل ہوتی جس میں حکم نرم ہوتا تھا تو قریش کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمسخر کرتا ہے از خود جو چاہتا ہے بنا کر سنا دیتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (کبیر) یعنی ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلنے سے مراد احکام آیات میں نسخ واقع ہونا ہے جس پر کفار قریش کو اعتراض تھا واللہ اعلم بما ینزل جملہ معترضہ ہے کہ انہیں کیا خبر ہے۔ حقیقت قرآن و مصالح نسخ اللہ ہی جانتا ہے پھر اس کا جواب دیتا ہے کہ کہہ دو میں از خود نہیں بنا لاتا بلکہ جبرئیل خدا کے ہاں سے لے کر نازل ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تم نسخ کی حقیقت سے جاہل ہو (نسخ کی پوری بحث مقدمہ تفسیر میں ہو چکی)۔ (۲) ولقد نعلم یہ ایک اور بیہودہ شبہ کا جواب ہے جو کفار قریش کرتے تھے مکہ میں بعض غلام فارسی یا رومی بھی تھے جن کو صاف طور پر سے عربی میں بات بھی کرنی نہیں آتی تھی چونکہ وہ عیسائی یا فارسی مذہب سے کسی قدر سن سنا کر واقفیت رکھتے تھے مکہ کے جاہلوں میں وہی لائق اور عالم سمجھے جاتے تھے جیسا کہ دیہات میں ادنیٰ ملا کو بڑا مولوی سمجھ لیتے ہیں۔ قریش کو جب کوئی اور بات عیب کی معلوم نہ ہوئی تو یہی کہہ دیا کہ اس کو روح القدس نہیں بلکہ کوئی بشر یعنی وہی غلام تعلیم کرتا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اس کو تو عربی میں صاف طور پر بات بھی کرنی نہیں آتی، عجمی ہے اور قرآن فصیح عربی میں ہے یعنی اس کو خود کیا لیاقت ہے جو وہ اور کو ایسے مضامین الہامیہ تعلیم کرے گا اور پھر ان کو اس پاکیزہ عربی زبان میں بھی اس فصاحت سے لائے گا کہ جس کا مثل مکہ کے تمام فصحا سے نہ ہو سکا۔

فائدہ: الحاد میل لحد اور امال عن القصد اور لحد جو قبر میں ایک طرف یعنی مائل وسط سے ہوتی ہے اس لیے اس کو لحد کہتے ہیں۔ ملحدین سے مائل یعنی برطرف ہوتا ہے اس لیے اس کو ملحد اور اس کے فعل کو الحاد کہتے ہیں۔ ع، ج، م، کا مادہ کلام عرب میں ابہام اور اخفا کے لیے موضوع ہے جس کے بیان میں صفائی نہ ہو اس کو اعجمی کہتے ہیں اور اسی لیے چارپائے کو عجماء اور عرب کے سوا اور ملکوں کے رہنے والوں کو اعجام کہتے ہیں۔

مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ ۙ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَسَمْعِھِمْ وَاَبْصَارِھِمْ ۚ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

جو کوئی ایمان لائے پیچھے اللہ کا منکر ہو جائے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو (تو خیر) لیکن وہ جو دل کھول کر منکر ہو گا تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا سخت عذاب ہے یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کے جینے کو آخرت سے عزیز سمجھا اور نیز اس لیے کہ اللہ (ایسے) کافر قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر کر دی اور وہی غافل بھی ہیں ضرور وہی لوگ آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے۔

ترکیب : من کفر بدل ہے الکاذبون سے یا اولئك سے یا الذین لایؤمنون سے اور ممکن ہے کہ مبتدا ہو فعلیھم اس کی خبر۔ الامن استثناءِ مقدم فعلیھم بعض کہتے ہیں مقدم (نہیں بلکہ لبید کے اس شعر) کی طرح ہے۔ الاکل شیء ماخلا اللہ باطل۔ من شرطیہ جواب اس کا محذوف جس پر فعلیھم دال ہے۔ یہ استثناءِ متصل ہے۔

تفسیر : یہاں سے پھر اسی عہد پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بوقتِ اسلام باندھا جاتا تھا اس لیے اور بھی زیادہ تر قائم رہنے کی تاکید وتہدید ہے کہ جہلاءِ مکہ طرح طرح کے شبہات سے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتے تھے اس پر مار پیٹ بھی غریب ایمانداروں سے کیا کرتے تھے کہ جو کوئی اس عہد کو توڑ کر کافر ہوگا تو اس کو سخت سزا ہے مگر ان میں سے ان مسکینوں کو مستثنیٰ کرتا ہے کہ جن کے دل میں ایمان تھا مار کے ڈر سے کلمات کو منہ سے نکال دیتے کیونکہ مکہ میں کفارِ قریش غرباءِ اہلِ اسلام پر بہت کچھ ظلم وستم کیا کرتے تھے اور ان کو مجبور کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف باتیں کہلواتے تھے بعض مرنا اور مار کھانا گوارا کرتے مگر ایسی باتیں منہ سے نہ نکالتے تھے اور بعض نکال دیتے تھے اور دل سے ویسے ہی مطیعِ اسلام رہتے مگر اس پر بھی ان کو بڑی پشیمانی ہوتی تھی اور مکہ کے کفار بھی کچھ عجب نہیں کہ ان پر جھوٹ بولنے کا طعن کرتے ہوں جیسا کہ آج کل کے متعصبین بھی کہا کرتے ہیں کہ اسلام نے جھوٹ کی اجازت دی۔ اس لیے کذب کی برائی کے بعد اس مسئلہ کا بھی ذکر فرما دیا اور اس میں ایمان لا کر کافر ہونے کی سزا بھی بیان ہوگئی۔ من کفر باللہ الخ یعنی جھوٹے وہی ہیں جو ایمان لا کر کافر ہوتے ہیں یا یوں کہو جو ایمان لا کر بغیر کسی کی زبردستی کے خود بخود کفر کرے گا تو اس پر اللہ کا غضب دنیا اور آخرت میں ہوگا اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ مگر وہ مستثنیٰ ہے کہ اس کو کسی نے مجبور کر دیا ہو یا فی الحقیقت اس کے دل میں ایمان راسخ ہو اور وہ جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر زبان سے کہہ دے تو معاف ہے۔ منقول ہے کہ مکہ میں بہت سے مسلمانوں کو سخت ایذائیں دی گئیں، بعض تو دراصل دین سے پھر گئے اور بعض نے ہر تکلیف گوارا کی مگر زبان سے بھی کلمۂ کفر نہ نکالا جیسا کہ بلال وخباب وسالم ویاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہم۔ ان کو مار مار کر تھک گئے۔ سمیہ رضی اللہ عنہا کی پیشاب گاہ میں ابوجہل نے نیزہ گھسیڑ دیا وہ مر گئیں، اسی طرح اس کا خاوند یاسر بھی شہید ہوا اور ان کا بیٹا عمار ظاہر میں کلمۂ کفر کہہ بیٹھا، لوگوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ عمار مرتد ہو گیا فرمایا کبھی نہیں اس کا دل ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ عمار روتے ہوئے حضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھ کر فرمایا کچھ غم نہ کر۔ الغرض ایسی حالت اکراہ میں زبان سے کلمہ کفر کہنے کی شرع نے اجازت دی ہے مگر صبر کرنے پر ثواب ہے۔ اکراہ کسی کو قتل یا کسی عضو کاٹنے کی دھمکی دی جائے اور اس کو یقین ہو جائے تو ایسی حالت میں بظاہر ایسے قول یا فعل کی رخصت ہے مگر نہ کرنا افضل ہے ذلك الخ سے کفر اختیار کرنے کی وجہ ذکر کرتا ہے کہ انہوں نے زندگیِ دنیا کو آخرت سے بہتر سمجھا یہ ازلی گمراہ ہیں آخرت میں جلیں گے خسارہ میں رہیں گے ایسے لوگوں کو ہدایتِ ازلی سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ اس بات کو دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر مہر کرنے سے بطور استعارہ کے ذکر کیا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ

لے ہاں تلف کرنے یا قید کرنے کی دھمکی اکراہِ شرعی نہیں ایسی حالت میں خلافِ اسلام حرکات کرنا قابلِ مؤاخذہ ہے کیونکہ ایسا بودا اور پلپلا اسلام بھی کوئی چیز نہیں جو ذرا بھی تکلیف کی سہار نہ ہو اور ذرا سے خوف سے نشہ اتر جائے۔ پختہ کاری ہی تو ایک چیز ہے آفرین صحابہ کی پختہ کاری پر اسلام کے لیے گھر بار چھوڑا زن وفرزند مال وجائیداد چھوڑنی پڑی، ماریں کھائیں، زخم اٹھائے، فاقے سہے، اس پر بھی اپنے ہادیِ برحق کا ہاتھ نہ چھوڑا ہر معرکہ پر سینہ سپر ہو کر مال وجان فدا کرنے میں کوئی بھی دقیقہ نہ اٹھا رکھا برخلاف حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام کے لوگوں کے یہ بھی ایک اعجازِ محمدی تھا۔

رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ
عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ
اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا[1] مِّنْ
كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ
بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ
فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

پھر آپ کا رب ان کے لیے کہ جنہوں نے مصیبت میں پڑنے کے پیچھے بھی گھر بار چھوڑ دیا پھر جہاد کیا اور مصائب کی برداشت کی بے شک آپ کا رب ان کی مساعیِ جمیلہ کے بعد غفور رحیم ہے جس دن کہ ہر شخص اپنے ہی لیے جھگڑتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلا دیا جائے گا اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور اللہ ایک ایسے گاؤں کی مثال بیان فرماتا ہے کہ جو امن چین سے تھا (اور) اس کی روزی بھی بافراغت ہر جگہ سے چلی آتی تھی پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی پھر تو اللہ نے ان کے ان برے کاموں کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے اس بات کا مزہ بھی چکھا دیا کہ بھوک اور خوف کا ان کا اوڑھنا پہنا دیا اور البتہ ان کے پاس انہیں میں کا رسول بھی آیا مگر انہوں نے اس کو جھٹلا دیا تب تو ان کو ظلم کرتے ہوئے عذاب نے آ پکڑا۔

ترکیب : ان ربك کی خبر لغفور رحیم اور ان دوسرا اور اس کا اسم تاکیداً مکرر آیا اور ممکن ہے کہ ان اولی کی خبر محذوف ہو کیونکہ ان ثانیہ کی خبر اس پر دال ہے فتنوا مجہول کا صیغہ یعنی لوگوں نے ان کو فتنہ میں ڈالا مار پیٹ کر کلمہ کفر منہ سے نکلوایا۔ صیغہ معروف بھی آیا ہے یعنی انہوں نے ایسا کیا تھا اوروں کے ساتھ۔

تفسیر : عہدِ الٰہی توڑنے والوں کی سزا اور انجامِ کار بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کی جزا بیان فرماتا ہے جو ایمان پر ثابت قدم رہے کفار کی ایذاؤں کو برداشت کیا آخر الامر حضرت ﷺ کے ساتھ جا ملے اور وہاں بھی جا کر جان توڑ اسلام میں کوششیں کیں اور اطمینان دلایا کہ جو کچھ قصور ادائے اطاعت میں ان سے اس حالت مصیبت میں ہو گیا ہے خدا غفور رحیم ہے اور اگر فتنوا معروف پڑھا جائے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ عہد شکنوں میں سے یا کفار میں سے کہ جنہوں نے غریب مسلمانوں کے ساتھ طرح طرح کی بدسلوکیاں کر کے ان کو فتنہ میں ڈال دیا تھا توبہ واستغفار کر کے اسلام میں مساعیِ جمیلہ کرنے اور مصائب پر ثابت قدم رہنے پر مغفرت اور رحم کا مژدہ دیتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ ابوجہل کے رضاعی بھائی اور ابوجندل بن سہیل اور ولید بن المغیرہ وسلمہ بن ہشام وعبداللہ بن ابی اسید ثقفی رضی اللہ عنہم کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ مشرکین نے ان کو فتنہ میں ڈال کر شر پر برانگیختہ کیا تھا لیکن پھر یہ لوگ ہجرت کر کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں آئے اور جہاد کرتے رہے، ان کے گناہ معاف ہو گئے۔ (معالم) ابن عامر فتنوا کو بفتح الفاء والتاء پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ آیت ان مشرکین مکہ کے لیے ہے کہ جنہوں نے مسلمانوں کو فتنہ یعنی مصیبت میں مبتلا کیا تھا لیکن پھر وہ مسلمان ہو گئے ہجرت کر کے جہاد میں شریک ہوئے جیسا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ۔ الغرض یہ آیت توبہ کرنے والوں کے لیے مژدہ ہے اس کے بعد اس

[1] رغدا بالتحریک ای واسعۃ طیبۃ۔

ہولناک دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ یوم تاتی الخ جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ اس دن جو کسی کے لیے مغفرت اور رحمت الٰہی ظہور کرے تو کیسی بڑی چیز ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آج جو قبیلہ کی حمایت اور اپنے معبودوں کی عبادت کے بھروسہ پر کچھ نافرمانی اور بدکاری کر رہے ہیں اس دن ان میں سے کوئی بھی کسی کے کام نہ آئے گا۔ تُجَادِلُ تخاصم وتحج اپنے ہی لیے برأت کی حجتیں پیش کرے گا۔ ضَرَبَ اللّٰہُ یہاں سے مکہ کے بدمست مشرکوں کو جو کعبہ کے طفیل امن سے تھے اور ہر طرف سے ان کے لیے رزق آتا تھا ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے جو ہر ایک ایسی صفت کی بستی پر صادق آتی ہے جہاں کے لوگ خدا کی نعمت کی ناشکری کریں اور جو رسول سمجھانے آئے تو اسے بھی نہ مانیں اسی بدکاری کی حالت میں عذاب الٰہی آپڑے۔ نعمتوں کے بدلے بھوک اور پیاس اور امن کے بدلے خوف و ہراس ان پر ایسا طاری ہو کہ لباس کی طرح ہر طرف سے گھیر لے۔ پھر بتاؤ ان کا کیا حال ہوگا مکہ کے مشرکوں کی امن اور نعمت پاکر رسول کی تکذیب و مقابلہ کرنے میں وہی حالت تھی اب صرف ان پر عذاب الٰہی آنے کی دیر تھی جو بعد میں آیا۔ بدر میں بڑے بڑے سردار مارے گئے، گھر گھر ماتم چھا گیا ادھر سات برس کا سخت قحط پڑا کہ مردار اور ہڈیوں اور کتوں کے کھانے کی نوبت آگئی اور امن بھی جاتا رہا، ہر دم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چڑھائی کا دھڑکا رہنے لگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قریہ سے مراد خاص مکہ ہے اور انہیں کی حالت موجودہ سے آئندہ کی تصویر دکھائی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس صفت ماضیہ کا امم ماضیہ میں کوئی شہر تھا جن پر ان کی ناشکری کے سبب ایسی مصیبت بھوک اور خوف کی پیش آئی تھی مگر مثل میں جو قریہ ہے وہ سب کو شامل ہے۔ تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں لباس الجوع یہ استعارہ ہے کہ لباس کو جو انسان کو ہر طرف سے ڈھانک لیتا ہے انسان کی اس مصیبت ناک حالت کے لیے استعارہ کیا ہے جو اس پر لباس کی طرح چھا جائے یہاں دو چیزیں ہیں ایک مستعار یعنی لباس دوسری مستعار لہ انسانی زبوں حالت بھوک ہراس۔ اس لیے ادراک کے لیے لفظ ذوق استعمال ہوا جو ایسی حالتوں کے ادراک میں مستعمل ہوتا ہے۔ یہ استعارہ مجردہ ہے جیسا کہ اس شعر میں ؎

غمر الرداء اذا تبسم ضاحکا غلقت لضحکتہ رقاب المال

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ
اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ
هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

پھر تم کو اللہ نے جو کچھ حلال طیب روزی دی ہے اس میں سے کھاؤ (اور پیو) اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اس کی پرستش کرتے ہو تم پر حرام تو صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت کیا ہے اور وہ چیز بھی جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام سے پکاری گئی ہو پھر جو بھوک کے مارے بے تاب ہی ہو جائے تو نہ وہ باغی ہو نہ عادی ہو ایسی حالت میں اگر ان چیزوں کو بھی کھالے گا تو خدا غفور رحیم ہے اور جھوٹ موٹ جو تمہاری زبان پر آوے نہ بک دیا کرو کہ یہ چیز حلال اور یہ حرام ہے کہ خدا پر (الٹے) بہتان

۱ اس آیت کا نزول اگر اس قحط کے بعد کا مان لیا جائے تو یہ ربط نہایت مناسب ہے۔

باندھے تم کو کیونکہ جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا تو تھوڑا سا اسباب ہے اور (آخرتو) ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔

ترکیب : وما اهل به ای رفع الصوت لغیر الله به والاہلال رفع الصوت عند رؤیۃ الہلال وبکاء الصبی والتلبیۃ۔ غیر باغ منصوب علی الحال من فاعل اضطر۔ الکذب بفتح الکاف والباء وکسر الذال۔ یہ منصوب ہے تصف کی وجہ سے وما مصدر یہ اور ممکن ہے کہ بمعنی الذی ہو اور عائد محذوف اور الکذب اس سے بدل اور بضم الکاف والذال وفتح الباء بھی آیا ہے یہ جمع ہے کذاب مخفف کی جیسا کہ کتاب وکتب اور بضم باء السنۃ کی صفت ہوگا۔

تفسیر : کفار کا کفران نعمت اور اس پر زوال نعمت اور نزول عذاب بیان فرما کر مسلمانوں کو اپنی نعمتوں کے کھانے کی اجازت دیتا ہے کہ تم ہماری نعمتوں کو شوق سے کھاؤ پیو مگر شکر کرو کیونکہ نزول عذاب نعمتوں کے کھانے سے نہیں بلکہ کھا کر ناشکری کرنے پر وابستہ ہے لیکن نعمتوں کے کھانے میں شتر بے مہار نہ ہو جاؤ بلکہ فلاں فلاں چیزیں جو مضر ہیں ان کو حتی المقدور نہ کھاؤ اس کے بعد ممنوع اشیاء کا حال بیان فرماتا ہے اس کے بعد جو پہلے انبیاء کی معرفت اشیاء ممنوع کی گئی تھیں ان کا اس لیے ذکر فرماتا ہے کہ یہ قید ممانعت کوئی بات مسلمانوں کے لیے نہیں اور کبھی بعض اشیاء کسی جرم کی سزا میں بھی حرام کر دی گئی ہیں جیسا کہ یہود کے ساتھ ہوا بعض مفسرین کہتے ہیں کُلُوْا کا خطاب ان کفار کی طرف جن جو ناشکری میں سزا ہوئی تھی بار دیگر ان کو ہر قسم کی روزی عطا کر کے فرماتا ہے۔ کلوا مما رزقکم الله کہ لو خدا کی دی ہوئی حلال اور پاک چیزیں کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ حلالاً طیباً سے مجملاً ناپاک اور حرام چیزوں کے کھانے کی ممانعت سمجھی جاتی تھی مگر اس کی تصریح بھی کر دی۔ انما حرم علیکم الخ کہ مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ چیز جو غیر اللہ کے نام سے پکاری جائے یا وقت ذبح غیر کا نام اس پر لیا جائے پھر یہ چیزیں بھی بحالت اضطرار درست ہیں۔ انما حصر کا کلمہ ہے خدا نے حرام چیزوں کا انحصار ما کولات میں سے انہیں چار چیزوں پر کیا ہے یہاں بھی اور سورۂ انعام میں بھی بقولہ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰي طَاعِمٍ اور یہ دونوں سورتیں مکیہ ہیں پھر سورہ بقرہ میں بھی انہیں الفاظ کے ساتھ حصر ہے اور سورۂ مائدہ میں اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ سے اور مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله میں کھول دیا اور یہ دونوں سورتیں مدنیہ ہیں۔ پس نطیحہ اور متردیہ وغیرہا حرام چیزیں انہیں میں داخل ہیں جیسا کہ ہم ان کے مواقع پر بیان کر آئے ہیں۔ انما حرم سے افراط سے منع کیا تھا کہ شتر بے مہار نہ ہو جاؤ ناپاک اور گندی چیزیں نہ کھاؤ اسی طرح ولا تقولوا سے تفریط سے منع کیا کہ حلال چیزوں کو بھی حرام نہ کرو یہ افراط وتفریط ناشکری ہے ایسی ناشکری پر بلا نازل ہوتی ہے۔ ناشکری[۲] کر کے جو اس کی نعمتوں سے مزا اٹھاتے ہیں ادھر منعم سے غافل وسرکش رہتے ہیں ایسے نفس پروروں کے لیے خاتمہ آیت میں یہ بھی کہہ دیا کہ متاع قلیل یہ دنیا کے مزے چند روزہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم اور حقیر ہیں ان کو برت لو آخر مرنے کے بعد تو ایسے ناشکروں اور منکروں کے لیے عذاب الیم بڑی دکھ دینے والی سزا ہے ان الوان نعمت کے بدلہ زقوم ہے اور ان عمدہ کپڑوں کے بدلہ رال اور گندھک کا لباس ہے۔

۱ محرمات ما کولات میں سے نہیں بلکہ مشروبات میں سے ہے اس کا حرام ہونا اس حصر کو منافی نہیں۔

۲ کفران نعمت کئی طور پر سے ہے ایک یہ کہ افراط کرے یعنی شتر بے مہار ہو کر حلال حرام طیب غیر طیب کی کچھ بھی پروا نہ کرے شراب مردار یعنی غیر مذبوح خون اور بتوں کے یا غیر معبودوں کے چڑھاوے نذر و نیاز جو بسبب نجاست ظاہری و باطنی کے خدا نے منع کر دیے تھے بے دھڑک کھانے پینے لگے۔ دوم یہ کہ خدا کی نعمتوں کو حقارہ کے کہنے سے اپنے اوپر حرام کر لے، حلال چیزوں کو حرام بنا لے جیسا کہ مشرکین کی عبادت ہے یہ تفریط ہے۔ سوم یہ کہ ان نعمتوں پر منعم حقیقی کا شکر نہ کرے نہ اس پر ایمان لائے نہ اس کی عادت کرے نہ اوامر و نواہی کا پابند ہو یا ان کو بتوں اور غیر معبودوں کی عطا و مہربانی سمجھے، سب صورتوں میں بعد مرنے کے عذاب الیم ہے اور دنیا میں بھی یہ نعمتیں اکثر چھین لی جاتی ہیں جیسا کہ قلیل کا لفظ اشارہ کرتا ہے۔

فوائد : (۱) حلالاً طیباً حلال کے بعد طیب کے لفظ میں اشارہ ہے کہ جو چیزیں حلال ہیں وہ طیب بھی ہیں یعنی پاکیزہ اور ستھری۔ ان میں جسمانی یا روحانی کوئی بھی ناپاکی نہیں اور جن میں ناپاکی ہے انہیں کو حکیم مطلق نے بندوں پر اس لیے حرام یعنی منع کر دیا ہے کہ غذا کا اثر معدے میں ضروری پہنچتا ہے جس کا اطباء انکار نہیں کر سکتے حال کے ڈاکٹروں نے ثابت کیا ہے کہ سور کے انچ بھر گوشت میں ہزار سے زیادہ کیڑے خوردبین سے دکھائی دیے جو صحتِ جسمانی کے لیے سخت مضر ہیں۔

(۲) ناپاکی دو قسم پر ہے ایک جسمانی کہ وہ جانور یا وہ چیز گندی ہو جس کے کھانے سے طبائع سلیمہ نفرت کیا کرتی ہیں جیسا کہ گوہ موت پیپ جانوروں میں سور اور ہر قسم کے درندے شامل شیر، بھیڑیا وغیرہ، پرندوں میں پنجوں اور چنگل سے شکار کرنے والے باز چیل وغیرہ یا زمین کے حشرات سانپ بچھو وغیرہ۔ اس میں مردار جانور بھی شامل ہیں کہ جواز خود مر جائے جس سے علماء نے غیر مذبوح جانور مراد لیا ہے بسبب ان تشریحات کے جو پیغمبر علیہ السلام نے فرمائی ہیں جن کا ذکر کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ اسی طرح خون بھی کہ جس کو جاہلیت میں توں پر پکا پکا کر کھاتے تھے کیونکہ جس طرح غیر مذبوح کے گوشت میں وہ لطافت نہیں رہتی جو مذبوح کے ہوتی ہے یہاں تک کہ دونوں کی کھال میں بھی بڑا تفاوت ہوتا ہے مضبوطی اور غیر مضبوطی کے لحاظ سے۔ اسی طرح خون کے کھانے یا پینے میں بھی صحت میں فرق آجاتا ہے اور دل پر بھی ایک قسم کی درندگی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن میں جسمانی ناپاکی ہے اور صحت و اخلاق پر بھی بڑا اثر پیدا کرتی ہیں ان سب کی حرمت اس طیباً کی قید سے ثابت ہے جس کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور اسی لیے علماء کا بھی ان کی حرمت پر اتفاق ہو گیا ہے۔ دوسری قسم کی نجاست روحانی ہے وہ کیا؟ کہ اس جانور یا اس چیز میں بت پرستی کی نجاست سرایت کر گئی ہو۔ اس کا ذکر اس جملہ میں ہے وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ یہ جملہ کہیں لفظ بہ کی تقدیم کہیں تاخیر سے قرآن مجید میں چار جگہ وارد ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے بعد عند الذبح کی قید بڑھائی ہے کہ ذبح کے وقت جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے وہ حرام ہے مگر مطلق کو قید لگا کر مقید کرنا یا عام کو خاص کوئی ہلکا سا کام نہیں کس لیے کہ یہ بھی ایک قسم کا نسخ ہے اور آیت کو کسی کا قول منسوخ کر نہیں سکتا اس کے لیے یا تو کوئی آیت ہونی چاہیے ورنہ کم سے کم کوئی ایسی حدیث ہو کہ جو صریح الدلالۃ بھی ہو اور اس کے ثبوت میں بھی کسی کو کلام نہ ہو۔ ہم نے ہر چند غور اور بہت تلاش کی مگر اس قسم کا کوئی مخصص ہم کو نہیں ملا۔ پھر صرف مفسروں کی اس قید سے یہ آیت کیونکر مقید یا خاص ہو سکتی ہے۔ ان مفسروں نے بھی جہاں تک ہماری سمجھ میں آیا یہ قید احترازی نہیں لگائی ہے بلکہ ایک بیان واقع کیا ہے یعنی اس وقت اکثر بت پرست ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ بتوں پر جانوروں کو ان کے نام سے ذبح کیا کرتے تھے۔ اب یہاں ایک تو لفظ قابلِ بحث ہے، دوم اہل بہ، سوم غیر اللہ ما کا لفظ بھی عام ہے اس میں جانور کی کوئی تخصیص نہیں جانور ہو یا کھانا کپڑا ہو جو بتوں کے نام سے پکارا جائے یا ان پر چڑھایا جائے حرام ہے۔ اہلال لغت میں آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں جو چاند دیکھنے کے بعد پکار کر کہتے ہیں ھذا اہلال یعنی یہ چاند ہے پھر اس کا استعمال لڑکے کی آواز پر بھی ہونے لگا جو وقتِ ولادت ہوتی ہے کہتے ہیں استہل الصبی اور حج میں تلبیہ[1] پکار کر کہنے پر بھی اور پھر اور مواقع پر آواز بلند کرنے پر بھی۔ یہاں بھی یہی مراد ہیں کہ جس چیز پر بہ قصدِ عبادت غیر اللہ کا نام پکارا جائے عام ہے کہ ذبح کے وقت یا اس سے پہلے کہ یہ جانور فلاں کے لیے ہے تو وہ حرام ہو گیا خواہ وہ جانور اصل میں حلال تھا بکرا بکری، گائے بھینسا، اونٹ وغیرہ یا نہ تھا اب وہ نجاست اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے دور نہیں ہوتی جیسا کہ نجاستِ ظاہری اگر کوئی سور یا کتے کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو کیا وہ گوشت حلال ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر نجاستِ روحانی تو اس سے بھی زیادہ عند اللہ مکروہ ہے وہ تو جب ہی زائل ہو سکتی ہے کہ جب وہ شخص توبہ کرے اور پکار کر کہے کہ میں اس سے باز آیا تب اگر وہ بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے تو درست ہو سکتا ہے لغیر اللہ بھی مطلق ہے اللہ کے سوا کسی کے نام سے بہ نیتِ تقرب

[1] تلبیہ لبیک اللھم لبیک الخ کہنا۔

کوئی چیز پکاری جائے حرام ہے نیتِ تقرب نہیں بلکہ تملیک وغیرہ کا اظہار مقصود ہے تو اس سے مستثنیٰ ہے مثلاً کسی بکرے کے لیے کوئی پکار کر کہہ دے کہ یہ فلاں کا ہے یعنی اس کا وہ مالک ہے یا میں نے اس کو ہبہ کر دیا تو اس سے وہ حرام نہیں ہو جاتا کس لیے کہ اہلال لغیر اللہ میں تقرب ہی مقصود ہوتا ہے[1]۔

(۳) گرچہ حلالاً طیباً کی قید سے جملہ ناپاک اور گندی چیزیں جن میں نجاست جسمانی ہو یا روحانی سب حرام ہو گئیں مگر ان میں سے ان چار چیزوں کو کہ ان میں زیادہ تر نجاست تھی اور عرب کے مشرکین زیادہ تر استعمال کرتے تھے مخصوص کر کے حرام ہونا بیان کر دیا اور کلمہ انما جو حصر کا فائدہ دیتا ہے تو یہ حصر اضافی ہے یعنی حلال طیب چیزوں کے مقابلہ میں بالفعل بصراحت یہی چار چیزیں حرام ہیں کیونکہ غیر حلال و غیر طیب سب چیزیں حرام ہیں انہیں میں سے یہ چار چیزیں بھی ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہوا اور دیگر چیزوں کا وقتاً فوقتاً خود قرآن مجید نے یا حضرت پیغمبر علیہ السلام نے اظہار فرمایا جیسا کہ خمر یعنی شراب اور نطیحہ[2] و متردیہ[3] اور درندوں کا کھایا ہوا جانور اور بتوں پر ذبح کیا ہوا۔

کہتے ہیں کہ جس میں بھوک کے مارے ہلاک ہو جانے یا سخت بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو جس کا اندازہ تین روز کا فاقہ عام حالت پر قیاس کر کے کیا گیا ہے ورنہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ سات روز میں بھی ان پر ہلاکت کا اندیشہ نہیں اور بعض کسی مرض یا معدہ کی حرارت کے سبب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر ایک رات دن کھانا نہ ملے تو غشی طاری ہو جائے ان کے لیے وہی حالتِ اضطرار ہے مگر اس اجازت میں بھی قید ہے وہ یہ کہ باغی اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو جس کے معنی اکثر علماء نے یہ کیے ہیں کہ کھانے میں سدِ رمق کھائے پیٹ بھرنے کا قصد نہ کرے نہ عادی ہو کہ پھر ان چیزوں کے کھانے کا ارادہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اتباع کا بھی یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ باغی بغاوت سے مشتق ہے کہ امام برحق سے لڑنے میں اس کو یہ بھوک پیاس پیش آئے تو اس کے لیے اس حالت میں بھی رخصت نہیں غرض حالتِ معصیت میں رخصت نہیں کس لیے کہ رخصت رحمت و عنایت ہے جس کا عاصی مستحق نہیں اگر کوئی چوری کے لیے چلا یا فعلِ ناحق کے لیے یا زنا کرنے کے لیے یا اور کسی بُرے کام کے لیے پس نہ اس کے لیے حالتِ اضطرار میں جس کو مخمصہ کہتے ہیں ان ممنوعہ چیزوں کے کھانے کی رخصت ہے نہ سفر میں قصر نماز اور افطار کی رخصت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے پہلے قول کے موافق عاصی کو بھی رخصت ہے کیونکہ معصیت اور چیز ہے باقی احکام میں تقسیم ہے اس کے بعد فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہ یہ کوئی اچھی بات نہ تھی بات تو بری تھی مگر اس کو خدا معاف کر دیتا ہے۔ وہ غفور رحیم ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کھانے میں سدِ رمق سے زائد اس حالتِ اضطرار میں کھایا جانا ایک معمولی بات ہے اس لیے غفور رحیم فرمایا ورنہ رخصت کے بعد ان اشیاء میں کوئی حرمت باقی نہیں رہتی۔

(۵) اب جیسا کہ بعض اشیاء سے بمقتضیٰ حکمت روکا تھا اسی طرح اس بات سے بھی منع فرماتا ہے کہ تم جھوٹ موٹ بغیر علم یہ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ چیز حرام یہ حلال ہے کس لیے کہ اشیاء کی حلت و حرمت خدا ہی کے سپرد ہے۔ جاہلیت میں مشرکین اور ان کے گرو حلال اشیاء کو اپنے

[1] یہ جو بزرگانِ دین اولیاء صلحا کے نام سے کھانا پکا کر تقسیم کیا جاتا ہے یا شیرینی فاتحہ خوانی کے بعد تقسیم کرتے ہیں یہ ان کی عبادت و تقرب کی نیت سے نہیں بلکہ عبادت و تقرب تو اللہ ہی کا مقصود ہوتا ہے میت کی جانب سے یہ عبادت ادا کی جاتی ہے اس لیے اس کا ثواب میت کی روح کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ قرین قیاس ہے کیونکہ میت کی طرف سے اگر کوئی اس کا قرضہ چکائے تو چک سکتا ہے اب رہا یہ ایصال ثواب خواہ اوقات معینہ پر ہو یا لاعلی التعین بشرطیکہ تعین کو اس کا جزء نہ سمجھا جائے درست ہے ایسی چیزوں کو ما اھل لغیر اللہ کا مصداق بنا کر حرام اور نجس قرار دینا زیادتی ہے ہاں اگر کوئی ان بزرگانِ دین ہی کی عبادت ہی کی نیت سے ایسا کرے تو بے شک وہ نجس و حرام ہے۔ حقانی

[2] نطیحہ وہ جانور جس کو کسی دوسرے نے سینگوں سے پھاڑ کر مار ڈالا ہو۔

[3] متردیہ وہ جو بلندی سے گر کر مر جائے۔

اور پر خدا کی عبادت سمجھ کر حرام کر لیتے تھے۔ سائبہ بحیرہ وغیرہ بتوں کے نام سے چھوڑتے تھے ان کو بھی حرام سمجھتے تھے بتوں کی عزت و تعظیم کے لیے کیونکہ ایسا کرنے میں خدا پر بہتان باندھنا ہے اور خدا پر بہتان باندھنے والے فلاح نہیں پاتے ان کا آخرت میں انجام بد ہے۔ دنیا میں چند روزہ مزے ہیں اڑا لیں پھر تو دردناک عذاب ہے ممکن ہے کہ متاع قلیل الخ سے ان کے لیے تنبیہ ہو جو خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے نہیں بچتے یا اس کی حلال نعمتیں کھا کر شکر نہیں کرتے اور پوری شکر گزاری یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اور اس کے اوامر و نواہی پر ایمان لائے زبانی شکر کہہ دینا کافی نہیں۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کی تھیں جنہیں تم کو پہلے بتا چکے ہیں اور ہم نے تو ان پر کچھ بھی ظلم نہ کیا تھا لیکن وہی اپنے نفسوں پر آپ ظلم کیا کرتے تھے پھر آپ کا رب ان کے لیے جو بے خبری میں برے کام کرتے رہے پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور سدھر گئے۔ بے شک آپ کا رب اس کے بعد غفور رحیم ہے۔ بے شک ابراہیم پیشوا ہو گزرے ہیں وہ خدا کے بڑے فرمانبردار ایک طرفہ بندے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے اس کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار تھے خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور ان کو راہ راست دکھائی تھی اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں ہوں گے۔

ترکیب : علی حرمنا سے متعلق ہے من قبل قصصنا سے۔ انفسھم یظلمون کا مفعول بجھالۃ عملوا سے متعلق۔ کان جملہ ان کی خبر۔ امۃ اماما کان کی خبر اول قانتا خبر ثانی اسی طرح حنیفا بھی خبر ہے ولم یک جملہ معطوف ہے کان پر اسی طرح شاکرا بھی خبر کان کی۔

تفسیر : یہاں سے وہ تحریم بیان کی جاتی ہے جو اگلے لوگوں پر ان کی سرکشی سے واقع ہوئی تھی فرماتا ہے وعلی الذین ھادوا حرمنا یعنی یہود پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا ذکر اے نبی ہم نے پہلے آپ سے سورۃ انعام وغیرہ میں کیا ہے جیسا کہ فرمایا تھا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَا کہ ہم نے یہودیوں پر کھر والا جانور حرام کر دیا تھا گائے اور بکری کی چربی بھی حرام کر دی تھی۔ یہود پر اشیاء کے حرام ہونے کا مسئلہ تحریم اشیاء کے بعد اس لیے مذکور ہوا تا کہ مسلمانوں کو معلوم ہو کہ تحریم دو قسم کی ہے ایک یہ کہ خود ان اشیاء میں کوئی مضرت ہے حکیم نے شفقت سے منع کر دیا۔ دوم یہ کہ ان میں کوئی بھی مضرت نہیں بلکہ ان کی سرکشی کی وجہ سے ان کو ان

چیزوں کے استعمال سے روک دیا تا کہ اس ورزش میں ان کے نفس بد کی تیزی ٹوٹے جیسا کہ روزے میں ہوتا ہے۔ مسلمانوں پر جو چیزیں حرام ہوئی ہیں تو قسم اول کی تحریم ہے برخلاف یہودیوں کے کہ ان پر قسم دوم کی بھی تحریم تھی۔ یہ مسلمانوں پر احسان ہے کہ ان پر اس قسم کی تحریم جاری نہیں فرمائی۔ اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ فرماتا ہے کہ یہ یہودی کا ظلم اپنے نفسوں پر تھا سرکشی کرتے تھے اشیاء ان پر حرام ہوتی جاتی تھیں اور سرکشی کے بعد توبہ کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ بقولہ ثم ان ربک کہ جو لوگ بے خبری میں گناہ کرتے رہے مگر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی ان کے لیے خدا غفور رحیم ہے۔ ایک آیت میں یہ آ گیا کہ جو موت تک گرفتار گناہ رہتے ہیں اور موت طاری ہونے کے وقت توبہ کرتے ہیں ان کی توبہ مقبول نہیں کما قال ولیست التوبۃ الآیہ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر دانستگی میں بھی کسی نے برائی کی ہے اور مرنے سے پہلے اس نے توبہ کر لی وہ بھی مقبول ہے۔ جمہور اہل علم کا اسی پر اتفاق ہے مشرکین مکہ جو حضرت علیہ السلام کی نبوت میں کلام کرتے تھے بت پرستی کرتے تھے با ایں ہمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قائل تھے ان کے طریقہ کو اچھا جانتے تھے اسی طرح یہود بھی ان کے قائل تھے اور اپنی خرافات کو ان کی طرف منسوب کرتے تھے تورات میں جو کچھ احکام میں نسخ ہوئی اور پاک چیزیں ان پر حرام ہوئیں ان کو سنت ابراہیمیہ سمجھتے تھے اس لیے ان دونوں فریق کے سنانے کو ابراہیم علیہ السلام کا چند صفات حمیدہ کے ساتھ ذکر کیا تا کہ ان کے خیالات فاسدہ کا بطلان ہو۔ پس فرماتا ہے ان ابراھیم الخ اول صفت ان کی امۃ اس کے چند معنی ہیں وہ تن تنہا پیشوا دین ہونے کی وجہ سے بمنزلہ امت یعنی ایک جماعت کے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں اپنے اول عہد میں تمام مشرکین کے مقابلہ میں وہی موحد تھے اس لیے وہ بھی ایک گروہ قرار دیے گئے یا امۃ بروزن فعلۃ بمعنی مفعول جیسا کہ رحلۃ وعدیۃ یعنی مقتدا (۲) قانتا یعنی حکم کے تابعدار (۳) حنیفا بمعنی مائل الی الاسلام (۴) لم یک الخ وہ مشرک نہ تھے (۵) شاکرا کہ بڑے شکر گزار تھے (۶) اجتباہ خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا ایک عالم ان کو ذکر خیر سے یاد کرتا ہے (۷) ھدایۃ ان کو راہ راست کی طرف ہدایت کی گئی تھی (۸) اتیناہ الخ دنیا میں بھی وہ پھلے پھولے ان کی نسل میں برکت دی گئی (۹) دار آخرت میں مقام بلند پر پہنچے۔ اب جو ابراہیم کے رستہ پر ہے وہی ان کا وارث برکات کا مستحق۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ

مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

پھر ہم نے (اے نبی!) آپ کی طرف یہ وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کریں جو خدا کے ہو رہے تھے وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ سبت تو انہیں پر مقرر ہوا تھا جو اس میں اختلاف کرتے آئے ہیں اور آپ کا رب ہی قیامت کے روز ان باتوں کا ذکر کہ جن میں وہ اختلاف کرتے رہے فیصلہ کر دے گا (اے نبی! لوگوں کو) اپنے رب کے رستہ کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ سے بلائیے اور ان سے بحث بھی کرو تو پسندیدہ طریقہ سے کرو کیونکہ آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے رستہ سے بہکا ہوا ہے اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہیں اور اگر تم سختی بھی کرو تو اتنی کہ جتنی تم سے کی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور نہ ان پر کچھ رنج کیجئے۔ اور نہ آپ ان کے مکروں سے دل تنگ ہوں کس لیے کہ جو پرہیزگاری اور لوگوں سے نیکی کرتے ہیں اللہ ان کے ساتھ ہے۔

ترکیب : ان اتبع اوحینا کی تفسیر ہے بالتبع ای بالمجادلۃ الحق۔ عاقبتم جمہور کے نزدیک الف تخفیف کے ساتھ ہے اور بعض نے بغیر الف کے تشدید کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ عقبتم ای عقبتم۔ بمثل ماب زائدہ ہے بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ تقدیر یہ ہے بسبب مماثل لما عوقبتم لھو ضمیر صبر یا عفو کی طرف پھرتی ہے دونوں پر کلام دال ہے۔ ضیق مصدر ہے ضاق کا جیسا کہ سارا سیر ایا ضیق کا مخفف جیسا کہ میت میت کا الا باللہ ای بتوفیقہ۔

تفسیر : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف مذکورہ میں مشرکین و یہود پر تعریض ہے کہ تم کو بھی ابراہیم علیہ السلام کا اتباع ضرور ہے تم تو ان کے برخلاف کام کرتے ہو اس کے بعد ان پر ایک اور تعریض کرتا ہے کہ ثم اوحینا الیک الخ اے ہمارے رسول! ہم نے بعد اس کے کہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ لوگوں نے محرف کر دیا تھا (لفظ ثم اسی طرف اشارہ کرتا ہے) آپ کی طرف اے نبی! حکم بھیجا کہ طریقہ ابراہیم پر قائم رہو اور اس پر چلو یعنی محمد علیہ السلام نے دنیا میں کوئی نیا مذہب نہیں نکالا جو تم اس کے قبول کرنے میں یہ شش و پنج کرتے ہو یہ تو اسی برگزیدہ نبی کا رستہ ہے کہ جس کے اتباع کا تم کو دعویٰ ہے ہاں تم نے اس طریقہ کو بگاڑ دیا مشرکین نے تو شرک کر کے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام ہرگز مشرک نہ تھے یہود نے دیگر رسوم باطلہ سے۔

یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے تھے کہ آپ طریقہ ابراہیم کے کیونکر پابند ہو سکتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کے دین میں یوم السبت یعنی ہفتہ کے دن کی تعظیم خاص تھی وہ آپ نے ترک کر کے اس کی جگہ جمعہ کا دن مقرر کیا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ کہ سبت کا دن ابراہیم علیہ السلام پر مقرر نہ ہوا تھا بلکہ انہیں یہود پر موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں کہ جنہوں نے اس میں اختلاف کیا یعنی اس کی تعظیم بجا نہ لائے بہت نے ان کے بزرگوں میں سے اس کی بے حرمتی کی اس دن میں کاروبار و شکار کیا جس پر مبتلائے بلا ہوئے۔ اختلفوا فیہ میں ایک قسم کی تعریض ہے کہ یہ جو آج اس کی تعظیم کا دم بھرتے ہیں انہیں نے اس میں اختلاف بھی کیا۔ اختلفوا فیہ کے یہی معنی ہیں کہ بالاتفاق سب نے اس کی تعظیم برابر نہیں کی یا یہ معنی کہ نصاریٰ بھی باوجودیکہ توریت کی پابندی کا دم بھرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کے احکام کو بھی برحق مانتے ہیں لیکن سبت کو نہیں مانتے اس کی جگہ اتوار کے دن کی تعظیم کرتے ہیں۔ کتب علی الذین میں نصاریٰ بھی داخل ہیں اور یہود بھی پھر انہیں میں باہم اس سبت میں اختلاف ہے یہودی اس کے قائل عیسائی نہیں بلکہ اس کی جگہ اتوار کو قائم کرتے ہیں اور ہر ایک دلیلیں قائم کرتا ہے[1] اس لیے فرماتا ہے ان ربک لیحکم الخ کہ خدا

[1] ہفتہ کا دن اس میں دنیاوی کاروبار یہود پر ممنوع تھا۔ ۱۲ منہ

قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ہم پچھلے ہیں مگر سب سے پہلے ہیں قیامت کے دن صرف فرق یہ ہے کہ ان کو پہلے کتاب ملی ہے اور ہم کو پیچھے پس وہ دن کہ جو خدا نے ان پر فرض کیا تھا اس میں انہوں نے اختلاف کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو وہ دن بتلا دیا کہ وہ ہمارے پیچھے رہ گئے یہود ایک روز نصاریٰ اس کے بعد ایک روز (صحاح) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی مسند نبوت پر بیٹھے اور ان سے بھی بڑھ گئے تو ان کو حج کے لیے لوگوں میں منادی کا حکم ہوا تھا وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ تو آپ کو تمام عالم کی دعوت کا حکم ہوا کہ سب کو راہ راست کی طرف بلائیں فقال ادعو الی سبیل ربک مگر دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ اول اعلیٰ درجہ کے حکماء کمل اجن کا مقصود اصلی یقینات کا دلائل قطعیہ سے حاصل کرنا ہے سو ان کی دعوت بالحکمۃ ہوتی ہے دلائل قطعیہ یقینیہ کے ساتھ ان کے دل میں عقائد و اعمال صالحہ کی رغبت پیدا کرنا۔ اب یہ کچھ ضرور نہیں کہ یہ دلائل قواعد منطقیہ پر مبنی ہوں یا نہ ہوں بلکہ ان کے فہم و استعداد کے موافق، دوم اوسط درجہ کے لوگ ان کے افہام دلائل اقناعیہ ہی پر بس کر لیتے ہیں سو ان کو بالموعظۃ الحسنۃ دعوت ہوتی ہے اور یہی دلائل موعظت حسنہ ہیں جو لطف و نرمی کے پیرایہ میں ادا کی جاتی ہیں۔ سوم ادنیٰ درجہ کے لوگ جن کی روح مکدر اور عالم غیب سے نورانیت کا حصہ نہیں پائے ہوئے ہوتی ہے سو یہ لوگ دعوت کے قابل نہیں بلکہ ان کے مسلمات سے ان کا بند کر دینا ہی مطلوب ہوتا ہے اس لیے ان کے لیے فرمایا وجادلھم بالتی ھی احسن اور اسی لیے اشرار اہل کتاب کے لیے ایک جگہ یوں آیا ہے وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اور چونکہ یہ لوگ ہٹ دھرمی کیا کرتے ہیں، الزام کھانے کے بعد بھی بک بک کیے جاتے ہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ الخ یعنی آپ کچھ غم نہ کریں کہ کیوں نہیں مانا کس لیے کہ خدا کو گمراہ اور ہدایت یافتہ معلوم ہیں سزا جزا اسی کے ہاتھ ہے جو شخص خلائق کی ہدایت پر کمر باندھ کر ان کو ان کے مذہب آبائی اور رسوم و عادات موروثیہ سے منع کرنا چاہے تو لوگ اس کے اور اس کے اعوان و انصار کی تکلیف اور ایذا میں ہاتھ سے زبان سے کچھ اٹھا نہیں رکھتے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے پیروؤں کو حکم دیتا ہے کہ ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم کہ اگر بدلہ ہی لینا ہو تو اسی قدر کہ جس قدر تم کو تکلیف دی گئی ہے۔ یہ عام قانون عدالت کے موافق حکم ہے مگر انبیاء اور ان کے پیروؤں کا مرتبہ اس سے بھی بلند ہے ان کو صبر و برداشت کرنا ہی بہتر ہے اس لیے فرمایا ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے بھی اعلیٰ ہے اس لیے آپ کو بہ تاکید صبر کا حکم دیا واصبر[2] الخ اور نیز آپ کو ان کی گزشتہ حرکات ناشائستہ پر رنج کرنے اور آئندہ جو وہ مکر و فریب کریں گے یا کرتے ہیں اس سے دل تنگ ہونے کی بھی ممانعت کر دی ولا تحزن الخ اور اپنی مدد کا بھروسہ دلا دیا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ جس طرح سورۃ حجر کا خاتمہ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین یا دائمی کے حکم پر کیا تھا جس سے روح میں قوت اور تکالیف کی برداشت کی طاقت پیدا ہوتی ہے اسی طرح اس سورہ کا خاتمہ جملہ مصائب کی برداشت پر کیا جو خدا پرستی میں پیش آتی ہیں۔ اس لیے کہا گیا ہے الصبر مفتاح الفرج صبر کشادہ کاری کی کنجی ہے دنیا کے کاموں سے لے کر خدا پرستی اور عرفان

[1] واعظان دین کو یہ آیت پیش نظر رکھنی چاہیے تاکہ صبر و حلم و طریق وعظ ملحوظ ہے۔ ۱۲ منہ

[2] ما صبرک الا باللہ کہ آپ کا صبر کرنا توفیق و تائید الٰہی سے ہے کس لیے کہ انتقام کے وقت نفس جولانی میں ہوتا ہے اس وقت اس کی باگ توفیق الٰہی ہی تھام سکتی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ مخالفوں کی ایذاؤں ہی پر صبر و برداشت کرنا مراد نہیں بلکہ عبادت و ریاضت و یاد الٰہی کی مشقتیں برداشت کرتے رہو کیونکہ یہ موز دروفی اللہ ہی کے لیے ہے یہ ہجر کا مرتبہ ہے جس کے بعد وصال کا وعدہ ہوتا ہے۔ ان اللہ مع الذین کہ پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے ساتھ خدا ہے احسان کی تفسیر صحیح حدیث میں آچکی ہے کہ اللہ کی اس طور سے عبادت کرو گویا کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں اور یہ نہ ہو تو گویا وہ خود دیکھ رہا ہے یہ وہ مراقبہ ہے جسے وصال نصیب ہوتا ہے اس وصال کے لیے سالہائے دراز عشاق نے رو رو کر شام سے صبح کی ہے۔ ۱۲ منہ

الٰہی تک جس نے صبر نہیں کیا کچھ بھی نہیں پایا اور یہاں صبر پر کامیابی کا بھی وعدہ ہے۔ کس لیے کہ خدا کی معیت سے زیادہ اور کوئی کامیابی نہیں جس کے ساتھ خدا ہے اس کے ساتھ سب کچھ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①

پاک ہے کہ وہ جس نے راتوں رات اپنے بندہ (محمد ﷺ) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی کہ جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ اس کو ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں سننے والا دیکھنے والا وہی خدا ہے۔

ترکیب : سُبْحٰنَ اسم ہے بمعنی تسبیح بمعنی التنزیہ اور کبھی علم بھی ہو کر مستعمل ہوتا ہے تب اضافت سے منقطع ہوگا اور غیر منصرف ہوگا۔ قد قلت لما جاءنی فخرہ، سبحان من علقمۃ الفاخر۔ اور اس کا نصب فعل محذوف سے ہے جو متروک الاظہار ہے۔ اسریٰ وسریٰ ایک معنی میں ہے لیلاً منصوب ہے اسریٰ کا مفعول فیہ ہو کر حولہ منصوب ہے مفعول بہ یا فیہ ہو کر بارکنا کالذی اسریٰ سے متعلق ہے۔

تفسیر : چونکہ پہلی دونوں سورتوں کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت و تسبیح اور اس پر صبر یعنی اس کے تکالیف برداشت کرنے اور اس پر مداومت کا حکم دیا گیا تھا جس کی آپ نے بخوبی تعمیل کی اب اس سورہ کی ابتدا میں اس عبادت و صبر کا نیک نتیجہ ظاہر فرماتا ہے وہ کیا؟ حضرت کو معراج ہونا جس میں صدہا اسرار غیب اور آسمانوں اور جنت و دوزخ کے حالات دکھائے گئے یہ امر نبوت کی اعلیٰ ترقی ہے۔ جملہ مفسرین متفق ہیں کہ عبدہ سے مراد اس جگہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسراء رات میں سیر کرانا لے جانا لیکن پھر لیلاً کا لفظ نکرہ کر کے لانا اس لیے ہے کہ تمام رات کی سیر نہ کوئی سمجھ لے بلکہ یہ واقعہ رات کے ایک خاص حصہ میں ہوا تھا۔ وہ یہ کہ مسجد الحرام سے حضرت کو مسجد اقصیٰ[1] تک لے گئے پھر وہاں سے آسمانوں تک پہنچے۔ مسجد الحرام خانہ کعبہ اور اس کے آس پاس کی جگہ یعنی صحن۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ میں خانہ کعبہ کے پاس حجر[2] کے اندر کچھ بیدار کچھ سوتا تھا کہ جبرئیل میرے پاس براق لائے الخ اور بعض روایات میں ہے کہ اس رات آپ ام ہانی کے گھر میں تھے۔ اس کی تطبیق علماء نے یوں کی ہے کہ ام ہانی کا گھر حرم میں واقع تھا اور یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی طور پر بھی کئی بار معراج ہوئی ہے۔ ام ہانی کے گھر سے شاید روحانی معراج ہوئی ہو نہ یہ کہ جس کا یہاں ذکر ہے اور اسی طرح وہ جو بعض اہل علم معراج کو خواب بنی کہتے ہیں غالباً ان کی مراد بھی خواب کی معراج ہوگی نہ یہ کہ جو حالت بیداری میں روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئی اور مسجد اقصیٰ تک ایک رات کے کچھ حصہ میں جانا تو اس آیت سے ثابت ہے اور پھر آگے آسمانوں تک احادیث صحیحہ سے جو بحالت مجموعی حد

[1] مسجد اقصیٰ بیت المقدس یہ انبیاء سابقین کا قبلہ ہے یہ مسجد جس کو اہل کتاب ہیکل کہتے ہیں ملک فلسطین کے یروشلم شہر میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت موسیٰ سے تخمیناً پانچ سو برس بعد تعمیر کی تھی اس پر بنی اسرائیل کی شرارت و بدکاری سے کئی بار صدمات آئے گرائی گئی اور پھر بنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شہزادہ رومطیطس کی گرائی ہوئی مسجد کا ایک ذخیرہ پڑا تھا۔ مسجد اسی جگہ کا نام ہے نہ عمارت کا کیونکہ عمارت بدلتی رہتی ہے مسجد نہیں بدلتی مگر اس کے آس پاس عیسائیوں نے مذہبی عمارت تعمیر کر رکھی تھی۔ اس زمانہ میں ان کو بھی بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کہتے تھے جن کے نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پوچھنے پر بیان فرمائے۔

[2] حجر جس کو آج کل حطیم کہتے ہیں اور حجر کنارہ کو بھی کہتے ہیں یہ گوشہ کعبہ میں ہے۔

تواتر کو پہنچ گیا ہے اور اسی پر جمہور اہل اسلام کا اتفاق ہے سلف سے خلف تک مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے اور اس کو اقصیٰ بمعنی بعید اس لیے کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ سے یہ اس دور فاصلہ پر ہے کہ پھر اس سے پرے اور کوئی مسجد نہ تھی۔ غرض کوئی وجہ ہو مگر عرب خصوصاً اہل مکہ اس کو مسجد اقصیٰ کہتے تھے اس کے گرد برکت دینے سے مراد یہ ہے کہ پھل پھول کی جگہ میں مسجد اقصیٰ ہے ایسے سرسبز ملک اور محل میں یہ سرسبزی خدا کی عطا کردہ برکت ہے اور اس کے سوا اس کے گرد حضرات انبیاء علیہم السلام کے مزارات اور آثار باقیہ میں جو سراسر برکات ہیں اور یہ سیر کس لیے کرائی کہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نشان قدرت اور عالم غیب کی چیزیں دکھائے منجملہ ان کے جنت و دوزخ کی چشم دید حالت اور ملائکہ اور عالم قدس کے لوگوں کی کیفیت تاکہ نبوت کے مرتبہ کی تکمیل ہو جائے جو تمام عالم کے نبی کے لیے ضروری تھی۔ سمیع و بصیر اس مقام پر عجب لطف دے رہا ہے۔ بصیر اس عجیب سیر میں حضرت ﷺ کی نگہبانی کے لیے آیا ہے مسافر کو کہتے ہیں اللہ نگہبان اور سمیع منکروں کے بیہودہ سوالات پر تہدید کے لیے آیا۔ آسمان اور بہشت و دوزخ کی سیر اور وہاں انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی کیفیت اور نماز پنجگانہ وہاں فرض ہونا احادیث صحیحہ میں مفصلاً مذکور ہے۔

ابحاث : (۱) یہ معراج کا واقعہ محققین کے نزدیک ہجرت سے ایک سال پیشتر رجب کے مہینے میں ستائیسویں شب کو ہوا تھا جیسا کہ معالم التنزیل وغیرہ کتب سے ثابت ہے۔ (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صبح کو اس معراج کی کیفیت بیان فرمائی تو اہل مکہ اور بھی تمسخر کرنے لگے۔ چنانچہ قریش کے چند قافلے ملک شام میں تجارت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ قریش مکہ نے آپ سے سوال کیا کہ اگر آپ شب شب بیت المقدس گئے تو ہمارے فلاں فلاں قافلے آپ کو رستہ میں ضرور دکھائی دیے ہوں گے اگر آپ سچے ہیں تو ان کی پوری کیفیت بیان فرمائیے کہ اس رات وہ کہاں تھے اور اہل قافلہ اس وقت کیا کر رہے تھے اور ان میں کیا واقعہ ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے ان کی سب مفصل کیفیت بیان کر دی اور جب وہ قافلے واپس آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ فلاں شب تم کہاں تھے اور کیا معاملہ تم میں گزرا تھا انہوں نے وہی بیان کیا جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی جیسا کہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔

سوال : احادیث میں یہ موجود ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے مکانات کا پتا پوچھنا شروع کیا اور آپ جب بتلاتے بتلاتے گھبرا گئے تو جبرئیل علیہ السلام نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔ اول تو بیت المقدس جو خاص ہیکل سلیمانی سے عبارت ہے بخت نصر کے حادثہ میں گرایا گیا اور پھر جو اس کی تعمیر ہوئی تو اس کو انطاکیہ کے بادشاہ اینٹوکس نے حضرت مسیح علیہ السلام سے پیشتر ہی گرا دیا پھر اس کے بعد جو تعمیر ہوئی وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک تمام نہیں ہوئی تھی جس کی سرپرستی ہیرڈوس حاکم شام کرتا تھا جو قیاصرۂ روم کا گورنر تھا اس کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کے موافق حضرت مسیح علیہ السلام کے صعود سے تخمیناً چالیس برس بعد رومی کے قیصر طیطوس نے بیخ و بنیاد سے گرا دیا اور اس پر ہل چلوا دیے پھر جو کسی نے اس کی تعمیر کا قصد کیا تو نہ کر سکا۔ اس کی بنیادوں میں سے مدتوں تک آگ کے شعلے نکلتے رہے جو یہود پر مسیح کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے قہر الٰہی تھا آخر وہ تعمیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد تک خراب پڑی رہی وہاں خس و خاشاک اور بول و براز پڑا رہتا تھا پھر اس کو عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا یہ بات عیسائیوں اور محمدیوں کی تاریخ میں بالاتفاق مانی گئی ہے پس آپ نے نماز وہاں کیونکر پڑھی اور اس کے نشانات لوگوں کے سوال کے موافق کیونکر بیان فرمائے اس عہد کے پیشتر صدہا سال سے ہی اس کو کسی نے نہیں دیکھا تھا وہ اس کے نشانات کیونکر پوچھ سکتے تھے؟ دوم جو کچھ ہو پھر اس کے حضرت کے روبرو مکہ میں حاضر ہونے کے کیا معنی؟ معلوم ہوا کہ اسلام ایسی ہی غلط باتوں اور توہمات پر مبنی ہے جن کو کوئی بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

جواب : مسجد اس جگہ کا نام ہے جو وہ عمارات کے گر جانے یا بدل جانے سے نہیں بدلتی گو وہ خاص ہیکل منہدم تھی مگر اس کے آس پاس عیسائیوں نے مکانات تعمیر کر رکھے تھے جن کو خود عیسائی اور عوام ہیکل اور بیت المقدس ہی کہتے تھے جن کو قریش مکہ نے جبکہ وہ اس ملک اور

شہر میں تجارت کے لیے آتے جاتے تھے بارہا دیکھا تھا انہیں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطابق سوال کے بتلا دیا۔ رہا اس کا مکہ میں آپ کے سامنے موجود ہو جانا جسے دیکھ دیکھ کر آنحضرت ﷺ قریش کو جواب دیتے اور نشان بتلاتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ ان مکانات کو اٹھا کر ملائکہ مکہ میں لے آئے تھے بلکہ آپ پر انکشاف روحانی ہوا اور تمام عمارت قلبی آنکھوں کے سامنے آ گئی آپ تو سید المرسلین مؤید بالہام تھے۔ معمولی لوگوں کے سامنے غائب چیزوں کا تصور میں پورا نقشہ کھنچ جاتا ہے وہ چیزیں اس عالم میں آنکھوں کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔ پادری صاحب ایسے واہی تباہی شبہات سے جن کے پیش کرنے سے عاقل و اہلِ علم شرم کرتے ہیں جاہل مسلمانوں کے اعتقاد میں فتور ڈالا کرتے ہیں اور اس کو مشن کی عمدہ کارگزاری سمجھ کر فخر کیا کرتے ہیں شرم شرم۔

(۳) جسم عنصری کا تھوڑی سی دیر میں مسجد اقصیٰ پہنچنا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آسمانوں پر جانا اور آسمانوں سے گزر کر عرش تک جانا اور وہاں باوجود اس جسم عنصری کے روحانیاتِ محضہ سے ملنا' جنت و دوزخ دیکھنا عقلاً ممنوع ہے حکماء نے اس کے محال ہونے پر اور آسمان کے خرق والتیام کے محال ہونے پر دلائل قائم کئے ہیں اور نیز کوئی اہل ادیانِ حقہ یعنی عیسائی ایسی باتوں کا قائل نہیں اسی لیے آج کل کے فلسفی مسلمان بلکہ کچھ اگلے زمانہ کے بھی جن کو معتزلہ کہتے تھے اس معراج کو خواب پر محمول کرتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے ان اعتراضات کے بچنے کے لیے۔

جواب جسم عنصری کا ایسی حرکت سریع کرنا خصوصاً جبکہ اس کی عنصریت روحانیت سے بھی لطافت میں بڑھ جائے کچھ بھی محال نہیں۔ آج کل ریل اور تار برقی کی حرکت کو ملاحظہ کر لیجیے اور اسی طرح آسمانوں کا خرق والتیام جن خیالاتِ فاسدہ سے محال ثابت کیا تھا ان کی پوری پوری حکماءِ اسلام نے علم کلام میں قلعی کھول دی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ وہ حکماءِ یونان اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے زمین و آسمان کے قلابے ملایا کرتے تھے جن کے مسائل طبیعات و ہیئت کی آج کل حکماءِ یورپ کیسی خاک اڑا رہے ہیں اور جو کوئی ملحد عیسائی ایسی باتوں کا قائل نہیں تو کیا ہوا۔ پر جو انا جیل و بائبل کو مانتے ہیں ان پر ان باتوں کا تسلیم کرنا ضرور ہے دیکھیے انجیل مرقس کے سولہویں باب انیسویں درس میں یہ ہے یعنی مسیح خداوند لوگوں سے کلام کرنے کے بعد آسمان کی طرف چڑھ گیا اور خدا تعالیٰ کے داہنے ہاتھ پر جا بیٹھا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے اور اسی طرح دوسری کتاب کتاب السلاطین کے دوسرے باب میں مذکور ہے کہ ایلیاء (یعنی حضرت الیاس علیہ السلام) اور الیسع باتیں کرتے جاتے تھے کہ ایک آگ کی گاڑی اور آگ کے گھوڑے نمودار ہوئے اس میں چڑھ کر ایلیا آسمان پر چلا گیا اور اسی طرح قسیس ولیم اسمٹ اپنی کتاب طریق الاولیاء میں حضرت اخنوخ[1] علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا بیان کرتا ہے اور اہلِ اسلام تو قاطبۃً اس پر متفق ہیں دس بیس ملحدوں کا کیا ذکر ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دوسری معراج کے بارے میں ہے جو حضرت کو اس سے پیشتر خواب میں معلوم ہوئی تھی (جیسا کہ معالم میں ہے)۔

(۴) یہ معراج روحانیت کا کامل غلبہ ہے عبادت و تسبیح کے سبب جس سے روح جسم پر غالب آ گئی اور جسمانیت میں سرایت کر گئی اور جسم بھی بمنزلہ روح کے لطیف ہو گیا تھا اور یہ بات اہلِ کمال پر مخفی نہیں۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۞ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۞ وَقَضَيْنَآ

[1] یعنی حضرت ادریس علیہ السلام۔ ۱۲ منہ

اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۞ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۞ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۞ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۡ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۞ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۞

وقف لازم

اور ہم نے موسیٰ کو (بھی) کتاب دی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنایا تھا (اس میں حکم تھا) کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا۔ اے ان کی نسل کہ جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کر لیا تھا بے شک وہ شکر گزار بندے تھے اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے ظہرا دیا تھا کہ تم زمین پر دو بار فساد کرو گے اور بڑی ہی سرکشی کرو گے پھر جب ان میں سے اول وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے کھڑے کر دیے جو بڑے لڑنے والے تھے (اور) وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے اور اللہ کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا پھر ہم نے تم کو دشمنوں پر غلبہ دیا اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دی اور تم کو بڑی جماعت والا بنا دیا اگر تم نے نیکی کی تو اپنے ہی بھلے کے لیے کی تھی اور اگر بدی کی تھی تو اپنے ہی لیے کی تھی پھر جب دوسرا وعدہ آیا (تو پھر دشمنوں کو ابھار دیا) تا کہ وہ تمہارے منہ بگاڑ دیں اور مسجد مقدس میں گھس پڑیں جیسا کہ اس میں اول بار گھس پڑے تھے اور جس چیز پر قابو پاویں اس کا ستیاناس کر ڈالیں۔ کچھ دور نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم پھر وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو منکروں کا قید خانہ بنا رکھا ہے۔

---

[1] جب بنی اسرائیل نے اول حملہ دشمن کے بعد خدا سے عاجزی کی اور روئے پیٹے تب اس نیکی کا ثمرہ انہیں کے لیے یہ ہوا کہ خدا نے بنی اسرائیل کو پھر قوت عطا کی از سر نو حکومت و شوکت قائم ہوئی اس کے نشے میں جو پھر بدکاری اور بت پرستی کی اس کا وبال بھی پھر انہیں پر پڑا کہ کوئی دوسرا دشمن کھڑا ہو گیا جس نے بنی اسرائیل کے چہرے بگاڑ دیے مسجد اقصیٰ میں گھس کر سب تبرکات جلا دیے مسجد میں بھی آگ لگا دی صدہا بیزار ہا کو دشمن اسیر کر کے لے گیا اور مقتولوں اور مجروحوں کا تو حساب ہی نہیں عورتوں کا ننگ و ناموس جدا برباد ہوا۔

[2] عسیٰ ربکم کا اشارہ یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے یہود کی طرف ہے کہ اب بھی وقت ہے اگر تم نے نبی آخر الزماں علیہ السلام کی اطاعت کر لی تو خدا پھر تم پر رحم کرے گا تمہارا برگشتہ زمانہ جا کر پہلے دن آ جائیں گے اور اگر پھر بھی وہی شرارت کرو گے تو دنیا میں ہم تم پر کوئی تازہ آفت لائیں گے اور آخرت۔ تو جہنم منکروں کا جیل خانہ تیار ہے یہود نے آنحضرت ﷺ سے شرارت کی اور رہی سہی عزت جاتی رہی دنیا بھر میں ایک انچ زمین کے بھی حاکم نہیں جہاں کہیں ہیں محکوم و ذلیل ہیں یا یہ اسی وقت کے یہود کی طرف اشارہ تھا جس کو حکایت کیا جاتا ہے چنانچہ یہود بخت نصر کے حادثہ کے بعد کچھ نیکی کی طرف آئے بشان و شوکت بھی عود کرنے لگی مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں پھر شرارت کی جس کے وبال میں طیطس شاہ روم کے ہاتھ سے ان کا ستیاناس ہو گیا۔

ترکیب : الا تتخذوا اصل میں ان لا تھا۔ ان مفسرہ ہے اس چیز کا کہ جس کو کتاب شامل تھی امر و نہی سے۔ و کیلا مفعول ہے لا تتخذوا کا اور مفعول ثانی یا ذریۃ ہے والتقدیر لا تتخذوا واذریۃ من حملنا وکیلا ای ربا مفوضا الیہ۔ اس صورت میں من دونی حال ہوگا و کیلا سے یا من دونی خود مفعول ثانی ہے۔ اس صورت میں ذریۃ کا نصب منادیٰ مضاف ہونے کی وجہ سے ہے یا بضمار اعنی مرتین مصدر ہے غیر لفظ سے وعدا ولھما ای موعودا ولی المرتین محلال ظرف ہے جاسوا کا۔

تفسیر : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی ذکر فرما کر (یعنی معراج کا ذکر کر کے) بتلاتا ہے کہ ہمیشہ سے انبیاء کے ساتھ ہم یوں ہی انعام و اکرام کرتے آئے ہیں اس سے پہلے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب یعنی تورات دی تھی جو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت تھی اس میں بڑا تاکیدی حکم یہ تھا کہ اے نوح علیہ السلام اور اس کیساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کی نسل میرے سوا اور کسی کو کارساز حاجت روا نہ بنانا مگر بنی اسرائیل بت پرستی کی ہلاکت میں پڑے۔

ذریۃ من حملنا مع نوح فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس وقت لوگوں کی شرارت سے ان کو غرق کیا تھا اور نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھ والوں کو کشتی میں خدا پرستی کی وجہ سے بچا لیا تھا پھر اب جو تم دنیا میں پھیلے ہوئے ہو سب انہیں انعام یافتوں کی نسل ہو تم کو ذرا اپنے بزرگوں کا بھی خیال رہے کہ وہ کیسے تھے اور اب تم کیا کرتے ہو اور اس عذاب کا بھی کہ جو اس وقت دنیا پر نازل ہوا تھا چونکہ کشتی والوں میں نوح علیہ السلام سردار تھے اس لیے ان کا وصف بھی ظاہر کر دیا انہ کان عبدًا شکورًا کہ وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ اب تم اس کی اولاد ہو کر کس طرح سے کفران کرتے ہو۔ شرماؤ شرماؤ۔ من حملنا مع نوح میں اس شرارت پر سزا نازل ہونا اشارتاً ذکر فرما کر اس واقعہ کی تصریح فرماتا ہے جو کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے بطور پیشین گوئی کے ذکر ہوا تھا۔ بقولہ و قضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین و لتعلن علوًا کبیرًا۔ فاذا جاء وعد اولھما بعثنا علیکم عبادًا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلال الدیار الخ۔

قضاء قطع کرنا، فیصلہ کرنا اور ادا کرنا، حکم کرنا مگر یہاں مراد قطعی طور پر بتلا دینا ہے۔ وعد اولھما یعنی اولی المرتین باس قتال ومنہ قولہ تعالیٰ وعین الباس۔ قال اللیث الجوس والجوہ دوسان التردد۔ فجاسو ابن عباسؓ اس کے معنی کرتے ہیں فتشوا۔ ابوعبیدہؒ کہتے ہیں طلبوا من فیھا ابن قتیبہ کہتے ہیں عاثوا وافسدوا والخلال ھوالافراج بین الشیئین والدیار دیار بیت المقدس۔

بعض مفسرین نے فی الکتاب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات مراد لی ہے اور یہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل کو یہ بات اول سے سنا دی ہو کہ تم ملک میں دو بار فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے پہلی مرتبہ جب تم ایسا کرو گے تو تم پر ہم بڑے جنگ آور بندے مسلط کر دیں گے جو تمہارے گھروں میں گھس گھس کر تمہیں قتل کریں گے۔ اس کے بعد ہم پھر تم کو دولت و ثروت اولاد و حشمت دیں گے مگر تم پھر فساد و شرارت کرو گے تو ہم پھر تم پر ایک قہار قوم مسلط کریں گے جو تمہارے منہ بگاڑ دے گی اور اول بار کی طرح بیت المقدس تک ان کی نوبت آئے گی اس کے بعد شاید خدا تم پر مہربانی کرے اور جو تم پھر بدی و شرارت کرو گے تو ہم بھی پھر تم کو سزا دیں گے۔ مگر اب بالفعل جو اہل کتاب کے پاس توریت کے نام سے ایک کتاب ہے اس میں اس صراحت کے ساتھ یہ مضمون نہیں ہاں اس کے بعض فقروں سے نکلتا ہے اس اصلی توریت میں یہ مضمون ہوگا بعض کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے یعنی یہ بات بنی اسرائیل کے لیے ہم نے دفتر قضاء وقدر میں لکھ دی تھی۔ وقال ابن عباسؓ وقتادۃ یعنی قضینا علیھم فالی بمعنی علی والمراد بالکتاب اللوح المحفوظ (معالم)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ فِي الْكِتٰبِ ای علمنا ھم واخبرنا ھم فیما آتینا ھم من الکتاب انھم سیفسدون (معالم)۔

اس قول سے توریت کی تخصیص نہیں سمجھی جاتی بلکہ عام ہے کوئی کتاب ہو جو بنی اسرائیل کو دی گئی تھی اور کاتب الحروف کے نزدیک یہی قول

قوی ہے اب ہم جو آج کل کی کتابوں کو دیکھتے ہیں کہ جن کو اہل کتاب الہامی مانتے ہیں ان میں سے کتاب یسعیاہ (اشعیا) اور یرمیاہ (ارمیاہ) اور حزقیل اور ہوسیع اور یوئیل اور عاموس اور میکیاہ اور حقوق علیہم السلام کی کتابوں میں یہ مضمون بکثرت موجود اور باوجود تحریفات کے بہت کچھ مذکور ہے اسی کی نسبت فرماتا ہے وقضینا الیٰ بنی اسرائیل فی الکتاب الخ اب یہ بات باقی رہ گئی کہ پہلی مرتبہ بنی اسرائیل کی شرارت و بت پرستی پر کس جبار بادشاہ کو خدا نے ان پر مسلط کیا تھا؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں یہ بخت نصر بابل کا بادشاہ ہے مگر اس کی چڑھائی کا باعث جو حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے خون کا انتقام کہتے ہیں۔ وہ بڑی غلطی کرتے ہیں کس لیے کہ بخت نصر جس کو اہل کتاب بنوکدنضر کہتے ہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے صدہا سال پیشتر گزرا ہے اور پچھلے مرتبہ جس نے بنی اسرائیل پر چڑھائی کی ہے بعض کے نزدیک وہ شاہ اینٹوکس اطاکیہ کا بادشاہ ہے اس کے بعد پھر کچھ بنی اسرائیل کی حالت سنبھلی تھی جیسا کہ عسیٰ ربکم ان یرحمکم سے پایا جاتا ہے تو بنی اسرائیل نے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ بھی بڑی بدسلوکی کی تو ان عدتم عدنا کے موافق خدا نے شہزادۂ روم طیطس کو چڑھایا جس نے بالکل ستیاناس کر دیا اسی کے گرائے ہوئے بیت المقدس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا ہے۔

اب ہم بیت المقدس کی مفصل تاریخ لکھتے ہیں جس سے ناظرین آپ سمجھ لیں گے کہ اس آیت کا مصداق ان بادشاہوں میں سے کون ہے اور کون سا واقعہ اس سے زیادہ چسپاں ہے۔ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

تاریخ بیت المقدس

چونکہ مسجد اقصیٰ کا ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں واقع ہے کہ جس کو مفسرین اسلام بیت المقدس یا بیت المقدس سے تعبیر کرتے ہیں تو ہم کو ضرور ہوا کہ اس کا مفصل حال بیان کریں تا کہ پھر شب معراج میں آنحضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہاں تشریف لے جانا ذہن نشین ہو اور اس پر جو مخالفین نے شبہات کئے ہیں وہ بھی دفع ہو جائیں اور نیز پچھلی آیتوں کا مطلب بھی بخوبی واضح ہو جائے۔

فصل اوّل : مسجد اقصیٰ یا بیت المقدس[1] اس مسجد کا نام ہے کہ جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا جس کو اہل کتاب ہیکل کہتے ہیں۔ یہ مسجد شہر شلیم یا جیروسلم میں واقع ہے جو ملک فلسطین میں ہے اور اس ملک کو یہود یہ اور ارض مقدسہ (ہولی لینڈ) کنعان بھی کہتے ہیں اور کبھی ملک شام بھی۔ جغرافیہ فرہاد کے صفحہ ۴۲۲ میں ہے وکنعان اسم قدیم شام است کما قال الیاقوت کنعان بالفتح ثم السکون وعین مہملۃ وآخرہ نون قال ابن الکلبی الشام ومنازل الکنعانیین ینسبون الی کنعان بن حام بن نوح۔ وکنعان موضع من ارض الشام کان منزل یعقوب علیہ السلام فی قریۃ یقال لھا سیلون بین جبل ونابلس وبھا الجب الذی القی فیہ یوسف علیہ السلام۔

''کنعان شام کے اس حصہ کا نام ہے جس کے ایک گاؤں میں جس کا نام سیلون ہے جبل اور نابلیس کے درمیان حضرت یعقوب علیہ السلام رہا کرتے تھے اور یہیں وہ کنواں بھی ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے ڈال دیا تھا'' اور شام کے ملک میں ایک

---

[1] اور کبھی شہر یروشلم کو بھی کہتے ہیں وہاں کے اہل اسلام بیت المقدس کہا کرتے ہیں۔ معراج میں بیت المقدس کا ذکر تھا اس کے بعد جو کچھ ناکار یہودیوں کی ناشائستہ حرکات سے اس مقام متبرک پر بھی مصائب آئے ان کا ذکر اس لیے اور بھی مناسب ہوا کہ قریش کے کان کھل جائیں کہ کعبہ کی بدولت جو تم امن سے رہ کر روزی کھاتے ہو اور شرارت کرتے ہو ہم اس پر بھی اپنے بندے یعنی لشکر محمدی چڑھا لائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب قریش نے مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمانداروں کو نکال دیا اور ان پر ظلم وستم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تو اس ہجرت کے کئی سال بعد مسلمانوں کی ایک معقول جماعت فراہم ہو گئی مکہ پر چڑھ آئے قریش کو بجز امان مانگنے کے چارہ نہ ہوا لیکن یہ چڑھائی کرنے والے خدا پرست تھے بجائے انہدام کعبہ کے انہوں نے کعبہ کو بتوں سے پاک کیا، یہ کعبہ کی خاص فضیلت ہے کہ پھر اس پر کسی نے چڑھائی نہ کی نہ انشاء اللہ کوئی کر سکے گا جب تک دنیا میں اسلام باقی رہے گا۔

گاؤں کا بھی کنعان نام ہے اسی طرح فلسطین بھی اس ملک کو کہتے ہیں یعنی ملک شام کا وہ جنوبی و مغربی حصہ جو بحیرۂ روم کے کنارہ پر واقع ہے جس میں عسقلون اور بقرون اور یافہ اور غازہ وغیرہ شہر آباد ہیں۔ زمانہ قدیم میں اس ملک میں فرقہ کوش کے لوگ رہتے تھے جن کا مقابلہ بنی اسرائیل سے ہوا کرتا تھا اور سیریہ[1] کہ جس کو زمانہ قدیم میں آرام کہتے تھے ایشیا ترکی کا ایک حصہ ہے جس میں شہر آلیپو یعنی حلب واقع ہے کبھی شام وسیع معنی میں اطلاق ہوتا ہے جس سے ملک فلسطین بھی مراد لیا جاتا ہے۔

جغرافیۂ فلسطین : اب ہم اس ملک فلسطین یا کنعان کا حال بیان کرتے ہیں کہ جس میں شہر بیروسلم یا یروشلم واقع ہے۔ اس ملک کے حدود اربعہ یہ ہیں: شمال میں ملک سُر یا یعنی شام اور مغرب میں شمالی حصہ تک بحیرہ روم جس کے کنارہ پر طرابلس عسرہ یافہ صیدا عسقلون عکہ صور بیروت لاذقیہ قیساریہ وغیرہ شہر واقع ہیں اور جنوب میں ملک عرب کے شمالی حصے اور مشرق میں یردن ندی اور بحر المیت کہ جس کو بحر لوط بھی کہتے ہیں یعنی وہ کھاری جھیل کہ جس کا طول تخمیناً ستر میل اور عرض دس میل ہے جس کے کناروں پر حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی سے دو پانچ گاؤں جو غارت ہو گئے تھے۔

اس ملک کا طول شمالاً و جنوباً سُر یا سے لے کر عریش کی زمین تک اسی کوس اور عرض مشرق مغرب بحیرہ روم سے لے کر موآبیوں کی زمین تک چالیس کوس اور پھر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عہد میں اس ملک کے اور بھی حدود اربعہ وسیع ہو گئے تھے۔ قدیم زمانہ میں اس ملک پر بابل اور نینوی کے بادشاہوں کی حکومت تھی۔ شاہانِ نینوی کے عہد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اطراف بابل اپنے اصلی وطن سے ہجرت کر کے اس ملک یہود یہ یا شام میں آ رہے تھے اس عہد میں شاید یہاں نینوی کے بادشاہ کی حکومت نہ تھی یا ہوگی تو کامل طور پر نہ ہوگی بلکہ توریت سے یہ معلوم ہوتا ہے طوائف الملوکی تھی اس ملک میں شمال کی جانب سے پہاڑوں کے دو سلسلہ جنوب و مغرب کی طرف چلتے ہیں اور اس مقام کو لبنان کہتے ہیں۔ تھوڑی دور اسی طرح چل کر مغربی سلسلہ شہر صور کے دو کوس شمال اُتر طرف بحیرہ روم کے کنارہ پر ختم ہوتا ہے اور دوسرے سلسلہ کی پھر دو شاخیں ہو کر جنوب کی طرف چلتی ہیں ان دونوں میں سے مشرقی سلسلہ کا نام ایک موقع پر جرمون ہے یہ پہاڑ بعض جگہ تو ہزار جبکہ بعض جگہ گیارہ ہزار فٹ بلند ہے جس کی چوٹیوں پر ہمیشہ برف جمی رہتی ہے پھر یہ سلسلہ دریائے جلیل کے قریب مشرق کی طرف لین کہلاتا ہے پھر اور آگے یردن ندی کے قریب کوہ جلعاد کہلاتا ہے جہاں سے روغن بلساں آیا کرتا تھا، پھر آگے چل کر اس کو ابریم کا پہاڑ اور مدیانیوں کی زمین کے قریب اس کو کوہ عشیر کہتے ہیں جس میں سے ایک چوٹی کا نام کوہ حور ہے جہاں حضرت ہارون علیہ السلام نے وفات پائی تھی۔ پھر یہ بحیرۂ قلزم میں جا کر تمام ہو گیا اور اسی طرح مغربی سلسلہ چلتا ہے جس کو جلیل کے پاس کوہ جتوار اور آگے چل کر کوہ کرمل کہتے ہیں جس کے معنی اللہ کا باغ ہے۔ یہاں کی سرسبزی اور انواع و اقسام کے پھول ضرب المثل ہیں۔ اسی کی چوٹی پر جو سمندر کے قریب ہے الیاس علیہ السلام نے بعل کے پجاریوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کے اور بتور پہاڑ کے بیچ سمندر سے لے کر دریائے یردن تک یزرائیل کی وادی کہلاتی ہے اس کی لمبائی چودہ کوس اور چوڑائی چھ کوس ہے اور سیدھا دکھن کی طرف چل کر اسرائیل یا افرائیم کے پہاڑ اور یہود یہ کے پہاڑ کہلاتے ہیں انہیں میں کوہ جرزین بھی ہے جس کی چوٹی پر بنی اسرائیل کے مقابلہ میں سامریوں نے دوسری ہیکل بنائی تھی اور اسی سلسلہ میں کوہ موریہ ہے جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ یا ہیکل تعمیر کی اور کوہ صیحون بھی کہ جس پر یہ شہر یروشلم واقعہ ہے گویا موریہ اور صیحون اس ایک ہی پہاڑ کے نام ہیں یہ شہر چار پہاڑوں پر آباد ہے۔ موریہ، صیحون، اکرا، بزیتھا۔ زمانہ قدیم میں سب کو موریہ کہتے تھے اس وجہ سے کہ وہاں ایک قوم اموری بستی تھی اور صیحون ان کا ایک بادشاہ گزرا ہے پھر اسی کے نام سے یہ پہاڑ نامزد ہو گیا۔

یہ شہر یروشلم کہ جس میں مسجد اقصیٰ یا ہیکل سلیمانی واقع تھی بحیرہ روم سے ۳۲ میل کے فاصلہ پر سمندر کے سطح سے دو ہزار پانچ سو اڑتیس فٹ

[1] یعنی شام۔ ۱۲

بلندی پر واقع ہے اور دریائے یردن کہ جہاں حضرت مسیح علیہ السلام نے اصطباغ لیا تھا جس کا پانی ہزار سال ہزاروں عیسائی گنگا جلی کی طرح تبرکاً لے جاتے ہیں یروشلم سے اٹھارہ میل دور ہے اور شہر حبرون دکھن کی طرف دس بارہ میل اور سامریہ شمال کی طرف ۳۶ میل اور دمشق سے یروشلم جنوب اور مغرب کے رخ ایک سو بیس میل پر ہے اور بغداد سے ساڑھے چار سو میل مغرب کے رخ میں۔ نابلس کہ جس کے قریب حضرت یعقوب علیہ السلام رہا کرتے تھے یروشلم سے شمال کی جانب ۳۳ میل اور بندر یافہ کہ جہاں سے ہیکل کے لیے لکڑیاں آیا کرتی تھیں یروشلم سے جنوب طرف باسٹھ میل اور شہر ناصرہ کہ جہاں حضرت مسیح علیہ السلام مصر سے آ کے رہے تھے جس وجہ سے ان کی امت نصاریٰ کہلاتی ہے ستر میل اور بیت اللحم کہ جہاں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے تخمیناً چار میل اور مصروہاں سے جنوب و مغرب میں تخمیناً دو سو ساٹھ میل ہے اور کوہ طور دو سو میل اور مدینہ منورہ تخمیناً چھ سو میل اور شہر یریحو کہ جس کے پاس سے بنی اسرائیل یردن ندی کو دو حصہ کر کے اتر آئے تھے مشرق اور شمال کی طرف تخمیناً سولہ میل ہے اور مکفیلہ کے غار جہاں حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کے مزار ہیں بیس میل۔ آج کل اس جگہ کو کہ جہاں یہ مزارات مقدسہ ہیں خلیل کہتے ہیں جو ایک عمدہ شہر آباد ہے۔

یہ ملک شام یا سریہ حضرت سلطان ترکی خلد اللہ ملکہ کے قبضہ میں ہے اس ملک میں مسلمان، یہودی، عیسائی، ارمنی رہتے ہیں بیشتر مسلمان ہیں اور تقریباً کل ملک کی مادری زبان سینکڑوں برسوں سے عربی ہے۔ زوار لوگ جو ہندوستان یا عرب سے جاتے ہیں تو سویز سے جہاز میں سوار ہو کر بحیرۂ روم کی کسی بندرگاہ پر اتر جاتے ہیں وہاں سے گھوڑا گاڑی لیں سوار ہو کر ایک رات میں یروشلم پہنچ جاتے ہیں۔ اونٹ اور گھوڑے کی سواری ملتی ہے۔ اس شہر میں حضرت سلطان کی طرف سے ایک پاشا رہتا ہے۔ شہر یروشلم سے مشرق کی جانب تھوڑے سے فاصلہ پر زیتون کا پہاڑ ہے یہ وہی پہاڑ ہے کہ جہاں رات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے اور یہیں سے یہودی آپ کو گرفتار کر کے پلاطوس کے پاس لے گئے تھے۔ اس پہاڑ اور شہر کے درمیان ایک نالہ بہتا ہے کہ جس کو کدرون کہتے تھے، بارش کے ایام میں اس میں زیادہ پانی ہوتا ہے مگر گرمی میں خشک ہو جاتا ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں مغرب کے رخ شہر کے قریب ایک باغ تھا جس کو گت سمنی کہتے تھے اور اسی پہاڑ کے نیچے مشرق کی جانب بیت عنیا اور بیت فاگا و دگاؤ آباد تھے۔ پادریوں کی الکتاب کے مقامات المعروف چھاپہ رومن مرزا پور ۱۸۶۰ء صفحہ ۱۵-۱۶ میں لکھا ہے کہ شہر یروشلم کا بانی ملک صدق تھا جس کا ذکر کتاب پیدائش کے ۱۴ باب ۱۸ درس میں یوں ہے کہ ملک صدق سالم کا بادشاہ تھا اور اکثر سمجھتے ہیں کہ یہی اس شہر کا اصلی نام ہے۔ آباد ہونے کے سو برس بعد اس کو یبوسیوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا اور شہر پناہ کو بڑھایا اور کوہ صیحون پر ایک قلعہ بھی تعمیر کیا، پہلا نام بدل کر یابوس نام رکھا۔ گمان غالب ہے کہ یہی نام اصلی نام کے ساتھ شامل کیا گیا یعنی یبوسلم یا فصاحت کے واسطے یروشلم جیسا کہ آج تک جاری ہے ایجاد ہوا۔ ایشوع کی کتاب کے ۱۰ باب ۱۳ آیت میں ہے کہ جب یشوع نے ملک کنعان پر حملہ کے وقت اس کے (یعنی یروشلم کے) بادشاہ کو پکڑا اور قتل کیا اس وقت سے داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک یہودی اور یبوسی دونوں ملے جلے رہتے تھے۔ پھر لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یشوع نے یروشلم بنیامین کے فرقے کو سپرد کیا لیکن بسبب اس کے کہ یہ شہر فرقہ یہوداہ کی عین سرحد پر تھا اور بنی یہوداہ نے دوبارہ اس کو محاصرہ کر کے لے لیا تھا اس واسطے یروشلم کبھی بنیامین اور کبھی یہوداہ کا کہلایا اور جب سے خدا نے یروشلم کو اپنی ہیکل کے لیے چن لیا تب سے وہ تمام بارہ فرقوں کا دار السلطنت مقرر ہوا اور کسی خاص فرقے کا حصہ نہ کہلایا، ربی لوگ کہتے ہیں کہ شہر مذکور کی زمین تمام فرقوں کی زمین تھی یہاں تک کہ باشندوں میں سے بھی کوئی اپنے گھر کو اپنا نہ کہہ سکا اور عید کے ایام میں سب اپنے پردیسی بھائیوں کو بغیر کرایہ کے مکان میں ٹھہراتے تھے۔

تمام ملک کے یہودی یروشلم میں سال میں تین بار حاضر ہوتے تھے۔ عید فصح میں یہ عید فرعون کے ظلم و قبضہ سے رہا ہونے کے یادگار میں

[1] اب موٹر و موٹر لاری کے ذریعے جا رہے ہیں سنا ہے کہ اب ریل بن گئی ہے۔ ۱۲ منہ

تھی جس میں قربانی کرتے اور فطیری روٹی کھاتے تھے۔ دوسری عید خیمہ، یہ مصر سے نکلنے کے بعد چالیس برس بیابان میں رہنے کی یادگاری میں کیا کرتے تھے، اس میں پتوں اور شاخوں کے جھونپڑے بنا کر سات روز میدان میں رہتے تھے۔ سوم عید پنطکوست، یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی پچاسواں یہ عید مصر سے نکلنے کے بعد کوہ سینا پر شریعت پانے کی یادگاری میں مقرر ہوئی تھی۔ ان عیدوں میں ہزار ہا بنی اسرائیل حاضر ہوتے تھے جس طرح اہلِ اسلام مکہ میں حاضر ہوتے ہیں۔

الغرض یہ شہر اس وقت سے آباد ہے کہ جب بنی اسرائیل ملک مصر سے کوچ کر کے پھر اس ملکِ کنعان میں داخل ہوئے مگر حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے عہد میں ان کا پایہ تخت ہونے کی وجہ سے نہایت رونق اور تجمل کی حالت میں تھا۔ اس کی شہر پناہ اور اس کے عمدہ برج اور پھاٹک حیرت انگیز اور عبرت خیز تھے لیکن داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عہد سے آگے ہی سے یہ جگہ متبرک اور مقدس سمجھی جاتی تھی کیونکہ حسبِ اعتقادِ اہل کتاب حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی مقام پر اپنے بیٹے اسحاق کو قربانی کرنے کے لیے لائے تھے۔ اسی سرزمین پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے خواب میں باتیں کی تھیں اور اسی لیے اس جگہ کا نام بیت ایل یعنی خدا کا گھر رکھا۔ یہی جگہ ہے کہ جہاں خدا تعالیٰ کے حکم والہام سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد (ہیکل) بنائی پھر یہی مسجد اور یہ ہی شہر ہزار ہا انبیاء علیہم السلام کا قبلہ اور زیارت گاہ رہا۔ اسی کا قرب و جوار انبیاء کا مدفن اور مورد برکات ہے۔ الذی بارکنا حولہ۔ اہلِ کتاب اب تک اس کی وادی یہوشفات میں دفن ہونا موجبِ نجات خیال کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی طرف منہ کر کے مدتوں نماز پڑھی ہے اور شبِ معراج میں اس جگہ تشریف لائے ہیں۔ یہ شہر مقدس اور یہ مسجد متبرک بارہا ظالم بادشاہوں کے ہاتھوں سے برباد و منہدم ہوئی اور پھر بنائی گئی چنانچہ آگے چل کر آپ کو اس کی کیفیت بخوبی معلوم ہوگی مگر اب ہم ناظرین کو حال کے شہر اور مسجد کا ذکر سناتے ہیں۔

شہر یروسلم کا بیان : یروشلم جدید کی شہر پناہ کا گھیر جس کو ۱۵۳۴ء میں سلطان سلیمان بن سلیم شاہ روم نے تعمیر کرایا تھا تخمیناً ڈھائی میل کا ہے۔ یوسفس مؤرخ کے دنوں میں کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے قریب زمانہ کا ہے، چار میل کا گھیر تھا اور شہر تین دیواروں سے گھرا ہوا تھا جس میں سے ایک میں ساٹھ دوسرے میں چالیس نئے میں چھیاسٹھ برج بنائے گئے تھے۔ شہرِ جدید پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے لیکن اس کے اطراف میں ایسی بھی زمین باہر پڑی نظر آتی ہے کہ جو قدیم زمانہ میں شہر میں داخل تھی۔ چنانچہ نصف سیحون کی پہاڑی شہر پناہ کے باہر ہے جو پہلے اندر تھی شہر حال کی چار دیواری بلند اور کنکریلے پتھروں سے ٹھوس بنی ہوئی ہے اور اس میں جابجا برج اور توپیں چڑھانے کے مورچے بنے ہوئے ہیں شہر کے سات دروازے ہیں۔ دو شمال کی جانب ایک مغرب کی جانب اور ایک مشرق کی جانب ایک باب الحرم کہلاتا ہے اور دو جنوب کے رخ میں۔ شہر میں تین بڑی سڑکیں ہیں۔ ایک وہ جس کو باب الدمشق کہتے ہیں جو شمال و مغرب کی طرف جاتی ہے دوسرے سوق الکبیر جو مشرق مغرب جاتی ہے تیسرے غمخواروں کی سڑک اور یہ وہ رستہ ہے کہ جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی سولی دینے لے چلے تھے۔ ان کے سوا سات سڑکیں اور ہیں جو ان سے چھوٹی ہیں جن کے یہ نام ہیں، کوچہ مسلمین، کوچہ نصاریٰ، کوچہ یہود، کوچہ ارمنی، کوچہ ظاہرہ، کوچہ مغربین، کوچہ باب حوت۔

پادری چارلس بشل ایم اے کہتا ہے کہ آخر اگست ۱۸۶۷ء میں جو لیفٹیننٹ وارن صاحب شہر مقدس کا حال دریافت کرنے گئے تھے انہوں نے اچھی طرح وہاں کا حال دریافت کیا ان کے بیان کے موجب شہر کی شہر پناہ طول میں مشرق کی طرح دو ہزار آٹھ سو فٹ اور شمال کی طرف تین ہزار آٹھ سو فٹ اور مغرب کی طرف دو ہزار تین اور جنوب سے تین ہزار تین سو پچاس فٹ ہے۔

اس جگہ بہت عمدہ عمارت بجز ہیکل (مسجدِ اقصیٰ) اور مسیح کی قبر کے اور کوئی نہیں ہے ان کے پاس اور بھی مقامات ہیں کہ جو اوسط درجہ میں خیال کیے جاتے ہیں۔

الکتاب کے مقامات المعروف نامی کتاب میں اس شہر کے چھوٹے بڑے اکتیس مقامات گنوائے گئے (۱) بیت اللحم کا پھاٹک، (۲) دمشق پھاٹک، (۳) افرائیم کا پھاٹک، (۴) مقدس استیفان کا پھاٹک، (۵) سنہرا پھاٹک یہ ہمیشہ بند رہتا ہے، (۶) مسجد اقصیٰ کا پھاٹک، (۷) غلیظ کا پھاٹک، (۸) صیحون کا پھاٹک، (۹) آرمینیوں کی خانقاہ (۱۰) چیمنس کا قلعہ، (۱۱) بنت سبع کا کنڈ، (۱۲) حاجیوں مستورہ کا کنڈ، (۱۳) لاطینیوں کی خانقاہ، (۱۴) کھنڈر مکان، (۱۵) قبر کا گرجا، قبرستان، کلوری، (۱۶) ہیرودیس کا محل، (۱۷) مقدس انا کی مسجد، (۱۸) پلاطوس کا محل، (۱۹) بیت حسدہ کا کنڈ، (۲۰) حرم شریف (الف) سلیمان کا تخت (ب) محمد علیہ السلام کا تخت جاہل مسلمانوں کا خیال ہے کہ اس پر آنحضرت ﷺ قیامت میں عدالت کریں گے، (ج) صدر عیسیٰ کے منارہ کا دروازہ، (۲۱) الصخرہ، (۲۲) مسجد الاقصیٰ، (۲۳) چوک و بازار، (۲۴) انا بس کا محل، (۲۵) یہود کا عبادت خانہ، (۲۶) یروشلم کے حاکم کا محل، (۲۷) قیافا کا محل، (۲۸) داؤد علیہ السلام کا مزار، (۲۹) عام قبرستان، (۳۰) بادشاہ کا کنڈ، (۳۱) سلوام کا کنڈ، اس شہر میں تخمیناً تیس ہزار آدمی بستے ہیں جس میں زیادہ مسلمان ہیں، پھر یہود، پھر عیسائی اور ارمنی۔ مسلمان اکثر حرم شریف کے گرد و نواح میں رہتے ہیں اور عیسائی اپنی خانقاہوں اور گرجاؤں کے آس پاس اور یہودی کوہ صیحون کے دامن میں اور اس کے آس پاس کے نشیب میں۔ اس شہر میں یہودی بیوہ عورتیں بہت زیادہ رہتی ہیں جو اپنی پرورش کا وسیلہ یروشلم کو سمجھتی ہیں۔

اس شہر میں دو خانقاہ بہت مشہور ہیں ایک لاطینی دوسری ارمنی شہر سے شمال و مغرب کی طرف اور لاطینی جنوب مغرب کی طرف۔ ارمنی خانقاہ میں ہزار آدمی رہ سکتے ہیں۔ آرمینیوں کا ایک گرجا بہت بلند اور کشادہ بنا ہوا ہے اور اس میں اسباب عبادت اس قدر اور ایسے قیمتی ہیں کہ دنیا بھر میں میسر نہیں آتے۔ کبھی کبھی ان دونوں قوموں میں علاوہ زبانی بحث کے لاٹھی سونٹے کی بھی نوبت آجاتی ہے۔

یروسلم کے جنوب میں سلوآم کا ایک تالاب ہے کہ جس کی گہرائی چوبیس فٹ ہے۔ یروسلم میں ملکۂ انگلستان اور شاہ جرمن کے اتفاق سے ایک ایسے نئے گرجا کی تعمیر کا ارادہ ہوا تھا کہ جس میں انگلستانی کلیسا کے طور پر عبادت ہوا کرے اس کے لیے سلطان کی طرف سے زمین ملی اور بنیاد بھی ڈالی گئی مگر ارمنی اور یونانی اور لاطینیوں سے ہنوز وہ عمارت قائم نہیں ہونے پائی۔

یروسلم کے **مغرب** طرف ایک وادی ہے کہ جس کا طول دو یا ڈیڑھ میل ہوگا اس کو وادی یہوشفات کہتے ہیں جس کے معنی یہوواہ (خدا) کی عدالت کے ہیں۔ اسی بناء پر یہود اور عام عیسائیوں اور عام مسلمانوں کا خیال ہے کہ قیامت کے روز اس جگہ پر خدا عدالت کرے گا۔ اسی لیے یہود یہاں دفن ہونا سببِ نجات جانتے ہیں۔ اسی وادی کے پاس شہزادہ ابی سلوم کا ستون اور کئی ایک مقبرے ہیں جن میں سے بعض بلند اور عالیشان اور بعض ٹوٹے پھوٹے ویران پڑے ہیں۔

یروسلم کے جنوب میں ایک وادی گیہوم یعنی جہنم کہلاتی ہے۔ یوسیا بادشاہ کے عہد سے آگے یہودی یہاں مالک بت کی پرستش کرتے تھے۔ یہ بت پیتل کا تھا اور اس کا چہرہ بیل کا سا اور اس کے ہاتھ پھیلے ہوئے گویا یہ اپنے عابدوں کو گود میں لینا چاہتا ہے۔ یہ بت پرست یہودی اس بت کو آگ سے نہایت گرم کر کے اپنے لڑکوں کو اس کی گود میں ڈالتے اور ان کے چلانے کی آواز دبانے کے لیے ڈھول بجاتے تھے۔ اس عہد میں ان ڈھولوں کے نام سے اس کو وادی توف (ڈھول) کہتے تھے۔ پھر بابل کی اسیری کے بعد یہود اس مقام اور اس بت پرستی سے نفرت کرنے لگے اور اس وادی کو خراب کرنے کے لیے تمام شہر کا کوڑا اور غلیظ وہاں پڑنے لگا جس کے جلانے کے لیے ہمیشہ آگ جلتی رہتی تھی۔ اس مناسبت سے اس کو جہنم کہنے لگے جس طرح فلسطی ایک بت داجون کی پرستش کرتے تھے جس کا مچھلی کا سا جسم اور انسان کے سے ہاتھ پاؤں تھے اسی طرح موابی اس مالک کی پرستش کرتے تھے اور غالباً اس سے مراد زحل ستارہ لیتے تھے۔ باوجود سخت ممانعت کے بنی اسرائیل نے ان کی صحبت سے یہ بت پرستی اختیار کر لی تھی۔

قسطنطین شاہِ روم کی والدہ نے جب وہ یروسلم میں آئی مسیح کی قبر پر سے ایک بت جو اس پر قائم کیا گیا تھا اکھڑوا کر وہاں ایک جدید گرجا عالیشان تعمیر کیا جو آج تک مسیح کی قبر کے نام سے مشہور ہے اور جس قدر عیسائی یروشلم میں حج کو جاتے ہیں اس کی زیارت ضرور کرتے ہیں۔ اس میں گھستے ہی مجاور ایک بڑا پتھر دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی پر حضرت مسیح علیہ السلام کی لاش کو غسل دیا گیا تھا، اس سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر ایک گنبد کے نیچے جو سولہ ستونوں پر مبنی ہے مسیح کی قبر بتاتے ہیں جس پر انہوں نے سنگِ مرمر کا چھوٹا سا روضہ بنا رکھا ہے اس کے چھوٹے دروازہ سے ہو کر حاجی اس کمرے میں داخل ہوتے ہیں جو چٹان میں کندہ ہے یہ مقام ساڑھے چھ فٹ مربع سے زیادہ نہ ہوگا۔ یہاں سنگِ مرمر کا ایک صندوق ہے اسی میں حضرت مسیح علیہ السلام کی لاش کا رکھا جانا قرار دیتے ہیں اور اس کی چھت میں بڑے بڑے عمدہ جھاڑ لٹکتے ہیں جو بادشاہوں کی نذر گزرائے ہوئے ہیں۔ اس مقام میں ایسی کشمکش کی راہ ہے کہ تین چار آدمی کے سوا اور کا گزر نہیں۔ اس گرجے میں یونانی، لاطینی، ارمنی عیسائی سب شریک ہیں اور ہر سال وقتِ مقرر پر مسیح کے مصلوب ہونے اور زندہ ہونے کا سوانگ بناتے ہیں اور لاش نکالتے اور بڑا ماتم کرتے ہیں۔

اہلِ اسلام وہاں کے کل مقدس مقاموں کو مانتے ہیں بجز اس گرجا کے کیونکہ ان کو حضرت مسیح کی مصلوبی سے انکار ہے بلکہ یہ مقبرہ یہود اسکریوطی کا ہے جو ان کی جگہ دفن ہوا اور مسیح کے شبہہ میں سولی پر لٹکایا گیا۔

فصل دوم : اس شہر میں جو سب سے مقدس اور عمدہ اور متبرک مقام ہے وہ مسجد ہے کہ جس کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا جو مسجد الصخرہ کے نام سے نامزد ہے۔ جس وقت مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر کے اس کو لے لیا تو عیسائیوں کے بطریک یعنی امام سے مسجد کے لیے بہتر جگہ دریافت کی گئی اس نے سلیمان کی ہیکل کی اجاڑ جگہ کو دکھایا اور کہا کہ یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہیکل بنائی تھی[1] اسی مقام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی بنیاد ڈالی اور ایک متبرک عمارت بنائی اس مسجد کے احاطہ کو حرم شریف کہتے ہیں۔ زمانہ حربِ صلیب سے وہاں کوئی عیسائی جانے نہیں پاتا۔ ڈاکٹر ریچرڈسن کہتا ہے کہ میں طبابت کے ذریعہ سے امام سے موافقت کر کے تین بار اس کے اندر گیا ہوں اس لیے وہ وہاں کا مفصل حال لکھتا ہے۔ حرم شریف لمبائی میں ایک ہزار چاسو نانوے فٹ ہے یعنی مسجد اقصیٰ کی محراب نماز سے باب السلام تک اور عرض میں نو سو پچانوے فٹ ہے اس احاطہ میں نارنگی زیتون اور سرو کے متعدد درخت ہیں۔ اسی احاطہ کے درمیان ایک پختہ سنگِ مرمر کا تخت ہے یا چبوترہ جو چار سو پچاس فٹ مربع ہوگا جس کی بلندی احاطہ کی سطح سے بارہ چودہ فٹ ہوگی اس پر چڑھنے کے واسطے چاروں طرف سے اچھی اور کشادہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ چنانچہ مغرب کے رخ تین اور شمال کے رخ دو اور مشرق ایک اور جنوب کی سمت دو اور ہر ایک زینہ پر نہایت خوشنما محراب بنی ہوئی ہے اس کی کرسی بالکل سفید اور آسمانی رنگ سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے اس کے بعض پتھر بہت پرانے ہیں جن پر طرح بہ طرح کی صورتیں تراشی ہوئی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کسی قدیم عمارت کے پتھر ہیں۔ اس تخت کے اردگرد بہت سے حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں مؤذن اور خدام اور سامانِ مرمت رہتا ہے لیکن سب سے زیادہ حسین وہ مسجد ہے کہ جو

[1] بطریک کی یہ بھی ایک چالاکی تھی کیونکہ ان کے اعتقاد میں مسجد اقصیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی سے منہدم ہوئی جس کی نسبت وہ مسیح علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس کو پھر کوئی آباد نہ کر سکے گا وہ سمجھتا تھا کہ یہ مسلمانوں سے آباد نہ ہوگی اور اس قصد سے وہ خود برباد ہو جائیں گے مگر خدا نے پہلے انبیاء یعنی علیہم السلام کی معرفت خبر دے دی تھی کہ اس کو ایک قوم آباد کرے گی جو خدا کی آنکھوں میں مقبول اور برگزیدہ ہوگی اور وہی اس کے وارث اور متولی رہیں گے اس خبر کے مطابق واقعہ ہوا اس عہد سے اب تک یہ مسجد مسلمانوں کے ہی قبضہ میں ہے اور رہے گی۔ ایک عارضی قبضہ چند سال کے لیے حربِ صلیب کے عیسائیوں کا ہو گیا تھا صداقتِ اسلام کی ایک اور بھی بین دلیل ہے۔ افسوس ہے کہ اب چند سال سے عیسائیوں کے قبضہ میں چلی گئی ہے امید ہے کہ پھر اس کے وارثوں کے قبضہ میں آجائے گی۔

اس تخت کے بیچوں بیچ ہے جس کو مسجد الصخرہ کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس کے اندر ایک پتھر لگا ہوا ہے جس کی نسبت خیال ہے کہ یہ پتھر اس وقت سے آسمان سے گرا ہے جب سے کہ پہلے پہل نبوت ہوئی جب سے یہ یہیں پڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ سب اگلے نبی اسی پر بیٹھ کر نبوت کرتے تھے۔ یہ پھر اڑ کر جانے کو تھا کہ جبرئیل علیہ السلام نے ہاتھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک اس کو روک دیا۔ پھر حضرت ﷺ نے اس کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھا (یہ روایات اسلام میں سند صحیح سے ثابت نہیں) یہ مسجد ہشت پہل ہے اور ہر ایک پہل ساٹھ فٹ کا ہے اس میں چار باب ہیں۔ باب الغربی، باب الشرقی، باب القبلہ، باب الجنہ، ایک دروازہ پر سائبان پڑا ہوا ہے، برآمدہ کے طور پر اس کا پہلا درجہ سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے اس کے پتھروں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہیکل کے پتھر ہیں سب دیواریں ولدار بنی ہوئی ہیں، ایک دیوار کے پتھر مربع دوسرے کے ہشت پہل اس کے سنگ مرمر کا رنگ سفید ہے مگر خوبصورتی کے لیے جا بجا نیلاہٹ کی ہوئی ہے اس درجہ میں کوئی کھڑکی نہیں ہے مگر اوپر کے درجہ میں ہر ایک پہل میں ساٹھ ساٹھ اونچی کھڑکیاں ہیں اور سنگِ مرمر کے بجائے تمام دیوار رنگین خشت پختہ سے بنی ہے جن پر چاروں طرف قرآن مجید کی آیات بخطِ جلی لکھی ہیں یہ سب عمارت ایسی خوبصورت بنی ہوئی ہے کہ جس کی نسبت ڈاکٹر موصوف کہتا ہے کہ مجھے اس کے دیکھنے سے ایسی خوشی ملی جو دوسری عمارت سے ہرگز نہیں ہوئی۔ مسجد مذکور میں صخرہ کے سوا چند اور تبرکات ہیں جن کو اہلِ اسلام متبرک جانتے ہیں چنانچہ ایک اور بڑا پتھر ہے جس کی نسبت کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر بیٹھے تھے، سنگِ مذکور بیچ سے ٹوٹا ہوا ہے۔

اور ایک صندوق ہے جس میں ایک سوراخ ہاتھ جانے کے قابل ہے۔ اس کے اندر قدمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں۔ پھر ایک سبز پتھر چودہ تسو مربع ہے جس میں اٹھارہ سوراخ کیل کے لائق بنے ہوئے ہیں اس کی یہ خاصیت بتلاتے ہیں کہ ایک زمانہ گزر جانے کے بعد اس میں سے ایک کیل غائب ہو جاتی ہے چنانچہ اس میں سے ساڑھے چودہ غائب ہو گئے ہیں ساڑھے تین باقی ہیں۔ کہتے ہیں ان کے غائب ہو جانے کے بعد دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (یہ بھی اسلام میں سند صحیح سے ثابت نہیں، خیالاتِ عامہ ہیں) یہ بھی کہتے ہیں کہ اس مقام پر سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا مزار ہے۔ مسجد مذکور کا گنبد نوے فٹ بلند ہے اور اس کا قطر چالیس فٹ اس کی چھت سیسے کے پتھروں کی بنی ہے جس پر سے تمام یروسلم دکھائی دیتا ہے انتہی ملخصاً۔ یہ عمارت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بنی اُمیہ نے اس کو از سرِ نو تعمیر کیا، پھر اور تعمیرات ہوتی رہیں حال کی عمارت سلاطینِ عثمانیہ سلطان سلیمان کی ہے۔

حال میں صحنِ مسجد میں سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا ہے اور مسجد کے نیچے ایک تہ خانہ بھی ہے جو مسجد میں سے ایک کھڑکی میں سے شمع لے کر نیچے اترتے ہیں۔ نیچے جا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی بنیاد کے نشان معلوم ہوتے ہیں۔ اہلِ اسلام کے نزدیک اس مسجد کی زیارت اور وہاں جا کر نماز پڑھنا نہایت ثواب اور قبولیت کا کام ہے اس لیے سینکڑوں زوار جاتے ہیں۔ شہر میں حضرت سلطان خلد اللہ ملکہ کی طرف سے ہر قوم اور ہر ملک کے مسلمان زوار کے لیے ایک عمدہ مسافر خانہ بنا ہوا ہے جس کو وہاں تکیہ کہتے ہیں، وہاں کھانا پینا سب شیخ تکیہ کی معرفت سلطان کی طرف سے ملتا ہے۔

فصل سوم.....ہیکلِ سلیمان کی کیا صورت و ہیئت تھی : جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے لاکھوں بنی اسرائیل کو ملک شام میں وعدۂ الٰہی کے بموجب لے جانے کے لیے نکلے اور وہ مہینے اور سوا مہینے کا راستہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں سے چالیس برس کا سفر بن گیا۔ چنانچہ قادس اور شمالی حصہ عرب کے ریگستان میں اس بے شمار بھیڑ کو لیے ٹکراتے پھرے۔ یہاں تک کہ بجز چند آدمیوں کے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور تمام نوجوان بنی اسرائیل جو مصر میں بیس برس کے عمر کے تھے رستہ ہی میں مر کھپ گئے پھر ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے جانشین یوشع بن نون نے ملکِ فلسطین فتح کیا اور بنی اسرائیل کنعان کے وارث ہوئے ان میں یوشع سے لے کر ساؤل یعنی طالوت تک سردار ہوتے تھے پھر ان کے بعد سے سلطنت اور بادشاہت قائم ہوئی۔ ساؤل کے بعد سب سے اول بادشاہ بنی اسرائیل کے حضرت داؤد

علیہ السلام ہیں۔ یہ بموجب قول یوسفس مؤرخ کے حضرت یشوع سے پانچ سو پندرہ برس بعد تخت نشین ہوئے تھے، ان کا پہلا اہم کام یہ تھا کہ انہوں نے یبوسی لوگوں کو جو کنعان کی اولاد اور شہر یروشلم میں رہتے تھے مغلوب کیا۔ داؤد علیہ السلام نے یبوسیوں کو نکال کر شہر یروسلم کو از سر نو بنایا اور اس کا نام داؤد کا شہر رکھا اور دار السلطنت قرار دیا۔

انہیں بیابانوں میں مارے مارے پھرنے کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیمۂ عبادت بنانے کا حکم دیا تھا اور اس کی سب ترکیب بتلائی کہ اتنا لمبا ہو اور اس کے ایسے درجے ہوں اور اس کی ایسی قنات ہو اور اس کے اندر صندوق شہادت رکھنے کا ایسا کمرہ ہو اور قربانی کرنے کا فلاں مقام ہو اور اس کے عود سوزاک اور دیگر آلات سنہری روپہلی اتنے اور ایسے ہوں اور اس کے کاہن یا امام فلاں اور ان کا ایسا لباس ہو اور خیمہ کے محافظ اور اس کے اٹھانے والا اسرائیل کا فلاں فرقہ اور فلاں لوگ ہوں جس کی مفصل کیفیت توریت میں موجود ہے جس کو ہم نے بخوف تطویل ترک کرنا مناسب جانا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس مقام سے کوچ کر کے جس مقام پر جاتے تھے وہ خیمہ مع ساز و سامان ساتھ جاتا تھا اور ایک جگہ اکھیڑ کر دوسری جگہ نصب کیا جاتا تھا اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت داؤد علیہ السلام تک بنی اسرائیل کے لیے یہی کپڑے کی مسجد یا ہیکل رہی پھر جب یہ خیمہ یا مسکن بمقام سیلا استادہ تھا تو وہیں حضرت سموئیل علیہ السلام کی ماں نے دعا مانگی تھی کہ جس سے سموئیل پیدا ہوئے، عیلی کاہن کے عہد میں۔ اسی زمانہ میں صندوق شہادت جس کو تابوت سکینہ کہتے ہیں، بنی اسرائیل کے ہاتھ سے ایک لڑائی میں فلسطیوں کے ہاتھ آ گیا تھا پھر ساؤل کے عہد میں وہ خیمہ شہر نوب میں قائم ہوا پھر حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے تو انہوں نے اس وعدہ کے موجب جو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا اس جگہ ایستادہ کیا کہ جو زمین خدا نے ہمیشہ سے اس کے لیے پسند کر رکھی تھی جس کا کتاب استثناء کے ۱۲ باب اور ۱۴ درس اور دیگر مقامات میں اشارہ ہے یعنی یروسلم میں کوہ صیحون پر جس جگہ کا نام حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیت ایل رکھا تھا اور ایک پتھر بھی گاڑ دیا تھا، اب خدا تعالیٰ کا منشا ہوا کہ میری عبادت گاہ پختہ بنے مگر حضرت داؤد علیہ السلام کو دشمنوں کے قتال و جدال سے اس کی تعمیر کی مہلت نہ ملی گو سامان مہیا کیا تھا اس لیے مرتے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کو وصیت کی اور وہ سب ساز و سامان بھی حوالہ کیا اور ہیکل کا نقشہ بھی دیا کہ جس کے مطابق سلیمان علیہ السلام نے ہیکل بنائی اور اس خیمہ کی عبادت گاہ کو پتھر اور لکڑی اور سونے چاندی کا بنا دیا اس کی پوری کیفیت اول کتاب السلاطین میں نہایت تشریح کے ساتھ مذکور ہے مگر ہم بھی ناظرین کے لیے یوسفس مؤرخ کی کتاب سے کسی قدر نقل کرتے ہیں وھوھذا۔ تاریخ یوسفس حصہ ہشتم باب سوم۔

(۱) سلیمان نے اپنے تخت نشینی سے چار برس دو ماہ بعد ہیکل کا بنانا شروع کیا اور خروج (موسیٰ علیہ السلام از مصر) سے پانچ سو بانوے برس بعد اور ابراہیم کے مسوپوٹیمیا سے نکل کر ملک کنعان میں آباد ہونے سے ایک ہزار بیس برس بعد اور طوفان نوح سے ایک ہزار چار سو چالیس برس بعد اور آدم کی پیدائش سے کہ سب کا باپ اور سب سے پہلا آدمی تھا ہیکل کے زمانہ تک تین ہزار ایک سو دس برس گزرے تھے اور شہر سور کے آباد ہونے سے دو سو چالیس برس بعد اور حیرام شاہ سور کے تخت نشین ہونے سے گیارہ برس بعد ہیکل کی تعمیر شروع ہوئی۔

(۲) بادشاہ سلیمان نے بڑے بڑے پتھر اور نہایت مضبوط ہیکل کی نیو کے واسطے درست کرائے اور بڑی گہری زمین کھدوا کر ہیکل کی بنیاد رکھی تا کہ مدتوں قائم رہے۔ یہ عمارت سنگ مرمر سے تیار ہوئی تھی۔ ہیکل ساٹھ ہاتھ عرض اور ساٹھ ہاتھ طول[۲] اور ساٹھ ہاتھ بلند تھی اور

---

۱ ملک عراق کا یونانی میں نام ہے۔

۲ کتاب اول سلاطین کے ۶ باب میں ہے۔ وہ گھر جو سلیمان نے خداوند کے لیے بنایا طول اس کا ساٹھ ہاتھ اور عرض بیس ہاتھ اور بلندی اس کی تیس ہاتھ تھی اور کتاب ۲ تواریخ ۳ باب ۳۔۴ درس میں یوں ہے طول ساٹھ اگلی انداز کے موافق اور عرض بیس ہاتھ اور سامنے کے اسارے کی لمبائی گھر کی چوڑائی ←

اس کے اوپر ایک اور مکان بطور بالا خانہ کے بنا تھا اور اس طرح ہیکل کی بلندی ایک سو بیس ہاتھ ہوئی اور اس کا رخ مشرق کی طرف تھا اور ہیکل کے سامنے ایک برآمدہ بیس ہاتھ چوڑا اور بارہ ہاتھ لمبا اور ایک سو بیس ہاتھ اونچا بنایا اور ہیکل کے چاروں طرف تیس چھوٹے چھوٹے کمرے برابر بنائے اور ہر ایک کمرہ پانچ ہاتھ لمبا اور اسی قدر چوڑا تھا اور بیس ہاتھ اونچا اور یہ کمرے زیر و بالا سہ منزلہ بنائے گئے اور ان کی بلندی ہیکل کی نصف بلندی تک پہنچی اور تمام ہیکل کی چھت سرو کے مصفا شہتیروں اور تختوں سے پاٹی گئی اور سونے کی چادروں سے چھت اور دیواروں کو ڈھانپ دیا کہ جس سے تمام ہیکل روشن ہو گئی اور ہیکل کی تعمیر ایسی حکمت اور درستی سے کی گئی تھی کہ کہیں جوڑ نہ معلوم ہوتا تھا اور بالا خانہ پر جانے کے لیے ایک زینہ دیوار کے متصل بنایا گیا اور بالا خانہ کے کمروں میں کھڑکیاں بنائیں۔

(۳) اور بادشاہ نے ہیکل کو دو درجہ میں تقسیم کر کے اندر کے درجہ کو جو بیس ہاتھ عرض و طول میں یکساں بنایا اس کو نہانی مکان مقرر کیا اور دوسرا درجہ چوبیس ہاتھ عرض میں اور چالیس ہاتھ طول میں تھا[۱] اسے مقدس کمرہ قرار دیا اور اس میں سرو کی لکڑی کے دروازے لگائے اور سونے کی چادروں سے اسے منڈھ دیا اور اس پر قسم قسم کی تصویریں بنائیں اور ان کے آگے نیلے دار غوانی و قرمزی رنگ کے باریک کتاں کے پردے بنائے اور ان کو لٹکا کر ان پر بھی عجیب و غریب نقش و نگار بنائے، پھر اس کے نہانی درجہ کے لیے دو کروبی[۲] خالص سونے کے بنائے کہ وہ پانچ ہاتھ اونچے تھے اور ان میں سے ہر ایک کے بازو پانچ ہاتھ لمبے پھیلے ہوئے تھے اور ایک کروبی کا بازو دیوار جنوبی سے ملا تھا اور دوسرے کروبی کا دوسرا بازو شمالی دیوار سے ملا تھا اور بیچ میں عہد کا صندوق رکھا اور ہیکل کے دروازے میں بڑے بڑے کواڑ لگائے اور ان پر سونے کی چادریں جڑوائیں اور کل ہیکل کو اندر اور باہر سے سونے کی چادروں سے منڈھ دیا تھا اور باہر کے دروازوں پر اندر کے دروازے کے مانند پردے تھے مگر برآمدہ پر پردہ نہ تھا۔

(۴) سلیمان نے ایک کاریگر حیرام نامی ملک سوریہ سے بلایا کہ اس کے والدین اسرائیلی تھے۔ یہ شخص ہر کام میں ہوشیار تھا مگر سونے اور چاندی اور پیتل کا کام نہایت عمدہ کرتا تھا۔ اس نے ہیکل کا سب کام سلیمان کی مرضی کے موافق بنایا تھا اور دو ستون اٹھارہ ہاتھ بلند کہ جن کا محیط بارہ ہاتھ تھا اور ان کے سر پر پانچ ہاتھ اونچے سوسن کے درخت کی صورت بنائی اور ایک جالی کہ جس پر کھجور اور سوسن کے پھول بنائے تھے اور ان پر دو سوانار بنائے اور ان ستونوں میں سے ایک برآمدہ کی دائیں طرف رکھا گیا اس کا نام یوعز تھا۔

(۵) سلیمان نے ایک کلاں[۳] حوض نصف کرہ کی مانند پیتل کا ڈھلا ہوا بنوایا اس کا قطر دس ہاتھ کا تھا، اس کا دل چار انگشت اولس کے نیچے پیتل کا ایک ستون تھا کہ جس کا قطر دس فٹ تھا اور چار طرف بارہ بیل ڈھلے ہوئے تھے، تین تین ان کی پشت پر یہ حوض تھا اس کو بحر کہتے تھے۔

(۶) اور حوض کے لیے دس چوکونے ستون بنائے ان کی لمبائی پانچ ہاتھ، چوڑائی چار ہاتھ اور بلندی چھ ہاتھ تھی اور ان کے چاروں کونوں میں بھی چھوٹے چھوٹے ستون اور دو ستون کے درمیان ایک بیل تھا اور دو کے درمیان ایک بیل اور دو کے درمیان ایک شیر ببر اور دو کے درمیان عقاب اور چھوٹے ستونوں میں بھی چھوٹے قد کے جانور بنائے تھے اور ان دس ستون کے واسطے دس حوض[۴] بنائے تھے جن میں سے پانچ حوض ہیکل کے دائیں طرف اور پانچ بائیں طرف اور بڑا حوض سامنے تھا۔ اس میں کاہن لوگ اپنے ہاتھ پاؤں دھو کر (یعنی وضو کر کے)

← کے موافق بیس ہاتھ اور اونچائی ایک سو بیس ہاتھ۔ ان کتابوں کو عیسائی الہامی کہتے ہیں۔ پھر ان کے اختلاف کی تطبیق کچھ انہیں کی سمجھ میں آتی ہوگی یوسفس کے عہد میں شاید ان کتابوں میں ایسا نہ ہو یا یوسفس کو یہ کتابیں نہ ملی ہوں گی یا وہ سمجھ نہ سکا ہوگا۔

۱ فرشتہ۔۱۲

۲ یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور سیات۔ الآیہ سورہ سبا۔

قربان گاہ میں جاتے تھے اور حوضوں میں ان جانوروں کو دھوتے تھے کہ جن کو قربانی میں گزرانتے تھے۔

(۷) ایک اور قربان گاہ پیتل کی بنائی سوختنی قربانی کے لیے کہ جس کا عرض بیس ہاتھ کا اور طول بھی بیس ہاتھ کا اور دس ہاتھ بلند تھی اور اس کے تصرف کے لیے دیگ اور چمچے اور دست پناہ وغیرہ، یہ سب چیزیں نہایت عمدہ پیتل سے بنائی تھیں اور اس نے دس ہزار میز دوسرے کاموں کے واسطے بنائیں کہ جن پر شیشیاں اور پیالیاں رکھی جاتی تھیں اور دس ہزار شمعدان جن میں سے ایک بڑا شمعدان رات دن ہیکل میں روشن رہتا تھا۔ یہ جنوب میں رکھا گیا اور وہ سونے کی میز کہ جس پر خدا کے نام کی روٹیاں رکھی جاتی تھیں شمال کی جانب اور سونے کی قربان گاہ ان کے درمیان رکھی اور باقی برتن اس مکان میں رکھے جو چالیس ہاتھ بلند تھا الخ۔ اور ہیکل کے چاروں طرف تین ہاتھ بلند ایک دیوار بنائی تا کہ ہر کوئی اس میں جانے نہ پائے کیونکہ وہ مکان متبرک تھا وہاں خاص پاک شدہ لوگ جاتے تھے۔

اور اس دیوار کے باہر ایک غار پٹوا کر زمین کو بلند کرا کے اس پر ایک دوسری ہیکل چھوٹی بہ نسبت اس بڑی کے تعمیر کرائی اور اس کے اندر بڑے بڑے کمرے بنائے، چار دروازے لگائے اور اس چھوٹی ہیکل کے سامنے دور تک دو رویہ مکانات کی قطار بنائی اور اس میں چاندی کا ملمع کیا۔

یہ ہیکل مع ساز و سامان سات برس میں بن کر تیار ہوئی۔ اس کی تعمیر میں سور کے بادشاہ حیرام نے لکڑیوں کی بہت مدد کی اور خود سلیمان[1] نے اس کام کے لیے تین ہزار آدمی مقرر کیے تھے کہ جو کوہ لبنان میں لکڑیاں چیرتے اور تراشتے اور یہاں بھیجتے تھے۔ ان کے علاوہ وہ غیر لوگ بھی تھے کہ جن کو داؤد نے مقرر کیا تھا، ستر ہزار آدمی بار برداری کا کام اور اسی ہزار سنگ تراشی کا کام کرتے تھے اور تین ہزار ان سب کے محافظ تھے اور بادشاہ کا حکم تھا کہ سنگ تراش ہیکل کی نیو کے واسطے بڑے بڑے پتھر تراشیں اور ان کو وہیں درست کر کے شہر میں لائیں۔

سلیمان کی دعا : جب یہ ہیکل اور اس کا سب ساز و سامان تیار ہو چکا تو حضرت سلیمان نے تمام بنی اسرائیل کو دور دراز سے جمع کیا اور ان کی دعوت کی اور بڑی دھوم دھام سے صندوق شہادت اندر رکھا، جب کاہن لوگ سب چیزیں بترتیب اندر رکھ کے باہر آئے تو ایک سیاہ ابر کا ٹکڑا کہ جس سے اندھیرا ہو گیا ہیکل کے اندر گیا جس سے لوگوں کو اس کی مقبولیت کا یقین ہوا تب سلیمان علیہ السلام نے سر سجدہ میں رکھ کر یہ مناجات کی کہ تو آسمان و زمین بر و بحر کسی مکان میں سما نہیں سکتا، اب اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کہ اس مکان میں جس وقت بندے تیری عبادت کرنے آئیں، دعا مانگیں تو ان سب کی بندگی قبول کر اور ان کی دعائیں سن اور ان کی حاجات کو برلا گرچہ تو اپنے بندوں کی نگہبانی کرتا ہے جو تجھ سے ڈرتے ہیں تو ان کا زیادہ تر نگہبان اور ان پر بڑا مہربان ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا پھر قربانی بے شمار جانوروں کی گزرانی جن کو سب کے روبرو آسمان سے آگ اتر کر کھا گئی جس سے سب کو مقبول ہونے کا یقین ہوا پھر تمام لوگوں کو رخصت کیا وہ سب خوشیوں کے نعرے مارتے ہوئے اپنے اپنے شہروں اور گاؤں اور گھروں میں چلے گئے۔

آج کے دن سے بھی زیادہ کوئی دن خوشی اور اقبال کا بنی اسرائیل کے لیے نہ ہوا ہو گا آج آفتاب اقبال و دولت نصف النہار پر تھا پھر زوال شروع ہوا۔

فصل چہارم.....ہیکل کی بربادی : سلیمان علیہ السلام چالیس برس سلطنت کر کے چورانوے برس کی عمر میں جاں بحق ہوئے ان کے بعد بیٹا رحبعام تخت نشین ہوا۔ یہ شخص اوباش، بدعقل اوباشوں کا دوست تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اقتدار سلطنت حاصل کر کے پورا بے

[1] یوسفس مؤرخ اپنی کتاب کے حصہ ہشتم باب ۶ میں کہتا ہے کہ سلیمان کے پاس ایسے بھی منتر تھے کہ جن سے دیو دفع ہو جاتے تھے پھر ان کے ایک منتر کا اثر اپنے مشاہدہ میں آنا بھی لکھتا ہے۔ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ جن اور دیو ان کے مسخر تھے اس بات کا استجاب ان کو ہے کہ جو دیو اور جن کا صرف اپنے مشاہدہ میں نہ آنے سے انکار کرتے ہیں جس لیے تاریخی واقعات کی غلط توجیہیں کرنے پر مجبور ہوتے اس تقدیر پر جنوں سے کام لینا بھی کچھ بعید نہیں جیسا کہ قرآن مجید سے پایا جاتا ہے۔

دین ہو گیا جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ بارہ فرقوں میں سے صرف دو فرقے بنی اسرائیل کے اس کی حکومت میں رہ گئے اور دس کا ایک شخص یربعام نامی بادشاہ ہو گیا۔

سیساق کا حملہ : اس کے چند روز بعد سیساق شاہ مصر دو سو رتھ اور ساٹھ ہزار سوار اور چار لاکھ پیادہ لے کر یروسلم پر چڑھ آیا۔ اگرچہ شہر کو ڈھایا جلایا نہیں نہ ہیکل کو گرایا مگر اس میں جس قدر سونے چاندی کا اسباب بے تعداد قیمت کا تھا سب لے گیا جس کے بعد رحبعام نے پیتل کا سامان بنایا۔ یہ پہلی مصیبت تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ہیکل اور یروسلم پر آئی۔

بار دوم : رحبعام سے یوسیا کے عہد تک جو تخمیناً چار سو برس کا زمانہ ہے، یروسلم میں متعدد بادشاہ گزرے اور ان میں بنی اسرائیل کی دوسری سلطنت میں دو ٹکڑے ہو کر دو سلطنت قائم ہو گئی تھیں باہم بہت کچھ جدال و قتال بھی ہوئے جس سے بنی اسرائیل کی سلطنت میں ضعف آ گیا تھا اور ان میں بت پرست بادشاہ بھی ہوئے جن کی بے التفاتی سے ہیکل خراب و خستہ اور بے مرمت پڑی رہی اور اسی عرصہ میں توریت بھی اور صندوق شہادت کے تبرکات بھی جاتے رہے مگر یوسیا نے پھر ہیکل کی مرمت کی اور اس کی مرمت میں بہت کچھ روپیہ صرف کیا۔ یہ بادشاہ دیندار تھا اس کے عہد میں مصر کے بادشاہ فرعون نیکوہ نے ملک آسور پر چڑھائی کی اس کا ایک صوبہ شاہ بابل نبوپلاسر بخت نصر کا باپ بھی تھا یوسیا کا ملک چونکہ بیچ میں حائل تھا، یہ شاہ مصر کا معارض ہوا آخر باہم جنگ ہوئی جس میں یوسیا زخمی ہو کر مر گیا (یہ یرمیاہ علیہ السلام کا زمانہ ہے) اس کے بعد اس کا بیٹا یہوواحاز یروسلم کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی تخت نشینی کے تیسرے مہینے پھر وہی مصر کا بادشاہ یروسلم پر حملہ آور ہوا اور اس میں شہزادہ کو زنجیروں میں جکڑ کر مصر لے گیا اور یہ وہاں جاتے ہی مر گیا اور شہر یروسلم اور ہیکل پر بھی قدرے دست نظال دراز کیا اور اس کی جگہ یوسیا کے دوسرے بیٹے ایل یقیم کو تخت یروسلم پر بٹھا دیا اور اس کا نام بدل کر یہویقیم رکھا اور چار لاکھ چار ہزار تین سو اکیاون روپیہ سالانہ باج گزاری کا مقرر کیا۔ یہ شہر یروسلم پر دوسری دفعہ کی مصیبت تھی مگر اب تک سلیمانی ہیکل اور شہر کے شاہی مکانات اور شہر پناہ بدستور قائم تھی جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا۔

بار سوم : اس واقعہ کے چند سال بعد بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ملک یہود یہ پر چڑھائی کی اور یروسلم کو فتح کر کے یہویقیم کو اپنا باج گزار بنایا اور بہت کچھ مال و دولت لوٹا اور خاندان شاہی میں سے ایک گروہ کو اپنے محل[1] کا خواجہ سرا بنا کر لے گیا۔ ان اسیروں میں حضرت دانیال پیغمبر علیہ السلام اور ان کے تین رفیق بھی تھے۔

اس کے تھوڑے دنوں بعد یہویقیم نے بدعہدی کر کے شاہ بابل کی اطاعت سے انحراف کیا۔ شاہ بابل ان دنوں اپنی ماں کے ماتم اور دیگر علائق میں مبتلا تھا خود تو نہ آ سکا لیکن اس نے یہود یہ کے آس پاس کے سرداروں کو جو سریانی اور موابی اور عمونی وغیرہ تھے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے چاروں طرف سے ملک پر تاخت و غارت گری کر کے گیارہ برس تک یہویقیم کا ناک میں دم کر دیا آخر اس کو قتل کر کے یروشلم کے پھاٹک کے باہر پھینک دیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا یکونیا یروسلم کے تخت پر بیٹھا اس کے تیسرے مہینے خود بخت نصر ایک جرار لشکر لے کر یروسلم پر چڑھ آیا۔ شہر کو فتح کر کے یکونیا اور اس کی ماں اور دیگر بیگموں اور شہر کے امیروں اور ہر قسم کے کاریگروں، لوہاروں اور سنگتراشوں[2] کو اور شاہی خزانہ اور ہیکل کے سب سونے کے برتنوں اور دیگر سامان کو لوٹ کر لے گیا اور یکونیا کے عزیزوں میں سے ایک شخص صدقیاہ کو حکومت دے گیا اور اس سے فرمانبرداری کا عہد لکھا لیا۔ بخت نصر کا واپس ہونا تھا کہ آس پاس کے سرداروں نے اپنی دوستی اور بخت نصر کی بغاوت پر آمادہ کرنے کے لیے ایلچی بھیجنے شروع کیے۔ ادھر شاہ مصر نے ہمت دلائی آخر اپنی سلطنت کے نویں سال یہ بدعقل شہزادہ شاہ مصر کا اعلاناً معاہد ہو گیا اور شاہ بابل

[1] اپنے محل بابل میں تیار کروانے کے لیے۔ ۱۲ منہ

سے کھلم کھلا انحراف ظاہر کر دیا۔

بار چہارم : اس کے دو برس بعد بخت نصر بڑے بھاری لشکر کے ساتھ یروسلم کی طرف متوجہ ہوا۔ ادھر شاہ مصر نے بھی اپنی کمک صدقیاہ کے لیے بھیجی مگر اس خونخوار فوج کے سامنے کون ٹھہر سکتا تھا جو بنی اسرائیل کے اوباش اور فاسق اور مرتد بادشاہوں سے انتقام لینے کے لیے قہر الٰہی کا نمونہ تھی، آخر فتح کر لیا صدقیاہ روپوش ہو کر بھاگتا ہوا گرفتار ہوا اور شہر ربلہ میں قید کر کے بھیجا گیا، وہاں اس کے بیٹے قتل ہوئے اور اس کی آنکھیں پھوڑ کر زنجیریں پہنا کر بابل میں بھیجا گیا جہاں جا کر وہ جلد مر گیا۔

بخت نصر کے سپہ سالار نے یروسلم اور ہیکل کے سب مال و اسباب کو جمع کر کے باقی تمام شہر اور ہیکل میں آگ لگا دی اور سب کو جلا کر خاک کر دیا اور ہیکل اور شہر کو بنیادوں تک اکھاڑ کر میدان بنا دیا اور ہزار ہا مرد و زن کو اسیر کر کے بابل میں پہنچا دیا اور ہیکل کے وہ برنجی ستون اور وہ حوض اور وہ ڈھلے ہوئے جالی دار پیتل کے سامان اور وہ بیل اور وہ کروبی جن کو زمانہ کے منتخب کاریگروں نے کس محنت سے بنایا تھا سب کو بابل روانہ کیا اور بیشتر کو توڑ پھوڑ دیا۔ توریت کو بھی جو ایک نقلی نسخہ تھا وہیں جلا دیا آج یہود کے اقبال کا خاتمہ ہو گیا۔ آج وہ ہیکل سلیمانی جس کی دنیا میں نظیر نہ تھی منہدم ہو گئی۔ شہر کے عمدہ مکانات اور بازار برباد ہو گئے۔ آج یہود یہ کا ملک اور کوہِ صیحون بنی اسرائیل کو کس اشک حسرت کے ساتھ رخصت کرتے اور بابل کے سفاک سپاہیوں کے ہاتھ میں ان کی زنجیریں دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ حادثہ عبرت خیز حضرت مسیح علیہ السلام سے بقول اکثر مورخین پانچ سو چھیاسی برس پیشتر گزرا ہے یعنی تخمیناً چار سو پندرہ برس بعد تعمیر ہونے کے ہیکل برباد ہوئی ہے۔ حضرت یرمیاہ علیہ السلام چونکہ صدقیاہ بدبخت کو اس پیش آنے والی مصیبت سے مطلع کر کے اس کی بدکاری اور بت پرستی سے نصیحت فرماتے تھے اس لیے ان کو صدقیاہ نے قید کر دیا تھا اسی طرح اس سے پیشتر بھی یروسلم کے بدبخت بادشاہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل و قید کیا تھا۔

شاہ بابل کے ملازموں نے حضرت یرمیاہ کو قید سے رہائی دے کر ان کے ساتھ نیک سلوک کیا اور آزادی دی کہ جہاں چاہو رہا کرو، اب شہر بلکہ ملک اجاڑ پڑا ہے اور جو چند کنگال یہودی گرد و نواح میں باقی تھے جن کو کاشت و خدمت کے لیے رکھا تھا ان پر جدلیاہ بن اخی عام کو حاکم مقرر کر کے مصفاہ میں رہنے کا حکم دیا۔ غالباً وہ شخص کہ جس کا قصہ قرآن مجید میں ہے، قال انی یحیی هذه الله بعد موتها۔ یہ بھی حضرت یرمیاہ ہیں جو ہیکل اور یروسلم کی بربادی دیکھ کر دل میں کڑھتے اور روتے تھے۔ انہوں نے ہی نے حسرت سے یہ کہا تھا کہ یہ شہر اب کیونکر آباد ہوگا۔ خدا نے کرشمۂ قدرت دکھانے کے لیے ان کی روح قبض کر لی اور ان کی سواری کا گدھا بھی مر گیا، اس پر سو برس کا عرصہ گزر گیا لیکن اس عرصہ میں بنی اسرائیل بابل سے رہا ہو کر پھر یہاں آئے اور دوبارہ ہیکل اور شہر تعمیر ہو گیا۔ اس کے بعد خدا نے یرمیاہ کو بھی زندہ کر دیا اور ان سے پوچھا کہ کتنی دیر تک تم مرے پڑے رہے۔ انہوں نے کہا ایک دن یا کچھ کم پہر، خدا نے ان کے روبرو ان کے گدھے کو بھی زندہ کر دیا اور فرمایا کہ تم پورے سو برس تک مرے رہے اور انہیں کے سامنے ان کی سواری کے گدھے کو بھی زندہ کیا اور فرمایا ہماری قدرت دیکھو کہ ہم نے اجڑے شہر کو کیسا آباد کر دیا؟

بعض لوگ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یرمیاہ سو گئے تھے اور خواب میں ان کو خدا تعالیٰ نے یہ کیفیت دکھائی تھی۔ اسی طرح یہودی اور عیسائی مؤرخ بھی اس قصہ کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ یرمیاہ مصر چلے گئے تھے، وہیں مرے۔

ہیکل کی دوبارہ تعمیر : بابل میں ستر برس تک یہودی رہے اس عرصہ میں اپنے دینی دستورات بلکہ اکثر اپنی اصلی زبان سے بھی ناآشنا ہو گئے تھے جب شاہان بابل کا ایران کے بادشاہ خسرو کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا تو مسیح سے تخمیناً پانچ سو برس پیشتر شاہ ایران کے حکم سے بیالیس ہزار یہودی جن میں یشوع سردار کاہن اور زور بابل بھی تھے پھر اپنے ملک یہود یہ کو روانہ ہوئے اور ان کو شہر اور ہیکل کی تعمیر کی اجازت بھی ملی

اور ہیکل کا بچا کھچا اسباب بھی ملا مگر باقی یہودی بابل ہی میں رہے۔ حضرت حزقیل اور دانیال علیہ السلام یہیں فوت ہو گئے تھے۔ بنی اسرائیل نے آ کر تعمیر شروع کی مگر لوگوں کی غمازی سے کم بخی سیسی نے روک دیا۔ نو برس تعمیر رکی رہی، پھر شاہ دارا کے حکم سے تعمیر شروع ہو گئی اور کئی برس میں ہیکل اسی جگہ اور اسی نمونہ پر تعمیر ہوئی۔ فرقہ سامری نے بھی شریک ہونا چاہا مگر یہود نے ان کی شرکت سے انکار کیا۔ سامری بھی یہودی تھے ان کو آسور کا بادشاہ شالمنذر مسیح سے سات سو اکیس برس بیشتر اسیر کر کے لے گیا تھا اور وہاں ان کی نسل غیر قوموں سے مخلوط ہو گئی اور عرصہ کے بعد پھر یہ دوغلی قوم اپنے ملک سامریہ میں آ بسی۔ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے اس دوسری سلطنت کے لوگ ہیں جنہوں نے رحبعام کی ماتحتی میں ایک دوسری سلطنت قائم کی تھی تب سامریوں نے ایک کولاوے کے فرقہ میں سے اپنا کاہن یعنی امام بنا کر ان کے مقابلے میں اپنے لیے کوہ جرزین پر ایک اور ہیکل بنائی[1]۔

ع اپنا کعبہ جدا بنائیں گے ہم

توریت میں جو عیبال پہاڑ پر معبد بنانے کا اشارہ ہے (استثناء ۲۷ باب ۴ درس) انہوں نے اس لفظ عیبال کو بدل کر جرزین بنایا اور یروسلم کے منکر ہو گئے اور ایک دوسرے کو تحریف توریت کا الزام دینے لگے اور یہ جھگڑا ان میں قرنوں تک باقی رہا۔ چنانچہ ایک بار اسکندریہ کے یہودیوں اور سامریوں میں یہ مباحثہ پیش ہوا اور شاہ مصر کے روبرو ایک سو پچاس برس مسیح سے پیشتر سامریوں نے شکست کھائی۔

سامری توریت کے پانچوں حصوں کو تو مانتے ہیں باقی عہد عتیق اور عہد جدید میں سے اور کسی کتاب کو الہامی نہیں جانتے۔ یہ لوگ اب بھی شام میں موجود ہیں۔

الغرض ہیکل دوبارہ پھر اسی طور سے تعمیر ہوئی، زور بابل بن سلتائیل اور یوشع بن صدق اس کے مہتمم تھے اور حجی اور زکریا بن عیدو علیہما السلام مذہبی دستور کے موافق ہدایت کرتے جاتے تھے اور شاہ ایران کی طرف سے تعمیر کا خرچ اور لکڑی پتھر کی مدد ملتی تھی اور ان اضلاع کے صوبے نہایت سرگرمی سے فرمان شاہ کے بموجب مدد کرتے تھے۔ عرصہ کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام[2] بھی مع بہت سے ساز و سامان اور ایک جماعت کے آ کر شریک ہوئے اور حضرت عزیر نے اپنی یاد پر ان دونوں نبیوں کی مدد سے یہود کے لیے ایک کتاب بھی مرتب کی جس کو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کہتے تھے اور نیز ان کے دین اور رسوم عبادت کا بھی انتظام کیا۔ دارا کے عہد میں سات برس کے اندر ہیکل بن کر تیار ہوئی اور جب بنی اسرائیل کے لوگ قربانی کرنے کو جمع ہوئے اور بہت سے لوگ دف لے کر خدا کی حمد و ستائش گانے لگے تو نوعمر ہیکل کی خوشی میں نعرے مارتے اور پرانے لوگ قدیم ہیکل کو یاد کر کے زار زار روتے تھے۔

دارا کے بعد اس کا بیٹا خشاہ تخت نشین ہوا یہ بھی بنی اسرائیل پر بڑا مہربان تھا۔ اس کے مقرب حضرت نحمیا علیہ السلام تھے جو شہر سوسن[3] دارالسلطنت ایران میں رہتے تھے ان سے چند بنی اسرائیل نے بیان کیا کہ شہر پناہ نہ ہونے کی وجہ سے اطراف کے لوگ ہم کو لوٹتے ہیں۔ حضرت نحمیا نے بادشاہ سے اجازت اور پروانہ لیا اور خود بھی آئے اور شہر پناہ بھی بنوائی۔ (یہ یوسفس کا بیان ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

---

[1] وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا فاذا جاء وعد اولهما بعثنا علیکم عبادًا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلال الدیار الآیہ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مطلع کر دیا تھا کہ تم دو بار سرکشی نہایت درجہ کی کرو گے تو ہم تم پر ایک زور آور قوم مسلط کریں گے اس میں بخت نصر کی طرف اشارہ ہے چنانچہ بنی اسرائیل کی سرکشی اور فساد کا اس زمانہ میں انتہا نہ رہا تھا پس ان پر بخت نصر مسلط ہوا جس نے ان کو برباد کر دیا اس کے بعد پھر بنی اسرائیل اپنے ملک میں آباد ہوئے اور ہیکل اور شہر آباد ہوا تو پھر دوبارہ سرکشی اور کفر و بت پرستی کرنے لگے اس لیے دوبارہ بلائے عظیم ان پر نازل ہوئی جس میں یشوکس یا طیطس شاہ روم کی چڑھائی کی طرف اشارہ ہے۔

عزیر کو اہل کتاب عزرا کہتے ہیں حجی اور زکریا بھی اس عہد کے نبی تھے یہ وہ زکریا نہیں جو حضرت یحییٰ کے (جن کو یوحنا کہتے ہیں) باپ تھے۔ ۱۲

[3] جس کو آج کل شوشتر کہتے ہیں یہ شہر کیانی بادشاہوں کا دارالسلطنت تھا۔ ۱۲ منہ

دارا وہ نہیں کہ جس کو سکندر رومی نے مغلوب کیا کیونکہ اس دارا کا کوئی بیٹا نہ تھا) اس کے بعد سے یروسلم اور اس کے باشندے شاہانِ ایران کے مطیع ہو گئے ان کی مستقل حکومت نہ تھی۔ سکندر رومی کے عہد تک سکندر فلپ نے یونان سے خروج کر کے مشرقی ملکوں پر حملہ کرنا شروع کیا اور آخر دارا شاہِ فارس کو شکست دے کر ملکِ فارس اپنے قبضہ میں کر لیا اور اس کے بعد ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ (یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تین سو تینتیس برس پہلے گزرا ہے) پھر شہر بابل میں آ کر عین شباب میں مر گیا۔

اس کے عہد میں یروشلم کے کاہنوں نے اس کی حکومت قبول کر لی تھی اسی لیے ہیکل اور یروشلم جدید پر کوئی نئی مصیبت نہیں آئی اور نیز یہود اب تک اپنے افعالِ قبیحہ پر نادم اور تائب بھی تھے کہ جس کی وجہ سے تازہ مصیبت میں گرفتار نہ ہوئے مگر اس کے بعد پھر بدکاری اور گناہ کی طرف قدم بڑھانے لگے۔ بموجب اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا۔ اس کے بعد پھر مورد بلا ہوئے۔

سکندر کے بعد اس کا تمام ملک اس کے سرداروں پر تقسیم ہو گیا[1]۔ انٹی گونس نے ایشیا پر سلوکس نے ملک بابل پر اور لسی ماخس نے پلس پانٹ پر اور کس ڈر نے مسڈون پر اور ٹولمی ابن لاگس نے ملک مصر پر قبضہ کیا (یوسفس) اس ٹولمی نے ملک یہودیا اور یروشلم پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور یہودیوں کو اپنی رعیت بنایا اور ان کو دیندار سمجھ کر بہت کو عہدہ عمدہ عہدے بھی دیے اس لیے بہت سے یہود اس کی قدردانی سے ملک مصر میں چلے گئے اور ہزاروں اسکندریہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ پھر مصری بادشاہ کو یہودی کتابوں کے جمع کرنے اور عبرانی سے یونانی زبان میں ترجمہ کرانے کا شوق ہوا تو ایلی العزر یہودیوں کے سردار کاہن کے نام ایک خط لکھا اور چند افسر بہت سا ہدیہ دے کر بھیجے کہ آپ ہر فرقہ سے چند منتخب علماء میرے پاس بھیج دیجئے تا کہ وہ مجھے ترجمہ میں مدد دیں۔ کاہن نے بڑے شکریہ کے ساتھ جواب لکھا اور بہتر یہودی عالم کتابیں دے کر ترجمہ کرنے کو بھیجے جنہوں نے شریعت کا عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ کو سپٹواجنٹ[2] کہتے ہیں جس کے معنی بہتر (۷۲) کے ہیں۔ اس کے عہد میں یہودیوں نے بڑی عزت پائی تھی۔ اسی طرح ایشیاء کے بادشاہوں نے بھی یہود کی نہایت عزت و حرمت کی تھی چنانچہ سلوکس نے ایشیا اور شام سریا میں قلعے بنا کر یہودیوں کو ان کے سردار بنا دیا تھا اور اپنے دارالسلطنت انطاکیہ میں بھی ان کو بہت کچھ دخل دیا تھا۔

واضح ہو کہ سکندر کے بعد جب ملک کے ٹکڑے ہو گئے تو ایک شخص ایتوگونس نے حضرت مسیح علیہ السلام سے تین سو برس پیشتر یعنی سکندر کی وفات کے تینتیس برس بعد شہر انطاکیہ (انطاکیہ) آباد کر کے اس کو اپنا دارالسلطنت ٹھہرایا۔ یہ یونانی سلطنت کہلاتی تھی اور اس خاندان کے بادشاہ ایشوکس کہلاتے تھے۔ ان کی اور مصر کے بادشاہوں اٹالمی خاندان کی ہمیشہ لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ یہودی بے چارے ان دونوں پتھروں میں پسا کرتے تھے۔

یروشلم پر پانچواں حادثہ : آخر ایشوکس چہارم کا تسلط یروسلم پر ہو گیا جس نے کہانت کا عہدہ تیرہ لاکھ میں یسون یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ پھر اس سے واپس لے کر اس کے بھائی منلاؤس کے ہاتھ چوبیس لاکھ پچھتر ہزار پر فروخت کر ڈالا۔ ایشوکس کی خبرِ وفات سن کر یسون اپنے بھائی پر حملہ آور ہوا اور اس کو قتل کر دیا۔ چونکہ یہ بادشاہ ہنوز زندہ تھا، طیش میں آ کر حضرت مسیح سے ایک سو ستر برس پہلے یروسلم پر

[1] سکندریہ کی سلطنت عظیم اس کے چاروں سرداروں میں یوں تقسیم ہوئی، سلوکس کو ایران و بابل اور چند صوبے مشرقی ملے کالس ساٹذر کو مقدونیہ اور اس کے صوبجات انٹگونس (ایشوکس) کو شام اور ایشیاء کوچک کے اکثر صوبجات اور ٹالمی نے مصر اور اس کے اطراف پر قبضہ کیا۔ (دیباچہ دمن قرآن مطبوعہ الہ آباد ۱۸۴۲ء) ۱۲

[2] یہ ترجمہ مسیح سے دو سو برس پہلے سکندریہ میں ہوا اردو تاریخ کلیسیا مطبوعہ ۱۸۷۰ء حاشیہ صفحہ ۹۸

مسیح سے ۳۱۴ برس آگے ایشوکس نے یہود یہ کو ٹولمی شاہ مصر کے ہاتھ سے چھوڑا لیا تھا مگر مسیح سے ۳۰۲ برس آگے پھر ٹولمی نے ملک یہودیہ کو لے لیا اور ۲۰۵ برس پیشتر تک مصریوں ہی کے قبضہ میں رہا۔ یہ زمانہ یہود کے لیے بڑے امن کا تھا اسی عہد میں یہود نے پہلی کتابوں اور دیگر روایات کو جمع کیا۔ یہ توریت موجودہ و صحف انبیاء اسی عہد کی تالیف ہیں۔ اسی عہد میں سپٹواجنٹ ترجمہ بھی ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

چڑھ آیا چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور چالیس ہزار کو قید کر کے لے گیا اور ہیکل کا اسباب جو چار کروڑ انسٹھ لاکھ ساٹھ ہزار کی مالیت کا تھا لوٹ کر لے گیا اور ہیکل کی نہایت بے عزتی کی اور ایک ظالم کو یروسلم کا حاکم مقرر کر گیا۔

پھر مسیح سے ۱۷۹ برس پیشتر شاہ انطاکیہ نے مصر پر حملہ کیا لیکن یہود اس حملہ میں شاہِ مصر کے طرفدار ہو گئے اور شاہ انطاکیہ شکست کھا کر واپس آیا تب اس نے اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ یروشلم کو برباد کرے۔ چنانچہ اس نے آ کر قتلِ عام کیا اور شہر میں آگ لگا دی اور شہر پناہ اور دیگر عمدہ مکانات کو گرا دیا (مگر ہیکل بچ رہی) پھر ایشوکس کو انطاکیہ پہنچ کر یہ خبط پیدا ہوا کہ سب لوگوں کو یونانیوں کے مذہب بت پرستی پر چلا دے چنانچہ اس نے اپنے نائب اسینیوس کو یہودیوں پر حاکم مقرر کر کے بھیجا اور حکم دیا کہ جو مذہب بت پرستی نہ مانے تو اس کو قتل کر ڈالنا۔ حاکم نے یروسلم پہنچ کر چند بے دین یہودیوں کو اپنا شریک کر کے لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کیا اور تمام کتبِ یہود کو تلاش کر کے جلا دیا اور ہیکل میں چوپٹر کی مورت قائم کی اور جس نے اس حکم کی تعمیل نہ کی اس کو قتل کیا۔

اسمونی خاندان : اسمونی خاندان کا ایک بوڑھا کاہن مت تاتھیس اپنے پانچ بیٹوں یوحنا، شمعون، یہوداہ، ایلعاذر، یونتان کو لے کر اپنا دین بچانے کے لیے یروشلم سے بھاگ کر اپنے وطن اور شہر مودن میں آ رہا۔ یہاں بھی اس کے تعاقب میں ایشوکس کے لوگ آئے، اس نے پانچوں بیٹوں اور بہت سے دین دار یہودیوں کو جمع کر کے جہاد کیا جس میں شاہی لوگ شکست کھا کر بھاگے۔ پھر اس نے بتوں کو توڑا اور بت پرستوں کو قتل کیا۔ مسیح سے ایک سو سڑسٹھ برس پیشتر۔

اس کے بعد اس کا بیٹا یہوداہ جس کا لقب مقابیس تھا اس کے قائم مقام ہوا۔ یہ وہی مقابیس ہے جس کی دو کتابیں مقابیس اول و مقابیس دوم عبرانی زبان میں ہیں اور یونانی اور سریانی و رومن کیتھولک عیسائی اب تک ان کو آسمانی کتابوں کے مجموعہ میں شمار کرتے ہیں۔ مقابیس نے یروشلم کو لیا اور کھنڈر شہر کی مرمت کی اور ہیکل کو بتوں سے پاک وصاف کیا۔ ایشوکس نے انتقام کا قصد کیا مگر وہ تھوڑے دنوں کے بعد بیمار ہو کر مر گیا[1] پھر مسیح سے ایک سو اکسٹھ برس پیشتر مقابیس ایک لڑائی میں شہید[2] ہو گئے۔

اس کے بعد ان کا بھائی یونتان قائم مقام ہوا اس نے بھی اپنے بھائی شمعون کی مدد سے دینِ یہود کا انتظام نہایت عمدگی سے کیا لیکن وہ بھی سریا کے بادشاہ کے ہاتھ شہر پطولیمس میں مارا گیا اس کے بعد اس کا بھائی شمعون مسیح سے ایک سو چوالیس برس پہلے اس کا قائم مقام ہوا اور اس نے بھی یہودیوں کو غیر قوموں کی حکومت سے آزاد کرانے میں بڑی کوشش کی لیکن یہ بھی اپنے داماد کے ہاتھ سے بریسہ شہر کے قلعہ میں جبکہ وہ کسی مہم سے واپس آ رہا تھا دغا سے مارا گیا۔

اس کے بعد شمعون کا بیٹا یوحنا حاکم اور سردار کاہن ہوا اس نے چند یہودیہ کے صوبوں پر اپنا قبضہ کر لیا اور سامریوں کی ہیکل کو بھی غارت کر دیا اور بہت سے یہودیوں کو انطاکی مذہب سے پھیر لیا اور رومیوں سے بھی از سرِ نو پھر عہد و پیمان مستحکم کیا اس کے فوت ہونے کے بعد اس کا بیٹا ارسطوبولس اس کی گدی پر بیٹھا[3]۔

---

[1] انہیں دنوں میں رومی سلطنت نے جس کا پایہ تخت شہر روما ملک اٹلی میں تھا بڑا زور پکڑا تھا۔ یہ سلطنت کمزوروں کی اعانت کیا کرتی تھی یہ سمجھ کر مقابیس نے وہاں اپنے ایلچی بھیجے اور انطاکیہ کے بادشاہوں سے محفوظ رہنے کے لیے اس نئی سلطنت سے اتحاد پیدا کیا۔ سلطنت رومی نے ڈیمٹریوس گورنر ایشوکس کو دھمکایا تو ڈیمٹریوس کی فوج نے یروسلم کو آ گھیرا لیکن روم سے کچھ بھی مدد نہ آئی اور مقابیس کے ساتھی بھاگ گئے۔ مقابیس خود بڑے استقلال کے ساتھ لڑ کر شہید ہو گئے۔ ۱۲ منہ۔

[2] مسیح سے ایک سو سات برس پہلے۔ ۱۲ منہ۔

[3] شاہانِ مصر کے عہدِ حکومت میں سردار کاہن یروشلم میں حاکم کے طور پر یہاں کا انتظام کرتے تھے ایشوکس شاہِ سریا نے جس کا دارالسلطنت انطاکیہ تھا ←

اس نے اگلے زمانہ کی طرح پھر یہودیہ میں بادشاہت قائم کی۔ اسیری بابل کے بعد یہ اول شخص ہے کہ جو یہود کا بادشاہ کہلایا۔ اس نے یہودیوں کا ایک بڑا دفینہ برآمد کیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سکندر جن نیوس تخت نشین ہوا۔ ستائیس برس حکومت کر کے مسیح سے اناسی برس پیشتر انتقال کر گیا ان دنوں میں دو یہودی بھائیوں میں عہدۂ کہانت کی بابت جھگڑا پیدا ہوا اور ہر ایک نے اپنی عرضی پوری شاہ روم کے پاس بھیجی جو آس پاس کے ملکوں کو فتح کر چکا تھا۔

یہ بادشاہ یروسلم پر چڑھ آیا اور تین مہینے کے محاصرہ کے بعد یروشلم کو فتح کر لیا اس لڑائی میں بارہ ہزار یہودی مارے گئے اور اپنی طرف سے ایک کو سردار کاہن مقرر کر لیا۔ اس وقت سے ملک یہودیہ روم کے بادشاہوں کی حکومت میں آ گیا جن دنوں میں کہ رومی سرداران ملکوں کی فتوحات میں مصروف تھے۔ ایک شخص اودمی انٹی پیٹر نے رومیوں کو بڑی مدد دی تھی جس کے صلہ میں جیولس قیصر روم نے اس کے بیٹے اینٹی پیٹر کو ملک یہودیہ اور اس کے پاس کے ملکوں کا حاکم مقرر کر دیا جس کے تحت میں یہود کا کاہن یعنی امام یروسلم کا حاکم بھی تھا۔

مسیح سے چالیس برس پیشتر انٹی پیٹر مذکور مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ہیرودیس سوریا اور جلیل کا حاکم مقرر ہوا لیکن ان دنوں میں یہود کا کاہن اور حاکم انٹی گونس یہودی تھا اس نے ہیرودیس مذکور کی یہاں تک مخالفت کی کہ اس کو شہر روم میں بھاگ جانے کے سوا چارہ نہ ہوا۔ شاہ روم نے اس کی خاندانی خدمات کے لحاظ سے پھر اس کو یہودیوں کا حاکم بنا کر بھیجا۔ اس پر بھی اس کو کاہن مذکور سے تین برس تک لڑنا پڑا آخیر یروشلم کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور مریمن یہودن سے شادی کر کے یہود کا بادشاہ بن گیا اس کی حکومت پینتیس برس تک رہی اسی کے اخیر عہد میں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (صحیح یہ ہے کہ اس کے بعد)۔

ہیکل کی سہ بارہ تعمیر : اس نے یہود کے خوش کرنے کے واسطے ہیکل کو رفتہ رفتہ از سرِ نو تعمیر کرانا شروع کیا اس طرح پر کہ جب تھوڑے سے ٹکڑے کو توڑ کر بنا چکتے تھے تب دوسرے ٹکڑے کو توڑتے تھے اس طرح پر تمام عمارت نئے سرے سے بہت خوبصورت اور خوشنما بن کر مسیح سے آٹھ برس آگے عبادت کے لیے تیار ہو گئی مگر اس کی تکمیل چھیالیس برس تک ہوتی رہی مسیح کی تیس برس کی عمر تک۔ اٹھارہ ہزار آدمی نو برس تک اس میں کام کرتے رہے اور جبکہ موریہ پہاڑی کی چوٹی اس کی وسعت کے لیے کافی نہ ہوئی تو پہاڑی کے چاروں طرف بڑا عمیق پشتہ باندھا گیا۔ یہ بہت بلند تھا خصوصاً دکھن کی طرف چھ سو فٹ کی بلندی تھی۔ احاطہ کے باہر والی دیوار اسی پشتہ پر بنی تھی جس کی بلندی ۲۵ فٹ تھی اور آدھے میل کا گھیر تھا۔ اس کے اندر چاروں طرف دیوار کے پاس بہت خوشنما برآمدے بنے تھے۔ ان برآمدوں میں لوگ ٹہلتے اور انہیں میں صراف اور کبوتر فروش بیٹھتے تھے جو ہیکل کی نذر و نیاز والوں کے لیے چیزیں فروخت کرتے تھے اور اسی جگہ ایک مکان تھا کہ جہاں بیٹھ کر یہودی معلم جو ربی کہلاتے تھے مسائل تعلیم کیا کرتے تھے اسی جگہ ربیوں کو مسیح نے لاجواب کیا تھا (لوقا ۲ باب ۶) پہلے عیسائی بھی یہاں جمع ہوا کرتے تھے (اعمال ۲ باب ۴۶)۔

اس احاطہ کی دیوار میں نو پھاٹک تھے اور ان میں داخل ہونے کے لیے بڑے بڑے زینہ پشتہ پر بنے ہوئے تھے۔ یہ سب پھاٹک بڑے خوشنما تھے خصوصاً مشرق کی طرف کا پھاٹک جو زیتون کی پہاڑی کے سامنے تھا۔ یہ پھاٹک عمدہ پیتل کا تھا اس کی بلندی پینتیس ہاتھ تھی اور اس

← ۲۱۹ سنہ ٹولی چہارم اور پنجم سے کئی بار جنگ کی اس عہد میں یہود کو طرح طرح کی تکلیف پہنچی اخیر جنگ میں یہودی مصریوں کو چھوڑ کر شاہ سریا کے طرفدار ہو گئے جس سے شاہ مذکور نے ہیکل اور شہر کی مرمت کی اور سالیانہ بھی مقرر کیا مگر اس کے جانشین نے اس کو موقوف کر دیا اور ارادۂ بد کیا پھر اس کے جانشین اینٹوکس چہارم نے کہانت کا عہدہ فروخت کیا جس پر یہود نے بغاوت اختیار کی اور پھر اینٹوکس نے یروشلم پر حملہ کر کے شہر کو غارت کیا اور ہیکل کا وہ سامان جو شاہان ایران و مصر سے ملا تھا لوٹ لیا اور شہر کو ویران کر دیا۔ ۱۲ منہ

کے پاس کے برآمدہ کو سلیمان کا برآمدہ کہتے تھے۔ باہر والا احاطہ عام لوگوں کے لیے تھا اس کے اندر ایک اور احاطہ تھا کہ جہاں صرف یہودی عورتیں جا سکتی تھیں وہ بھی اس وقت جبکہ قربانیاں لاتی تھیں اس کے آگے اسرائیلیوں کا احاطہ تھا اور اس کے آگے لاویوں کا جہاں قربان گاہ اور پیتل کا حوض خاص ہیکل کے سامنے رکھا تھا۔ خاص ہیکل بہت بلند اور نہایت خوشنما تھی۔ اس کے سامنے ایک برآمدہ ڈیڑھ سو فٹ بلند اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ ہیکل کے اندر دو دالان یا کمرے تھے۔ ایک جو قدس کہلاتا تھا، ساٹھ فٹ لمبا اور اتنا ہی اونچا اور تیس فٹ چوڑا تھا اس میں نذر کی روٹیاں رکھنے کی میز اور بخور جلانے کی قربان گاہ اور سونے کے شمعدان رکھے ہوئے تھے۔ اس سے آگے دوسرا کمرہ قدس الاقدس کہلاتا تھا۔ یہ بیس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا اور اتنا ہی اونچا کمرہ تھا۔ پہلی ہیکل کے وقت اسی کمرہ میں عہد کا صندوق رہتا تھا کہ جس میں شریعت کی دو لوحیں اور من کا مرتبان اور ہارون علیہ السلام کا عصا تھا اس میں بجز سردار کاہن کے اور کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ وہ بھی سال میں ایک بار ان دونوں کمروں کے درمیان کتان کا ایک باریک پردہ بڑا قیمتی پڑا رہتا تھا۔ خاص ہیکل کے چاروں طرف سہ منزلہ بہت سے کمرے کاہنوں کے رہنے کے لیے بنے تھے اور احاطہ میں بہت سی اسی قسم کی عمارات تھیں۔ یہ سب عمارات سنگِ مرمر سے بنائی گئی تھیں (تفسیر پادری اسکاٹ)۔

جو ہیکل کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں تھی وہ یہی تھی اسی کے کسی کمرہ میں حضرت مریم علیہا السلام نے زکریا علیہ السلام کے پاس پرورش پائی تھی۔ اسی ہیکل میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواری عبادت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔

یہ ہیرودیس شہر یہوذ میں مر گیا اس کے ظلم و ستم سے بنی اسرائیل سخت ناراض تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ہیرودیس ثانی اپنے باپ کا جانشین ہوا اسی کے خوف سے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مصر کی طرف بھاگ گئے تھے اور اسی کے عہد میں اسی کے حکم سے حضرت یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام کا سر مبارک اس کی جورو اور بیٹی کے کہنے سے کاٹ کر ایک طشت میں اس کے سامنے لایا گیا تھا۔

ہیرودیس اول کے تین بیٹے تھے اس لیے اس کے بعد اس کے ملک کے بھی تین حصہ ہو گئے۔ ملک یہودیہ اور ادومیہ اور سامریہ ارکلاؤس کو ملا اور بیت عینا اور تراخونیتس وغیرہ فلپیوس کو گلیلیہ اور پریہ انطپاس کو۔ اور سب کو ہیرودیس ہی کہتے تھے۔ یہ ارکلاؤس اپنے باپ کی طرح بڑا ظالم اور سنگ دل تھا اسی لیے اس کی حکومت کے نو برس بعد اس کو اگسٹس قیصر روم نے بے دخل کر کے ملک گال (فرانس) میں بھیج دیا اور وہ وہیں جا کر مر گیا۔

انہیں دنوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور ہوا اور جابجا انہوں نے وعظ و پند و معجزات دکھانے شروع کیے۔ گو یہودی انبیاءِ سابقین کی پیشین گوئی کے منتظر تھے کہ کوئی اولوالعزم رسول پیدا ہونے والا ہے مگر اپنی بداقبالی اور شامت سے اسلئے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے جانی دشمن ہو گئے۔ آخر حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر کے پلاطوس کے پاس لے گئے جو قیصر روم کی طرف سے تھا اس کے پاس الزام بغاوت لگا کر سولی دینے لے گئے تھے۔ اس نے ان کی خاطر سے ان کو سولی دینا چاہا اور خدا نے حضرت کو اوپر اٹھا لیا اور ان کی صورت میں کسی اور کو کر دیا جو وہ سولی دیا گیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد حواریوں پر بھی بڑا ظلم و ستم ہوتا رہا۔ نہ صرف یہودیوں کی طرف سے بلکہ شاہانِ روم کی طرف سے بھی۔

حضرت مسیح نے اثناءِ وعظ میں بارہا یہود کو ایک آسمانی بلا سے ڈرایا تھا کہ عنقریب تم کو آفت آنے والی ہے اور ہیکل اور شہر کو برباد کرنے والی ہے مگر وہ اس کا کب باور کرتے تھے[1]؟ چنانچہ حضرت مسیح کے بعد جبکہ ملک یہودیہ میں خاندان ہیرودیس کے سبب قیصر کی

[1] یہود کی شان و شوکت رخصت ہونے کے بعد ان میں مذہب اور قومیت کا خون بھی باقی نہ رہا تھا۔ اپنی بیٹیوں کی طمع مال سے ان لوگوں سے شادی کر دیتے تھے جن سے مذہباً سخت ممانعت تھی یعنی بتوں اور بت پرست لوگوں سے اور ان پر فاتح قوموں کا یہاں تک اثر پڑ گیا تھا کہ وہ اپنے نام بھی انہیں ←

طرف سے ایک مستقل گورنر اس ملک میں قائم ہوا اور یروسلم میں رومی لشکر رہنے لگا یہودی ادھر تو رومیوں کی سخت حکومت سے بے دل تھے، ادھر کچھ ان کے دل میں بھی اپنی قوم کے بادشاہوں اور ان کے اقبال کے افسانہ سن کر جوش اٹھتا تھا کہ کسی طرح رومیوں کی حکومت سے آزادی حاصل ہو، انبیاء کا فرمودہ اور اعمال بد کا نتیجہ کب ٹلتا ہے۔ یہ تدبیر الٰہی ان کی ہلاکت کا باعث ہوگئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہود نے ملک میں بغاوت شروع کی اور آخر کار فوج یروسلم کو بھی محاصرہ کر کے قتل کر ڈالا اور بھی بہت سے رومی ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور یروسلم میں یہود کا پھر عمل و دخل ہو گیا لیکن عیسائی اس فساد میں شریک نہ تھے بلکہ اسی لیے وہ وہاں سے مسیح کی خبر کے بموجب (لوقا ۲۱ باب ۲۱) باہر بھاگ گئے تھے سپاسین رومی سردار ایک لشکر مہیب لے کر یروشلم پر چڑھ آیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا بہت دنوں تک باہم لڑائیاں ہوتی رہیں۔ رومی سردار نے بار ہا اطاعت کے پیغام بھی بھیجے مگر یہود نے نہ مانا اس عرصہ میں طیطوس اس لشکر کا سپہ سالار ہو کر آیا اور پھر جب وہ قیصر ہو گیا تو اس کی جگہ شہر کا محاصرہ اس کے بیٹے طیطس نے اپنے ذمہ لے لیا۔

یروسلم اور ہیکل پر چھٹا حادثہ : شہر کا سخت محاصرہ کیا اور یوسفس مورخ کو کئی بار یہود کے پاس بھیجا کہ بغاوت سے باز آؤ اور شہر میرے حوالہ کر دو تا کہ تم امن میں رہو مگر یہود کو اپنی شہر پناہ میں گھمنڈ اور نافرمانی کے بدلہ میں خدا تعالیٰ کی مدد پر بڑا بھروسہ تھا، نہ مانا اور حتی المقدور دل توڑ کر مقابلہ کیا۔ آخر غلہ نہ ہونے کی وجہ سے مردار خوری کی نوبت پہنچی اور آپس میں بھی فساد پڑ گیا۔ رومی لشکر شہر میں گھس پڑا اور جو سامنے آیا اس کو قتل کیا۔ مرد و عورت چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہ تھی اور شہر میں آگ لگا دی۔ رومی سپہ سالار نے بہت چاہا کہ ہیکل نہ جلنے پائے مگر اس بلوہ میں کون سنتا تھا خصوصاً جبکہ چھ ہزار یہودی اس میں پناہ گزیں تھے آخر وہاں بھی آگ کے شعلے اٹھنے لگے اور ہر طرف سے آگ بھڑکنے لگی اور ہر جانب شہر میں خون کی دھاریں بہنے لگیں، شہر کی بنیادیں تک اکھاڑ دی گئیں اور ہیکل کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ شہر اور ہیکل پر ہل چلا دیا گیا اور ترجمہ جوسیفس اجنٹ بھی ساتھ ہی جل گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو طیطس شہر رومیہ میں لے گیا تھا (مفتاح الکتاب صفحہ ۲۱) اس حادثہ میں تخمیناً گیارہ لاکھ بنی اسرائیل قتل ہوئے اور لاکھ کے قریب غلام بنائے گئے۔ (اس میں کسی قدر مبالغہ ہے)۔

اس حادثہ سے پہلے چند آثار عجیبہ بھی ظہور میں آئے تھے۔ (۱) ایک ستارہ تلوار کی صورت شہر کے اوپر نمودار ہوا۔ (۲) ایک دم دار ستارہ تمام سال دکھائی دیتا رہا۔ (عید فصح کی شب میں قربان گاہ کے پاس آدھے گھنٹے تک ایسی روشنی چمکتی رہی کہ گویا دن ہو گیا)۔ (۳) ہیکل کا شرقی دروازہ جو پیتل کا تھا اور بیس آدمیوں سے بہ مشکل بند ہوتا تھا، ایک رات آپ سے آپ کھل گیا۔ (۴) عید فصح کے تھوڑے دنوں بعد غروب آفتاب کے بعد بادلوں میں لڑائی کی گاڑیوں اور ہتھیار بند سپاہیوں کی شکل نمودار ہوتی رہی دیر تک (رومن تفیسر اسکاٹ صفحہ ۸۷)۔

یہ حادثہ مؤرخین کے نزدیک سن ستر عیسوی میں ہوا یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے صعود کے چالیس برس بعد اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام

← جیسے رکھنے لگے تھے عبرانی زبان کی جگہ سریانی' شاہان اطاکیہ کے عہد حکومت اور یونانی شاہان اٹالیہ کے عہد میں اور رومی جس کو لاطینی بھی کہتے ہیں شاہان رومہ کے عہد میں مایہ فخر ہو گئے تھے اور کوئی بھی ان میں قومی نشان دھلی لباس سے لے کر عادات تک بلکہ مذہب تک باقی نہ رہ گیا تھا جو کوئی ان کو کسی طرف لے جانا چاہتا تھا تو وہ اس پر چلنے کو تیار تھے۔ مقامیں وغیرہ حامیان قوم نے بہت کچھ کوشش کی کہ کہیں پھر اس قوم کے دن پھریں مگر ان میں تو کوئی حس و ادراک قومی باقی نہ رہا تھا۔ وہ سب کوششیں بیکار گئیں مسلمان بھی یہود کے واقعہ کو چاہیے کہ چشم عبرت دیکھیں۔

لہ مفتاح التواریخ میں ہے ص ۵ سن عیسوی کا رواج حضرت مسیح کے پیدا ہونے کے چار سال سات روز بعد سے ہے حضرت نے تیس برس کی عمر میں دعوت دین کی یعنی ۲۶ عیسوی میں اور ۳۶ برس کی عمر میں پلاطوس کے ہاتھ سے جمعہ کے روز ۱۳ اپریل ۳۳ء میں وفات پائی اس روز یہود کی عید فصح کا دن تھا انتہی۔ اس کے بموجب ۷۰ء تک صعود مسیح سے چالیس برس نہیں گزر سکتے بلکہ تین کم چالیس پھر عیسائی مورخ پیرس جانے کیا سمجھ کر کہتے ہیں اور تمیں بھی جو بتاتے ہیں سرتا پا غلطی کرتے ہیں۔ فافہم۔ ۱۲ منہ۔

کے حواریوں میں سے صرف یوحنا شہر افسس میں زندہ تھے۔ (ہندی تاریخ کلیسا صفحہ ۲۷۔۲۸)

اس کے بعد بھی یہود کی شرارت کم نہ ہوئی چنانچہ اس حادثہ کے چونسٹھ برس بعد آدریاں قیصر روم نے یہود پر سخت تشدد کرنا شروع کیا اور حکم دیا کہ جو کوئی ختنہ کرے گا قتل ہوگا۔ اسی دن سے عیسائیوں نے بھی توریت و حواریوں کو بلکہ کلیسیا یروسلم کو بالائے طاق رکھ کر پولوس کے کہنے سے رسم ختنہ کو ترک کیا تا کہ یہودیوں کے شبہ میں مارے نہ جائیں۔

پھر اس قیصر نے یروسلم پر اور ہیکل کی بنیادوں پر دوبارہ ہل چلوائے اور اس شہر کا نام بدل کر اپنے خاندان کے نام سے دوسرا نام ایلیہ رکھا۔ یہ بادشاہ ۱۳۸ء میں فوت ہوا۔ اس کے بعد روم میں اور بھی بادشاہ ہوئے جو اکثر مذہب عیسائی بلکہ یہودی دونوں کے سخت دشمن تھے اور ان کے ہاتھ سے عیسائیوں کو وہ وہ تکالیف پہنچیں کہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ آخر ۳۳۷ء میں قسطنطین اول قیصر روم جو بڑا ظالم اور سنگدل تھا اپنے ملک کے استحکام کے لیے عیسائی ہوا اس نے اور پھر اس کے بعد قسطنطین ثانی نے لوگوں کو زبردستی عیسائی بنانا شروع کیا لیکن اس کے بیٹے کانسٹین جیولین قیصر عیسائی مذہب کے برخلاف ہو گیا اور اس نے صرف مسیح کی اس پیشین گوئی کی تکذیب کرنے کے لیے جو انجیل لوقا کے ۲۱ باب ۲۴ درس میں ہے یروسلم میں ہیکل کی تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اس لیے اس نے کاریگر بھیجے جب مزدور ہیکل کی بنیاد کھودنے لگے تو زمین سے آگ کے ایسے شعلے نکلے کہ کوئی مزدور نیو[1] نہ کھود سکا۔ کئی بار قصد کیا مگر ہیکل کی تعمیر پر قادر نہ ہوئے۔ یہ ماجرا اس چار سو عیسوی سے کچھ پہلے کا ہے اس کے بعد پھر اور بھی قیاصرہ[2] گزرے ہیں لیکن کسی نے ہیکل کو تعمیر نہ کیا۔ الغرض طیطس کے عہد سے لیکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد تک گویروشلم آباد ہوا اور عیسائیوں نے وہاں اپنے معبد بنائے، یہودی بھی اس میں رہنے لگے مگر ہیکل اس عرصہ تک جو تخمیناً چھ سو سال کا ہوتا ہے ویسی ہی اجاڑ پڑی رہی کچھ بنیادوں کے نشان باقی تھے اور کچھ نہ تھا۔

ہیکل کی تعمیر چوتھی بار : پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو از سر نو تعمیر کیا جس کی تفصیل یہ ہے، اگرچہ ہمارے مؤرخین واقدی وغیرہ نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن ہم مخالفوں کے سکوت کے لیے عیسائی مؤرخوں سے ہی نقل کرتے ہیں۔ وھو ھذا۔

فصل ۵ : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہو کر ایک لشکر جمع کیا اور ۶۳۲ء میں ملک شام کے لینے کا ارادہ کیا اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر اور بہت سی نصیحتیں کر کے روانہ کیا۔ ہریکلیس[3] (ہرقل) نے اپنی رعیت کو لڑائی کے لیے بھڑکایا مگر کچھ کارگر نہ ہوا۔ یزید کے پاس

لہ مسیح کا قول تھا کہ جب تک غیر قوموں کا وقت پورا نہ ہو یروشلم غیر قوموں سے روندی جائے گی اس اس درس کا مطلب عیسائیوں نے یہ سمجھا ہے کہ بیگانہ قوم ہیکل یا یروشلم کو تعمیر نہ کر سکے گی چنانچہ جولیس قیصر چونکہ غیر تھا یعنی بت پرست و کافر وہ آباد نہ کر سکا۔ اب ہم اس کے یہ معنی تسلیم کر کے کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تعمیر کیا تو وہ غیر قوم نہ ہوئے بلکہ اللہ کے مقبول۔ یہی ایک دلیل اسلام کی منجانب اللہ ہونے پر کافی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عیسائی اللہ کی قوم نہیں یعنی پسندیدہ جماعت نہیں کس لیے کہ اسی ہوس پر کئی سو برس تک عیسائیوں نے جمع ہو کر بیت المقدس لینے کا قصد کیا مگر بجز ایک عارضی قبضہ کے ان کا قبضہ نہ ہوا برخلاف اس کے کہ آج ساڑھے بارہ سو برس سے زیادہ ہوئے مسلمان نہ صرف یروسلم بلکہ اس کل ملک کے مالک ہیں کہ جس کا وعدہ خدا نے ابراہیم علیہ السلام اور اس کی نسل کے لیے ابد تک کیا تھا۔ آنحضرت علیہ السلام کے عہد سے آگے روم کے قیصروں نے پھر یروسلم کی عمدہ شہر پناہ اور اس میں برج اور خندق بنائے جس کا محاصرہ آکر خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کیا اور چار مہینے کے محاصرہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے پر شہر مسلمانوں کے حوالہ کیا گیا۔ ۱۲ منہ

لہ یعنی آدرین قیصر نے ۱۳۰ء میں شہر کی آبادی شروع کی پھر ۴۰۳ء میں کوئن یوڈاکشید نے شہر پناہ بنائی مگر ہیکل ایسی ہی خراب عہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پڑی رہی ہاں اس کے متصل قسطنطین کے گرجے بنے ہوئے تھے۔

لہ ان قیصروں کے عہد میں پھر ایران کی سلطنت بڑے زور کے ساتھ قائم ہو گئی تھی۔ ایرانیوں اور قیصروں کی باہم لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ کبھی یہ غالب کبھی ←

سے متواتر خلیفہ کے پاس فتحیابی کی خبریں آتی تھیں ادھر ایک اور لشکر تسخیرِ بیت المقدس کے لیے تیار کیا، آخر شہر بصرہ کو فتح کیا۔ اس کے چار دن بعد قوم سراسن (اہل اسلام) دمشق کی دیواروں تلے آپہنچے۔ یہ شہر شام کا قدیم تخت گاہ ہے، اہلِ اسلام سے مقابلہ ہوا۔ سراسین کی وہ فوجیں جو شام اور بیت المقدس کی فتح کے لیے پھیل گئیں تھیں، ایز ناڈن کے میدان میں جمع ہوئیں، یونان کے ستر ہزار عمدہ سپاہی ان کے مقابلے کو آئے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے صلح کے پیغاموں کو اس شرط پر کہ عرب اپنے وطن کو پھر جائیں منظور نہ کیا اور اپنے لشکر کو ترغیب دے کر مقابلہ پر آمادہ کیا۔ طرفین میں مقابلہ ہوا، یونانی حملہ کی تاب نہ لاکر بھاگ گئے، بہت سے عیسائی مارے گئے باقی تتر بتر ہو گئے اور جو بچے تھے وہ قیصریہ وانیٹی لوک اور دمشق کو بھاگ گئے۔ اہلِ اسلام نے سونے چاندی کی صلیبوں اور ان کے عمدہ ہتھیاروں سے اپنے تئیں آراستہ کیا۔ اس جنگ میں پچاس ہزار عیسائی مارے گئے اور چار سو ستر مسلمان شہید ہوئے۔ یونانیوں کے سپاہ گری کے فن سے واقف ہونے کی وجہ سے محاصرہ نے طول کھینچا جب مسلمانوں نے رومیوں پر سخت محاصرہ کیا اور غلہ اور گھانس بند کر کے ان کو تنگ کیا تو انہوں نے سوا یلچی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے، چونکہ ابوعبیدہ نرم دل اور نیک نیت تھے اور اہلِ یونان کو اس امیر کی آدمیت اور خلق پر اعتماد تھا اس لیے صلح ہو گئی اور یہ قرار پایا کہ جو باہر جانا چاہیں چلے جائیں اور یہاں کا امیر خلیفہ کو محصول دیا کرے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دمشق فتح ہونے سے پہلے ماہ جولائی ۶۳۴ء میں وفات پائی اور مرنے سے پہلے وصیت کی کہ میرے بعد عمر کو خلیفہ کرنا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس عہدہ سے انکار کیا تھا کہ مجھے اس کی آرزو نہیں مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے قبول کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بعد خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو سردار کیا۔ خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، میں جانتا ہوں کہ عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے محبت نہیں رکھتے لیکن وہ میرے آقا ہیں، ان کا تابعدار ہوں۔ میں پہلے کی طرح ہر کام میں تندہی کروں گا اور ممکن نہیں کہ میں جانفشانی میں جو خدا کی راہ میں کرتا تھا قصور کروں۔

اب میں ان واقعات فتح بلاد شام کو مختصر بیان کرتا ہوں۔

لشکرِ اسلام نے شہر ایمایعنی السّ[1] اور ہیلوپولس یعنی بعلبک کو ۶۳۵ء میں فتح کیا۔ ندی یرموک یعنی ہرومیکس پر جو بحیرہ تبریس (تبریا جھیل) میں گرتی ہے اس کے کناروں پر شاہ استنبول کے طرف داروں کا اسی ہزار لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کو جمع ہوا اور اپنی سپاہ گری سے ڈرایا۔ لوگوں نے خلیفہ کے پاس اس امر کو مطلع کرنے کو قاصد بھیجے۔ خلیفہ نے آٹھ ہزار کی جمعیت اور بھیجی۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو فوج کے تمام اختیارات دے دیے۔ خالد نے لوگوں کو کہا کہ بہشت تمہارے آگے ہے اور شیطان اور دوزخ پیچھے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا زخم اور تکلیف میں تم اور دشمن دونوں برابر ہیں لیکن انعام اور خوشی ان کو نصیب نہیں (فانهم يالمون كماتالمون و ترجون من الله ما لايرجون) اس کہنے سے بہادرانِ اسلام کے دل پھر تر و تازہ ہو گئے اور اپنے سے بہت زیادہ لشکر کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ رومی سواروں کے حملوں سے قریب تھا کہ مسلمان بھاگ اٹھیں مگر قوم حمیر کی عورتوں کی لعنت و ملامت سے جو پچھلی صف میں کھڑی تھیں، پھر عرب کو حمیت آئی، پھر تو رومیوں کو تلواروں کی دھاروں پر لیا، بہت سے رومی مارے گئے، بہت سے دریا میں ڈوب مرے، باقی پہاڑوں اور جنگلوں

← وہ اور قیصروں کی سلطنت عرب کے کناروں سے لے کر انگلستان تک پھیل گئی تھی۔ اخیر میں قیصروں کی سلطنت کے دو حصہ ہو گئے تھے۔ روم غربی جس کا پایہ تخت شہر روم تھا جو ملک اٹلی میں ہے جس کو ایک بار مغربی جاہل قوموں نے فتح بھی کر لیا تھا دوسرا روم شرقی جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ۶۱۲ء میں ایران کے بادشاہ خسرو نے یروسلم کو فتح کیا اور انیس ہزار کو قتل کر کے عیسائیوں کے گرجوں کو گرا دیا پھر اس کے چند برس بعد روم کے ہرکلیوں (ہرقل) نے خسرو کو شکست دے کر اپنا قبضہ کیا اسی کی بابت قرآن میں الم غلبت الروم الخ آیا ہے پھر اس کے نو برس بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کیا۔ ادھر ایران کی سلطنت تمام ممالک شرقیہ پر حاوی تھی گویا اس عہد میں یہ دو ہی سلطنتیں تھیں جن کو مسلمانوں نے چند عرصہ میں لے لیا۔ ۱۲

[1] حمص۔

میں جا چھپے۔ یہ مژدہ خلیفہ کے پاس گیا۔

بیت المقدس کا محاصرہ : چونکہ اب حلب اور یروسلم اور اینٹی لوک کا نگہبان بجز اس مغلوب لشکر کے اور کوئی نہ تھا اس لیے خلیفہ کے حکم سے بیت المقدس کا محاصرہ کیا گیا۔ جب پانچ ہزار مسلمانوں نے حملہ کیا اور کامیاب نہ ہوئے تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام لشکر کے ساتھ اس شہر کو گھیر لیا اور ایلیہ یعنی یروشلم کے بڑے بڑے سرداروں کو یہ خط لکھا:

صحت اور خوشی ان لوگوں کو ہے جو راہِ راست پر چلتے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ تم سے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور جب تم ایمان لاؤ گے تو ہمیں حرام ہے کہ تمہیں ماریں یا تمہارے بال بچوں کو ہاتھ لگائیں اور اگر تم ایمان نہیں لاتے تو خراج دو اور ہماری حمایت میں رہنا اختیار کرو اور جو اس کو بھی نہیں مانو گے تو میں تمہارے مقابلہ میں ایسے لوگ لاؤں گا جو اللہ کی راہ میں شہید ہونے کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں، تمہارے شراب پینے اور سور کھانے سے (یعنی جس طرح تم شراب اور سور کو عزیز رکھتے ہو وہ شہید ہونے کو اس سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں) اور ہم بغیر فتح کے یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ شدتِ سرما میں مسلمان چار مہینے تک شہر کو گھیرے رہے آخر پادری سوف رومینس نے صلح کی شرط کو منظور کیا اور کہا کہ یہ پاک جگہ ہے، اس کو میں خلیفہ کے سوا اور کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔ مسلمانوں نے خلیفہ کو لکھا کہ شہر کا دینا آپ کے آنے پر موقوف کیا۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے خلیفہ کا جانا ہی قرار پایا۔ ان کا سفر باوجودیکہ دنیا کے بڑے مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے تھا مگر سادگی اور پاسداریِ مذہب اور حقیر سمجھنے اسباب و سامانِ دنیا پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ قدرے بیان کرنا مناسب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سفر کس توکل سے ہوتا ہے : میں اوکلی صاحب کے بیان کے موافق لکھتا ہوں جو صاف صاف ہے۔ خلیفہ نے اول مسجد میں نماز پڑھی اور بعد زیارت کرنے مزار رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ مقرر کیا اور چند رفیقوں کے ساتھ باہر نکلے جو تھوڑی سی دور سے الٹے پھر آئے۔ ایک سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار ہوئے اور دو تھیلے ساتھ لئے، ایک میں جو کے ستو دوسرے میں کھجوریں تھیں اور کاٹھ کا طباق اونٹ کے پیچھے باندھ لیا اور پانی کی مشک آگے رکھ لی۔ جس جگہ رات کو اترتے وہاں صبح کی نماز پڑھ کر چلتے اور ہمراہیوں کو مخاطب کر کے خدا کی حمد و ثناء کرتے کہ اس نے ہم کو راہِ راست پر چلایا اور گمراہی سے بچایا اور باہم محبت دی اور مخالفوں پر غالب کیا، تم اس کا شکر کرو۔ جو شکر کرتا ہے وہ خدا کی نعمتیں زیادہ پاتا ہے۔ پھر طباق ستوؤں سے بھر کر بڑی فیاضی کے ساتھ اپنے مصاحبوں کے ساتھ کھاتے۔ اسی سفر میں ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا جس نے دو بہنوں سے شادی کر رکھی تھی۔ آپ نے ایک کے ترک کرنے کا حکم دیا پھر ایک شخص حریر پہنے ہوئے پیش کیا گیا، اس کو عیاشی کے لباس سے منع کیا اور کئی ایک باجگزاروں کو دھوپ میں بیٹھا دیکھا، ان پر رحم فرما کر رہائی دی اور رحمدلی اور سہل کاری کی۔ عالموں کو تاکید کی جب شہر کے قریب پہنچے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا گیا اور ایک موٹی اون کے خیمہ میں زمین پر بیٹھ گئے۔ رئیسِ قوم (نصاریٰ) نے اپنے سرداروں سے کہا ان لوگوں سے بغیر مدد آسمانی مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے، ان کے رسول نے حکم دیا ہے کہ حلم و حیا و تابعداری کو عمل میں لائیں اور ان اوصاف سے ان کی ترقی ہوگی۔ تھوڑے دنوں میں سب قانون پر ان کی شرع کو غلبہ ہوگا اور ان کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی[2]۔ ان کے بعد شرائطِ صلح منظور ہو گئیں اور شہر کے دروازے کھول دیے گئے۔ خلیفہ اور رئیسِ نصاریٰ باتیں کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور عبادت گاہِ سلیمان پر خلیفہ کے حکم سے ایک نہایت عمدہ مسجد تعمیر کرائی گئی۔ خلیفہ دس روز مقام کر کے وہاں سے مدینہ واپس آئے۔ (ملخصاً از سیر الاسلام) یہ کتاب انگریزی سے ترجمہ ہو کر طبع ہوئی ہے۔

[1] اطاکیہ

[2] بیت المقدس پر عیسائیوں کے حملے کو جو کروسیڈ کہلاتے ہیں۔

فصل ششم : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بنوائی ہوئی مسجد مدتوں تک قائم رہی اور ملک شام اور شہر یروشلم بھی اس دن سے آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا۔ اتنی مدت اس ارض مقدسہ پر نہ تو بنی اسرائیل کی حکومت رہی نہ کسی اور کی۔ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد خاص ملک شام میں شہر دمشق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پایہ تخت قرار پایا اور عرصہ تک یکے بعد دیگرے بنی امیہ کے بادشاہ ہوتے رہے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سلطنت آئی۔ خلفاء عباسیہ مامون رشید، ہارون رشید وغیرہ نے اپنے عہد میں یورپ کے اور ملک بھی ماتحت کر لیے تھے، ان کے عہد میں شہر بغداد دارالسلطنت تھا۔ ایران، عرب، مصر، شام و دیگر سب ان کے ماتحت تھے۔ ۲۹۷ ہجری میں ملک مصر میں ایک شخص مہدی[1] نے خلفاء عباسیہ کے برخلاف اپنی خلافت قائم کی تھی۔ یہ مہدی اپنے آپ کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں شمار کرتا تھا اور یکے بعد دیگرے ان کے خاندان میں بھی چودہ خلیفہ قائم ہوئے۔ ان کی سلطنت پانچ سو سڑسٹھ ہجری تک رہی۔ ان کا اخیر خلیفہ عاضد لدین اللہ ابو محمد عبداللہ تھا۔ اس دولت علویہ کا خاتمہ سلطان صلاح الدین یوسف ابن ایوب کے ہاتھ سے ہوا جو ان کے ہاں آ کر وزیر ہوا تھا۔ سلطان مذکور اپنے چچا شیرکوہ کے ساتھ سلطان نورالدین محمود شاہ شام کی طرف سے جو متعلقین سلاطین سلجوقیہ میں سے تھا یہاں آیا تھا اور اپنے آپ کو خلفاء عباسیہ کا ماتحت شمار کرتا تھا۔ خلفاء عباسیہ کے عہد میں بخارا اور خراسان و ایران وغیرہ بلاد میں نئے نئے بادشاہ قہار پیدا ہو گئے تھے جو اپنے آپ کو برائے نام خلفاء عباسیہ کا ماتحت سمجھتے تھے اور ان کے ہاں سے خطاب اور سند حاصل کرنے کے لیے نذریں اور تحائف بھیجا کرتے تھے۔ منجملہ ان کے ایک دولت سامانی بخارا میں بڑے زور و شور کے ساتھ تھی جن کے متعلقین میں سے سبکتگین اور اس کا بیٹا سلطان محمود بھی ہے جس نے ہندوستان کو فتح کیا۔ ترکوں کے حوصلہ متواتر فتوحات سے بڑھ گئے تو ان میں سے اقبال مند لوگ بھی ظاہر ہونے لگے چنانچہ ان میں سے ایک شخص وقاق ترکوں کا سپہ سالار تھا اس کا بیٹا سلجوق سلطان یعقوب شاہ ترکستان کا سپہ سالار معتوب ہو کر نواحی جند میں آ رہا اور کافر ترکوں سے جہاد کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد اس کے تین بیٹے ارسلان، موسیٰ، میکائیل بھی اسی طرح جہاد کرتے رہے، میکائیل شہید ہو گیا، اس نے یعقوب طغرل بک جغرہ بک داؤد چار جوانمرد بیٹے چھوڑے۔ داؤد اور طغرل بغراخاں شاہ ترکستان کے ہاں ملتجی ہوئے۔ اس نے دغا کی اس سے بھاگ کر یہ پھر جند میں آ رہے۔ یہاں تک کہ دولت سامانیہ کا خاتمہ ہو گیا اور ایلک خاں بخارا کا بادشاہ ہوا۔ اس کے مصاحبوں میں ارسلان بن سلجوق داخل ہو گیا یہاں تک کہ جب سلطان محمود نے ایلک خاں کو بھگایا تو اس کی رفاقت میں ارسلان بھی بھاگا تھا۔ ارسلان کی جماعت آذربائیجان تک پہنچی، ادھر طغرل آس پاس کے بادشاہوں سے لڑنے بھڑنے لگا۔ اس کے ہاتھ سے مسعود بن محمود نے شکستیں پائیں اور آخر کو ملک خوارزم کے بادشاہ بن بیٹھے۔ ۴۳۴ ہجری میں پھر رفتہ رفتہ ان کی سلطنت زور پکڑتی گئی یہاں تک کہ ملک شام اور ایشیاء کوچک پر بھی اس کا تسلط ہو گیا، قسطنطنیہ میں اس کا خطبہ پڑھا گیا اور اس نے اپنے اقارب میں کسی کو شام کا کسی کو دیگر صوبجات کا حاکم اور بادشاہ مقرر کر دیا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ مصر میں المستنصر علوی خلیفہ ہے اور بغداد میں القائم باللہ عباسی ہے۔ ایران میں شاہان بنی بویہ تھے جو خلفاء بغداد پر قابض ہو گئے تھے۔ انہیں کے عہد میں یہ خاندان تمام ہوا۔ طغرل خلیفہ بغداد کا نائب گنا جاتا تھا، طغرل لاولد مر گیا اس کے بعد ۴۵۵ ہجری میں اس کی جگہ اس کا بھتیجا الپ ارسلان بن داؤد بن سلجوق وارث سلطنت ہوا۔ اس نے بھی بڑی بڑی فتحیں پائیں اور اس کے وزیر نظام الملک نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ ۴۶۵ ہجری میں الپ ارسلان مر گیا اور ملک شاہ اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان سنجر ہوا اور قائم کی جگہ اس کا پوتا مقتدی بامر اللہ ہوا۔ ۴۶۷ ہجری میں الغرض سلجوقی خاندان

[1] اس کا نام ابوالقاسم محمد ابن عبداللہ ہے۔ اس نے قیروان کو لے لیا اور مہدیہ شہر بسایا، اس کے معتقد اس کو مہدی سمجھتے تھے اس کے مقابلے میں ایک یہتی ملا ابو یزید بھی اٹھا تھا۔ اس کو یہ لوگ دجال کہتے تھے مگر خلفاء عباسیہ ان کو غلام اور بیہودی نسل سے کہتے تھے۔ ۱۲ منہ

کے متعدد بادشاہ ہو گئے تھے جن میں باہم لڑائیاں بھی ہوا کرتی تھیں اور شام کا ملک خصوصاً بیت المقدس کبھی خلفاء مصر کے نوابوں کے قبضہ میں آ جاتا تھا، کبھی خلفائے عباسیہ کے برائے نام مطیعون شاہان سلجوقیہ کے قبضہ میں رہتا تھا۔ مسلمانوں کی اس باہمی خونخوار لڑائیوں اور طوائف الملوکی نے عیسائیوں خصوصاً فرنگستان (یورپ کے) بادشاہوں کے دلوں میں مسلمانوں سے لڑنے اور بیت المقدس کے لینے کا حوصلہ پیدا کر دیا اس کی ابتداء یوں ہوئی۔

حرب الصلیب ..... یروسلم پر پہلا حملہ : بیت المقدس کے حج کو ہر طرف کے عیسائی جوق در جوق آیا کرتے تھے۔ ان میں ایک شخص پیٹر نامی انیس صوبہ پکارڈی ملک فرانس کا رہنے والا بھی آیا جو کوتاہ قد حقیر صورت تھا۔ شاید اس نے وہاں مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ تکلیف پائی تھی۔ وہاں کے بڑے پادری سے شکایت کر کے یہ کہا کہ تم شاہان یونان سے مدد کیوں نہیں مانگتے، اس نے کہا وہ عیش و غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان سے کیا ہو سکتا ہے۔ پیٹر نے کہا تو میں شاہان یورپ کو آمادہ کرتا ہوں۔ پیٹر وہاں سے چلا اور اربن ثانی اس زمانہ کے پوپ سے ملا۔ پوپ نے وعدہ کیا کہ میں مجلس عام میں اس کی تحریک کروں گا مگر اتنے عرصہ میں تم منادی کرتے پھرو۔ حضرت مجنونانہ صورت بنا کر ایک گدھے پر سوار ہو کر اور بہادری سے صلیب لے کر تمام ممالک فرانس اور اطالیہ میں منادی کرتے پھرنے لگے۔ شاہراہوں، گرجا گھروں میں جہاں کہیں وعظ کرتے زواروں کی تکالیف بیان کرتے۔ لوگ سن کر رو دیتے۔ اس پر حضرت واعظ کی ہچکیاں اور آہیں اور لمبے لمبے آنسو اور حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کی دہائی دینا اور بھی غضب کرتا تھا۔ آخر ملک فرانس میں نومبر ۱۰۹۵ء میں ایک مجلس جمع ہوئی جس میں بہت سے نامور سردار اور مشہور امیر بھی آئے۔ آٹھ روز مجلس رہی لوگ پہلے ہی سے بھرے ہوئے تھے ادھر اس جہاد کا ثواب سنتے ہی چیخ اٹھے کہ ہاں یہی مرضی خدا ہے، ہاں یہی مرضی خدا ہے۔ پیٹر کے ساتھ ایک انبوہ کثیر جمع ہو گیا جس میں رؤساء اور شہزادے بھی تھے۔ اس لشکر کا سرخ لباس اور صلیب نشان تھا۔ یہ لشکر کہ جس کی تعداد لاکھ سے زیادہ تھی اور جوق در جوق لوگ ان میں شامل ہوتے گئے ہنوز ملک شام میں پہنچنے نہ پایا تھا کہ سلطان سلیمان نے مار کر ان کے چیتھڑے اڑا ڈالے۔ لاکھوں آدمیوں کی ہڈیوں کا ڈھیر اس جنگ کی یادگاری میں لگا دیا مگر ایک دوسرا لشکر اور بھی تیار ہوا تھا جس کا سپہ سالار فرانسیسی شہزادہ مسمی گاڈفری تھا والوں تھا اس لشکر نے جا کر یروسلم کا محاصرہ کیا۔ آخر فرنگی رسالے اور پلٹنیں شہر میں گھس آئے اور گلی کوچوں میں مسلمانوں کے زن و فرزند کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ صرف مسجد مقدس میں جو کئی ہزار مسلمان پناہ گزیں تھے قتل کیے گئے۔ ہر چند مسلمان رو رو کر امان امان پکارتے تھے مگر ان دیندار عیسائیوں کی رحمدلی کب امان دیتی تھی؟ آخر صلیب کا نشان اڑنے لگا۔ یہ واقعہ ایک ہزار ننانوے[2] عیسوی میں ہوا اگرچہ تخمیناً ستر ہزار مسلمان تو شہید ہوئے مگر بے چارے یہودی بھی اپنی عبادت گاہوں میں قتل کیے گئے۔ گاڈفری اول ہی سال میں مر گیا مگر تخمیناً نوے برس تک نہ صرف بیت المقدس پر بلکہ آس پاس کے ملکوں پر بھی عیسائیوں کا قبضہ رہا۔

واضح ہو کہ ۴۶۳ ہجری میں یوسف بن آبق خوارزمی نے جو ملک شاہ بن الپ ارسلان کا امیر تھا ملک شام میں جا کر شہر رملہ اور بیت المقدس کو مستنصر خلیفہ مصر کے نواب سے چھین لیا تھا، پھر ۴۸۷ھ میں خلیفہ مصر نے ارتق کے بیٹوں ایلغازی اور سقمان سے چھین لیا۔ پھر اس جنگ تک مصریوں کے پاس رہا ابوالفداء سلیمان جس نے پیٹر کے لشکر کو تہ تیغ کیا تھا، قطوش سلجوقی کا بیٹا ہے جو قونیہ و دیگر بلاد روم کا بادشاہ تھا ۴۷۷ ہجری میں اپنے چچازاد بھائی سلطان تاج الدولہ تتش بن الپ ارسلان کی جنگ میں مارا گیا (ابوالفداء) اس حادثہ کے دنوں میں مستظہر باللہ عباسی خلیفہ بغداد تھا اور سلجوقیوں میں سے سلطان محمد ابن ملک شاہ بڑی شان و شوکت سے ملک اپنے بھائیوں سے فتح کرتا پھرتا

[2] بیت المقدس پر عیسائیوں کے حملے جو کر وسید کہلاتے ہیں۔

[3] ابوالفداء اس کو ۴۹۰ھ کا واقعہ بتلاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

تھا۔

دوبارہ حملہ : اول جنگ کے تخمیناً اڑتالیس برس بعد جب عیسائیوں نے یہ سنا کہ فرات کے اس طرف جو عیسائیوں نے ایک بڑا قلعہ مسلمانوں کے روکنے کے لیے بنایا تھا اس کو زنگی امیر موصل نے لے لیا تو ان کے دلوں میں پھر جہاد کی آگ کا شعلہ بھڑکا اور اب پیٹر کی جگہ برنارڈ منادی کرنے لگا۔ آخر اس نے لوئیس ہفتم شاہ فرانس اور کان رڈ جرمنی کو معتقد کر لیا۔ یہ دونوں بادشاہ تین لاکھ لشکر لے کر ہنگری کے راستہ قسطنطنیہ پہنچے۔ منوئیل شاہ قسطنطنیہ کی بدسلوکی سے ان کی طاقت گھٹ گئی۔ آخر کید وشیا کے پہاڑوں میں انہوں نے سخت ہزیمت مسلمانوں سے اٹھائی اور بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا کر واپس آئے۔

تیسرا حملہ : ۵۸۱ ہجری میں سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب نے ان عیسائیوں کے مقابلہ کا ارادہ کیا جو نوے برس تک ان ممالک پر حاکم اور مسلط تھے۔ اول طبریہ پر ہفتہ کے روز پانچویں ربیع الاول کو لڑائی ہوئی، عیسائیوں نے شکست کھائی جس میں فرنگستان کا ایک بادشاہ اور ایک گرجستان کا عیسائی بادشاہ گرفتار ہوا، اس کے بعد شہر عکہ کا محاصرہ کیا، اس کو بھی فتح کیا۔ پھر بیروت اور قساریہ اور صفوریہ اور رملہ بیت لحم وغیرہ شہروں کو فتح کرتا ہوا خاص بیت المقدس کی شہر پناہ کا بھی آ کر محاصرہ کر لیا۔ سرنگیں لگا دیں اور شہر پناہ کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ فرنگیوں نے امن چاہا کہ جس طرح تم نے اس کو بزور شمشیر فتح کیا تھا میں بھی اس کو اسی طرح فتح کروں گا۔ پھر فرنگیوں نے ایلچی بھیجا کہ ہم بہت ہیں تم تھوڑے امن دو ورنہ مرتا کیا نہ کرتا ہم دل توڑ کر لڑیں گے۔ سلطان نے فرمایا ایک شرط پر امن دیتا ہوں وہ یہ کہ ہر ایک مرد تم میں سے دس دس دینار (اشرفی) اور ہر ایک عورت پانچ دینار اور بچہ دو دینار دے تو شہر سے باہر چلا جائے ورنہ قید ہوگا۔ چنانچہ فرنگیوں نے اس شرط کو منظور کیا اور بروز پنجشنبہ ۲۷ رجب کو بادشاہ شہر میں داخل ہوا اور سلطانی لوگوں نے عیسائیوں سے دروازوں پر جزیہ وصول کرنا شروع کیا۔ اشرفیوں کے ڈھیر لگ گئے، ادھر ہر فصیل پر اسلام کا جھنڈا کھڑا کر دیا گیا تھا۔ عیسائیوں نے الصخرہ کے قبہ پر ایک صلیب سونے کی کھڑی کر دی تھی۔ مسلمانوں نے نعرہ اللہ اکبر بلند کر کے اس کو جب اکھیڑ کر پھینکا تو عجب خوشی کا شور وغل تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا ہوگا اور عیسائیوں میں رونے پیٹنے کا غل تھا۔

شہر فتح کر کے سلطان نے پھر مسجد کو اسی طور سے تعمیر کرا دیا اور جانب غربی میں جو ایک کمرہ بنایا تھا اس کو گرا دیا۔ نورالدین محمود بن زنگی نے ایک منبر حلب میں اس نیت سے بنوایا تھا کہ اس کو بیت المقدس میں رکھوں گا۔ سلطان نے اس کو منگا کر مسجد میں رکھا، اس بادشاہ نے عیسائیوں کا نہ صرف بیت المقدس اور ملک شام سے استیصال کیا بلکہ حوالیِ مصر سے بھی۔

جب یورپ میں یہ خبر پہنچی تو پھر جوش پیدا ہوا اور انگلستان کا بادشاہ رچرڈ اول اور فرانس کا فلپ اگسٹس، جرمن کا فریڈرک بڑی خونخوار فوجیں لے کر بیت المقدس پر چڑھ آئے مگر یروسلم میں جانا نصیب نہ ہوا صرف عکا میں گئے کہ جہاں ایک عیسائی بادشاہ کا صلاح الدین نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ طرفین میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں آخر سب پسپا ہو کر بھاگے اور تھوڑے دنوں کے بعد عکہ بھی سلطان نے فتح کر لیا۔ اس جنگ میں صلاح الدین نے وہ فیاضی کی ہے کہ آج تک کوئی اپنے مقابل کے ساتھ نہ کرے گا۔ وہ یہ کہ یورپ کے بادشاہ اور ان کے لشکری جو بیمار ہو گئے تھے ان کے لیے برف اور انار اور دیگر سامانِ ضروری بھیجا۔ یہ کہا کہ تندرست ہو کر مجھ سے لڑو۔ کہیں تمہارے دلوں میں ارمان باقی نہ رہ جائے۔ آخر سب شکست کھا کر پریشان ہو کر اپنے ملکوں میں واپس گئے۔ اسی سال شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر بڑے زور وشور سے حملہ کیا تھا۔ صلاح الدین غازی کے مرنے کے بعد پھر عیسائیوں دینداروں کے دلوں میں جہاد کے ثواب نے جوش مارا۔

چوتھا حملہ : سن گیارہ سو پچانوے سے لے کر ستانوے عیسوی تک اس لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ ششم ہنری نے اپنے لشکر کے تین حصہ کر کے ارضِ مقدسہ کی طرف روانہ کیے اور سب نے جمع ہو کر بڑا زور لگایا مگر صلاح الدین کے جانشینوں سے شکست کھا کر نہایت بدحواسی کے ساتھ

پسپا ہوئے۔

پانچواں حملہ : ۱۱۹۸ء سے لے کر ۱۲۰۴ء میں اور ہوا پاپا انوسنٹ نے جہاد کے احکام بھیجے اور فولک پادری نے وعظ سے ترغیب دی۔ وینس کے رئیس سے جہاز کرایہ کیے مگر جب اس کی اجرت نہ دے سکے تو اس نے ان سے اس کے عوض میں شہر ضارا فتح کرا دینا چاہا چنانچہ فتح کرا دیا۔ اس کے بعد قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ سے الجھ پڑے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا سب زور یہیں ختم ہو گیا اور واپس چلے آئے۔ ۱۲۱۲ء میں ملک فرانس میں اسٹیفن نامی ایک چرواہے کا لڑکا بھی وعظ اور الہام اور تائید غیب کا مدعی ہو کر غل مچاتے پھرنے لگا۔ اس کے وعظ سے تیس ہزار لڑکے بارہ بارہ برس کے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کو آمادہ ہو گئے اور نعرے مارتے ہوئے بیت المقدس کی طرف چلے جو رستہ میں کچھ ڈوب گئے اور کچھ غلام بنا کر فروخت کیے گئے۔ اسی طرح جرمن میں سے بھی لڑکوں کے دو لشکر چلے تھے جو راستہ ہی میں مفقود الخبر ہوئے۔

چھٹا حملہ : ۱۲۲۷ء میں اور ہوا۔ پوپ گرگوری کے حکم سے فریڈرک دوم فوج لے کر نکلا۔ اس نے سلطان ملک کامل کو یار بنا کر دس برس کے لیے یہ شرط لکھوائی کہ یافہ سے لے کر تلمیس تک کا فریڈرک مالک رہے مگر پادری اس سے ناخوش ہو گئے اس لیے بیچارہ بہت جلد اٹلی واپس چلا آیا۔

ساتواں حملہ : فرانس کے بادشاہ لوئیس نہم نے پھر کیا۔ اس نے ڈیمیٹا[1] کا محاصرہ کر لیا تھا مگر انجام کار ۱۲۵۰ء میں مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا جو چار لاکھ سکہ طلائی دے کر چھوٹا اور چار برس عاقر میں پڑا رہا، لاچار ہو کر فرانس میں آیا۔

آٹھواں آخری حملہ : فرانس کے بادشاہ اور انگلستان کے بادشاہ اڈورڈ اول نے کیا۔ ۱۲۷۰ء میں مصر اور حبش فتح کرنے کے لیے لوئیس تو حبش ہی میں مر گیا اور اڈورڈ عاقر تک آیا۔ ناصرہ کے مسلمانوں کو نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کیا مگر عاقر میں زخم کھا کر پچھلے پاؤں انگلستان بھاگ آیا۔ یہ شہر عاقر جو عیسائیوں کا مرکز ہو گیا تھا اس کو سلطان خلیل نے آگھیرا۔ آخر فتح کر کے ساٹھ ہزار عیسائیوں کو قتل کیا باقی کو غلام بنا لیا۔

واضح ہو کہ مسلمان ان دنوں باہمی قتال وجدال میں مصروف تھے جس لیے عیسائیوں کو چڑھائی کی جرأت ہوئی اور تخمیناً دو سو برس تک بار بار حملہ کرتے رہے وہ بھی ایک ایک نہیں بلکہ کئی کئی بادشاہ متفق ہو کر خصوصاً صلاح الدین کے بعد مشرقی جانب سے تاتاری کافروں چنگیز خانیوں کے وہ زور وشور تھے کہ الامان الامان! ادھر مغرب کی طرف سے عیسائی بادشاہ زور آزمائی کرتے تھے۔ ایسے موقع پر اسلامیوں کا نیست ونابود اور یہود کی طرح متبدل ہو جانا قرینِ قیاس تھا مگر یہ اسی وعدۂ الٰہی کا اثر ہے کہ ان زلزلوں کے بعد پھر اسلام نے کروٹ لی، ادھر چنگیز خاں کے پوتے کے بعد اس کی نسل میں اسلام آیا، ادھر سلاطینِ عثمانیہ کا ستارہ بلند ہوا جس نے یورپ کو نیچا دکھایا اور ان کے دلوں سے حملوں کی ہوس نکال دی۔ للہ الحمد۔

صلاح الدین کے قبضہ کے بعد سے پھر بیت المقدس مسلمانوں کے ہی قبضہ میں ہے۔ آج کل گو عیسائیوں کا پھر اقبال نصف النہار پر ہے اور صنعت وحرفت اور عیاری وہوشیاری میں بھی طاق ہیں، آلات وحرب وضرب میں بھی ضرب المثل ہیں اور سب کے دلوں میں بیت المقدس لینے کا ارمان بھی ہے باوجودیکہ مسلمان ان سب باتوں میں ان سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں مگر پھر بھی بیت المقدس اس کے حقیقی وارثوں اہل اسلام ہی کے قبضہ میں ہے۔ یہ بھی ایک قدرت کا کرشمہ اور اسلام کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

---

[1] گرچہ ۱۲۱۳ ہجری ماہ رمضان میں چند دن کے لیے فرانس کے بادشاہ نپولین نے بھی قبضہ کر لیا تھا مگر آخر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ جغرافیہ فرہاد ۱۲، صفحہ ۲۰۹

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝٩ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا
لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٠ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ
عَجُوْلًا ۝١١ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ
النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ
وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝١٢

بے شک یہ قرآن وہ رستہ بتلاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمانداروں کو جو اچھے کام کرتے ہیں خوشخبری دیتا ہے کہ البتہ ان کے لیے بڑا ہی اجر ہے اور یہ بھی کہ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور انسان برائی مانگنے لگتا ہے جیسا کہ وہ بھلائی مانگتا ہے اور انسان بڑا ہی جلد باز ہے اور ہم نے رات اور دن کو دو نمونے بنا دیے ہیں پس رات کے نمونے کو دھندلا کر دیا اور دن کا نمونہ نظر آنے کے لیے روشن کر دیا کہ تم اپنے رب کے فضل کو (روزی) ڈھونڈو اور تاکہ تمہیں برسوں کی گنتی اور حساب معلوم رہے اور ہم نے ہر چیز کی تفصیل کر دی ہے۔

ترکیب : للتی ای للحالۃ او الطریقۃ التی ھی اقوم الحالات او الطرق۔ یہ یھدی کا مفعول ثانی ہے ان ای بان مفعول یبشر کا یا اس کی تفسیر۔ دعاء ہ ای یدعوا بالشر دعاء مثل دعائہ بالخیر والمصدر مضاف الی الفاعل والتقدیر یطلب الشر فالباء للحال او بمعنی السبب و کل شیء فصلنا محذوف کا مفعول ہے جس کی تفسیر یہ فصلنا کر رہا ہے اور حال بھی ہے، کل انسان کا۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا آتینا موسی الکتاب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی تھی اس کے بعد حصیرًا تک تورات کے اوپر عمل نہ کرنے سے جو کچھ بنی اسرائیل پر دینی و دنیاوی مصیبتیں آئیں ان کا ذکر فرمایا کہ بطور پیشین گوئی کہ ان کو مطلع کر دیا تھا کہ تم ایسا کرو گے تو یوں برباد ہو گے مگر انہوں نے نہ مانا اب یہاں سے امت محمدیہ اور اخیر دور کی کتاب قرآن مجید کا ذکر فرماتا ہے۔ ان ھذا القرآن الخ کہ اس قرآن میں دو باتیں ہیں اول یہ کہ تمام دینی و دنیاوی دستورات میں جو کچھ اچھے دستور اور منزل مقصود کا سیدھا رستہ ہے یہ وہی بتلاتا ہے اس نے کوئی بات انسان کی سعادت و شقاوت کی باقی نہیں چھوڑی۔ چنانچہ انہیں آیات میں آخر جا کر فرمایا و کل شیء فصلنا ہ تفصیلا۔ دوم یہ بشر کہ یہ نیک و بد کاموں کے اس نتیجہ سے بھی خبر دیتا ہے کہ جس کا ظہور عالم آخرت میں ہوگا۔ (تورات میں یہ بات نہ تھی اور جو تھی تو بہت کم)۔ پھر جو کچھ اس کے بعد نیک کام کرے گا ایمان لائے گا اس کے لیے قرآن اجر عظیم کی بشارت دیتا ہے دنیا میں بھی وہ لوگ بنی اسرائیل کی طرح ذلیل و خوار نہ ہوں گے آخرت میں بھی حیات ابدی پائیں گے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ دنیا ہی کے عیش کامرانی کو فوز المرام جانتے ہیں پھر نفس سرکش کی باگ تھام کر لذات و شہوات حیہ سے بچنا کیا خدا پر ایمان لا کر نیک کاموں میں تکلیف اٹھانا کیا ان کے لیے دردناک سزا کا مژدہ دیتا ہے کبھی وہ دنیا میں بھی واقع ہوتی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر واقع ہوئی اور اس عالم باقی میں تو لازمی ہے مگر انسان جلد باز ہے دیر میں نتیجہ نیک برآمد ہونے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ وہ چاہتا ہے جو کچھ ہو اب ہو اس لیے آخرت کی نعمتوں کی پروانہ کر کے دنیاوی لذت پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور دلیل اس کی جلد بازی کی یہ ہے کہ جب کبھی کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو جس طرح آرام

میں زندگی کی دعا کیا کرتا ہے اور مال کی مراد مانگتا ہے اسی طرح اس حالت میں مرنے کی دعا مانگتا ہے اولاد کو بھی کوسنے لگتا ہے صبر نہیں کرتا حالانکہ دنیا میں ہمارے دو نمونہ قدرت ہیں ان کو ثبات نہیں۔ رات جاتی ہے تو دن آتا ہے، پھر انسان اپنے رنج و راحت کو انقلاب زمانہ دیکھ کر بھی کیوں دائمی سمجھ لیتا ہے جس میں کوسنے لگتا ہے اور نیز رات جو بری حالت سے مشابہ ہے جا کر دن ہو جاتا ہے جو فضل و کرم اور کشور کاری سے مشابہ ہے جس میں اشارہ ہے کہ ہر مصیبت کے بعد راحت ہے اور جو ظلمت کدہ ہے جس میں نیک و بد کا ہوش نہیں اس کے بعد دوسری زندگی کا دن روشن ہونے والا ہے جس میں سب امور کی حقیقت کھل جائے گی۔ وجعلنا الیل والنھار اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عہد موسوی کے منقضی ہو کر عہد محمدی کے قائم ہونے پر اور تورات جا کر قرآن آنے پر تعجب نہ کرو۔ ہم عالم میں یوں ہی تصرف کیا کرتے ہیں اس کی مصلحتیں ہم ہی خوب جانتے ہیں اب روز مرورات دن کا انقلاب دیکھو کہ رات کو مٹا کر دن بناتے ہیں جس کے فوائد بے شمار ہیں از انجملہ دن میں رزق روزی کا بہم پہنچانا اور برسوں کی گنتی ہے اگر یکساں رات ہی رہتی یا دن رہتا یہ بات کب حاصل ہوتی۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا
يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝١٣ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝١٤ مَنِ
اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ
وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝١٥ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ
نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا
تَدْمِيْرًا ۝١٦ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ
عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝١٧

اور ہم نے ہر آدمی کا عمل اس کی گردن میں باندھ دیا ہے۔ اور قیامت کے دن اس کو کتاب بنا کر نکال لیں گے جس کو وہ کھلی ہوئی پائے گا (کہیں گے) اپنی کتاب پڑھ آج اپنا حساب لینے کے لیے تو ہی کافی ہے جو کچھ ہدایت پر چلتا ہے تو اپنے ہی لیے ہدایت پر چلتا ہے اور جو کوئی بہکا تو اپنی ہی خرابی کے لیے بہکتا ہے اور کسی کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا اور ہم ایسے نہیں تھے کہ کسی کو بے رسول بھیجے عذاب دینے لگتے اور ہم جب کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے دولت مندوں کو کوئی حکم دیتے ہیں پھر وہ تو وہاں بدکاری کرنے لگتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے پھر تو ہم اس کو غارت ہی کر ڈالتے ہیں اور نوح کے بعد ہم کتنے ایک قرنوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خبرداری اور دیکھنے کو بس ہے۔

ترکیب : یلقاہ جملہ کتابا کی صفت جو حال ہے مفعول محذوف سے وھو ضمیر الطائر یا مفعول ہے امرنا جواب ہے اذا کا۔ کم اس جگہ خبریہ ہے محل نصب میں اھلکنا سے بوریک میں ب زائدہ ہے جیسا کہ بنفسک میں اور جس طرح حسیبًا تمیز ہے من نفسک کی اسی طرح خبیرًا بصیرًا تقدیم حیزا کی اس کے متعلق کے تقدم سے ہے۔ قال القراء انما یجوز ادخال الباء فی المرفوع اذا یدم او یمدح بہ صاحبہ مثل کفاک بہ اکرم بہ رجلا ولا یقال قام باخیک وانت تر ید قام اخوک۔

تفسیر : ہر شے کی تفصیل کے بعد انسان کی آنے والی حالت کا بیان کرنا اس دعوے کی دلیل بیان کر دینا ہے کیونکہ یہ ایک بڑی اہم بات ہے جو کتب سابقہ میں بھی نہ تھی اس لیے فرماتا ہے وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ عرب میں اپنے ہر کام کا نیک و بد انجام طائر یعنی پرندوں کی پرواز سے معلوم کرتے تھے۔ اگر دائیں سے اڑا تو خیر اور بائیں سے اڑا تو شر وغیرہ ذلک۔ پھر جب اس کا استعمال زیادہ ہوا تو ہر خیر و شر کو طائر کہنے لگے تسمیة الشیء باسم لازمه اس کی نظیر سورۂ یٰسٓ میں ہے قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ ہر ایک آدمی کا عمل نیک یا بد اس کی گردن میں باندھ دیا ہے جو کچھ یہ کرتا ہے وہ اس کے ساتھ لازم ہو رہا ہے یا جو کچھ نیکی بدی سعادت نحوست اس کی تقدیر میں ہے اس کے لیے لازم ہو رہی ضرور پیش آ کر رہے گی اور پھر قیامت کے دن نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا یہی نیک و بد عمل جو دنیا میں اس کے گلے کا ہار تھا ایک کتاب بن کر ظاہر ہوگی جو اس کے تمام اعمال نیک و بد کا ایک روزنامچہ ہوگا۔ حکم ہوگا کہ اس کو پڑھ۔ دیکھ تو نے دنیا میں کیا کیا تھا؟ اس میں ہر ہر بات ہوگی۔ اسی کو قرآن میں اور احادیث میں اکثر بلفظ کتاب ذکر کیا ہے پھر اس کی تفصیل ہے کہ اہل خیر کو یہ کتاب دائیں طرف سے اور بدوں کو بائیں طرف سے ملے گی۔ مگر اس سے مراد دنیا کی طرح کوئی مجلد کتاب شیرازہ بندھی پٹھے لگی ہوئی نہیں بلکہ اس کے اعمال کا صحیح اندازہ جو ہر ایک پر واضح کیا جائے گا اس کے پڑھنے سے یہی مراد ہے پھر جب یہ حالت ہے تو من اهتدیٰ لنفسه الخ ہر ایک کو ہدایت کی طرف توجہ کرنی چاہیے کیونکہ اس کی برائی بھلائی کا یہی ذمہ دار ہے اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اپنی کرنی آپ ہی بھرنی اور اسی لیے حجت تمام کرنے کے لیے دنیا میں رسول بھیجے گئے پس کسی کو عذاب نہ ہوگا جب تک کہ رسول کی معرفت اس پر حکم نہ ظاہر کیا جائے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ الخ احکام شرعی کے لیے تو رسول انسانی ضروری ہیں اور توحید و خدا پرستی کے لیے رسول عقل بھی کافی ہے۔ واذا اردنا سے دنیا میں جو بلائیں رسولوں کے خلاف کرنے سے آئی ہیں ان کا ذکر کرتا ہے کہ جب قضاء و قدر میں کسی قوم یا شہر کے برباد ہونے کے دن[1] قریب آ جاتے ہیں تو پیشتر اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا وہاں کے سرداروں[2] دولت مندوں کو رسولوں یا ان کے نائبوں کی معرفت سمجھایا جاتا ہے، الٹی وہ نافرمانی کرتے ہیں تو برباد ہو جاتے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ امرنا کے معنی یہ ہیں کہ ازلی نوشتہ کے موافق وہ خدا کی طرف سے برائی پر مامور ہوتے ہیں اس کے بعد فرماتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے عہد سے لے کر اب تک دیکھو کس قدر قرون اُم یعنی قومیں ہلاک ہوئی ہیں۔

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ

[1] ہمارے عہد میں جو اسلامی حکومتیں زائل ہوئیں اور اور جو بری حالت میں ہیں اسی آیت کے موافق وہاں کے امراء عیاش شراب خواری بے دینی غفلت میں مبتلا ہوئے اور ہلاک ہو گئے شہر برباد سلطنت غارت الامان الامان ۱۲ منہ

[2] کیونکہ عوام انہیں کے تابع ہوتے ہیں اور اکثر یہی زیادہ بدکار اور احمق اور عیاش بھی ہوتے ہیں اسی لیے ان کا سمجھنا مقدم ہوا۔ ۱۲ منہ

عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِیْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾

جو کوئی دنیا چاہتا ہے تو ہم اس کو سر دست دنیا میں سے بھی جس قدر چاہتے ہیں دے دیتے ہیں پھر تو اس کے لیے ہم نے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ذلیل و خوار ہو کر گرے گا۔ اور جو آخرت چاہتا ہے اور اس کے لیے اس کے موافق کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو انہیں لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔ ہم ہر ایک کو دیے جاتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی اپنی عنایت سے اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے۔ دیکھو ہم نے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت کے تو بڑے درجے اور بڑی فضیلت ہے (اے انسان) اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود نہ بنانا ورنہ تو پشیمان و خوار ہو کر بیٹھے گا۔

ترکیب : من مبتداء اور یہ شرط ہے اور عجلنا اس کا جواب لمن یرید بدل ہے من سے باعادہ جار یصلها حال ہے جہنم سے یا ضمیر لہ سے مذموما حال ہے فاعل یصلی سے جو ضمیر ہے اور اسی طرح مدحورا هولاء هؤلاء بدل ہے کلا سے وحره طرده من باب نفع، محظورا[1] ممنوعا یقال خطر خظر خطرا منعه۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا ہم خبیر و بصیر ہیں ہر ایک کی نیت جانتے اور اس کے ظاہر حال کو دیکھتے ہیں اس کے بعد دنیا میں جو کچھ لوگ کر رہے ہیں اور جس جس چیز پر مر رہے ہیں اس کا بیان اور انجام فرماتا ہے تا کہ خبیر و بصیر ہونے کی تصریح ہو جائے۔ دنیا میں دو قسم کے آدمی ہیں ایک وہ کہ جن کا دار آخرت پر یقین نہیں اور جو کچھ ہے بھی تو اس کے نزدیک دنیا ہی مقدم ہے اسی کے حاصل کرنے کو وہ اصلی مقصد جانتا ہے اس کے مقابلہ میں اس کو دار آخرت کی ذرا بھی پروا نہیں جیسا کہ فرماتا ہے مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ یعنی جو عاجلہ دنیا اور اس کے فوائد ہی چاہتا ہے تو ہم بھی اس کو جلد یہیں بدلہ دیتے ہیں عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مگر یہ نہیں کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی اس کو مل جاتا ہے بلکہ ما نشاء جس قدر ہم کو دینا منظور ہوتا ہے اور یہ بھی سب کے لیے نہیں بلکہ لِمَنْ نُّرِیْدُ جس کو ہم چاہتے ہیں ورنہ سینکڑوں نے بے دینی اختیار کی کوئی برا کام دنیا کے حاصل کرنے میں اٹھا نہیں رکھا مگر پھر بھی وہی افلاس وہی تنگدستی، بے دینوں کے لیے یہ بڑی تہدید ہے مگر اس چند روزہ عیش کے بعد تو ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ یَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا وہ جہنم میں جائے گا اور دنیا میں عمر رائیگاں کرنے پر ندامت اٹھائے گا، ذلیل ہوگا۔ دوم وہ کہ جن کو مد نظر دار آخرت ہے وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ مگر اس میں دو شرط ہیں، وَسَعٰى لَهَا سَعْیَهَا کہ اس کے موافق کوشش بھی کرے یہ نہیں کہ ارادہ کر کے چپ بیٹھ رہے اور کوشش اسی کے مطابق ہو کیونکہ بہت سے لوگ دار آخرت کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن عناصر اور سیاروں اور بزرگوں کی عبادت کو آخرت کا ذریعہ جانتے ہیں اور اسی طرح نکمی ریاضتیں بھی کرتے ہیں کوئی رات دن گنگا میں رہتا ہے، کوئی پہاڑ پر سے گرتا ہے، کوئی حلال چیزیں کھانی چھوڑ کر جسم کو ہلاک کرتا ہے۔ سو یہ کوشش اور یہ رستہ دار آخرت کا نہیں۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

بلکہ پیغمبر علیہ السلام کے فرمودہ کے موافق ہونا چاہیے۔ دوم یہ کہ وَهُوَ مُؤْمِنٌ اس کو ایمان بھی ہو۔ اللہ اور اس کے رسول کی دل سے تصدیق ہو کیونکہ یہ اصل اور بنیاد ہے، یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں وہ خدا کی جماعت میں داخل نہیں پس اُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ان کی

[1] الحظر الحجر وضد الاباحة وظرر فهو محظور والحظیر والحظیرة ما تعمل للابل من شجر تقیها البرد والریح ۱۲ حقانی

کوشش کارآمد ہوگی ان کو دارآخرت اور حیات ابدی نصیب ہوگی۔ رہی دنیا سو کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ہم اپنی عنایت سے ہر ایک فریق کو دنیا میں دیتے ہیں، دین وتقویٰ سے دنیا فوت نہیں ہوتی اور زیادہ دنیا ملنے سے خدا کے ہاں کوئی زیادہ عزت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ ۔ چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست، اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا الخ دیکھو دنیا میں ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے، بہت سے احمق وجاہل مالدار اور دانا خوار اور بہت سے کفار محتاج، اہل ایمان اہل ثروت اور کہیں بالعکس باعث فضیلت۔ آخرت کے درجات میں انہیں کی زیادہ رغبت کرنی چاہیے وہیں کی فضیلت فضیلت حقیقی ہے وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا چونکہ دارآخرت کے لیے اصل اصول توحید ہے اس لیے حکم دیتا ہے لَا تَجْعَلْ الخ کہ خدا کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ بنانا ورنہ ذلیل وخوار ہوگا۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝

اور آپ کے رب نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچیں تو نہ ان کو ہوں کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا اور ان کے آگے مہربانی سے جھکے رہنا اور ان کے لیے دعا کرتے رہنا کہ اے رب! جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم کر۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم سعادت مند ہو (اس پر بھی کوئی فروگذاشت ہوگئی تو) وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ اور اہل قرابت اور غریب اور مسافر کا حق ادا کرتے رہنا اور مال کو بیہودہ نہ اڑانا کیونکہ بیہودہ اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے اور جو تجھے ان لوگوں سے منہ پھیرنا پڑے اپنے رب کے فضل وکرم کے انتظار میں کہ جس کی تجھے امید ہے تو ان سے نرم بات کہنا اور نہ تو اپنے ہاتھ کو سکیڑ کر گردن میں باندھ اور نہ اس کو بالکل کھول ہی دے کہ تو پشیمان ہو کر تہی دست ہو کر بیٹھ رہے

(اے رسول!) آپ کا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور وہی نپی تلی روزی دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حال سے خبردار اور (ان کے حال کو) دیکھ رہا ہے۔

ترکیب : الا تخفف ان لا یہ تفسیر ہے قضی کی وبالوالدین معطوف ہے الاتعبدوا پر ای قضی بالوالدین تقدیرہ وبان تحسنوا بالوالدین احسانا، اما یبلغن اما ان ماتھا ان شرطیہ مازائدہ تاکید کے لیے یبلغن فعل شرط فلا تقل جواب۔ اُف اسم الفعل الذی ھو التضجر وھو مبنی علی الکسر لالتقاء الساکنین وتنوینہ فی قرأۃ نافع وحفص للتنکیر ومن فتح طلب التخفیف مثل رب ومن اتبع ومن لم ینون اراد التعریف۔ جناح الذل بالضم ضد العز وبالکسر ضد الصعوبۃ ھوالانقیاد وجعل للذل جناحا کما فی قول لبید۔

وغداۃ ریح قد کشفت وقرۃ
اذا اصبحت بید الشمال زمامھا
للشمال یدو للقرۃ رمام

تفسیر : دارآخرت کی سعی کا مجملاً ذکر ہوا ہے اب یہاں اس کی تفصیل کرتا ہے کہ دارآخرت کا یہ رستہ ہے اور اس کوشش اصلی یہ ہے۔

اول حکم : سب سے اول بات دارآخرت کے لیے یہ ہے کہ منعم کا شکر کرے اور اپنے محسن کے ساتھ ادب اور سلوک سے پیش آئے اور منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، اسی نے ہم کو پیدا کیا ہے اسی نے بیشمار نعمتیں عطا کی ہیں اور پھر اس جہان میں بھی اسی سے امید ہے۔ وہ کسی کے احسان اور خدمت کا تو محتاج نہیں اس کی شکرگزاری اور لحاظ اور حق پرورش ہے تو یہی ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہ کرے خالص عبادت اسی کی کرے سب سے اول حکم یہی دیا وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ اب لطف کلام دیکھو کہ رب کا لفظ فرمایا حق جتلانے کے لیے اور امر کی جگہ قضی تاکید کا کلمہ فرمایا یعنی حکم قطعی دے دیا اور نیز اسی حکم کو اس سے پہلے آیت میں لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ کے ساتھ بھی ذکر کر دیا تھا اب یہاں اور بھی تاکید فرما دی۔

دوسرا حکم : خدا تعالیٰ کے بعد دنیا میں اس کے وجود کا سبب مجازی اور منعم اور محسن ماں باپ ہیں جو اس کی بے چینی سے بے تاب ہو جاتے ہیں اور کھانے پینے میں اپنے نفس سے اس کو زیادہ عزیز رکھ کر آپ نہیں کھاتے اس کو کھلاتے ہیں اور اس کے بچپن میں اس کی پرورش میں بلاغرض جان ومال کو صرف کرنا اپنی راحت سمجھتے ہیں اس لیے دوسرا حکم وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو۔ احسان کا لفظ ایسا وسیع المعنی ہے کہ جس میں سب کچھ آ گیا مگر اس کی کسی قدر شرح بھی فرماتا ہے۔ (۱) اِمَّا يَبْلُغَنَّ الخ کہ اگر تیری زندگی میں تیرے ماں باپ بڑھاپے کو پہنچیں تو یہ زمانہ بڑی بے کسی کا ہوتا ہے اور نیز اس کے سب اقتدار اور زور وقوت بھی جاتے رہتے ہیں اور نیز بڑھاپے میں اس سے بچوں کی سی بے معنی باتیں بھی سرزد ہونے لگتی ہیں پس تجھ کو ان سے ہوں یا اُف کہنا نہ چاہیے۔ نہ جھڑکنا چاہیے۔ فائدہ: دلالۃ النص کے طریق پر اس سے ہر ایک قسم کی ایذا اور تکلیف دینا ماں باپ کو سمجھا گیا وعلیہ الجمہور۔ (۲) وَقُلْ لَّهُمَا ان سے نرم اور ادب سے کلام کر۔ (۳) وَاخْفِضْ ان کے آگے جھک یعنی ہر قسم کی دل سے فرمانبرداری وتواضع کر۔ (۴) وَقُلْ رَّبِّ ان کے لیے دعائے خیر کرو۔

بارہا تجربہ میں آیا ہے کہ جس نے ماں باپ کو ستایا وہ دنیا میں بھی ناشاد ونامراد رہا جو نامرگ مرا ہے اور جس نے عزت وتوقیر واحسان کیا ہے اس کو شاد وخرم دیکھا گیا۔ فائدہ: ماں باپ کی ان باتوں میں فرمانبرداری نہیں کہ جن سے خدا کی گناہ گاری ہوتی ہے کیونکہ ماں باپ

سے اللہ کا حق اور مرتبہ مقدم ہے پھر یہ نہیں کہ تم یہ سب باتیں ظاہرداری کے طور پر کرو بلکہ دل سے اور اخلاص سے کیونکہ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ الخ تمہارا رب تمہارے دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے کہ اگر تم نیک بختی اختیار کرو گے اور ایسی حالت میں بشریت سے گرتم سے کچھ خدمت گزاری میں کبھی فروگذاشت ہو جائے گی اور اپنی دلی نیک بختی سے تم اس کی طرف رجوع کرو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کے لیے معاف کرنے والا ہے۔ فائدہ: اَوّاب بروزن فعال اوب بمعنی رجوع سے مبالغہ کا صیغہ۔

تیسرا حکم : وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ کہ اور جس قدر قرابت دار ہیں، بھائی، بہن، ماموں، چچا، خالہ، پھوپھی وغیرہ ان کا حق بھی ادا کر، حق ادا کرنا بھی بڑا عام لفظ ہے جس میں ہر ایک قسم کا حق آ گیا اگر محتاج ہیں تو ان کی مال سے مدد کر اور نہیں ہیں تو ادب، اخلاص، ہمدردی، صلہ رحمی کر اور انہیں پر منحصر نہ رکھ بلکہ ہر ایک مسکین یعنی محتاج کے ساتھ نیک سلوک کر خواہ قرابت دار ہوں کوئی غیر ہو بلکہ پردیسیوں، مسافروں کا بھی تجھ پر حق ہے ان کے ساتھ بھی نیک سلوک کر ضیافت کر نقد دے اترنے کو آرام سے جگہ دے، نرم کلام کر۔ اس تیسرے حکم میں تین حکم ہیں۔

چوتھا حکم : یہ سب خدمت گزاری مال سے ہوا کرتی ہیں اس لیے مال کی بابت حکم دیتا ہے۔ وَلَا تُبَذِّرْ الخ کہ ہم نے ایسے کار خیروں میں صرف کرنے کو کہا ہے، اڑا دینے کا حکم نہیں دیا۔ لغویات میں مال برباد نہ کر' بے ضرورت مکانات بنانا' اسباب خریدنا' گھوڑے وغیرہ اشیائے بے ضرورت مول لینا سب میں تبذیر ہے اسی طرح بیاہ شادی' دعوت، مہمانی کھانے پینے میں بھی اعتدال سے بڑھنا تبذیر ہے اور ناچ رنگ' آتش بازی وغیرہ تو اور بھی ممنوع ہے۔ سانکوں اور حقداروں کے دینے کا حکم دینا تھا اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ پاس کچھ نہیں ہوتا وہ طلب کرتے ہیں، سخت ست بھی کہنے لگتے ہیں، اس وقت آدمی کو غصہ آ جاتا ہے، برا بھلا کہنے لگتا ہے، سو اس سے بھی منع کرتا ہے اور ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے، اس کی تعلیم دیتا ہے۔ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ الخ کہ اگر تیرے پاس کچھ دینے کو نہیں اور تجھ کو خدا سے امید ہے کہ آئے گا ایسی حالت میں ان سے تو جو منہ پھیرے تو ان کو سخت بات نہ کہہ بلکہ نرم بات کہہ بھائی اللہ کا فضل ہے برکت ہے یا وہ دے گا تو دوں گا یا اللہ تجھے غنی کرے۔

پانچواں حکم : وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ الخ میانہ روی کرنہ تو ہاتھ کو سکیڑ کر سمیٹ کر مٹھی بند کر کے گلے میں ہاتھ رکھ لے (یہ کنٹرپنے کے معنی میں محاورہ ہے) اور نہ ہاتھ کو بالکل کھول کہ سب کچھ ایک روز دے کر خود محتاج ہو جائے آپ مانگتا پھرے کیونکہ دنیا میں فقیر بھی خدا نے پیدا کئے ہیں تیرا کام نہیں کہ سب کو غنی کرے، غنی اور فقیر وہی کرتا ہے اور اس کی مصلحت وہی جانتا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ الخ بعض ایسے بھی فقیر ہیں کہ اگر ان کے پاس دولت ہو تو آفت برپا کریں۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ[1] نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ
خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا
النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ
سُلْطٰنًا[2] فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ

اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ
كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ
خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ
لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ
عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ
وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝

اور مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا اور ہم ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ اور زنا کے پاس بھی نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی (کا کام) ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے اور جس جان کا قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرنا اور جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے (قصاص و معاف کرنے کا اس کو چاہیے) کہ قصاص لینے میں زیادتی نہ کرے کیونکہ انصاف سے قصاص لینے میں ہی جیت ہے اور جب تک یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچے اس کے مال کے پاس بھی نہ جانا لیکن اس طریق سے کہ جو بہتر ہو اور عہد کو پورا کیا کرو کس لیے کہ عہد سے پرسش ہوگی اور جب ناپ کر دینا ہو تو پورا پیمانہ دیا کرو اور تولنے میں برابر کے قول تولو (کیونکہ) یہ عمدہ بات ہے اور (اس کا) انجام بھی اچھا ہے اور اس بات کے پیچھے نہ پڑا کرو جس کا تمہیں علم بھی نہ ہو۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر ایک سے پرسش ہوگی اور زمین پر اکڑتا ہوا نہ چلنا کیونکہ نہ تو زمین کو پھاڑ ہی ڈالے گا اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچے گا ان سب سے ہر ایک بات تیرے رب کے نزدیک ناپسند ہے۔ یہ بیان اس حکمت میں کا ہے کہ جس کو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود نہ ٹھہرا اور نہ تو ملزم راندۂ درگاہ بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا (اے مشرکو!) کیا تم کو تمہارے رب نے بیٹوں کے لیے مخصوص کر لیا ہے اور فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا ہے یہ تو تم بہت ہی بڑی بات کہتے ہو۔

ترکیب : خشیة املاق مفعول لہ۔ املاق فقر۔ الخطاء بکسر الخاء وسکون الطاء والخطء مصدر خطی وجاء بکسر الخاء وفتح الطاء من غیر همز والاثم یقال خطی خطاء کاثم اثما لاتقف الماضی منہ قفا اے تتبع ویقرء بضم القاف واسکان الفاء مثل تقم وماضیہ قاف یقوف اذا تتبع کل اولئک مبتدا اولئک اشارۃ الی السمع والبصر والفواد وان کان الاشارۃ باولئک فی الاکثر الی من یعقل ولکن قد جاء لمن لا یعقل۔ سیئة بضم الهاء والحمز قبالاضافة ای سیی بعض المذکور المنهی عنہ مکروہ عند اللہ۔ پس سیئة کان کا اسم مکروہا خبر جملہ خبر کل ذالك نافع ابن کثیر الوعمرو نے

[1] الاملاق الافتقار۔
[2] المرح شدۃ الفرح والنشاط۔ مختار الصحاح حقانی

سکتہ پڑھا ہے۔

تفسیر ..... چھٹا حکم : وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے قتل نہ کرو۔ عرب میں دستور تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالا کرتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ لڑکیاں کچھ کما نہیں سکتیں، لڑکے کما سکتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ لوٹ مار میں شریک ہوتے تھے اور نیز مفلسی میں اہل کفو اس لڑکی سے نکاح نہیں کرتے تھے غیر کفوء میں دی جاتی تھی یہ بڑی عار کی بات تھی۔ اس بدرسم کو کس لطف کے ساتھ منع فرماتا ہے۔ اول تو لفظ اولاد کہہ کر شفقت دلائی۔ دوم نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ الخ کہ تم کیوں رزق کی فکر کرتے ہو، رزق تو ہم دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی۔ سوم ان قتلهم کہ ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔

ساتواں حکم : وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى کہ زنا کے پاس بھی نہ جاؤ، زنا کی قباحت میں سلف سے خلف تک عقلاء کو اتفاق ہے اس میں یہ چند قباحت ہیں۔ (۱) انساب کا خلط ملط ہونا یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کس کا بیٹا ہے پھر باہمی حصہ ترکہ میں خرابی آتی ہے۔ (۲) عورت کو شرعی یا عرفی طور پر اگر ایک شخص خاص سے تعلق نہ ہو جس کو نکاح کہتے ہیں تو اس کے پاس آنے والوں میں باہمی قتال وجدال کی نوبت آئے گی جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے اور یہ بات تخریب عالم کا باعث ہے۔ (۳) عورت سے مقصود صرف شہوت رانی ہی نہیں بلکہ باہم مل کر خانہ داری کے امور میں ایک دوسرے کا معین ہونا' مرد کما کر لائے' عورت دردمندی اور کفایت کے ساتھ اس کو گھر میں اٹھائے۔ دونوں مل کر بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوشش کریں اور نیز بیماری اور پیری میں بھی ایک دوسرے کا ساتھ دے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ کمال درجہ کی دردمندی ہو اور یہ بات جب تک ممکن نہیں کہ عورت کی نظر ایک ہی شخص پر رہے اوروں سے علاقہ نہ رکھے اور یہ بغیر اس کے کہ زنا کو حرام کیا جائے ممکن نہیں۔ (۴) اگر زنا کا دروازہ کھل جائے تو انسان اور بہائم میں کیا فرق رہے، جس عورت کو چاہے رکھے اور نیز باہم الفت و محبت کبھی پیدا نہ ہو۔ ان سب باتوں کے لحاظ سے شرع نے زنا کو حرام کیا اور یہاں تک تاکید کے لفظ استعمال کئے کہ اس کے پاس جانے کی بھی ممانعت کر دی یعنی اس کے اسباب[ع] سے بھی روکا اور اس کی ان قباحتوں کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا۔ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا۔

آٹھواں حکم : وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ الخ کہ جن جانوں کا قتل کرنا شرع نے حرام کیا ہے ان کو ناحق قتل نہ کرو انسان خدا تعالیٰ کا مظہر اور اس کی خدائی کا آئینہ ہے اس کے قتل کا ارادہ کرنا خدائی کا مقابلہ کرنا ہے۔ پس یہ نہایت سنگین جرموں پر قتل کیا جاتا ہے۔ بضرورت اور وہ دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ خدائی جرائم کا ارتکاب کرے، مرتد ہو جائے، بغاوت کر کے امن عام میں خلل انداز ہو یا نکاح کرنے کے بعد بھی حرام کاری کرے۔ ان صورتوں میں انسان کی حرمت جاتی رہتی ہے اس کی طرف التی حرم الله الخ میں اشارہ کر دیا

ل وکل ذالک ای الاشیاء الاخیرۃ المنہی عنہا من قولہ تعالیٰ ولا تقف الخ سیئہ مکروہ عبداللہ قال فی الکشاف السیئہ فی حکم الاسماء بمنزلۃ الذنب والاثم زال عنہ حکم الصفات۔ فلا اعتبار بتانیثہ ولا فرق بین من قرأ السیئہ ومن قرأ السیئ الا تری انک تقول الرنا سیئہ کما تقول السوق سیئہ فلا تفرق بین اسنادھا الی مذکر ومونث انتہی۔ ۱۲ منہ

ع زنا کے بہت سے اسباب ہیں۔ نامحرم عورتوں سے تخلیہ کرنا، ان سے ہنسی مذاق کرنا' ان سے رسم ملاقات بڑھانا، لگاوٹ کی باتیں کرنا، فحش تصاویر دیکھنا، فساق کے عشق آمیز افسانے سننا، اس قسم کی نظم و نثر کا عادی ہونا' تھیٹروں اور ناجائز مجامع میں جانا' راگ و باجے سننا' ناچ دیکھنا دکھانا وغیرہ۔ ۱۲ منہ

وہ احادیث صحیحہ جن میں مرتد اور باغیوں اور رجم کا ذکر ذکر ہے گویا اسی جملہ کی شرح میں۔ دوسری یہ کہ یہ کسی کو مار ڈالے اس کے بدلے میں اس کو مارا جائے جس کو قصاص کہتے ہیں چونکہ یہ بات قتل عمدی میں ہے جو عرب میں کثیر الوقوع تھا اس لیے اولاً تو اس کی طرف الا بالحق میں اشارہ کیا پھر وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ میں اس کی صراحت کر دی کہ جو مظلوم مارے جائیں اس کے وارث کو شرع نے قدرت دی ہے کہ اس قاتل کو مار سکتا ہے یہی قتل بالحق ہے مگر اس میں اسراف نہ ہو اس کے عوض اس کی قوم کے سردار کو نہ مارے نہ اس کو جلا کر یا اور بری طرح سے قتل کرے جو اس کے ورثاء میں اشتعال کا باعث ہو۔

فائدہ۔ شرع میں انسان کا قتل ان چند صورتوں میں جائز ہے۔ (۱) یہ کہ مرتد ہو۔ (۲) باغی ہو۔ انما جزاء الذین الایہ میں اس حکم کی تصریح ہے۔ (۳) یہ کہ نکاح کرنے کے بعد زنا کرے۔ اس کا حکم احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ (۴) کفار و مشرکین کا قتل کرنا نہ مطلقاً بلکہ اس وقت کہ ان سے قاعدۂ شرعیہ کے موافق جنگ قائم ہو کما قال قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَقَالَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ (۵) قصاص میں آئمہ مجتہدین نے احادیث و قیاس سے تارک الصلوٰۃ' الغلامی' ساحر چارپائے سے مباشرت کرنے والے کا بھی قتل جائز رکھا۔ توریت میں بھی قتل انسان بہت سی صورتوں میں جائز قرار دیا گیا ہے۔

نواں حکم : مالِ یتیم سے بچنا وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ مگر جائز طریقہ سے لینا درست ہے۔ مزدوری میں، تجارت میں، اجرت نگرانی میں اگر محتاج ہو۔

دسواں حکم : وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ہے عہد جس سے کرو اس پر قائم رہو۔ وہ عہدی غلط ہیں جن کو شرع نے معتبر نہیں رکھا یعنی معصیت پر عہد کرنا۔

گیارہواں حکم : وَاَوْفُوا الْكَيْلَ کہ ناپ تول کر لیتے دیتے وقت کم زیادہ نہ کرو۔ معاملات میں دغابازی نہ کرو۔

بارہواں حکم : وَلَا تَقْفُ اس کے معنی میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ (۱) اس میں ان باطل خیالات کی پیروی سے ممانعت ہے جو عوام میں غلطی سے مشہور ہو جاتے ہیں۔ (۲) محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس کے معنی جھوٹی گواہی کے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا تا کہ وہ سمجھیں حالانکہ ان کو تو اس سے نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے۔ (اے نبی!) کہہ دو اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ وہ کہتے ہیں تب تو انہوں نے عرش کے مالک تک کوئی رستہ نکال لیا ہوتا وہ پاک ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے (اس کی ذات) بہت ہی بالاتر ہے ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اسی کی پاکی بیان کر رہے ہیں اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی

تسبیح کرنے کو نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ بڑا حلم کرنے والا (اور) بڑا ہی بخشنے والا ہے۔

ترکیب : صرفنا اے بینا ضربنا من کل مثل۔ ویمکن ان یکون فی زائدۃ کمافی قولہ تعالیٰ واصلبکم فی ذریق۔ لو کان شرط اذا لاتبغوا الخ، جواب والمعنی یطلبوا الی من ھو مالک الملک سبیلا بالمغالبۃ[1] کما یفعل الملوک بعضھم مع بعض او بالتقرب الطاعۃ لہ تعالیٰ العلھم بقدرتہ تعالیٰ ویجزھم کقولہ اولئک الذین یدعون یبتغون الیٰ ربھم الوسیلۃ۔ بیضاوی۔

تفسیر : ابن عباسؓ کہتے ہیں جس کو آنکھ سے نہ دیکھے کان سے نہ سنے، دل میں یاد نہ رکھے اس کی گواہی نہ دے۔ (۳) بعض کہتے ہیں کہ اس میں کسی پر تہمت لگانے کی ممانعت ہے کیونکہ تہمت میں بلا تحقیق باتیں ہوا کرتی ہیں۔ (۴) بعض کہتے ہیں اس میں جھوٹ کی ممانعت ہے۔ (۵) بعض کہتے ہیں کہ کسی کی غیبت اور طوفانی وشیطانی باتوں سے ممانعت ہے مگر سب معنی صحیح ہیں تامل کا رسب کا یہ ہے کہ جو بات اچھی طرح معلوم نہ ہو اس پر کوئی حکم نہ لگائے اس میں سب اقوال آ گئے۔

تیرہواں حکم : وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا کہ تکبر نہ کر زمین پر اکڑ کر نہ چل کیونکہ تو عاجز ہے کچھ زمین کو پھاڑ نہ ڈالے گا۔ بلند ہو کر پہاڑوں کے برابر نہ ہو سکے گا۔ ان میں سے ان مکروہ چیزوں کو سیدہ فرماتا ہے اور جو اوامر ہیں ان کی نسبت فرماتا ہے ذٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ یا یہ جملہ سب باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ان احکام میں جو کچھ اسرار رکھے گئے ہیں جن سے انسان کی روح اور اس کے اخلاق کی صفائی اور تدبیر منزل اور انتظام عالم کی خوبی وابستہ ہے اور پھر ان کے بیان اور ترتیب میں جو کچھ لطف رکھا گیا ہے اگر اس پر کوئی مطلع ہو جائے گا تو اس کو حکمت الٰہیہ کے جواہر اور الہام ربانی کے وہ نادر موتی کہے گا جو بنی اسرائیل کے احکام عشرہ سے بدرجہا بہتر ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوحوں پر کندہ کر کے عطا ہوئے تھے۔ ان احکام کی ابتداء بھی توحید سے ہوئی تھی اور اخیر میں بھی اسی بات کی تاکید کے لیے اعادہ فرمایا وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ اور اس کے بعد اس بات سے بھی منع کیا جو عرب کے مشرکین کرتے تھے۔ وہ یہ کہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر ان کو کاروبار خدائی میں شریک جانتے تھے۔ اس بات کو کس لطف کے ساتھ رد کرتا ہے۔ أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا کہ کیا تم کو خدا نے بیٹے دیے اور اپنے لیے بیٹیاں پسند کیں بھلا یہ کیسی لغو بات ہے؟ ان سب باتوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ ولقد صرفنا الخ کہ قرآن میں ہم نے ہر ایک قسم کی بات وعظ و پند احکام و دنیا و آخرت بیان کر دیے تاکہ وہ سمجھیں اور غور کریں مگر ان ازلی بدبختوں کو تو اس سے اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر شرک کا رد اور توحید کا اثبات کرتا ہے اور اس بات کو قرآن میں بار بار اس لیے ذکر کیا گیا کہ اس عہد میں شرک و بت پرستی کا دریا موجیں مار رہا تھا پس فرماتا ہے لو کان معہ الٰھۃ کما گر اس کے ساتھ تمہارے قول کے موافق اور بھی خدا ہوتے تو عرش والے تک یعنی مالک اصلی تک لڑنے کے لیے کوئی رستہ نکالتے[1] مقابلہ کرتے جیسا کہ متعدد بادشاہوں میں ہوتا ہے یا یہ معنی کہ خود ان کو اس تک رسائی کرنے کے لیے حاجت پڑتی پھر وہ تمہیں کیا دیتے لیتے۔ سبحانہ و تعالیٰ الخ میں اپنی پاکی بیان فرماتا ہے اور تسبیح لہ الخ میں ظاہر کرتا ہے کہ آسمان اور زمین اور ان کے اندر کی ہر چیز اس کی تسبیح یعنی پاکی اور کبریائی بیان کرتی ہے، ذی روح تو زبان سے اور جمادات زبانِ حال سے کہ ان کا وجود اور ان کی ہر حالت اس کی یکتائی پر دلیل ہے مگر تم غور نہیں کرتے ان کی تسبیح نہیں سمجھتے[2]۔ تمہارا یہ جرم اس قابل تھا کہ دنیا میں تمہیں ہلاک کیا جاتا مگر وہ حلیم وغفور ہے۔

[1] المغالبۃ والمطالبۃ والمغالبۃ۔ ۱۲ منہ

[2] تسبیح خدا تعالیٰ کا جملہ عیوب اور خصائص حدوث و امکان سے پاک اور منزہ ہونا بیان کرنا خواہ زبان سے خواہ دلالۃ حال سے تحمید اس کے کمال اور اوصاف حمیدہ کو بیان کرنا سبحان اللہ بحمدہ کہنا مومن اور ملائکہ تو قال اور حال سے اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں کفار اور دیگر اشیاء آسمانوں اور زمین کی علویات و سفلیات نباتات جمادات دلالۃ حال سے تسبیح و تحمید بیان کر رہے ہیں ان کی بناوٹ بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ ان کا بنانے والا سب عیبوں سے پاک اور ←

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا
مَّسْتُورًا ﴿٤٥﴾ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا
ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ﴿٤٦﴾ نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا
يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِن
تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿٤٧﴾ انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا
يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿٤٨﴾ وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا
جَدِيدًا ﴿٤٩﴾ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ﴿٥٠﴾ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۚ
فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنغِضُونَ إِلَيْكَ
رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ ۖ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا ﴿٥١﴾ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ
فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٢﴾

ع ۵

اور (اے نبی!) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک گاڑھا پردہ ڈال دیتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال[1] دیے ہیں تاکہ قرآن نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بھی گرانی ڈال دی ہے (تاکہ اس کو نہ سن سکیں) اور جب آپ قرآن میں رب کا تنہا ذکر کرتے ہیں تو وہ پیٹھ پھیر کر نفرت سے بھاگ پڑتے ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں جس لیے وہ اس کو سنتے ہیں تاکہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جبکہ وہ سرگوشی کرتے ہیں جبکہ ظالم کہتے ہیں کہ (بس) تم تو ایک جادو کے مارے ہوئے کے پیچھے چلے جا رہے ہو۔ دیکھو آپ کی کیسی کیسی صفتیں بیان کرتے ہیں سو وہ تو گمراہ ہو گئے پھر وہ رستہ نہیں پا سکتے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر ہڈیوں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے (ہوائے نبی!

← سب خوبیوں سے موصوف ہے مگر اس بات کو وہی سمجھتا ہے جو مخلوق کی آفرینش اور اس کی تراش اور حالاتِ وجود و بقا میں تامل کرتا ہے اس لیے وہ لوگ جو لذات و شہوات میں غرق ہیں غور و تامل کا دروازہ ان پر بند ہے وہ اس بات کو کیا جانیں۔ ۱۲ منہ

صحیح بخاری میں عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں پانی نہ تھا ایک برتن لائے جس میں کسی قدر پانی تھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ہاتھ ڈال دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی نکلتا تھا جیسا کہ چشمہ سے نکلتا ہے کہ تمام لشکر نے وضو کیا اور ہم کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے اور وہ کھایا جاتا تھا۔ جمادات میں بھی خدا تعالیٰ نے ایک طرح کا علم رکھا ہے جس کو وہی جانتا ہے۔ ۱۲ منہ

[1] الرفت کرانشی ومالیدہ والرقات الاجزاء المغبرۃ من کل شی ویکسر۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی ان میں غور و فکر کا مادہ قدرت نے نہیں دیا اس لیے جب اے نبی قرآن پڑھتے ہیں وہ سمجھتے اور غور نہیں کرتے اس حالت کو پردہ ڈالنے سے تعبیر کیا ہے اور اسی کو ان کے دلوں پر حجاب ڈالنے اور کان میں ثقل پیدا کر دینے سے۔ ۱۲ منہ

ان سے) کہہ دو خواہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا اور کوئی شے جو تمہارے دلوں میں بڑی ہو (تب بھی زندہ کئے جاؤ گے) اس پر وہ کہیں گے کہ ہم کو کون دوبارہ جلائے گا کہہ دو وہی جس نے تم کو اول بار پیدا کیا ہے پھر تو آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر یہ کہیں گے کہ وہ کب ہوگا۔ کہہ دو شاید وہ وقت بھی بہت ہی قریب آ گیا ہو جس روز کہ وہ تمہیں بلائے گا تو تم (خوف کے مارے) اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور گمان کرو گے کہ بہت ہی کم ٹھہرے تھے۔

ترکیب : مستورا وساترا۔ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖ ای بسببہ من الھزاء اذ ھم بدل من اذ قبلہ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ ظرف لیکون بحمدہ فی موضع الحال۔

تفسیر : آسمانوں اور زمین کی چیزوں کی تسبیح تو تم اے مشرکین سمجھتے ہی نہ تھے۔ تمہاری سمجھ میں تو قرآن مجید بھی نہیں آتا جو خاص تمہاری زبان فصیح میں نازل ہوا ہے۔ واذا قرأت الخ اور یہ نہ سمجھنا قرآن کا اس لیے ہے کہ جب تم اے نبی! قرآن پڑھتے ہو تو ان کی ازلی گمراہی کے پردے بیچ میں حائل ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے مضامین میں غور و تامل نہیں کر سکتے اور جو کوئی ان کو دوسرا سمجھائے تو سنتے بھی نہیں۔ اور ان کے حواس باطنیہ کے ماؤف ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب قرآن میں توحید کا ذکر اور شرک کی برائی سنتے ہیں تو بدک کر بھاگ جاتے ہیں۔ یہ مکہ کے مشرکوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اور یہ سچ ہے کہ جب انسان پر گمراہی اور بدبختی سوار ہوتی ہے تو نہ اس کا دل و دماغ درست رہتا ہے نہ عقل کتنا ہی سمجھاؤ نہیں سمجھتا اور اسی کو پردے اور حجاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اول تو مکہ کے مشرک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنتے ہی نہ تھے اور جو کبھی مجلس میں ٹھہر گئے تو اس غرض سے کچھ اس میں سے یاد کریں تا کہ پھر اس پر تمسخر اور ہنسی کریں اور پھر آپس میں دس دس پانچ پانچ جمع ہو کر سرگوشیاں کرتے اور یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ جو اس نبی کے تابع ہو رہے ہیں احمق ہیں۔ یہ تو خود جادو کا مارا ہوا ہے کسی نے اس پر سحر کر دیا ہے اس لیے ایسی ایسی نئی نئی باتیں کرتا ہے، دیوانہ ہو گیا ہے۔ نحن اعلم سے لے کر رجلا مسحورا تک میں یہی ذکر ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ دیکھو یہ بدنصیب تم پر کیا بے اصل عیب لگاتے ہیں اور کوئی بات تو عیب کی ملتی نہیں انظر الخ وقالوا سے ان کی دوسری بات اور بیان فرماتا ہے کہ جس پر وہ بدکتے تھے وہ یہ کہ جب حضرت ﷺ فرماتے تھے کہ مر کر پھر قیامت میں زندہ ہوں گے تو وہ کہتے کہ جب ہم مٹی میں مل جائیں گے ہڈیوں کا چورا ہو جائیں گے تو پھر کیونکر زندہ ہو سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ تمہارے نزدیک جو چیز قابل حیات نہیں لوہا یا پتھر یا کوئی اور چیز اگر تم وہ بھی ہو جاؤ جس نے تم کو اول بار پیدا کیا وہ دوبارہ پھر پیدا کرنے پر قادر ہے پھر جب وہ قیامت میں بارگاہ عدالت میں طلب کرے گا تو تم زندہ ہو کر اس کے خوف کے مارے تسبیح و تہلیل کرتے ہوئے، جرم کا انکار و بت پرستی سے برأت ثابت کرتے ہوئے فوراً حاضر ہو جاؤ گے اور یہ سمجھو گے کہ دنیا میں یا مرنے کے بعد حشر تک قبروں میں بہت کم ٹھہرے تھے وہ عرصہ دراز اس عدالت آسمانی کے خوف سے بہت ہی کم معلوم ہوگا اور یہ انسان کی جبلی بات ہے کہ مصیبت کے وقت راحت کا زمانہ دراز بہت ہی کم معلوم ہوا کرتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ جس دنیاوی سامان و عیش پر آج فدا ہو اس کی یہ حقیقت ہے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝

اور (اے رسول!) میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بات کہا کریں جو بہتر ہو کیونکہ شیطان آپس میں لڑوا دیتا ہے (اور) اس لیے کہ شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر چاہے تو تم پر رحم کرے یا اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے اور آپ کو ہم نے ان کا ذمہ دار بنا کر تو بھیجا نہیں۔ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں رہتے ہیں اور البتہ ہم نے ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت دی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی (ان سے) کہہ دو جس کا تمہیں اس کے سوا گھمنڈ ہے ان کو بلا ؤ تو سہی وہ نہ تمہاری تکلیف دور کر سکیں گے اور نہ اس کو بدل سکیں گے۔ جن کو یہ مشرکین پکارتے ہیں ان میں سے جو اوروں کی نسبت زیادہ مقرب[1] ہے وہ خود اپنے لیے اپنے رب کے تقرب کے وسیلے تلاش کرتے رہتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہیے[2] اور ایسی کوئی بستی نہیں کہ جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اس کو کسی سخت عذاب میں مبتلا نہ کریں۔ یہ کتاب میں لکھا جا چکا ہے[3]۔

ترکیب : ايهم مبتدا اقرب خبرہ وھو استفہام والجملۃ فی موضع نصب بیبتغون۔ وقیل۔ اُولٰٓئِكَ مبتدا اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ای یدعونھم الکفار صفت یبتغون خبرہ بدل من واو یبتغون فعل الاول معناہ ان الھتھم اولئک یبتغون الوسیلۃ وھی الی اللہ تعالیٰ وایھم بدل ای یبتغی من ھو اقرب فھم وازلف الوسیلۃ فکیف بغیر الاقرب اوضمن یبتغون معنی یحرصون ای یحرصون ربھم یکون اقرب الی اللہ بالطاعۃ والصلاح۔

تفسیر : ثبوت معاد پر حجت قائم کر کے مسلمانوں کو تعلیم کرتا ہے کہ تم مخالفوں سے نرم اور اچھی باتیں کیا کرو کیونکہ سختی سے شیطان باہم عداوت و نفرت پیدا کر دیتا ہے وہ انسان کا دشمن ہے اور وہ اچھی بات یہ ہے کہ تمہارا رب تم سے خوب واقف ہے اگر چاہے تم پر مہربانی کرے چاہے عذاب کرے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اچھی بات سے مراد نرمی سے کلام کرنا ہے پھر حضرت ﷺ کو فرماتا ہے کہ آپ ان کے ذمہ دار نہیں کہ وہ ہدایت پر آ جائیں۔ مکے میں جب یہ آیات نازل ہو رہی تھیں تب یہ حال تھا کہ غریب مسلمانوں پر چاروں طرف سے حملہ تھا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ کا گھر گھر چرچا ہو رہا تھا۔ مشرکین مکہ یہود کے بہکانے سکھانے سے یہ بھی کہا کرتے تھے کیا خدا نے ہدایت کے لیے انہیں غریب مفلس لوگوں کو پسند کر لیا ہے اور پھر ہم میں محمد (ﷺ) میں کیا فضیلت ہے جو اس پر کتاب اتارتا ہے اور اس کو نبی کیا ہے؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے وربک اعلم الخ کہ ہر ایک بات کی مصلحت و حکمت خدا خوب جانتا ہے۔ آسمان و زمین کی کوئی بات

---

[1] يبتغون ای یطلبون الی ربھم الوسیلۃ الی القربۃ وقیل الوسیلۃ الدرجۃ العلیا ایھم اقرب معناہ ینظرون ایھم اقرب الی اللہ فیسلکون بہ وقال الزجاج ایھم اقرب فتبتغی الوسیلۃ الی اللہ تعالیٰ ویتقرب الیہ بالعمل الصالح (از معالم ناء) ۱۲ منہ

[2] بندہ اور اس کے مالک میں جو بڑا رابطہ اور قوی وسیلہ ہے۔ وہ بندے کا نیاز اور عبادت ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی کفار و منکرین کو ہر ایک بستی کو ان کی نافرمانی سے قیامت سے پہلے دنیا ہی میں غارت کرے گا یا کسی سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ۱۲ منہ

اس سے مخفی نہیں تمہارے حال سے بھی واقف ہے۔ وہ مختار ہے جس کو چاہے فضیلت دے۔ خود انبیاء میں اس نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔ داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی، داؤد و زبور کے ذکر میں یہود کو یہ بات بھی جتلانا مقصود ہے کہ یہ وہی نبی ہے جس کی داؤد علیہ السلام نے خبر دی کہ جس کو شوکت و سلطنت بھی دی جائے گی۔ مشرکین دلائلِ توحید سن کر اپنے معبودوں کے فضائل بیان کیا کرتے تھے کہ وہ یوں کر سکتے ہیں اور یہ دے سکتے ہیں اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اچھا ان کو پکارو تو سہی دیکھیں وہ تمہاری کون سی مصیبت میں کام آتے ہیں؟ مشرکین پیشتر ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام یا صالحین کو پوجتے تھے اور انہیں کے نام کی مورتیں بنا رکھی تھیں۔ فرماتا ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو ان کا خود یہ حال ہے کہ وہ اپنے رب کے لیے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ ان میں سے جو زیادہ قریب ہے اس کا یہ حال ہے اوروں کا تو کیا ذکر ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار عذاب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کو پکارنا عبث ہے۔ مشرکینِ مکہ اس پر یہ کہتے تھے کہ اچھا اگر یوں ہے تو پھر ہمارے شہر پر خدا بلا کیوں نہیں بھیجتا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ شہر کی کیا خصوصیت ہے ہر ایک بستی قیامت سے پہلے ہلاک ہو جائے گی اپنے اپنے موقع پر نیک موت سے برے عذاب سے۔ یا یہ معنی کہ جن بستیوں کا قیام سے پہلے ہلاک ہونا لکھا ہے وہ کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں درج ہے اپنے وقت پر ہوگا گناہ کرنے سے ہم جلدی نہیں کرتے۔ واللہ اعلم۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝

اور ہم کو ان معجزات کے بھیجنے سے اسی بات نے منع کر رکھا ہے کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا چنانچہ ثمود کو ہم نے اونٹنی کا کھلا ہوا معجزہ دیا تھا پھر بھی انہوں نے اس پر ظلم کیا اور یہ نشان جو ہم بھیجتے ہیں تو محض خوف دلانے کو اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے تم سے کہہ دیا تھا کہ تمہارے رب نے سب کو قابو میں رکھا ہے اور وہ خواب جو ہم نے تم کو دکھایا اور وہ پیڑ خبیث کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے ان سب کو ان لوگوں کے لیے فتنہ ہی بنا دیا اور ہم تو ان کو خوف دلاتے ہیں سو اس سے ان کی اور بھی شرارت بڑھتی جاتی ہے۔

ترکیب : ان کذب فی موضع رفع فاعل منعنا وفیہ حذف تقدیرہ الا اھلاک المکذبین ونحن مایزید اھلاک قریش فلذا لم نرسل بالآیات المسئولۃ بہا۔[1]

تفسیر : مشرکینِ مکہ جو اب ہے عاجز آ کر یہ بھی کہا کرتے تھے اگر آپ نبی ہیں تو کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیں اور مکہ کے پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ کھیتی کیا کریں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی وما منعنا الخ کہ ہم یہ بھی کر سکتے ہیں مگر یوں نہیں کرتے کہ پہلی امتوں میں بھی لوگوں نے انبیاء سے سوال کر کے معجزات طلب کئے تھے اور پہلے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر ہماری خواہش کے مطابق معجزہ آئے گا تو ہم ایمان لائیں گے مگر پھر بھی ایمان نہ لائے اور عادتِ الٰہی جاری ہے کہ جو ہٹ کر معجزات طلب کرتے ہیں اور پھر بھی ایمان نہیں لاتے تو ہلاک ہوتے ہیں چنانچہ قوم ثمود نے صالح علیہ السلام سے اونٹنی کا سوال کیا ان کے کہنے کے موافق اونٹنی پیدا ہوئی آخر ایمان نہ لائے بلکہ اس کی

[1] وما نرسل بالآیات المقترحۃ الا تخویفا لمن ارسلت نبی علیہم مما یقتضیہا من العذاب المستاصل (ابو السعود)۔

کونچیں کاٹ ڈالیں تب ہلاک ہوئے۔ اس قسم کے معجزات خطرناک ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا اور ہم کو اہلِ مکہ کا ہلاک کرنا مقصود نہیں اس لیے ان کی یہ خواہشیں پوری نہیں کی جاتیں۔ اس تفسیر پر سلف سے خلف تک جمہور مفسرین متفق ہیں۔ پھر جو کوئی پادری اس آیت سے یہ ثابت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا جیسا کہ پادری فنڈر نے کتاب میزان الحق میں لکھا ہے اور پھر ان کی تقلید نیچر مفسر نے کی ہے بڑی غلطی ہے۔ الآیات سے بواسطہ الف لام وہی آیات یعنی معجزات مقصود ہیں کہ جن کا مشرکین سوال کرتے تھے نہ کہ کل مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے جب مشرکین مکہ کی خواہش کے موافق معجزات کے بھیجنے سے صاف جواب ہو گیا تو ان کو اور بھی دلیری ہوئی اور کہنے لگے کہ آپ نبی نہیں اور ڈرانے بھی لگے اور ظلم و ستم کر کے چاہتے تھے کہ آپ وعظ نہ بیان فرمایا کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یا یوں کہو کہ اس آیت میں آپ کی تسلی کر دی گئی۔ واذ قلنا اور یاد کرو جب کہ ہم تم سے کہہ چکے ہیں کہ تمہارے رب کے قابو میں سب لوگ ہیں تو پھر تمہیں کسی کا کیا خوف ہے آپ بے خوف ہو کر حکم الٰہی بیان کیا کریں۔ اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج پر اور بھی مضحکہ کرتے تھے کہ ہمارے کہنے سے معجزہ تو دکھایا نہیں گیا آسمان پر چلے گئے۔ شبانہ شب بیت المقدس پہنچ گئے، جنت دوزخ دیکھ آئے اور نیز قرآن پر ہنسی کرتے تھے کہ عجب کلام ہے جس میں دوزخیوں کے لیے آگ میں رہنا اور زقوم کا درخت کھانا مذکور ہے (اس پیڑ کو تلخ و بدمزہ ہونے کی وجہ سے شجرۂ ملعونہ کہتے تھے اور قدیم عرب ایسی بری چیزوں کو ایسے ہی الفاظ سے تعبیر کیا کرتے تھے) اس کے جواب میں فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ الخ کہ ہم نے اس رؤیا کو اور شجرۂ ملعونہ کو بھی ان کے لیے فتنہ یعنی آزمائش کی چیز کر دیا۔ کم عقل بداعتقاد اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ رؤیاء اور شجرۂ ملعونہ سے کیا مراد ہے؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ مکہ میں تھے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مکہ چھوڑ کر ایک نئے شہر میں سکونت پذیر ہوا ہوں وہاں سے میرے دین کو ترقی ہوئی اور عالم میں آفتاب کے نور کی طرح بہت جلد پھیل گیا چونکہ یہ خواب مکہ میں مشہور ہو گیا تھا اس پر قریشِ مکہ تمسخر کرتے تھے یہی ان کے حق میں فتنہ یعنی گمراہی کا باعث ہو گیا جس کو خدا نے سچا کر دیا اور شجرۂ ملعونہ سے مراد زقوم کا پیڑ ہے چونکہ قرآن میں آ چکا تھا کہ جہنمیوں کی یہ غذا ہوگا اس پر بھی قریش بہت تمسخر کیا کرتے تھے کہ آگ میں پیڑ ایک خلافِ قیاس بات ہے تو (صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانے ہیں حالانکہ وہ پیڑ بھی آگ کا ہوگا اور یوں بھی آگ میں ایک کیڑا رہتا ہے جس کو سمندر کہتے ہیں نباتات کیا بلکہ حیوانات بھی آگ میں ہوتی ہیں یہ بھی ان کے لیے فتنہ ہو گیا۔ اور ملعونہ اس لیے اس کو کہتے ہیں کہ بدمزہ ہے عرب بری چیز کو خبیث اور ملعون کہا کرتے ہیں بعض نے رؤیاء سے معراج سے مراد لی ہے واللہ اعلم۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاۗؤُكُمْ جَزَاۗءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پھر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے۔ وہ کہنے لگا کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں کہ جس کو تو نے مٹی سے بنایا۔ کہا دیکھو تو سہی یہی وہ ہے کہ جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی ہے اگر تو نے مجھے قیامت تک رہنے دیا تو میں بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے اس کی نسل کو قابو میں کر کے رہوں گا۔ فرمایا جا دفع ہو پھر جو ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو ان کی اور تیری سب کی جہنم پوری سزا ہے اور تو اپنی آواز سے جس کو ان میں ڈگمگا سکے تو ڈگمگا دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے بھی چڑھا دینا اور ان کے مال اور اولاد میں بھی ساجھا لگا لینا اور ان سے وعدے بھی کرتا اور شیطان کے وعدے ہی کیا ہیں مگر محض فریب بے شک میرے بندوں پر تو تیرا کچھ بھی قابو نہ چلے گا اور آپ کارساز کارسازی کے لیے بس ہے۔

ترکیب : هذا منصوب بارایت والذی نعت له والمفعول الثانی محذوف تقدیره تفضیله۔ لاحتنکن جواب لئن۔ طیناً منصوب بنزع الخافض ای من طین۔ قال الواحدی الاحتنکن اصله من احتنک الجراد الزرع وهو ان تستاصله باحنا کها ثم استعمل علی الاستیلاء علی شیء وقیل ماخوذ من حنک الدابة اواجعل الرسن فی حنکها والحنک ماتحت الذقن و منه التحنیک الاستفراز والازعاج والاستخفاف یقال افزه واستفزه ای ازعجه واجلب قال الفراء وابوعبیده من الجلبة وقال الزجاج الاجلاب الجمع ای اجمع علیهم العساکر وقال ابن السکیت الاجلاب الاستعانة ای استعن علیهم لکل باتقدر والامر للتهدید۔

تفسیر : اب ان کی سرکشی کا سبب بیان فرماتا ہے کہ یہ شیطان کا اثر ہے جو بنی آدم پر چلا آتا ہے اور نیز اس قصہ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح شیطان آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں مردود ہوا اب تم جو بنی آدم ہو کر شیطان کے بہکانے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتے ہو گویا اپنے جد اعلیٰ کی نسل سے نکل کر شیطانی لشکر میں داخل ہوتے ہو جو تمہارے مردود ہونے کا قوی سبب ہے۔ اس مناسبت سے اس قصہ کو یہاں ذکر کیا گو اور مناسبتوں سے یہ قصہ سورۃ اعراف، بقرہ، حجر میں بھی مذکور ہو چکا ہے۔ خدا نے آدم کے لیے فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا۔ سب نے سجدہ کیا شیطان نے سجدہ سے انکار کیا۔ آدم علیہ السلام کو کمتر اور اپنے آپ کو بہتر سمجھ کر اس لیے کہا أَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا اس کے بعد خدا تعالیٰ سے کہا کہ میں اس کی اولاد کو کہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اپنے قابو میں کر لوں گا اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی۔ شیطان کو بنی آدم کی طینت معلوم ہو گئی ہو گی کہ وہ گمراہی کی طرف جلد دوڑیں گے جو اس نے اس زعم سے خدا تعالیٰ کے روبرو حسد میں بہہ کر یہ بات کہی الا قلیلا اس نے یہ سمجھ کر کہا کہ ان میں کچھ نیک بھی ہوں گے جن پر میرا قابو نہ چلے گا۔ احتنک کے معنی ستیاناس کر دینا۔ کہتے ہیں احتنک فلان ماعند فلان۔ یہ بھی معنی ہیں قابو میں کر لینا لگام دینا، ڈھٹی دینا، تب یہ الدابہ سے مشتق ہے مطلب یہ کہ ان کو بالکل قابو میں کر لوں گا چونکہ علم ازلی میں یہی تھا بھی اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی فرما دیا اذهب اچھا کر مگر تیری اور تیرے متبعین کی کافی سزا جہنم ہو گی اور اس پر اس کو اجازت[1] دی کہ تو ان کو جس طرح چاہے بس میں کر لینا۔ خدا تعالیٰ نے چند چیزیں فرمائیں۔

اول استفزز ازہ یقال افزنه الخوف لاستفزاء ای ازعجه واستطه بصوتک یعنی اپنی آواز سے انہیں پھسلا لینا، شیطان کی آواز دل میں برے خیالات پیدا کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں جس قدر شہوت انگیز آوازیں ہیں راگ باجا، عورتوں کے زیور کی آواز سب شیطانی آواز ہے۔ دوم

[1] بس میں کر لوں گا۔ ۱۲ منہ

[2] یہ اجازت تہدیدی ہے کہ جس طرح چور کہتے ہیں کہ تجھ سے جو کچھ ہو سکے کر لے کمند لگا کود دے پھر تو کیا کر سکتا ہے یہ ایک محاورے کی بات ہے۔

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾

ع ۷

تمہارا رب وہ ہے جو دریا میں تمہارے جہاز چلاتا ہے تاکہ تم اس کی روزی تلاش کرو کیونکہ وہ تم پر بڑا مہربان ہے اور جبکہ دریا میں تم پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے تو اس کے سوا جس کو تم پکارتے ہو وہ سب کھوئے جاتے ہیں پھر جبکہ وہ تم کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اس سے پھر بیٹھتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ پھر کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے کہ وہ تم کو خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر آندھی کا پتھراؤ بھیج دے پھر (اس وقت) تم کسی کو بھی اپنا مددگار نہ پاؤ۔ کیا تم کو اس کا بھی خوف نہیں رہا کہ وہ بار بار تم کو پھر دریا میں لوٹا لائے پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تمہاری ناشکری سے تمہیں غرق کر دے پھر تم کو ہم پر کوئی دعویٰ کرنے والا بھی نہ ملے اور البتہ بنی آدم کو ہم نے ہی عزت دی اور خشکی اور دریا میں اس کو سوار کیا اور اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ بہت سی مخلوقات پر ان کو فضیلت عطا کی۔

[1] ناجائز طور سے اولاد حاصل کرنا یعنی زنا سے یہ بھی شیطانی شرکت ہے۔ نیز اولاد کے برے نام رکھنا، اس کے ناک، کان چھیدنا اس کے سر پر غیر اللہ کے نام کی چوٹی رکھنا، بیڑیاں پہنانا وغیرہ ذالک سب شرکت شیطانی ہے اسی طرح ان کو معبودوں پر چڑھانا نذر النابرے کام سکھانا بھی شرکت شیطانی ہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب : الا ایاہ استثناء منقطع وقیل متصل ان یخسف مفعول امنتم بکم حال ہے یا تخسف کا صلہ جانب البر مفعول بہ الارجاء السوق والاجراء والتسیر بمعنی راندن۔ الحصب قال ابوعبیدہ والقتیبی ھوالرمی بحصا شدید الخاصۃ التی ترمی بالحصاء الصفاء وقال الزجاج الحاصب العذاب الذی فیہ حصاء وقیل الحصاء حصب حجارۃ من السماء تارۃ مصدر یجمع علی تیرہ وتارات والحصاء اوایاء۔ القاصف الریح الشدیدہ التی تکسر بشدۃ من قصف الشیء یقصف من ضرب یضرب جعلہ نصیرا او من جعبتنا بانکار مانزلنا۔

تفسیر : یہاں سے پھر دلائل توحید شروع کرتا ہے اور مشرکین کی عادات ناپسندیدہ کی برائی اور نیز یہ بات بھی بتلاتا ہے کہ خدا کے احسان یاد رکھا کرو اور پہلے جو فرماتا تھا کہ وہ بندوں کا کارساز ہے اب اس کارسازی کا جو نہایت بے بسی کی حالت میں ظہور پذیر ہوتی ہے اظہار فرماتا ہے۔ ربکم الذی انسان کے اوپر جو کچھ اس کے احسانات ہیں وہ بے انتہا ہیں ان میں سے وہ احسانات موقع بموقع بندوں کو یاد دلا کر اپنا وحدہ لاشریک ہونا ثابت کیا کرتا ہے۔ جو ان کے نزدیک زیادہ تر قابل التفات ہوتے ہیں۔ اس موقع پر عرب کو ان کے سفر وحضر کے انعامات یاد دلاتا ہے عرب یا دریا میں سفر کرتے تھے یا خشکی میں اور اب بھی یہی حال ہے دریا کا سفر کشتی کے ذریعے سے ہوتا ہے خواہ وہ ہوائی ہو خواہ دخانی جو اس زمانہ میں ایجاد ہوتی ہیں اب سمندر کی ایسی پہاڑی موجوں میں ایک تنکے کے برابر جہاز یا کشتی جو مسافروں یا تجارتی مال کو لے کر آتی جاتی ہے اس کو اسی کا ید قدرت چلاتا ہے۔ رحیما تک کا یہی مضمون ہے۔ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ یہ وہ حالت اضطراب بیان فرماتا ہے جو دریا میں کبھی کبھی پیش آجاتی ہے وہ یہ کہ طوفان میں مبتلا ہو جاتے ہیں سوایسے موقع پر انسان اپنے فطری قاعدہ سے پھر اسی معبود برحق کی طرف التجا کرتا ہے اور سب فرضی معبودوں کو بھول جاتا ہے مگر جن کی فطرت میں فتور آگیا وہ اس حالت میں بھی اس کی طرف رجوع نہیں کرتے مگر عرب کے مشرک ایسا نہیں کرتے تھے وہ اس وقت خاص اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے مگر فلما نجکم الخ جب خشکی پر آتے تھے تو پھر جاتے تھے پھر اپنے معبودوں کی طرف رجوع کرتے تھے اس بات پر خدا تعالیٰ الزام دیتا ہے وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے افسوس ہے کہ آج کل عام لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں مصیبت کا وقت بھول جاتے ہیں جب مصیبت خدا دور کر دیتا ہے اور نعمت دیتا ہے تو بجائے شکر کے یہ ناشکری کرتے ہیں کہ فسق وفجور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ بھانڈ رنڈیوں کے ناچ کراتے ہیں۔ اب اس بات پر تہدید فرماتا ہے کہ افامنتم الخ کیا تم کو اس بات سے پورا اطمینان ہو گیا کہ اس حالت میں خدا تم پر اور دوسری قسم کی بلا نہیں بھیج سکے گا زمین میں غرق نہیں کر سکتا یا آسمان سے پتھر نہیں برسا سکتا کہ تم کو پھر دریا کا سفر آئے اور پھر تم کو اسی بلا میں پھنسا کر ہلاک کر دے۔ بنی آدم کا تو یہ حال ہے اور ہمارا یہ حال ہے کہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ الخ ذات میں' جسم میں' صورت میں' اوصاف میں' علم میں اس کو مخلوقات پر عزت دی وحملنا ھم اور دریائی اور خشکی کے سفر میں سواری دی، دریا میں کشتی پر اور خشکی میں اونٹ گھوڑے گاڑی پر سوار ہوتے ہیں اور رزقنا ھم سفر وحضر میں عمدہ چیزیں کھانے کو دیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو بزرگی[1] بخشی۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

[1] یہی بزرگی تو ہے جو دن بھر حضرت گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور بیلوں کو گاڑی میں جوتتے ہیں اسی طرح اور چیزوں پر آپ حکومت کر رہے ہیں قولہ باطنیہ کے روز سے جن اور فرشتوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾

ع ۸

(یاس دن کو کہ) جس دن ہم ہر ایک شخص کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے پھر جس کو ان کی کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائے گی۔ سو وہ اپنی کتاب کو (خوشی سے) پڑھیں گے اور ان پر تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور بہت ہی بڑا گمراہ ثابت ہوگا اور جو کچھ ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے مشرکین آپ کو اس سے بچھلانے ہی لگے تھے تاکہ آپ اس کے (قرآن کے) سوا ہم پر کچھ اور بہتان باندھنے لگیں اور جب تو آپ کو وہ دلی دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ کیا تو آپ کسی قدر ان کی طرف جھک ہی چلے تھے۔ جب تو ہم آپ کو زندگی اور موت میں دوہرا مزہ بھی چکھاتے پھر آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار بھی نہ ملتا اور وہ تو تم کو زمین (مکہ) سے دھکیل دینے کو تھے تاکہ آپ کو وہاں سے باہر کریں پھر تو وہ بھی آپ کے بعد ہی کم ٹھہرنے پاتے تم سے پہلے ہم نے جس قدر نبی بھیجے ہیں ان میں ہمارا یہی دستور رہا ہے اور ہمارے دستور میں آپ کچھ بھی فرق نہ پائیں گے۔

ترکیب : یوم ندعوا مفعول اونصب اذکر محذوف کا ای اذکر یوم الخ یوم ندعوا نصب یا باضمار اذکر یا ظرف ولا یظلمون۔

تفسیر : انسانوں کا باہمی فرق مراتب بیان فرما کر آخرت کا فرق مراتب جو حقیقی تفصیل ہے بیان فرماتا ہے یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ یعنی یاد کرو اس دن کو کہ جس دن ہر ایک شخص اپنے پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا۔ امام لغت میں اس کو کہتے ہیں کہ جس کی پیروی اقتدا کی جاتی ہے ہدایت میں خواہ گمراہی میں۔ پس نبی امت کا امام ہے اور خلیفہ رعیت کا اور قرآن مسلمانوں کا امام ہے اور نمازیوں کا امام نماز پڑھانے والا ہے اور اسی طرح انسان کا دلی منشاء جو اس کو نیک یا بد کام پر تحریک کرتا ہے وہ بھی اس کا امام ہے اور اسی طرح گمراہی کے امام ہیں ہر ایک معنی کے لحاظ سے امام سے علماء نے مختلف مرادیں لیں ہیں۔ چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مراد لیتے ہیں کہ قیامت کو ہر ایک امت ان کے نبی کے نام سے پکاری جائے گی اور اسی طرح آئمہ کفر سے بھی کہیں گے یا امۃ محمد یا امۃ موسیٰ یا امۃ فرعون وغیر ذلک۔ پس ہر ایک امت کو اس کے پیشوا کے ساتھ حاضر کیا جائے گا۔ اہل جنت کے ساتھ جنت میں اور دوزخی کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد کتاب ہے حسن وابوالعالیہ اعمال مراد لیتے ہیں۔ قتادہ نامہ اعمال، پھر نامہ اعمال کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جن کو دائیں طرف سے ملے گا وہی اس کو خوشی سے پڑھیں گے گرچہ بائیں طرف والے بھی پڑھیں گے مگر چونکہ وہ اعمال برے دیکھ کر حسرت ورنج میں ہوں گے خوشی سے نہ پڑھیں گے۔ یہ خوش ہو کر پڑھیں گے درحقیقت انہیں کا پڑھنا ہے۔ پھر جو آخرت میں محروم رہیں گے ان کی محرومی کا سبب بیان فرماتا ہے۔ ومن کان کہ جو اس دنیا میں اندھا رہا اس نے حق نہ دیکھا صراط مستقیم نہ پایا وہ آخرت میں بھی نعماء الٰہی نہ دیکھے گا۔ اندھے ہونے سے مراد دل کا اندھا ہونا ہے نہ ظاہری آنکھوں کا۔ سو دل کے اندھے وہاں بھی الطاف الٰہی سے اندھے رہیں گے کبھی خوشی اور حیات ابدی کا منہ نہ دیکھیں گے نہ اس تک پہنچیں گے، راہ گم کردہ ہوں گے۔

اس کے بعد دنیا میں دل کے اندھوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو بار بہکانا چاہا تھا سو اس کا بیان فرماتا ہے: (اول) وَاِنْ

كَادُوْا الخ اس کی شانِ نزول میں مفسرین نے مختلف روایتیں لکھی ہیں جن سے یہ نکلتا ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اپنی خواہش پر مجبور کرنا چاہا تھا کہ آپ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کریں یا کچھ اور اس پر آپ نے قدرے سکوت کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کو بہکانا چاہتے تھے اگر آپ بہکتے تو آپ کو ہم دنیا و آخرت میں دوچند عذاب دیتے۔ خدا نے آپ کو محفوظ رکھا۔ (دوم) وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ اس کا صحیح شانِ نزول یہی ہے کہ مشرکینِ مکہ کچھ فریب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے پیشتر کے سے نکال دینا چاہتے تھے آپ نہ نکلے۔ فرماتا ہے اگر وہ ایسا کرتے تو آپ کے بعد ان کو بھی وہاں زیادہ رہنا نصیب نہ ہوتا۔ انبیاء قدیم کا یہی دستور چلا آتا ہے کہ نبی کے نکالنے کے بعد اس قوم کو بھی وہاں امن نصیب نہیں ہوا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو اور نماز فجر پڑھا کرو البتہ فجر کے پڑھنے میں مجمع ہوتا ہے اور رات کے ایک حصہ میں تہجد بھی پڑھا کرو جو آپ کے لیے فائدہ مند ہے امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا اور دعا کیا کرو کہ اے رب! مجھے خیر سے (مدینہ میں) داخل کر اور خیر ہی سے نکال (مکہ سے) اور میرے لیے اپنی طرف سے غلبہ و شوکت عطا کر اور (اے رسول ان سے) کہہ دو کہ حق (اسلام) آیا اور باطل (کفر) مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی جانے والا تھا اور قرآن میں ہم وہ چیزیں نازل کر رہے ہیں جو ایمانداروں کے لیے شفاء اور رحمت ہیں اور نافرمانوں کو تو اس سے اور بھی نقصان زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

ترکیب : الی غسق الخ متعلق ہے اقم کے قرآن الفجر معطوف الصلوٰۃ پر یا اس کا نصب علی الاغراء ہے ای علیک قرآن الفجر نافلہ مصدر بمعنی تہجد ای تفعل نفلا وفاعلہ ھنا مصدر کالعاقبۃ۔ مقاما منصوب ہے ظرف ہو کر۔

تفسیر : اقم الصلوٰۃ الٰہیات و معاد و نبوت کے مباحث کے بعد طاعتِ الٰہی کا حکم دیتا ہے اور نیز شیطان کی گمراہی اور بندے کی ناشکری اور قیامت میں نامۂ اعمال کے دیے جانے اور کفار کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قصد بد کرنے کا اور آپ کو محفوظ رکھنے کا ذکر کر کے وہ نماز تعلیم فرماتا ہے جو شیطان کی گمراہی اور بندے کی ناشکری کی رسوائی اور کفار کے فریبوں سے بچاوے (یعنی نماز) اور نیز تیرہ حکموں کی تعمیل نماز بغیر ممکن نہیں۔ یہی وہ عمل ہے کہ جو انسان کی روح اور قوائے ملکیہ کو روشنی دے کر بندہ کو دارِ آخرت کا مشتاق کرتا ہے۔ تمام تفسیریں متفق ہیں کہ اس آیت میں نماز فرض مراد ہے یعنی نماز پنجگانہ مگر دلوک[2] کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن مسعودؓ اور نخعی و مقاتل بن حبان وغیرہ

[1] اس میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء چار نمازیں آگئیں، پانچویں صبح کی نماز قرآن الفجر میں مذکور ہوئی ہے۔ منہ ۱۲

[2] الدلوک الدلک ایک جگہ سے دوسری جگہ ملنا چونکہ ملنے میں ہاتھ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا اس لیے اس کو دلک کہتے ہیں اور اسی جگہ سے اس کے معنی غروب کے بھی

وسدی کہتے ہیں غروب آفتاب مراد ہے اور ابن عباس و ابن عمرو جابر رضی اللہ عنہم و عطاء مجاہد و حسن و اکثر تابعین بلکہ جمہور اس کے معنی دن ڈھلنے کے لیتے ہیں۔ یہ لفظ دونوں معنوں کے لیے آیا ہے اخیر معنی بہت قرینِ قیاس اور مناسب مقام ہے اس تقریر پر جیسا کہ امام زہری کہتے ہیں یہ معنی ہوں گے دن ڈھلنے سے شب کی سیاہی ہونے تک نماز قائم کر پس اس میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء چار نمازیں آگئیں اور صبح کی نماز چونکہ ایک مہتم بالشان نماز تھی اس لیے اس کو قرآن الفجر سے بیان فرمایا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نمازِ تہجد بھی فرض تھی (گو ابتداءِ اسلام میں امت پر بھی فرض تھی جیسا کہ سورۂ مزمل میں ہے) مگر امت پر نمازِ پنجگانہ سے فرضیت جاتی رہی استحباب رہ گیا جیسا کہ اخیر سورۂ مزمل سے سمجھا جاتا ہے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (اس لیے آپ کو فرمایا ومن اللیل الخ کہ رات میں تہجد بھی پڑھو) نافلۃ لک زیادۃ لک یعنی یہ نماز تم پر زائد ہے یا یہ معنی کہ اس کا تم کو زائد نفع ہے کس لیے کہ آپ معصوم ہیں، گناہ سب بخشے گئے اب اس کا نفع ترقیِ درجات و مزید تقربات کا آپ کو ہے برخلاف امت کے کہ وہ گناہوں سے پاک نہیں اس بدلے میں ان کے گناہ معاف ہوں گے۔

تہجد کی کیفیت : مجاہد و قتادہ کہتے ہیں نافلۃ کا لفظ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی نفلی رہ جانے پر دلالت کرتا ہے مگر آپ ہمیشہ تہجد پڑھا کرتے تھے یہاں تک رات کو عبادت و نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک ورم کر آئے تھے۔ چنانچہ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ قیام شب سے آپ کے پاؤں ورم کر آئے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے گناہ معاف کیے پھر آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ فرمایا، اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا کہ کیا میں اس کی شکرگزاری نہ کروں، شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ صحیح احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کی پوری کیفیت مذکور ہے کہ کبھی آدھی رات کے بعد اٹھ کر وضو کر کے نماز میں مصروف ہوتے، دو دو رکعت کی نیت باندھتے، کبھی چار چار کی اخیر وتر پڑھتے، صبح صادق سے قدرے پہلے اور کبھی دو رکعت پڑھ کر پھر لیٹ جاتے، پھر اٹھ کر دو رکعت پڑھتے اسی طرح رات گزار دیتے تھے پھر اس کی کیفیت اور درد و سوز کا تو کچھ بیان ہی نہیں ہو سکتا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں ہوتا تھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری اور دل سے عشقِ الٰہی کا دھواں اٹھتا تھا جس کا اثر نہ صرف گھر کے لوگوں پر پڑتا تھا بلکہ عرب اور عجم پر بھی پڑھا۔ تہجد کی نماز تمام انبیاء صالحین کا قدیم دستور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شب کو نماز پڑھتے، یادِ الٰہی کرتے تھے۔ ان کے پاکباز حواریوں کا بھی یہی دستور رہا ہے بعد میں یہ آزادی و بے قیدی پیدا ہو گئی پھر یورپ کے ملحدوں نے اس کو اور بھی ترقی دی افسوس۔ مالک نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ چار چار نفلوں کی نیت باندھتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں تیرہ رکعت بھی آئی ہیں۔ چنانچہ مالک نے اس کو زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فائدہ (۱) غسق اللیل رات کی سیاہی اور اندھیرا قال الکسائی غسق اللیل غسوقا الغسق بفتح السین اسم جس کے معنی سیلان کے ہیں۔ کہتے ہیں غسقت العین تغسق جبکہ آنکھ پانی سے بھر جائے بہنے والے کو غاسق کہتے ہیں اس لیے جہنمیوں سے جو پیپ بہے گی اس کو غساق کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نافع بن ارزق نے اس کے معنی پوچھے، فرمایا رات کا اندھیرا چھا جانا۔ ازہری کہتے ہیں جب شفق غائب ہو جائے، غسق اللیل پایا گیا۔

(۲) قرآن الفجر سے مراد نماز صبح ہے کبھی جز سے کل تعبیر ہوا کرتا ہے اس لیے نماز کو کبھی رکوع کبھی سجود کبھی تسبیح کہتے ہیں۔ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے خصوصاً صبح کی نماز میں اس کا زیادہ تر اہتمام ہوتا ہے اس لیے اس کو قرآن الفجر سے تعبیر کیا۔

پھر قرآن الفجر کی نسبت فرماتا ہے اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا، مشہود کے معنی حاضر کیا گیا جس کے پاس لوگ جمع ہوں یا گواہی دیا گیا ان معنی کے لحاظ سے اس کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں اور سب ٹھیک ہیں۔ ایک گروہ مفسرین کہتا ہے کہ صبح کی نماز میں

← بھی لیے ہیں کیونکہ اس میں بھی ٹلنا ہے مگر یہاں زوال ہی کے معنی مراد ہیں اور اسی کو جمہور نے اختیار کیا ہے۔

ملائکہ رحمت آتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں۔ رات کے فرشتے جو انسان کے محافظ اور اس کے اعمال کے نگران رہتے ہیں صبح کو جاتے ہیں اور دن کے آتے ہیں۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اور نمازوں کی نسبت صبح کی نماز میں صالحین زیادہ جمع ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت کاروبار دنیا بھی کم ہوتا ہے فرصت کا وقت ہوتا ہے اور نیز خواب شیریں سے بیدار ہو کر خدا پرستوں کی جماعت میں شامل ہونا اور خدا سے دعا مانگنا' اس کی نعمتوں کا شکریہ بجالانا' بڑی عبادت ہے جس لیے اہتمام کیا جاتا ہے۔ بعض نے یہ فرمایا ہے کہ اس جماعت کے لوگوں کے لیے ملائکہ خدا کے آگے جا کر ان کے حاضرِ دربار ہونے کی گواہی دیا کرتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ یہ نماز اس کے کمال وقدرت کی شہادت ہے کیونکہ رات کا جانا دن کا آنا' ظلمتِ شب دور ہونا نور کا ظہور ہونا' انسان جو عالم خواب میں اس جہان سے غافل تھا اس کا بیدار ہونا گویا خواب عدم سے بیدار ہونا صبح کو اٹھنا حشر کا نمونہ ہے۔ اس لیے بالخصوص اس نماز کو جماعت سے ادا کرنا اور اس میں زیادہ قرآن پڑھنا جس کے سننے کو ملائکہ حاضر ہوتے ہیں مسنون اور امرِ مؤکد ہے۔

(۳) تہجد شبِ اخیر کی نماز کو کہتے ہیں فتهجد به ای بالقرآن کما قال قم اللیل الاقلیلا الی قوله ورتل القران ترتیلا۔ ہجو لغت میں سونے کو کہتے ہیں اور ہاجد سونے والا چونکہ یہ نماز سو کر پڑھی جاتی ہے اس لیے اس کو تہجد کہتے ہیں اور مصلی باللیل کو ہاجد و متہجد کہتے ہیں نمازِ تہجد کا وقت باتفاق جمہور علماء آدھی رات کے بعد سے لے کر صبح صادق تک ہے غالباً اول شب میں انسان سو جاتا ہے پھر بیدار ہو کر یہ نماز پڑھتا ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں کہ ضرور اول شب میں سوئے اور جو نہ سوئے تو نماز تہجد نہ ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالخصوص نماز تہجد کا حکم دینے کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کہ خدا تعالیٰ عنقریب آپ کو شافعِ محشر بنا کر مقامِ محمود میں کھڑا کرنے والا ہے۔ یہ وہ کرامت وعزت ہے جو بنی آدم میں بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو نصیب نہیں اس لیے سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عبادت اور شب کا سوز و گداز بھی فرض ہے۔

دلا بسوز کہ سوزے تو کارہا بکند　　دعاءِ نیم شبی دفع صد بلا بکند

مقامِ محمود : مقام محمود یحمده القائم فیه وکل من عرفه وهو مطلق فی کل مقام یتضمن کرامة (بیضاوی) یعنی مقام محمود وہ عمدہ جگہ ہے کہ جہاں کھڑا ہونے والا اور اس کو جاننے والا اس کی حمد اور تعریف کرے مطلقاً مقامِ محمود ہر عزت کی جگہ کو کہتے ہیں۔ مقام کو محمود اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی حمد کی جاتی ہے گو حمد اختیاری خوبیوں پر ہوتی ہے اور مقام کی خوبیاں اختیاری نہیں لیکن یا تو شرطِ اختیاری ہر جگہ نہیں یا حمد بمعنی مدح ہے یا یہ کہ وہ محمود فیہ ہے یعنی اس جگہ حمد کی جاتی ہے وہاں کھڑے ہونے والے کی یا کھڑا ہونے والا خدا تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی شفاعتِ کبریٰ : عرف شرح میں مقامِ محمود سے اس آیت میں کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا کرنے کا اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے باتفاق تمام مفسرین وہ مقام مراد ہے کہ جہاں حضرت ﷺ قیامت کے روز عاصیوں کے لیے شفاعت کرنے کو کھڑے ہوں گے جس روز کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب انبیاء نفسی نفسی کہیں گے اور کسی کو مجال نہ ہو گی کہ شفاعت کی کرسی پر بیٹھے۔ صحیح بخاری و دیگر کتب حدیث میں جو مختلف راویوں سے مروی ہے شفاعتِ کبریٰ کے بیان میں یوں وارد ہے کہ قیامت کے روز لوگوں پر سختی ہوگی تو آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے کہ وہ شفاعت کریں مگر وہ عذر کریں گے یہاں تک کہ یکے بعد دیگر سب انبیاء اولوالعزم کے پاس آئیں گے۔ ابراہیم، موسیٰ، داؤد علیہم السلام مگر سب ہی تو عذر کریں گے اور کہیں گے کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ جن کے خدا نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے آج بجز ان کے اور کوئی اس لائق نہیں تب وہ میرے پاس آ کر مجھ سے درخواست کریں گے۔ پھر میں خدا تعالیٰ کے پاس جا کر اس کے آگے سجدہ میں گر پڑوں گا اور بہت عرصہ تک سجدہ میں حمد و ثناء کرتا رہوں گا۔ حکم ہوگا اے محمد سر اٹھا قل یسمع واشفع تشفع وسل تعطه کہ کہہ تیرا کہا سنا جائے گا، شفاعت کر کہ تیری شفاعت قبول ہوگی مانگ دیا جائے گا۔ تب میں اس

کی ثناء وصفت کر کے شفاعت کروں گا پھر ایک تعداد معین ہوگی کہ وہ جہنم سے میری شفاعت سے نکلیں گے بار بار پھر آ کر اسی طرح سجدہ میں گروں گا پھر اسی طرح حکم ہوگا پھر ایک جماعتِ کثیر بخشی جائے گی الغرض اسی طرح تین بار کروں گا کہ پھر وہی تو جہنم میں رہ جائیں گے کہ جو مطلق قرآن کے جہنم کے لیے سدا سدی کے لیے مقرر ہو چکے ہیں یعنی کافر و مشرک۔

نماند بعصیاں کسے در گرد　　چو دارد چنیں سید پیش رو

پہلے فرمایا تھا کہ وہ تم کو مکہ سے نکالنا چاہتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ اقم الصلوٰة نماز پڑھا کرو ان جاہلوں کی باتوں کی طرف التفات نہ کرو اللہ آپ کا حامی و ناصر ہے۔ اب پھر اس واقعہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس لیے فرماتا ہے یعنی جو اصل کام ہے یعنی نماز و عبادت اس کو بجا لاؤ اس سے غافل نہ رہو دین دنیا میں اس سے سرسبزی اور برتری ہے۔ رہا مکہ سے نکلنا اور قریش کا اس بات کے درپے ہونا یہ تو ایک امر مقدر ہے جس پر قضاء وقدر نے اسلام کی ترقی وابستہ کر رکھی ہے اس کے لیے اے نبی! یہ دعا کیا کرو۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ یعنی تو اے اللہ مجھے مکہ سے سچائی سے نکال کر پھر میرے دل میں حبِ وطن رہے اور ان مشرکوں کی طرف سے پھر تکالیف برداشت نہ کرنی پڑیں اور نیز سچائی کے ساتھ نکالنے سے یہ بھی مراد ہے کہ خاص تیرے ہی لیے اور تیری ہی راہ میں ہجرت ہو کسی دنیاوی غرض یا کسی جرم پر جلاوطنی نہ ہو اور مدینہ میں مجھے سچائی سے داخل کر اور چونکہ اس دین کا تمام دنیا پر پھیلنا ٹھہر چکا ہے اور پردیس میں قوت ہی نہیں رہتی اور نیز مدینہ کے متصل کسریٰ و قیصر کی حکومتیں اور دیگر قبائل شریر و سرکش بھی ہیں اس لیے یہ بھی دعا کرو وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا کہ مجھے اپنے ہاں کی قوت و شوکت بھی عطا کر۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں حسبِ بشارتِ زبورِ خدا تعالیٰ نے وہ قوت و شوکت عطا کی کہ جس سے دنیا میں آسمانی سلطنت قائم ہوئی اور کسریٰ و قیصر کو مٹا دیا گیا کوئی شخص خدا کے دین کا مقابل نہ ہو سکا۔ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ الخ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مجھے دنیا سے سچائی کے ساتھ نکال اور دار الخلد میں سچائی کے ساتھ داخل کر اور یہ بھی کہ خواصِ بشریہ سے نکال خواصِ ملکیہ میں داخل کر وغیر ذالک من الاسرار۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرما کر ارشاد کرتا ہے وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کہ اب تاریکی کفر و بدکاری کا زمانہ گیا اور نور و صداقت کا زمانہ آ گیا۔ حق سے مراد اسلام ہے اور باطل سے کفر و بت پرستی و دیگر قبائح جو دنیا میں مروج تھے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ فتح مکہ کے دن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے پاس جو تین سو ساٹھ بت رکھے تھے ان میں سے جس کی طرف لکڑی سے یہ آیت پڑھ کر اشارہ کرتے تھے وہ منہ کے بل گر پڑتا تھا فرماتا ہے کہ یہ باطل کا مٹنا اور حق کا آنا قرآن کے سبب سے ہے جس کو ہم نازل کر رہے ہیں وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ الخ کہ جس میں ایمانداروں کے لیے امراضِ باطنیہ و ظاہریہ سے شفا ہے اور ان کے لیے رحمت ہے اور بے انصافوں کو اس سے اور بھی نقصان ہوتا ہے جوں جوں وہ انکار کرتے ہیں خسارہ بڑھتا جاتا ہے۔

وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾
قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ

عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾

اور جب ہم انسان پر کرم کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا اور اور اکڑنے لگتا ہے اور جب اس پر مصیبت آتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے۔ کہہ دو ہر ایک اپنے اپنے طریقے عمل کر رہا ہے پھر آپ کے رب ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون راہ راست پر ہے اور آپ سے (ماہیت) روح سے سوال کرتے ہیں (سو) کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم کو علم جو دیا گیا ہے تو بہت ہی تھوڑا ہے اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا ہے، (قرآن) اس کو اٹھالے جائیں پھر تو آپ کو اس کی بابت کوئی ہم سے مطالبہ کرنے والا بھی نہ ملے گا مگر یہ صرف آپ کے رب کی رحمت ہے (جو ایسا نہیں کرتا) بے شک اس کی آپ پر بڑی عنایت ہے۔

ترکیب : ناء بالف بعد الھمز ۃ ای بعد عن الطاعۃ وبقرء بھمز ۃ بعد الالف وفیہ وجھان احد ھما ھو مقلوب نائے والثانی ھو بمعنی نحض الارحمۃ مفعول لہ والتقدیر حفظناہ علیک للرحمۃ من ربک رحمۃ کی صفت یا حال۔

تفسیر : قرآن سے ان ظالموں کو زیادہ خسارہ ہونے کا یہ سبب نہیں کہ قرآن میں کوئی نقص ہے بلکہ یہ سبب ہے کہ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ الخ انسان کی جبلی عادت ہے کہ جب اس پر انعام الٰہی ہوتا ہے، دولت و راحت ملتی ہے تو بجائے شکر گزاری و فرمانبرداری کے اکڑنے لگتا ہے، متکبر ہو جاتا ہے، نبی اور خدا تعالیٰ کی کتاب کو نہیں مانتا اس لیے خسارہ میں پڑتا ہے اور جب مصیبت آتی ہے تو بجائے صبر کے ناامید ہو جاتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس پر بھی انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ہر ایک نیک و بد کو خواہ وہ کسی طریق پر کیوں نہ ہو مہلت دیتا ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ الخ کہ کہہ دو ہر ایک ہم میں سے اور تم میں سے اپنے اپنے طریقہ پر عمل کر رہا ہے کئے جائے لیکن ان میں سے دراصل کون نیک ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ منجملہ اسباب خسران کے ایک یہ بھی تھا کہ وہ قرآن مجید پر ہمیشہ بیہودہ نکتہ چینیاں کیا کرتے تھے چنانچہ ایک بار باہم مشورہ کیا کہ یہود اہل کتاب ہیں ان سے دریافت کر کے کوئی ایسی بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنی چاہیے کہ جس کا جواب نہ آسکے اس لیے یہود سے دریافت کیا انہوں نے کہا تین باتیں پوچھو اگر ان میں سے دو کا بھی جواب دے دیا تو جاننا کہ نبی ہے ورنہ نہیں اور یہ تین باتیں بتلائیں۔ اول روح سے سوال کرو، دوم اصحاب کہف کا حال پوچھو، سوم ذی القرنین کا حال پوچھو، وہ کون تھا اور کہاں کہاں گیا اور اس نے کیا کیا؟ سب سے اول وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ الخ یہ انہوں نے روح سے سوال کیا۔ فرمایا کہ اے نبی! آپ سے روح سے سوال کرتے ہیں وہ کیا ہے چونکہ یہ بیکار سوال تھا اور نیز حقائق اشیاء بالخصوص روح کی حقیقت کا ادراک کرنا ہی ان کے فہم و استعداد سے باہر تھا اس لیے جواب میں فرمایا قل الروح من امر ربی کہہ دو روح ایک امر رب ہے اس کے حکم سے بنی ہے، حادث ہے، قدیم ذاتی نہیں نہ خدا ہے نہ اس کا کوئی جز ہے بلکہ مخلوق ہے جس پر اور مخلوق کی

۱ روح کو ایک گروہ عقلاء صرف یہی کہتا ہے کہ وہ خون کی لطیف بھاپ ہے جس کے زور سے ذی روح کی کل چل رہی ہے جب وہ نہیں تو سب کام بگڑ جاتا ہے اس ذی روح کے مرنے بعد پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا چنانچہ یورپ کے دہریے اور مادی لوگ اسی کے قائل ہیں جس لیے وہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان پر نہ کوئی ثواب ہے نہ عذاب ہے کیونکہ وہ باقی تو رہی نہیں مگر یہ خیال محض مغالطہ ہے جس کی غلطی کا اب یورپ کے حکماء پر بھی انکشاف ہو چلا ہے کیونکہ ایک جماعت حکماء قائل ہو گئی ہے کہ مرنے کے بعد روح ایک نورانی پیکر میں جو جسم اول سے مناسبت رکھتا ہے قائم رہتی ہے ہم کو پہلی باتیں سب یاد رہتی ہیں وہ رنج راحت بھی پاتی ہیں۔ حکماء یونان کا بھی یہی خیال ہے کہ اکثر اہل ادیان بھی اس کے قائل ہیں جزئیات احوال روح میں البتہ بڑا اختلاف ہے۔ ہنود کا ایک گروہ اس کو قدیم ذاتی کہتا ہے اسی طرح اس کے بقاء کی جانب بھی کلام ہے بعض ابدی ذاتی کہتے ہیں آریہ وغیرہ بعض زمانہ دراز تک بقا مانتے ہیں ہنود یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک بدن کو چھوڑ کر جزاء و سزا بھگتنے کے لیے دوسرے جسم میں آتی ہے اور اس عالم عنصری کے میدان میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے۔ ان کے نزدیک گویا یہی عالم قدس ہے اسلام نے قرآن و احادیث میں روح کے متعلق دوسرے عالم میں ثواب و عذاب کی بہت تصریح فرمائی اور اصل حالات سے آگاہ کیا ہے۔

طرح خدا کو اختیار و قدرت ہے من امر ربی سے یہ باتیں سمجھی جاتی ہیں اس قدر علم کافی ہے جواب شافی ہو گیا باقی رہا اس کی حقیقت کا اور اک کلی۔ سو روح کا تو کیا اور بھی لاکھوں چیزوں کا انسان کو ادراک کلی نہیں خاک پانی کی بھی حقیقت پوری نہیں بتلا سکتے کیونکہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا کہ تم کو اے انسان یا اے سوال کرنے والو حقائق الاشیاء سے ادراک کا بہت ہی کم حصہ ملا ہے۔ روح کی حقیقت میں حکماء کا مباحثہ چلا آتا ہے اور ہر ایک قوم نے دور از کار خیالی گھوڑے دوڑائے ہیں اور اب تک بھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ بھلا عرب کے جاہلوں سے بجز اس قدر جواب کے اور کیا کہا جاتا۔ اب اس بات کے ثبوت کے لیے پیغمبر علیہ السلام جو کچھ فرماتے ہیں وہ الہام اور وحی کے ذریعے سے ان کی خانہ ساز اس میں کوئی بات بھی نہیں فرمایا جاتا ہے۔ وَلَئِنْ شِئْنَا الخ کہ اگر ہم چاہتے تو قرآن مجید کو جو سرچشمہ علوم ہے محو کر دیتے مگر ہمارا فضل ہے جو ایسا نہیں کیا یعنی یہ ہماری طرف سے ہے جس کے اٹھالے جانے پر قادر ہیں۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

(اے نبی!) کہہ دو اگر سب آدمی اور سب جن مل کر بھی ایسا قرآن بنالانا چاہیں (تو ایسا قرآن) نہ لاسکیں گے اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کی پشتی ہی پر کیوں نہ ہوں اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر ایک قسم کی مثال بھی کھول کھول کر بیان کر دی پر اس پر بھی اکثر لوگ انکار کیے بغیر نہ رہے اور کہہ دیا کہ ہم تمہیں ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دو یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو کہ پھر تم اس میں سے نہریں پھاڑ کر نکالا کرو یا جیسا کہ تم گمان کرتے ہو ہم پر کوئی آسمان کا ٹکڑا نہ گرا دو یا تم اللہ اور فرشتوں کو روبرو نہ لا کھڑا کر دو یا تمہارے لیے کوئی سنہری مکان نہ ہو یا تم آسمان میں نہ چڑھ جاؤ اور ہم تو تمہارے منتر کو ہرگز نہیں مانیں گے جب تک تم ہم پر کوئی ایسی کتاب نازل کرا دو کہ جس کو ہم خود پڑھ لیا کریں کہہ دو سبحان اللہ میں کیا ہوں مگر ایک آدمی اس کا بھیجا ہوا۔

ترکیب : لَا يَاْتُوْنَ جواب لئن ای جواب قسم محذوف دل علیہ اللام الموطئۃ ولو الحی لکان جواب الشرط بلا جزم لکون الشرط ماضیا۔ بیضاوی۔

تفسیر : منجملہ ان باتوں کے کہ جن سے قرآن مجید پر اعتراض کیا کرتے تھے ان کی ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ اس قرآن میں کون سی خوبی ہے؟ اگر چاہیں تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بھی ہے کہ قرآن کی بابت فرمایا تھا کہ وہ ہماری طرف سے ہے اگر ہم چاہیں تو اس کو واپس لے جائیں پھر تمام مخلوق مل کر بھی زور لگائے تو ایسا قرآن نہ بنا سکے۔ کما قال قل لئن اجتمعت الخ کہ تم کیا اگر تمہارے ساتھ تمہارے وہ جن بھی شریک ہوں کہ جن سے تم مانگا کرتے ہو اور جن کے ذریعہ سے تمہارے کاہن غیب کی باتیں بتلا کر بڑے بڑے دعوئی کیا کرتے ہیں وہ بھی شریک ہوں تو اس کا مثل نہ بنا سکیں گے۔ بلاغت وفصاحت کے معجزہ کے علاوہ اس میں روح کو زندہ کرنے والی انسان کے دل پر چوٹ مارنے والی اور سب علوم الہامیہ کے متعلق وہ وہ باتیں ہیں کہ جن کو کوئی نہیں بتا سکتا۔ مقدمہ تفسیر میں اس مسئلہ کی خوب شرح ہو چکی ہے۔

ابن اسحاق وابن جریر نے سعید یا عکرمہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کے بارہ میں یوں بھی نقل کیا ہے کہ سلام بن مشکم چند یہود کو ساتھ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ نے ہمارا قبلہ ترک کر دیا اور یہ قرآن توریت کے برابر نہیں ایسا ہم بھی کر سکتے ہیں۔ پھر آپ کا اتباع کیونکر کریں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ شیبہ وعتبہ ربیعہ کے بیٹے اور ابوسفیان اور ولید بن المغیرہ وابوجہل وغیرہم کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر تو خدا کا سچا رسول ہے تو مکہ خشک جگہ ہے یہاں کوئی پانی کا چشمہ جاری کر دے یا کوئی ایسا ترو تازہ باغ انگوروں اور کھجوروں کا لگا دے کہ جس میں سے بڑی نہریں چلا کریں جیسا کہ عراق وشام ہے یا تو جیسا کہتا ہے کہ قیامت کو آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرے گا تو اس کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی گرا دے یا ہمارے سامنے اللہ اور فرشتوں کو لا کہ ہم ان کو آنکھوں سے دیکھیں اور ان سے پوچھیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تم نے رسول بنا کر بھیجا ہے یا کوئی سونے چاندی کا بنا ہوا مکان موجود کر کے دکھا دے یا تو ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جا اور وہاں سے کوئی لکھی ہوئی کتاب لا کہ جس کو ہم پڑھ لیں تب تو ہم تجھے مانیں گے ورنہ ہم تجھے نہیں مانتے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ الخ اس میں تعلیم کر دی کہ ان سے کہہ دو سبحان اللہ یہ کیا لغو باتیں ہیں، تم نے کیا مجھ کو قادرِ مطلق سمجھ لیا ہے یا مجھے اس بات کا دعوی ہے تا کہ پھر تمہارے کہنے سے یہ باتیں کر دوں۔ میں تو آدمی ہوں خدا تعالی کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا ہاں رسول ہوں، احکام پہنچانے والا ہوں، قرآن کو رقیہ یعنی منتر بتلایا ان پہلی باتوں کو اگر یہ سب کچھ بھی ہو جائے تو یہ تمہارے جادو منتر کا اثر سمجھا جائے گا بلکہ آسمان سے ہمارے اوپر بھی کوئی کتاب اترواتا کہ ہم خود اس کو پڑھ لیں۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ

عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

اور لوگوں کو ایمان لانے سے جبکہ ان کے پاس ہدایت آ گئی صرف یہی بات مانع آئی کہ کہنے لگا کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے (اے نبی!) کہہ دو اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے ہی رسول بنا کر بھیجتے (اور) کہہ دو میرے اور تمہارے درمیان اللہ بس ہے گواہی کے لیے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا دیکھتا ہے۔ اور جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پر ہے اور جن کو وہ گمراہ کرے پھر ان کے سوا تم کو کوئی چارہ گر نہ ملے گا اور ہم ان کو قیامت کہ منہ کے بل اندھے گونگے بہرے کر کے چلائیں گے ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب آگ بجھنے لگے گی تو ہم اور بھڑکا دیں گے۔ یہ ہے ان کی سزا اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہہ دیا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو پھر نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گی۔

ترکیب : الاان قالوا اجملہ فاعل من فی الارض خبر کان ملائکۃ موصوف یمشون ذی الحال مطمئنین حال سب اسم۔ لنزلنا جواب لو۔

تفسیر : عرب کے مشرکوں اور کافروں کا نبوت میں ایک یہ بھی بڑا شبہ تھا کہ نبی تو ہم جیسا ہی انسان ہے رسالت اور نبوت کے لیے تو ہم سے بالاتر اشخاص ہونے چاہییں جو کھانے پینے، زن وفرزند کے جملہ علائق سے پاک وصاف ہوں اور وہ فرشتے ہیں خدا نے اگر اپنے پیغام پہنچانے تھے تو فرشتوں کو کیوں نہ بھیجا۔ یہی وہ ایک بات ان کے دل میں کھٹکتی تھی جس سے وہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ شبہ کا جواب دیتا ہے وما منع الناس الخ کہ رسول تو اسی قوم کا شخص ہونا چاہیے کہ جس کی طرف وہ بھیجا جاتا ہے کیونکہ ان کے تمام مفاسد اور موجود خرابیوں کو جن کی اصلاح کے لیے یہ بھیجا گیا ہے یہی خوب جان سکتا ہے اور نیز باہم دانست غیر جنس سے ممکن نہیں اور رسول کے لیے یہ بات ضروری ہے جس پر ہدایت کا مدار ہے اور نیز فرشتے بھی آتے تو انسان کی صورت میں ہی ہو کر آتے تا کہ ان سے کلام کریں، دکھائی دیں۔ سو ان پر بھی شبہ ہوتا کہ جانے یہ کون ہیں؟ اس لیے فرماتا ہے لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ الخ کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو ان کے پاس البتہ فرشتہ رسول ہو کر آتے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کہہ دو میری رسالت کی خدا گواہی دے رہا ہے سو یہ کافی ہے۔ رہی ہدایت سو یہ اس کے ہاتھ ہے جس کو وہ چاہتا ہے وہی ہدایت پر آتا ہے اور جس کو ازل سے گمراہی نصیب ہے اس کو کون ہدایت کر سکتا ہے نہ انسان نہ فرشتہ مگر ان گمراہوں کا حشر میں یہ حال ہوگا وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الخ کہ وہ منہ کے بل جائیں گے، اندھے گونگے بہرے ہوں گے۔ منہ کے بل چلنا محاورہ ہے سرنگوں اور ذلیل ہو کر چلنے سے ان کے دنیا کے تکبر کرنے کے بدلہ میں۔ اور حقیقت پر بھی محمول ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ اس طرح چلانے پر بھی قادر ہے جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے۔ دوزخیوں کا اور آیات سے دیکھنے والا، سننے والا، کہنے والا ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہاں اس کے خلاف ہے۔ پس اس بہرے، اندھے، گونگے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خوشی کی چیز دیکھنے میں نہ آئے گی، نہ سننے میں نہ کہنے میں یا یہ حالت ان کی ابتداءِ حشر کے وقت ہو پھر حساب کے وقت یہ قوتیں دی جائیں۔ فرماتا ہے یہ سزا ان کے کفر اور ان کا حشر کے سبب سے ہے۔

لہ چنانچہ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت میں تین طور سے لوگ چلیں گے ایک پاپیادہ، دوم سوار ہو کر، سوم منہ کے بل۔ پوچھا گیا منہ کے بل کیونکر چل سکیں گے فرمایا جس نے پاؤں کے بل چلایا کیا وہ منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں۔ ۱۲ منہ

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَأَبَى الظّٰلِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّوْ أَنْتُمْ
تَمْلِكُونَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ
قَتُورًا ﴿١٠٠﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَسْئَلْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ إِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ
لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يٰمُوسٰى مَسْحُورًا ﴿١٠١﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ أَنْزَلَ
هٰؤُلَآءِ إِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُورًا ﴿١٠٢﴾
فَأَرَادَ أَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهُ جَمِيعًا ﴿١٠٣﴾ وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ
لِبَنِي إِسْرَآئِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ

کیا وہ نہیں جانتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے وہ ان جیسے اور بھی بنا سکتا ہے اور ان کے (بار دگر پیدا کرنے کے) لیے اس نے ایک میعاد مقرر کر دی ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں اس پر بھی ظالم انکار کیے بغیر نہ رہے کہہ دو اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے تم ان کو بند کر کے ہی رکھتے اور انسان بڑا تنگ دل ہے۔ اور البتہ موسیٰ کو ہم نے نو نشانیاں[1] کھلی ہوئی دی تھیں پھر بنی اسرائیل سے بھی پوچھ دیکھو جبکہ موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے کہہ دیا کہ اے موسیٰ میں تو تجھے جادو کا مارا ہوا جانتا ہوں۔ موسیٰ نے کہا یہ تو تجھ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ (معجزات) آسمانوں اور زمین کے مالک ہی نے لوگوں کو بھجانے کو اتارے ہیں اور میں تو اے فرعون تجھ کو ہلاک ہوا جانتا ہوں۔ پس اس نے چاہا کہ ان کو زمین سے اکھیڑ دے تب تو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں سب کو ڈبو دیا۔ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ (اب زمین پر آرام سے) بسو۔

ترکیب : انتم مرفوع ہے فعل محذوف سے جس کی تفسیر تَمْلِكُونَ ہے إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ جواب لو خشية منصوب ہے مفعول لہ امسکتم کا ہو کر ھؤلاء۔ اشارہ ہے آیات کی طرف الثبور الھلاک والخسران، ان یستفزھم ای یقتلھم ویستاصلھم جمیعا ای فرعون ومن الزمان ومن کان معہ فی عسکرہ لاجمیع القوم۔

تفسیر : منکر حشر تعجب سے کہتے تھے کہ جب ہڈیاں ہو کر چورا چورا ہو جائیں گے بھلا پھر کیونکر بار دگر زندہ ہوں گے۔ اس شبہ کا جواب مختلف طور سے قرآن میں دیا گیا ہے یہاں اپنی قدرتِ کاملہ کے اثبات سے دیتا ہے اور مسئلہ نبوت کے بعد اسی مناسبت سے مسئلہ حشر میں کلام ہوتا ہے۔ فَقَالَ أَوَلَمْ يَرَوْا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو بنایا ہے پھر کیا وہ قادر تم کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا اس پر

[1] تورنفقہ بر عیال تنگ کردن صافی۔

[2] ترمذی نے روایت کیا ہے کہ دو یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ نو نشانیاں کون سی دی تھیں؟ آپ نے جواب شافی دیا، ان کو بیان کر دیا انہوں نے ہاتھ پاؤں چوم لیے اور کہا تو بے شک نبی ہے فقیر کہتا ہے کہ ان نشانیوں سے مراد جو یہود نے پوچھی تھیں احکام عشرہ تھے جو توریت میں موجود ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرک نہ کرو الخ اور یہاں تو معجزات مراد ہیں۔ ۱۲ منہ

بھی وہ ظالم نہیں مانتے۔ اس کے بعد دوسری دلیل بیان فرماتا ہے جس سے حشر کا مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے اور نبوت کا بھی جس میں پہلے کلام تھا تقال لو انتم کہ ان سے کہہ دو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں دیکھو ہماری کیسی فیاضی ہے کہ ان کو وجود اور ان کے اندر کے رہنے والوں کو شب و روز بے شمار چیزیں عطا کرتے ہیں پھر مرنے کے بعد دوبارہ وجود عطا کرنا نعماء باقیہ دینے کے لیے ہماری فیاضی سے کیا بعید ہے۔ تم اپنے حال پر قیاس کرتے ہو ہاں تمہاری فطرت میں یہ بخل ہے کہ اگر تمہارے ہاتھ میں رحمت کے خزانے بھی آ جائیں تو تم اس خوف سے کہ مبادا کم نہ ہو جائیں صرف کرنے سے ہاتھ روکو، بند کر کے رکھو اور ہمارے ہاں کس چیز کی کمی ہے، ہماری فیاضی ہمارے خزائن میں کمی نہیں کرتی نہ کسی فعل کے کرنے سے ہماری قوت کم ہوتی ہے۔ اپنے حال پر ہم کو قیاس نہ کرو۔ مسئلہ نبوت کا ثبوت اس طور پر ہے کہ ہم فیاض ہیں۔ انسان کی روحانی اور دار آخرت کی تعلیم کے بارہ میں ہماری قدیم فیاضی ہے، دیکھو وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ آيَاتٍ الخ۔ موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے نو نشانیاں یعنی معجزات عطا کیے تھے یدِ بیضا وغیرہ۔ اس سبب سے پھر موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کا بار دیگر ذکر کرنے کا موقع آیا اور اس ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نئے رسول نہیں ہیں جو تم کہتے ہو فرشتہ رسول کیوں نہ ہوا ان سے پہلے موسیٰ علیہ السلام رسول ہو چکے ہیں اور چونکہ تم ان سے معجزات ایمان لانے کے لیے نہیں مانگتے بلکہ محض عناد و سرکشی سے سو یہ ہماری عادت نہیں ورنہ ہم نے پہلے کو کیا تو معجزے کھلے کھلے نہیں دیے تھے اور جس طرح تم محمد (ﷺ) سے مقابلہ کرتے ہو یہ بھی کچھ نئی بات نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام سے فرعون اور اس کے سرداروں نے کیا کچھ نہیں کیا ہے۔ پھر دیکھو کیا انجام ہوا کہ سب غرق ہوئے اور بنی اسرائیل کو زمین شام پر بسنے کا حکم ہوا چنانچہ وہ بسے اور حاکم ہوئے۔ اشارہ ہے جس طرح اس جبار سے چشمۂ نبوت بند نہ ہو سکا تم سے بھی نہ ہو سکے گا اسی طرح اس نبی کے پیرو بھی ملک کے مالک ہوں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی پیشین گوئی کے مطابق جیسا کہ تورات استثناء کے اٹھارہویں باب میں ہے حضرت ﷺ سے کمال مشابہت ہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا اور نیز مکہ والے یہود سے پوچھ کر سوال کرتے تھے اس لیے ان باتوں کی تصدیق کے لیے فرمایا فَسْئَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ کہ ان سے ہی پوچھ دیکھو اس کے بعد اصل قصہ کو تمام کرتا ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ لو اب آرام سے زمین پر بسو۔ ملک میں پھیل کر عافیت سے رہو۔

فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ﴿١٠٤﴾ وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ
إِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ﴿١٠٥﴾ وَقُرْءَانًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ
تَنْزِيلًا ﴿١٠٦﴾ قُلْ آمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا ۚ إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ
إِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾ وَّيَقُولُونَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ إِنْ كَانَ
وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ﴿١٠٨﴾ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿١٠٩﴾ قُلِ
ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۖ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ
بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي

النجدۃ ۱۲

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے اور ہم نے اس (قرآن) کو سچائی سے نازل کیا اور وہ سچائی ہی سے نازل ہوا اور آپ کو جو ہم نے بھیجا ہے تو خوشی اور ڈر سنانے کو اور قرآن کے پارہ پارہ ہم نے اس لیے کیے کہ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنا دیں اور اسی لیے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے[1] کہہ دو تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (مگر) جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا[2] ہے تو جب ان کو قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے رب کو بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور منہ کے بل (سجدہ میں) گر کر رو تے جاتے ہیں اور وہ ان کی یہی عاجزی کرنا بڑھاتا ہے۔ کہہ دو اللہ کو پکارو خواہ رحمان کو پکارو جس نام سے پکارو سب اسی کے عمدہ نام ہیں اور اپنی نماز نہ تو چلا کر پڑھا کرو اور نہ چپکے سے ہی پڑھو بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کرلو کہو سب خوبیاں اللہ کو سزاوار ہیں نہ جس نے کوئی اولاد بنائی اور نہ اس کی حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اس لیے کہ وہ کمزور ہے اور نہ اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی بڑائی بیان کرتے رہو۔

ترکیب : لفیفا حال ہے ضمیر کم سے ای جمیعاً وقُرْاٰنًا منصوب بفعل مقدر ای اقرانا وقیل مضمر یفسرہ مابعدہ وھو فرقناہ بالتخفیف عند الجمہور وقرئ مشددا ویکون حال من یخرون۔

تفسیر : فَاِذَا جَاءَ الخ مگر جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے وَعْدُ الْاٰخِرَةِ سے بعض کہتے ہیں وہ دوسرا وعدہ مراد ہے جس کا ذکر اول سورۃ میں تھا یعنی تم دوبار سرکشی کرو گے اور دوبار تم پر آفت آئے گی۔ اب یہاں بتلایا جاتا ہے کہ بربادی کے بعد تم کو پھر ہم ایک جگہ جمع کریں گے چنانچہ بابل کی اسیری کے بعد پھر بنی اسرائیل مجتمع ہوئے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہاں سے جداگانہ کلام مسئلۂ حشر کی بابت شروع ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب ہڈیوں کا چورا ہو جائے گا ہم کیوں کر زندہ ہوں گے اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو تمہارے مختلف اجزاء کو جمع کر کے لے آئیں گے اور تم تو کیا تمہارے اگلے پچھلوں کو بھی سمیٹ لے آئیں گے۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ الخ یہاں سے پھر ان کے شبہات کا جواب ہے جو وہ قرآن مجید کی بابت کیا کرتے تھے اس قرآن کو سچائی سے ہم نے نازل کیا ہے کسی اور نے نہیں نہ اس کو محمد (ﷺ) نے آپ بنا لیا ہے اور سچائی سے نازل ہوا نہ اس میں کوئی بات غلط اور جھوٹ ہے نہ اس کے نازل ہونے میں کوئی آمیزش وہم وشیطان ہوئی ہے پھر جو ایسی کتاب کو بھی نہ مانے تو وہ محض بدنصیب ہے۔ اے پیغمبر! آپ ایسے بدنصیبوں ازلی اندھوں پر کیا غم کھاتے ہیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا آپ کو تو صرف ہم نے اسی لیے بھیجا ہے کہ نیکوں کو ان کی حیات ابدی کا مژدہ سنا دیں اور بدوں کو ان کے انجام بد سے ڈرا دیں اور اس قرآن کو ہم نے یکبارگی اسی لیے نازل نہیں کیا کہ ان پر بار نہ ہو جائے بلکہ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ خود ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اس مصلحت سے نازل کیا ہے کہ لتقراہ علی الناس علی مکث الخ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر ان کی حاجات وضروریات دینیہ کا لحاظ کر کے سنا دیں[1] یکبارگی نازل کرنے میں یہ بات کہاں۔ عرب کے لوگ بیشتر بے پڑھے لکھے تھے یکبارگی اتنی بڑی کتاب کی ان سے محافظت بھی نہ ہو سکتی لامحالہ اس میں تحریف وتبدیل ہو جاتی اور نیز ان کو تدریجاً نیکی کی طرف لانا مصلحت اور اثر پذیر تھا۔ سب احکام کی دفعۃً تعمیل کا حکم دینا ان پر شاق ہو جاتا اور حضرات انبیاء علیہم السلام پر آگے بھی جو کچھ کتابیں اور صحیفے

[1] قرآن کے یکبارگی نازل نہ ہونے کی وجہ۔

[2] اہل کتاب کے باانصاف اور باعلم لوگ جن کو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا کتب سابقہ سے معلوم تھا ان کا یہ حال تھا کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو خوف خدا سے روتے اور سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ یہ نجاشی حبشہ کے عیسائی بادشاہ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ۔

نازل ہوئے اس کے یہی معنی ہیں کہ حسب ضرورت عباد وقتاً فوقتاً الہام ہوا اس کو جمع کر لیا وہ ایک کتاب یا صحیفہ ہو گیا۔ یہ نہیں کہ لکھی لکھائی کوئی کتاب آسمان پر سے نبی پر آ پڑی ہو یا فرشتہ نے لا کر دی ہو جیسا کہ مشرکین طلب کرتے تھے۔ تھوڑا تھوڑا الہام ہونے میں یہ مصلحتیں ہیں۔ اس پر یہ شبہ کرنا کہ اور مصنفوں کی طرح سوچ سوچ کر تصنیف کرتے تھے محض نادانی ہے کیونکہ ایک بار لکھی لکھائی کتاب آنے میں تو اور بھی صدہا شبہات پیش آتے اور نیز الہام کے معنی بھی پائے نہ جاتے کیونکہ الہامی وہ حالت ہے کہ بشر بشریت کے خواص سے علیحدہ ہو کر ملکیت کے سلسلہ میں منسلک ہو جائے اور حجاب جسمانی اٹھ جانے کے بعد یا بذریعہ ملک مقرب کہ جس کو ناموس اکبر کہتے ہیں یا بلا ذریعہ اس نبی کے دل پر صرف مطالب مع الفاظ القاء ہوں۔

ان شبہات کا جواب دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے اور شان بے نیازی بھی ظاہر فرمائی جاتی ہے قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا الخ کہ آپ ان سے کہہ دیں تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تمہارے ایمان لانے سے اس کی شان نہیں بڑھ جانے کی اور ایمان نہ لانے سے اس کی خوبی میں کوئی فرق نہ آئے گا تم جاہل، بے عقل ہو۔ ہاں جو اہل علم ہیں جن کو پہلے سے علم دیا گیا (یعنی کتاب جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل اور سلمان وابوذر وغیرہ جو رضی اللہ عنہم جو انبیاء سابقین کی خبروں کی وجہ سے منتظر تھے کہ کب اخیر نبی آتا ہے یا یہ مراد کہ جن کی روحانیت میں ازل سے علم وادراک ودیعت رکھا گیا ہے) وہ اس کی بے انتہا خوبیاں دیکھ کر اس پر ایمان ہی لاتے ہیں اور جب اس کو سنتے ہیں تو روح کو حرکت دینے والے مضامین سن کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور سجدہ میں اللہ کی تسبیح کر کے کہتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے رب نے قرآن میں (خصوصاً دار آخرت کی بابت) وعدے کیے ہیں وہ قطعاً ہو کر رہیں گے اور یہ کیفیت ان کے قرآن کے سننے سے اور زیادہ ہوتی ہے ویزید هم القرآن خشوعاً وتضرعا لربهم اعتبار ان کا ہے اور جو ازلی گمراہ ہیں انہوں نے نہ ماننا تو کیا ہمیشہ ازلی بدنصیب انبیاء کی کتابوں کا انکار ہی کرتے آئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس آیت کو سن کر سجدہ کرنا چاہیے اس جگہ علماء کے نزدیک سجدہ واجب ہے۔ قرآن نازل کرنے اور نبی کے مبعوث کرنے سے مقصود اصلی اللہ کی عبادت ہے اور عبادت کا لب لباب ہے جس میں بندہ اپنے مالک کے آگے دل سے گریہ وزاری کرتا ہے کبھی زمین پر سر نیاز رکھتا ہے کبھی ہاتھ اٹھاتا ہے کبھی دل کو اس طرف لگا کر مراقبہ کرتا ہے اور زبان سے بھی کلمات حمد وثناء باری ذکر کرتا جاتا ہے اس مجموعہ کو شرع اسلام میں نماز کہتے ہیں اس کے ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کا طریقہ بھی تعلیم فرماتا ہے۔ فقال قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ الخ کہ اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو خواہ اللہ کے لفظ سے دعا کرو یا رحمٰن کے اللہ کہو یا رحمٰن کہہ کے دعا مانگو جس نام سے اس کو پکارو گے سب اس کے اچھے نام ہیں اللہ کے نام میں جو اسم ذاتی ہے اس کے جلال وجبروت کی تجلی ہے محض ذات کی طرف بلالحاظ صفات متوجہ ہونا اعلیٰ درجہ کے عرفاء کا مرتبہ ہے اور یہ مشکل ہے اور یہ مرتبہ نصیب نہ ہو تو اس کے صفات کے ساتھ اس کو پکارو اور صفات میں صفت رحمت تمہارے حال کے زیادہ تر مناسب ہے اور لفظ رحمٰن سے وہ زیادہ سمجھی جاتی ہے اسی لیے جس طرح لفظ اللہ عرب میں اس کے لیے مخصوص تھا اسی طرح لفظ رحمٰن بھی بلا اضافہ اسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اس جملہ کی بابت ایک روایت بھی مروی ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ یا اللہ یا رحمٰن کہہ رہے تھے مشرکین میں سے کسی نے یہ اعتراض کیا کہ ہم کو تو دو خداؤں کی عبادت سے منع کرتے ہیں اور آپ دو کے نام پکارتے ہیں اور کسی نے یہ کہا، رحمٰن جو یمامہ میں کاہن ہے اس کو پکارتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ سب اللہ ہی کے نام ہیں اس کے ہر نام سے اس کو پکارو یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حمقاء کے جواب میں یہ آیت پڑھی ہو جس کو نازل ہونے سے تعبیر کر دیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے باعتبار اس کی صفات کے بہت سے نام ہیں جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم، الملک، القدوس، السلام، المؤمن، المہیمن، العزیز، الجبار، المتکبر، الخالق، البارئ، المصور، الغفار، القہار، الوہاب، الرزاق، الفتاح، العلیم، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، السمیع، البصیر، الحکم، العدل، اللطیف، الخبیر، الحکیم، العظیم، الغفور، الشکور، العلی، الکبیر،

الحفیظ، المقیت، الحسیب، الجلیل، الکریم، الرقیب، المجیب، الواسع، الحکیم، الودود، المجید، الباعث، الشہید، الحق، الوکیل، القوی، المتین، الولی، الحمید، المحصی، المبدئ، المعید، المحی، المیت، الحی، القیوم، الواجد، الماجد، الواحد، الصمد، القادر، المقتدر، المقدم، المؤخر، الاوّل، الآخر، الظاہر، الباطن، الوالی، المتعالی، البر، التواب، المنعم، العفو، الرؤف، مالک الملک، ذوالجلال والاکرام، المقسط، الجامع، الغنی، المغنی، الضار، النافع، النور، الہادی، البدیع، الباقی، الوارث، الرشید، الصبور، الستار۔ یہ ننانویں نام ہیں ان کے علاوہ اور بھی نام قرآن واحادیث سے ثابت ہیں جیسا کہ رب العالمین المحیین۔

انسان کی فطری عادت ہے کہ جس کو اس نے نہ آنکھ سے دیکھا ہو نہ ہاتھ سے چھوا ہو نہ زبان سے چکھا ہو نہ ناک سے سونگھا ہو جب بھی خیال کرتا ہے تو اس کو انہیں چیزوں پر قیاس کرتا ہے جو اس کے دیکھنے میں آئی ہیں لیکن یہ ادراک ناقص خدا تعالیٰ اور اس کی صفات تک بھی نہیں پہنچتا۔ اسی لیے عوام اپنی خیالی صفات اس میں ثابت کر کے ان صفات سے اس کو موسوم کرنے لگتے ہیں اور درحقیقت وہ صفات اس کے لیے عیب اور اس کے تقدس کے منافی ہوتے ہیں اس لیے اسماء کے ساتھ حسنیٰ کی قید بھی آیت میں بڑھا دی گئی کہ اچھے نام اور ناموں کا اچھا ہونا اس کے اوصاف حمیدہ کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے فرمانے پر موقوف ہے اس لیے اہل اسلام کے علماء متفق ہیں کہ خدا پاک کے نام توقیفی ہیں یعنی اسی قدر ناموں سے اس کو موسوم کرنا چاہیے جو شرع سے ثابت ہیں اس کے علاوہ اور ناموں سے پکارنا ممنوع ہے۔

ہاں اگر اس کے اسماء مبارک عرب کے سوا اور زبانوں میں وہی نام ہیں جو اس کے ان اسماء حسنیٰ کا ترجمہ ہیں تو شاید ان سے پکارنے کی یا ان کے اطلاق کرنے کی اس پر بوقت ضرورت اجازت ہو جیسا کہ فارسی کا لفظ خدا جو اللہ کا ترجمہ ہے علماء اسلام اس کا استعمال کرتے آئے ہیں اس کے بعد اس کو اس کے ناموں سے کس طرح پکارا جائے اس کا بھی ذکر کرتا ہے۔

فقال وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا کہ نہ نماز پکار کر پڑھو نہ آہستہ بلکہ درمیان درمیان مگر اس میں کلام ہے کہ صلوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ جلالین وغیرہ تفسیروں میں یوں لکھا ہے، بقراء تك فيها يسمعك المشركون فيبووا ويسبوا القرآن ومن انزله کہ مراد یہ ہے کہ نماز میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے (جس کا بیشتر حصہ دعا ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ) اس کو نہ پکار کر پڑھ کہ مشرکین سن کر گالیاں دینے لگیں نہ آہستہ بلکہ درمیان درمیان اور اس تفسیر کی بخاری کی روایت بھی تائید کرتی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا یہ سبب ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مخفی رہتے[1] تھے مگر جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو قرآن کو بلند آواز سے پڑھتے تھے جس کو سن کر مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن اور اس کے نازل کرنے والوں کو گالیاں دیا کرتے تھے اور بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن جریر نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کو دعا کے باب میں نازل ہونا بتلایا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں دونوں روایتوں میں خلاف نہیں کیونکہ دعا سے وہی دعا مراد ہے جو نماز کے اندر ہے چنانچہ ابن مردویہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔ الحاصل نماز میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے یا اور کچھ ادعیہ وغیرہ اس کو متوسط درجہ کی آواز سے پڑھنا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ نہ سب نمازوں کو ظاہر آواز میں پڑھو جیسا کہ صبح و مغرب و عشاء کی نماز کیوں کہ ان وقتوں میں مشرکین اپنے کاروبار میں مصروف یا سونے کھانے میں مشغول رہتے ہیں نہ سب کو مخفی آواز میں جیسا ظہر و عصر کی نماز پس بعض کو پکار کر بعض کو

[1] ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پوشیدہ رہتے تھے اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھتے تو قرآن مجید کو پکار کر پڑھتے مشرکین سن کر قرآن اور اس کے نازل کرنے والے کو اور جو اس کو لے کر آیا سب کو گالیاں دیتے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ نہ تو اے نبی! قرآن کو بلند آواز سے پڑھ کہ مشرکین سن کر گالیاں بکیں نہ آہستہ کہ تیرے اصحاب کو بھی سنائی نہ دے۔ اس کے درمیان درمیان پڑھ۔ اس روایت کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ ۱۲ منہ

آہستہ سے پڑھو۔

اس کو آیت اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اور اُذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ سے منسوخ کہنا غلطی ہے۔ اس کے بعد حمد کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس آیت میں اپنا اوصاف رذیلہ سے پاک ہونا بھی بتلاتا ہے۔ بقولہ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ الخ کہ ستائش اللہ کو زیبا ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے جیسا کہ مشرکین و نصاریٰ کہتے ہیں نہ اس کا کوئی خدائی میں شریک ہے جیسا کہ لوگوں کا انبیاء و اولیاء و ملائکہ و صالحین وغیرہم کی نسبت خیال ہے نہ اس کو کسی کی مدد و اعانت کی حاجت ہے جیسا کہ مشرکین اپنے معبودوں کو اس کا کارکن سمجھتے ہیں اور اس کی بڑائی بہت بڑھ کر بیان کرو وہ سب بری باتوں سے پاک اور برتر ہے۔ اللہ اکبر کبیرا والحمدللہ کثیرا سبحان اللہ بکرۃ واصیلا۔ کس لطف کے ساتھ کلام تمام کیا ہے۔ سبحان اللہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ① قَيِّمًا
لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ
اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ ② مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ ③ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ
وَلَدًا ۙ ④ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ
اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ⑤ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ
يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ⑥ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا
لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ⑧

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا ہی مہربان نہایت رحم والا ہے

سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے کہ جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر کتاب نازل کی اور اس میں کچھ بھی کجی نہیں رکھی۔ اس کو ٹھیک کر دیا تا کہ لوگوں کو (کفاروں کو) اس سخت عذاب سے جو اس کے پاس ہے ڈرائے اور ایمانداروں کو جو اچھے کام کرتے ہیں (اس بات کا) مژدہ دے کہ ان کے لیے اچھا بدلا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور تا کہ ان کو بھی یہی خوف دلائے کہ جو (یہ) کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے نہ تو اس بات کی ان کو کچھ خبر ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے وہ سراسر جھوٹ کہتے ہیں پھر کیا آپ اس افسوس میں کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔ جو کچھ زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنا دیا ہے تا کہ امتحان کریں کہ ان میں سے کون اچھے کام کرتا ہے اور ہم تو جو کچھ اس پر ہے سب کو چٹیل میدان کر دیں گے۔

ترکیب: قَيِّمًا صاحب الکشاف کہتے ہیں کہ یہ الکتاب سے حال نہیں ہو سکتا بلکہ یہ منصوب ہے مضمر سے والتقدیر ولم یجعل لہ عوجا وجعلہ

[1] قال الفراء الجرز الارض التی لا نبات فیہ یقال جرزت الارض شیء مجروزۃ وجرز ربا الجراد اذا اکلت ما علیہا وامراۃ جروز اذا کانت اکولا وسیف جراز اذا کان ستاصلا ۱۲ منہ

قیما صاحب حل العقد کہتے ہیں کہ یہ بدل ہے لم یجعل لہ عوجا سے کیونکہ اس کے معنی ہیں جعلہ مستقیما۔ لینذر انزل سے متعلق ہے انذر متعدی ہوتا ہے دو مفعولوں کی طرف کقولہ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عذابًا قریبًا مگر یہاں صرف باسا ایک مفعول پر کفایت کی گئی وبشر معطوف ہے ینذر پر ان لھم اجرا ای بان لھم جملہ بشر کے متعلق یا اس کا بیان ماکثین ملک بمعنی قیام سے مشتق ہے جس کے معنی ٹھہرا رہنا یہ حال ہے ضمیر لھم سے۔ ابدًا منصوب ہے ظرف ہو کر من علمہ من زائد اور علم مرفوع علی الابتداء والفاعلیۃ الاعتماد الظرف والجملۃ حالیۃ اومستانفۃ لبیان حالھم فی مقالھم کلمۃ منصوب ہے تمیز ہو کر ضمیر مبہم سے جو کبرت کی فاعل کبس رجلا مخصوص بالذم محذوف ہے۔ ای ھی فلعلک الخ جملہ دال برجزاء شرط ان لم یؤمنوا سے اسفًا مفعول لہ ہے باخع کا۔ قال الملیت نفع الرجل نفسہ اذا قتل۔

تفسیر : اس سورۃ کو سورۂ کہف اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کا حیرت انگیز حال بیان ہے جو کہف یعنی غار میں تین سو نو برس تک سو کر جاگے تھے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہیں از انجملہ وہ ہے کہ جس کو بخاری و مسلم وغیرہما نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رات کو گھر میں اس سورۃ کو پڑھ رہا تھا اور گھوڑا بھی وہیں بندھا ہوا تھا۔ گھوڑا بدکنے لگا، اس نے اوپر سر اٹھا کر جو دیکھا تو ایک نور دکھائی دیا، بادل کی طرح سایہ کئے ہوئے تھا۔ صبح کو اس نے یہ ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو پڑھا کر یہ سکینہ (نور اطمینان) ہے جو اس کے پڑھنے سے نازل ہوتی تھی اور جمعہ کے روز اس کے پڑھنے کے فضائل بھی احادیث میں بکثرت ہیں۔ سورۂ اسراء کے اخیر میں یہ تھا قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ اس جگہ اس کی حمد میں تین صفات سلبیہ مذکور ہوئے تھے کہ ستائش خدا کو ہے کہ جو اولاد اور شریک اور خالی مددگار بنانے سے پاک ہے اور اس کے خاتمہ میں یہ صفات سلبیہ لانا کمال بلاغت تھا کس لیے کہ ابتداء سورہ میں سبحان الذی الخ تھا اور تسبیح صفات سلبیہ سے ہی ہوا کرتی ہے تا کہ ابتداء کلام کو خاتمہ سے مناسبت تامہ رہے مگر حمد ضرور کسی خوبی اور نعمت محمود پر ہوتی ہے تو اس جگہ سورۃ کو پھر حمد کے ساتھ شروع کیا اور جس پر اس کی حمد و ستائش ہونی چاہیے ان میں سے اس کی بڑی خوبی اور بندوں پر نعمت اس کا ایک ایسی کتاب نازل کر دینا ہے جس میں اس کے بھی بہت سے صفات کمال مذکور ہیں اور بندوں کے لیے نجات ابدی کا باعث ہے۔ جس لیے ایک جگہ قرآن کو روح کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر بندوں پر اور کیا نعمت ہوگی پھر کتاب بھی کیسی کہ جس میں کوئی بھی کجی نہیں نہ باعتبار الفاظ کے نہ باعتبار معانی کے بلکہ سراسر راست۔ فقال الحمدللہ کہ جملہ ستائش اور تمام خوبیاں اللہ کو ہیں اَلَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ کہ جس نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب یعنی قرآن نازل کیا اور کتاب کے دو وصف ذکر فرمائے اول لم یجعل لہ عوجا اس میں کتاب کے کمال ذاتی کی طرف اشارہ ہے۔ دوم قیما جس میں غیر کے لیے مکمل ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا کہ جس میں کچھ کجی اور ٹیڑھ پن نہیں ہر ایک بات اس کی عقل سلیم تسلیم کرتی ہے اور نہ صرف اس میں یہی وصف ہے بلکہ وہ کتاب قیم بھی ہے یعنی بنی آدم کی سعادت دارین کی کسوٹی اور راہ راست اور ان کے تمام مصالح اخروی و دنیوی کی متکفل کیونکہ قیم اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی کی مصالح کا متکفل ہوتا ہو۔ قیم کے لیے دو باتیں ضرور ہیں اول یہ کہ جس کا یہ قیم ہو اس کو پیش آنے والی بلاؤں سے مطلع کرے اور خوف دلائے۔ دوم اس کے فوائد اور ثمرات اعمال حسنہ اور تدابیر برجستہ کا مژدہ بھی دے تا کہ بری باتوں سے نفرت اور ان تدابیر حسنہ اور اعمال صالحہ کی طرف کامل رغبت ہو اس لیے پہلی بات پوری کرنے کے لیے یہ فرمایا لینذر باسا شدیدا من لدنہ کہ قرآن لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو متنبہ کرتا ہے اور خوابگاہ دنیا کی گراں نیند میں سونے والوں کو جگاتا ہے۔ دوسری بات پوری کرنے کے لیے وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا کہ ایمان والوں کو مژدہ دیتا ہے۔ پھر مومنین کا وصف ذکر کرتا ہے وہ کون؟ کہ اَلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ جو نیک کام کرتے ہوں نہ صرف ایمان لانے پر بس کر بیٹھے ہوں

کیونکہ ایمان بغیر اعمال صالحہ کے سعادت اُخرویہ تک نہیں پہنچاتا۔ اب ایک تو ان کا ایمان تھا دوم اعمال صالحہ۔ ان دونوں باتوں کے لیے دو انعام کا وعدہ فرمایا جاتا ہے اول ان لھم اجرًا حسنًا کہ ان کے لیے اچھا بدلہ ملے گا یعنی حیات ابدی بہشت۔ دوم ماکثین فیہ ابدًا کہ وہ اس اجر حسن یعنی بہشت میں ہمیشہ رہا بھی کریں گے یہ نہیں کہ وہ چند روزہ ہو۔ پھر خوف دلانا ایک تو عام لوگوں کو عام باتوں پر ہوتا ہے جیسا کہ لِيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا میں ذکر ہوا ایک خاص امر پر خوف دلانا ہوتا ہے جیسا کہ جس گناہ میں کوئی شخص مبتلا ہوا سی کا نتیجہ بیان کیا جائے۔ عرب کے مشرکین فرشتوں اور ارواح غیر مرئیہ کو خدا کی اولاد سمجھ کر ان کی پرستش کیا کرتے تھے، نذر و نیاز کرتے تھے، عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے بلکہ اب تک کہتے ہیں اور بعض یہود عزیر علیہ السلام کی نسبت بھی یہ اعتقاد رکھتے تھے اس لیے ان تینوں فرقوں کی طرف عنان کلام کو پھیرا اور سب ہی پر سرزنش کی۔ فقال وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ الخ اس میں یہ بھی بتلایا کہ اس اعتقاد باطل پر ان کے پاس تو کیا ان کے باپ دادا کے پاس بھی کوئی یقین دلانے والی سند نہیں محض توہم فاسد ہے۔ یہ ایک تہدید تھی دوم کبرت کلمۃ کہ یہ بری اور سخت بات منہ سے نکال رہے ہیں۔ سوم ان یقولون الخ وہ جھوٹ بکتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کی اصلاح کے لیے آئے تھے تمام مخلوق کے لیے مجسم رحمت تھے باوجود اس خوف دلانے کے پھر بھی لوگوں کو اس اعتقاد باطل پر اڑے رہتے دیکھ کر ان کے نتیجہ بد کے لحاظ سے مشفقانہ طور پر بہت ہی غم و رنج کھاتے تھے جیسا کوئی شفیق باپ اپنی اولاد کی خراب کن حرکات پر برے نتائج خیال کر کے کڑھا کرتا ہے اور رنج کیا کرتا ہے یہی حال آپ کا تھا اس پر وہ بے نیاز خدا جو رحیم اور رحمن ہونے کے ساتھ جبار و قہار منتقم بھی ہے اپنے رسول پاک ﷺ کی تسلی کرتا ہے کہ لعلک باخع الخ کہ کیا آپ ان نابکاروں پر کڑھ کڑھ کر مر جائیں گے، اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر ڈالیں گے یعنی ایسا نہ کرو تمہارا جو کام تھا تم کر چکے۔ اب ایک بات اور تھی جو ایمانداروں، نیکوکاروں کو بسا اوقات خلجان میں ڈالتی ہے بلکہ بعض سست اعتقاد حق پرستی سے پہلوتہی کرنے لگتے ہیں وہ یہ کہ جو قومیں نہ قیامت پر ایمان رکھتی ہیں نہ خدا پر اور اسی طرح وہ بھی جو خدا کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں اور ان کے بھروسے پر طرح طرح کی بدکاری کرتے ہیں کہ یہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں یا خواہ نخواہ ہم کو اپنے باپ سے کہہ کر بخشوا دیں گے باوجود اس کے دنیا میں وہ خوب سرسبز ہیں ان کے پاس دولت حشمت ہر طرح کی کامرانی موجود ہوتی ہے، بڑے مزے اڑاتے پھرتے ہیں اور ہم خدا پرستی کی بدولت اس حالت میں مبتلا ہیں اس لیے جس طرح اپنے رسول پاک ﷺ کی تسلی کی تھی اسی طرح ایمانداروں کی بھی تسلی فرماتا ہے، فقال اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا کہ یہ جو کچھ سامان ہم نے پیدا کیا ہے، یہ دنیا کی زینت کے لیے بنایا ہے جو چند روزہ ہے اور دنیا بغیر اس کے مزین نہیں ہوتی، دنیا اسی کا نام ہے۔ یہ آخرت اور نئی زندگانی کی زینت نہیں جو ہمیشہ کے لیے ہے اور یہ سب کچھ اسی لیے بنایا ہے کہ لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اچھے بروں کا اس میں امتحان ہو جائے اور یوں تو ایک روز یعنی اس دن کہ نئی زندگانی کا جن سے آغاز ہوگا آغاز ہی میں ہم اس سب سامان کو صعیدًا جرزًا کر دیں گے سب نیست و نابود ہو جائے گا، نہ وہ عمارات عالیہ رہیں گی نہ وہ باغ جن کو خلد منزل کہتے تھے، نہ وہ گھوڑے نہ وہ آرائش کا باقی سامان۔ پھر نئی زندگی میں تو ان میں سے کوئی چیز بھی کارآمد نہ ہوگی۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝۱۰ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝۱۱

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ
نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی ﴿۱۳﴾
وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ
نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی
عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَی الْكَهْفِ
یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

کیا آپ غار اور کتبہ والوں کو ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے تعجب کی چیز سمجھتے ہیں جبکہ چند جوان اس غار میں آبیٹھے پھر دعا مانگنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم پر اپنی جناب سے رحمت نازل کر اور ہمارے کام کا سرانجام کر دے تب ہم نے سالہائے سال تک غار میں ان کے کان تھپک دیے (سلا دیا) پھر ہم نے ان کو جگایا کہ ہم دیکھیں کہ دونوں فرقوں میں سے ان کی مدت قیام کو کس نے خوب یاد رکھا ہم آپ کو ان کی صحیح صحیح خبر سناتے ہیں وہ چند جوان تھے کہ جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ان کو ہم اور زیادہ ہدایت دیتے گئے اور ان کے دلوں پر استقلال کی گرہیں لگا دیں جبکہ وہ (دربار بادشاہ وقت پرست سے) یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوائے اور کسی معبود کو ہرگز نہ پکاریں گے اگر ایسا کیا تو بڑی ہی جھک ماری۔ (ایک) یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں ان کے معبود ہونے پر کوئی کھلی دلیل کیوں پیش نہیں کرتے پھر اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ بنائے (پھر آپس میں کہنے لگے) کہ جب تم نے ان بت پرستوں کو اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں سب کو چھوڑ ہی دیا تو چلو غار میں جا بیٹھو تمہارا خدا تم پر اپنی رحمت روا دے گا اور تمہارے کام کو بھی آسان کر دے گا۔

ترکیب : ام منقطعہ مقدر ہے بل کے ساتھ جو ایک بات سے دوسری بات کی طرف انتقال کے لیے آتا ہے۔ جمہور کے نزدیک احزٰی استفہام اور وں کے نزدیک صرف بل مقدر ہے ای بل احسبت عجبا خبر ہے کانوا کی وَمِنْ اٰیٰتِنَا حال ہے اس سے۔ اذا متعلق ہے اذکر محذوف سے فضربنا کا مفعول حجابا محذوف، عددا منصوب ہے سنین کی نعت ہو کر المعنی سنین ذات العدد حذا قول الفراء اور ممکن ہے کہ مفعول مطلق ہو المعنی تعدعدد ای مرفوع ہے مبتدا ہونے کے سبب اور احصی اس کی خبر ہے اور یہ سب جملہ متعلق ہے نعلم سے۔

تفسیر : زینت دنیا جس میں منہمک ہو کر انسان عقبیٰ کو کھو بیٹھتا ہے اور خدا پرستوں کو اپنا ہم خیال نہ سمجھ کر برا جانتا بلکہ ان کو ستاتا بھی ہے اس کی نظیر اصحاب کہف کا واقعہ ہے اس مناسبت سے اصحاب کہف کے واقعہ حیرت خیز کا ذکر شروع ہوا جس کو قریش نے پوچھا تھا۔ جواب کس عمدہ موقعہ پر اور کس عمدہ پیرایہ میں دیا جاتا ہے کہ اس آرائش وسامان چندہ روزہ کی محبت جس میں اغنیاء کے شکر اور غرباء کے صبر کا امتحان ہوتا ہے اصحاب کہف کا واقعہ ہے۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ نضر بن حارث قریش میں بڑا شیطان تھا اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں دیا کرتا تھا اور وہ جب

وغیرہ اطراف عرب میں بھی جایا کرتا تھا وہاں سے رستم واسفندیار ودیگر ایشیائی بادشاہوں کے قصے سن کر آتا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لوگوں کو سنا کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روکتا تھا ایک بار وہ اور عتبہ بن ابی معیط دونوں علماء اہل کتاب کے پاس گئے انہوں نے کہا کہ تم حضرت (ﷺ) سے یہ چند باتیں پوچھو جو بمنزلہ اسرار کے ہیں باوجود امی ہونے کے اگر انہوں نے ان واقعات کو تم سے بیان کر دیا تو جانو کہ وہ نبی ہے ورنہ جھوٹا مدعی۔ اول یہ کہ وہ چند آدمی جو غار میں چھپے تھے کون تھے؟ دوم وہ بادشاہ کون تھا جو شرقاً غرباً مالک ہو گیا تھا؟ سوم روح کیا ہے؟ چنانچہ وہ آئے اور آکر قریش کے مشورہ سے حضرت ﷺ سے سوال کیا۔ روح کے سوال کا جواب تو ہو چکا۔ اب اصحاب کہف کا حال بیان ہوتا ہے۔

وَتَرَی الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ
تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِیْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ یَّهْدِ
اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَتَحْسَبُهُمْ
اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۚ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۚ وَكَلْبُهُمْ
بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْهِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ
رُعْبًا ﴿۱۸﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِیَتَسَآءَلُوْا بَیْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ
قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا
اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَی الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَآ اَزْكٰی طَعَامًا
فَلْیَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْیَتَلَطَّفْ وَلَا یُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

(خلاصہ وہ غار میں ایسے آسوئے) کہ جب آفتاب طلوع کرتا ہے تو ان کے غار کے دائیں طرف سے (اے مخاطب!) تجھ کو بٹا ہوا دکھائی دے گا اور جب ڈوبتا ہے تو ان کے بائیں طرف سے کترا تا ہوا گزرتا جاتا ہے اور وہ ہیں کہ اس کے ایک گوشہ میں پڑے سو رہے ہیں یہ اللہ کے عجائبات قدرت میں سے ہے جس کو اللہ نے ہدایت دی وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو اس نے گمراہ کر دیا تو پھر اس کے لیے آپ کو کوئی کارساز راہ دکھانے والا نہیں ملے گا اور (اے مخاطب!) تو جانے گا کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ پڑے سوتے ہیں اور ہم ان کو دائیں بائیں کروٹ بدلواتے رہتے ہیں اور ان کا کتا ہے کہ دروازہ پر بازو پھیلائے پڑا ہے (اے مخاطب!) اگر تو انہیں دیکھ پائے تو تجھے الٹے پاؤں بھاگتے ہی بن پڑے اور تجھ میں ان کی دہشت بھر جائے اور یونہی ہم نے اپنی قدرت سے ایک بار ان کو جگا بھی دیا تھا تاکہ باہم پوچھ گچھ کریں (پس) انہیں سے ایک نے پوچھا کہ (بھلا) تم کس قدر (یہاں) ٹھہرے رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن یا کچھ کم رہے ہیں (اس کے بعد) سب یکلخت کہنے لگے کہ ہمارا خدا ہی خوب جانتا ہے کہ جس قدر یہاں ٹھہرے رہے ہو۔ اب اپنے میں سے کسی ایک کو یہ روپیہ دے کر شہر کو تو بھیجو اور اس کو چاہیے کہ وہ اچھا کھانا دیکھ کر اس میں سے تمہارے پاس کچھ لائے اور چاہیے کہ چپکے سے آئے جائے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔

ترکیب : وَتَرَى الشَّمْسَ جملہ ان کے حال بیان کرنے کے لیے ترا اور اصل میں تخر اور ایک تے حذف ہوگئی من الزور بمعنی المیل ذات الیمین ای جھۃ الیمین ذات صفت ہے موصوف کے قائم مقام واقع ہوئی کیونکہ یہ ذو کا مؤنث ہے تقدیر تزاور عن تقطھم جھۃ ذات الیمین۔ فجوۃ مکان کا صحن یا گوشہ اس کی جمع فجوات آتی ہے ایقاظ جمع یقظ ویقظان رقود مصدر بمعنی المفعول بہ اور جس نے جمع راقد کہا غلطی کی کیونکہ فاعل کی جمع فعول نہیں آتی۔

اصحاب کہف ورقیم کا قصہ : کہف غار کو کہتے ہیں اور رقیم بمعنی الرقوم ای المکتوب پتھر یا سیسے کی وہ لوح کہ جس پر کچھ کتبہ لوگوں نے اصحاب کہف کا مختصر سا حال ایک لوح پر کندہ کر کے اس غار کے دروازہ پر لگا دیا[1] تھا بعض کہتے ہیں رقیم اس پہاڑ کا نام ہے جس میں وہ غار ہے۔

إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوا
إِذًا أَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ
لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ۖ رَّبُّهُمْ
أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾
سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۖ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ
كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ
بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا ۖ وَلَا
تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾

ع ۱۵

کیونکہ اگر وہ تم پر قابو پا جائیں تو تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے یا اپنے مذہب میں الٹا پھیر لائیں گے اور جب تو تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے اور ہم نے ان کو ان لوگوں پر یوں ظاہر کر دیا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں (ان کے ظاہر ہونے کے بعد) جبکہ لوگ ان کے امر میں آپس میں جھگڑنے لگے پس بعض نے کہا کہ ان کے غار پر ایک عمارت بناؤ (اور ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ) ان کا رب ہی انہیں خوب جانتا ہے جن کی بات غالب تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے (اے نبی! جب آپ اصحاب کہف کا حال بیان کر چکے تو یہ منکرین اختلاف کریں گے اور) ابھی کہنے لگیں گے وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض اٹکل پچو یہ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا اور بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا (سوائے نبی! ان سے) کہہ دو کہ ان کی تعداد تو میرے رب کو ہی خوب معلوم ہے ان کا اصلی حال تو بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں پس (اے نبی!) ان کے بارے میں ان لوگوں سے گفتگو نہ کرو مگر سرسری اور ان کا حال بھی ان میں سے کسی سے دریافت نہ کرو۔

[1] یہ کتبہ اس غار پر کب لگایا گیا قرینہ یہی جانتا ہے کہ جب بیدار ہو کر وہ شہر میں آئے اور چرچا ہوا پھر اس غار میں جا کر غائب ہو گئے تب لوگوں نے اس غار کے منہ پر یہ کتبہ لگایا ہوگا تا کہ آئندہ نسلوں کو ان کا حال معلوم رہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب : ان یظھروا شرط یرجموا اور یعیدو جواب شرط ولن تفلحوا اذابدا ای ان رجعتم الی دینھم لن تسعد وافی الدنیا ولافی الآخرۃ عشرنا ای اطلعنا غیر ھم علی احوالھم یقال عثرت علی کذا ای علمتہ یعلموا کا فاعل ضمیر راجع الناس کی طرف۔ اذا ظرف اعثرنا کا۔

تفسیر : اس لیے ان لوگوں کو اصحاب الکہف والرقیم کہتے ہیں۔ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر! کیا آپ ان کو ہماری آیاتِ قدرت میں سے عجیب تر خیال کرتے ہیں؟ یہ کچھ زیادہ عجیب نہیں اس سے بڑھ کر ہماری نشانیاں ہر روز تمہارے سامنے موجود ہیں وہ کیا؟ آسمان وزمین کا پیدا کرنا ان میں، چاند وسورج کا حرکت کرنا، ہواؤں کا بدلنا، انسان وحیوان ونباتات وجمادات کی پیدائش وغیرہ وغیرہ۔ یہ قصہ کی تمہید تھی۔ اذاوی الفتیۃ سے ان کا قصہ شروع ہوتا ہے فتیہ فتی کی جمع ہے جس کے معنی جوان کے ہیں اور جمع کی صورت میں چند جوان جیسا کہ صبی کی جمع صبیۃ آتی ہے یعنی وہ چند جوان اس غار میں آ بیٹھے تو وہاں خدا سے یہ دعا کرنے لگے کہ ہم پر رحمت کر اس سختی اور تنگی کے وقت ہماری کارسازی کر، فضربنا علی اذانھم خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے کانوں پر پردے ڈال دیے۔ یہ عرب میں سلانے کے لیے محاورہ ہے کیونکہ خواب میں کانوں پر پردہ پڑا ہوتا ہے جس سے وہ کسی کی بات نہیں سنتا۔ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ پھر ان کو ہم نے اٹھایا یعنی بیدار کیا۔ لنعلم اَیُّ الْحِزْبَیْنِ تاکہ ان دونوں جماعتوں میں سے کہ جو ان کی مدت خواب میں اختلاف کرتے تھے ہم کو معلوم ہو کہ کس کو ٹھیک مدت معلوم ہے۔ یا تو بیدار ہونے کے بعد خود انہیں میں اختلاف تھا کہ کوئی ان میں ایک روز اور کوئی آفتاب کو خیال کر کے ایک روز سے کم کہتا تھا یا اس عہد میں لوگوں میں اختلاف تھا کوئی دو سو برس کہتا تھا، کوئی تین سو چنانچہ آج تک عیسائی اور اہل اسلام کے مؤرخوں میں اختلاف ہے جیسا کہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا اگرچہ خدا تعالیٰ کو ازل میں ہر چیز کا علم تھا اور ہے مگر امتحان کرنا اور اپنا علم حاصل ہونا بندوں کے لحاظ سے فرماتا ہے یا علم اجمالی کے بعد علم تفصیلی مراد ہے جو بعد وقوعِ حوادث ہوتا ہے اس کو علم تفصیلی کہتے ہیں۔ نحن نقص الخ سے اجمالاً بیان کر کے پھر اس قصہ کی تفصیل فرماتا ہے جیسا کہ فصاحہ وبلغا کا قاعدہ ہے انھم فتیۃ اٰمنوا بربھم کہ وہ چند لوگ تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے، بت پرستی سے جو اس عہد میں عام وبا کی طرح پھیلی ہوئی تھی بیزار ہو گئے تھے۔ زدنا ھم ھدی وہ ایمان پر نہایت ثابت قدم اور ایمانداروں میں مخصوص تھے۔ وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں کو صبر واستقلال بھی ہم نے دیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اس بادشاہ نے ان کو اپنے بتوں کے لیے سجدہ کرنے اور ان کی قربانی کرنے پر مجبور کیا تو انہوں نے علی رؤس الاشہاد صاف کہہ دیا کہ ربنا السمٰوات والارض الخ کہ یہ بت ہمارے خدا نہیں ہمارا خدا تو وہ ہے کہ جو آسمان وزمین کا خدا ہے اگر ہم اس کے خلاف کہیں تو ہم نہایت غلط بات منہ سے نکالیں گے اور ہم کو کبھی فلاح نہ ہوگی اور تم جو ان بتوں کو خدا کہتے ہو ان کی خدائی پر کوئی روشن دلیل کیوں نہیں لاتے۔ یہ تو تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت ہیں اگر تم ان کو یا وہ جن کی یہ صورتیں ہیں خدائی کا حصہ دار یا اس کے رشتہ دار بناتے ہو (یا ہنود کی طرح اس کی تصویر قرار دے کر جہت عبادت کہتے ہو) تو یہ سب باتیں خدا تعالیٰ پر افترا وبہتان ہیں کیونکہ نہ اس کا کوئی رشتہ دار ہے نہ شریکِ خدائی نہ اس بیچوں وبیچگوں کی کوئی صورت ہے۔ جب اس تقریر پر بادشاہِ جابر ان پر خفا ہوا اور حکم دیا کہ یا تو سجدہ کرو ورنہ قتل کیے جاؤ گے۔ روئی میں لپیٹ کر جلائے جاؤ گے جیسا کہ اس عہد میں ایمانداروں کی نسبت روم کے قیصر کرتے تھے۔ تب انہوں نے کچھ مہلت طلب کی۔ بادشاہ نے مہلت دی تو اپنے مقام پر آ کر آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَی الْكَهْفِ الخ کہ جب تم نے اس قوم اور ان کے معبودوں کو جو اللہ کے سوا ہیں ترک ہی کر دیا اور ان سے کنارہ کشی کر لی تو چلو اس غار میں جا چھپو۔ خدا تعالیٰ وہاں تم کو مصیبت میں نہ ڈالے گا بلکہ تم پر رحمت کرے گا اور تمہارے کام میں آسانی اور کارسازی کرے گا۔ (ان کو اپنے ایمانِ کامل کی وجہ سے اس بات پر یقین ہو گیا تھا چنانچہ اس نے ان کے ساتھ ایسا ہی کیا، اس کی مدد غیبی ایمانداروں پر ہمیشہ اسی طرح ہوا کرتی ہے)۔ اب آئندہ قصہ کو حذف کر دیا (کہ وہ غار میں آ چھپے اور وہاں ان کو

[1] اور نیز جب بچہ کو سلاتے ہیں تو اس کے کان تھپکتے ہیں اس لیے یہ محاورہ ہو گیا۔ ۱۲ منہ

ایسی نیند آئی جو کئی سو برس تک سوتے رہے) ادھر بادشاہ اور ان کے ارکانِ دولت تلاش کرنے لگے اور جب یہ معلوم ہوا کہ اس کئی میل کے تنگ و تاریک غار میں گھس گئے ہیں جس میں جا کر تلاش کرنا مشکل ہے اور غرض ان کا قتل کرنا تھا سو غار کے منہ پر ایک مستحکم دیوار چن دی کہ بن آئے آپ مر رہیں گے اور دفتر میں یہ حال درج کرا دیا گیا۔ یہ بات اگلے بیان سے سمجھی جاتی ہے اور فصحاء و بلغاء ہمیشہ اس طرح حذف کر دینا جزء بلاغت سمجھتے ہیں۔ اب ان کے غار میں رہنے کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ وتری الشمس الی قولہ الملئت منھم رعبا کہ غار میں وہ اس موقعہ پر سوئے کہ طلوع کے وقت آفتاب یعنی دھوپ ان کے دائیں طرف سے ہو کر گزر جاتی تھی اور غروب کے وقت یعنی پچھلے پہر بائیں طرف رہتی تھی۔ ان پر دھوپ نہیں آتی تھی اور وہ کھوہ میں کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔ اس قسم کے مکان کی تصویر (کہ جہاں اول دن دھوپ دائیں طرف رہے اور اخیر دن بائیں طرف) علماء کرام نے کئی طور پر کی ہے۔ اول یہ کہ غار کا منہ شمال کی جانب تھا، طلوع کے وقت دھوپ ان کے دائیں سے اور غروب کے وقت بائیں سے ہو کر گزر جاتی تھی جیسا کہ شمال رو یہ مکانوں میں ہوتا ہے۔ بیضاوی نے کہف کے دڑانہ کو بنات النعش ستاروں کے نیچے قرار دیا ہے اور قاعدۂ ہیئت پر تقریر کی ہے جس کو سامعین کے قصورِ فہم کے لیے ترک کرنا پڑا۔ بعض کہتے ہیں کہ خواہ کسی رخ غار کا منہ ہو اور کسی برج کے مقابلہ میں ہو مگر خدائے تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو آفتاب کی شعاع سے بچاتا تھا اس لیے اس کے بعد ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ فرمایا کہ یہ خدا کی عجائباتِ قدرت میں سے ہے پھر نکتہ چینیوں اور کوتاہ بینوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا۔ یہ زجاج کا قول ہے۔

دیگر مفسرین کہتے ہیں ان کے اس قدر باقی رہنے کو ذالک من آیات اللہ سے تعبیر کیا ہے اور ان کی ہدایت و ایمان کے لیے من یھد اللہ الخ آیا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے تحسبھم ایقاظا کہ اے دیکھنے والے! تو ان کو دیکھے تو بیدار جانے، ان کے کروٹیں بدلنے اور آنکھیں کھلی رہنے سے حالانکہ وہ خواب میں تھے اور اپنی قدرت سے ہم نُقَلِّبُھُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ان کے دائیں بائیں کروٹیں بدلتے رہتے تھے تاکہ ایک طور پر پڑے رہنے سے زمین ان کو نہ کھا جائے اور اسی حالت سے ان کا کتا بازو پھیلائے غار کی دہلیز پر پڑا ہوا تھا اور ان کے اس تنگ و تاریک مکان میں بالوں اور ناخنوں کے بڑھ جانے سے ایسی مہیب شکل ہو رہی تھی کہ جو کوئی دیکھے تو ڈر کر بھاگ جائے، انسان کی فطرت ہے کہ مہیب شکلوں اور تنگ و تاریک مکانوں سے وحشت ہوتی ہے کیونکہ اس کی روح منور گھبراتی ہے۔ ان الفاظ میں گو خطاب کے صیغے ہیں مگر مراد انسان ہیں عموماً جیسا کہ فصحا ایک طرف خطاب کرتے ہیں اور مراد عام لیا کرتے ہیں۔ پس یہ اعتراض کرنا کہ آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ڈرپوک تھے جس طرح بچے اور عورتیں ایسے مکانات اور اشکال سے ڈر کر بھاگتے ہیں آپ بھی ایسے ہیں، محض حماقت ہے۔ اس مقام پر بیضاوی وغیرہ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم پر چڑھائی کی اور اس شہر اور غار کے پاس پہنچے تو عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے منع کیا کہ آپ اندر آدمی بھیج کر ان کی شکل و صورت دیکھنے کے درپے نہ ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا ہے جو آپ سے بھی بہتر ہیں۔ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْھِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْھُمْ فِرَارًا مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ مانا اور کچھ لوگ بھیجے جو لو سے جل کر مر گئے۔

جب ان لوگوں کے خواب پر جو موت سے مشابہ ہے تین سو نو برس گزر گئے اور اس عہد کے لوگ مر کھپ کر اس کے بعد اور بھی قرن مر کھپ گئے اور اب ایک ایسا زمانہ آیا کہ جس کا بادشاہ بت پرستی چھوڑ کر عیسائی اور حواریین کے مذہب پر تھا مگر اس عہد میں مر کر زندہ ہونے پر باہم بحث تھی ایک فریق منکر تھا، ایک فریق قائل۔ خود بادشاہ کو تردد تھا، خدا تعالیٰ سے التجا کرتا تھا کہ اس امر میں اس کو کوئی شافی دلیل دکھا دے۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ اس غار کی دیوار کو مکان بنانے کے لیے کسی نے ڈھانا شروع کیا یہاں تک کہ بالکل ڈھا کر غار کا منہ کھول دیا۔ ادھر دیوار کا گرنا دروازہ کھلنا تھا کہ ادھر خدا نے ان کو بیدار کیا۔ وکذلک بعثناھم کہ جس طرح اپنی قدرتِ کاملہ سے ہم نے ان کو اس قدر

عرصہ تک محفوظ رکھا اسی طرح اپنی قدرت سے اٹھا بھی دیا۔ گویا کہ از سرِ نو زندگی عطا کی، اب جو انگڑائیں لیتے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے تو باہم پوچھنے لگے کم لبثتم کہ کس قدر سوئے جواب دیا کہ یومًا او بعض یوم، ایک روز یا کچھ کم کیونکہ سونے والے کو تخمینی مدت معلوم ہوا کرتی ہے۔ غار میں صبح کے وقت داخل ہوئے تھے جب بیدار ہوئے تو پچھلا پہر تھا اس لیے سمجھا کہ ایک دن یا کچھ کم مگر جب اپنے سر کے بال اور ناخن بڑھے دیکھے تو سمجھے کہ مہینوں تک سوئے ہیں اس لیے کہہ دیا ربکم اعلم بما لبثتم کہ خدا ہی کو خوب معلوم ہے کہ کس قدر سوتے رہے مگر ابھی یہ معلوم نہیں ہے کہ تین سو نو برس گزر گئے ہیں بھوک پیاس معلوم ہوئی تو کہا اپنے میں سے کسی کو شہر کی طرف روپیہ دے کر بھیجو (غار سے تقریباً تین میل یہ شہر طرسوس کہ جس کو افسوس کہتے ہیں واقع تھا کہ جہاں سے یہ بھاگ کر آئے اور یہاں چھپے تھے) چاہیے کہ وہ پاک یا عمدہ کھانا لائے اور اس طرح چھپ کر جائے کہ کسی کو معلوم نہ ہو ورنہ خرابی آجائے گی کیونکہ ان یظھروا علیکم الخ اگر وہ قابو پا جائیں گے تو یا مار ڈالیں گے یا اپنے مذہب میں شریک کریں گے جس میں سراسر خرابی ہے۔ یہ سمجھ رہے ہیں کہ دقیانوس موجود ہے وہی زمانہ ہے وہی لوگ ہیں پس ایک شخص ان میں سے چلا اور لوگوں سے بچتے ہوئے شہر کے دروازہ پر آیا تو اس کی ہیئت بدلی ہوئی پائی، حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہو گیا! اسی طرح دوسرے دروازہ پر گیا تو اس کا نقشہ بھی بدلا ہوا پایا۔ شہر میں آیا تو بازار کی صورت نئی، دکاندار نئے، لوگ نئے، مذہب بھی نیا یعنی انہیں کے خیالات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قائل۔ حیران تھا کہ الٰہی اس غار کے پاس تو کوئی شہر نہ تھا مگر یہ وہ شہر نہیں نہ اس کے وہ آدمی ہیں آخر ایک دکاندار کو روپیہ دیا کہ بھئی ہمیں اس کی فلاں فلاں چیزیں دے دو۔ وہ روپیہ ہاتھ میں لیتے ہی حیران رہ گیا کہ یہ کس عہد کا سکہ ہے! پاس والے کو دکھایا اس نے اور کو، پھر کیا تھا کہ بازار میں بھیڑ لگ گئی۔ پوچھنے لگے کہ سچ بتاؤ تم کون ہو اور یہ روپیہ تم کو کہاں سے ملا؟ ضرور پرانا دفینہ پایا ہے۔ سچ بتلاؤ نہیں تو پولیس کے حوالہ ہوتے ہو۔ یہ کہہ رہے تھے کہ پولیس آن پہنچی۔ آخر بادشاہِ زماں کے روبرو پیش ہوئے۔ اس نے پوچھا سچ بتاؤ تم کون ہو، کہاں کے ہو، یہ روپیہ کہاں سے لائے ہو؟ آخر الامر اس نے سب سرگزشت بیان کی کہ ہم دقیانوس کے ڈر کے مارے اس غار میں جا چھپے تھے۔ ہمارے یہ نام ہیں آج سوتے ہوئے آنکھ کھلی ہے میں کھانا خریدنے آیا تھا، لوگوں نے میری ہیئت اور سکہ دیکھ کر مجھے پکڑ کر آپ تک پہنچایا۔ اس بادشاہ نے تسلی دی کہ دقیانوس کے زمانہ کو کئی سو برس گزر گئے۔ اب میں بادشاہ عیسائی مذہب رکھتا ہوں۔ ارکانِ دولت اور بادشاہ نے ان کے نام و نسب دفتر کے مطابق پا کر اور دیگر قرائن سے بھی معلوم کر لیا کہ وہی لوگ ہیں سب کو مر کر دوبارہ زندہ ہونے پر یقین[1] آیا۔ پھر بادشاہ مع ارکانِ دولت اس کو لے کر غار میں لے گئے وہاں جا کر اس نے کہا پہلے مجھے جانے دو تاکہ وہ بھیڑ دیکھ کر نہ گھبرا جائیں۔ وہ غار میں گیا پھر باہر نہ آیا۔ بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ اندر جا کر تلاش کرے مگر قضاء و قدر نے رستہ بھلا دیا اور کوئی اندر تک نہ جا سکا۔ بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ مع چند مصاحبوں کے اندر ان کے پاس گیا اور ان سے مل کر آیا اور پھر ان کے کہنے سے غار کا منہ بند کرا دیا۔ (عرائس) اس قصہ کی طرف مجملاً ان جملوں میں اشارہ فرماتا ہے کَذٰلِکَ اَعْثَرْنَا عَلَیْھِمْ یعنی جس طرح اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں اٹھایا اسی طرح ان کو لوگوں پر ہم نے ظاہر کر دیا۔ لیعلموا اَنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَۃَ لَارَیْبَ فِیْھَا تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ حق اور قیامت کا آنا سچ ہے کیونکہ ان کا اس قدر عرصہ تک سو کر جاگنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی مر کر جی اٹھے۔ سو اس بات کا انہوں نے مشاہدہ کر لیا اور جو تین سو نو برس بعد ان کی روح ان کے جسم کے ساتھ متعلق کر سکتا ہے وہ تمام عالم کو بیک مدت کے بعد اسی طرح کھڑا کر سکتا ہے۔ اذیتنازعون بینھم امرھم یعنی ان کو اس وقت اٹھایا جبکہ وہ باہم اپنے دین کے امر میں جھگڑتے تھے۔ بعض کہتے تھے حشر ابدان کے ساتھ ہوگا بعض صرف روح کا مبعوث ہونا مانتے تھے تاکہ ان کا خلاف دور ہو جائے، یا یہ مراد کہ جب وہ غار میں پھر جا کر غائب ہوئے اور وہاں جا کر مر گئے تو بعض کہتے تھے پہلے کی طرح پھر سو گئے یا یہ مراد کہ بعض اس غار پر ایک اچھی عمارت بنانا

[1] اصحاب کہف بیدار ہوتے ہیں۔

چاہتے تھے جس میں ہر کوئی آکر رہے اور بعض وہاں عبادت گاہ بنانا چاہتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ اعْلَمُ الخ ربہم اعلم بہم۔ خدا کی طرف سے جملہ معترضہ ہے ان کے رد میں جو اس عہد میں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان کے حالات پر زیادہ بحث کرتے تھے کوئی ان کی کچھ تعداد بتلاتا تھا، کوئی کچھ جس کی تصریح خود کرتا تھا۔ سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ کہ بعض ان کو تین شخص کہتے ہیں اور چوتھا کتا بتلاتے ہیں۔ یہ یہود کا یا نجران کے نصاریٰ کا قول تھا۔ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ۔ یہ بھی بعض نصاریٰ عرب کا قول تھا کہ وہ پانچ شخص تھے چھٹا کتا تھا۔ ان دونوں قولوں کو رد کرتا ہے۔ رجمًا بالغیب کہ یہ محض قیاسی اور بے تکی باتیں ہیں۔ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ کہ وہ سات شخص تھے اور آٹھواں کتا تھا۔ یہ اہل اسلام کا قول تھا حضرت نبی علیہ السلام کے بتلانے سے اس قول کی تائید فرماتا ہے۔ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ کہ ان کی تعداد تو خدا ہی جانتا ہے اور تھوڑے سے بندے اس کے بتلانے سے جانتے ہیں جن میں اہل اسلام ہیں۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے یہ نام بتلاتے تھے۔ یملیخا، مکشلمینا، مشلینیا، بادشاہ کے دائیں طرف والوں میں سے تھے اور مرنوش، برنوش، شاذنوش بائیں طرف والوں میں سے اور ساتواں ایک چرواہا تھا جو راستہ میں ان کے ساتھ ہولیا تھا اور ان کے کتے کا نام قطمیر تھا اور شہر کا افسوس۔ (بیضاوی)۔

جبکہ خدا تعالیٰ نے حضرت کو ان کے حال سے بخوبی مطلع کر دیا تو اب اوروں سے پوچھنے اور ان کے امر میں جھگڑا کرنے سے منع فرما دیا۔ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا کہ ان کے امر میں زیادہ جھگڑا نہ کرو صرف قرآن کے واقعہ سے خبر دے دو کسی کی تجہیل و رد نہ کرو۔ ولاتستفت فیھم منھم احدا۔ اور نہ کسی سے ان کا زیادہ حال دریافت کرو جس میں ان کی لاعلمی اور جہالت ثابت ہونے لگے کیونکہ مکارم اخلاق نبوت سے یہ بھی بعید ہے۔ واضح ہو کہ شہر افسوس یا افسس جس کو طرطوس بھی کہتے ہیں ایشیاء کوچک کا ایک شہر ہے اس میں ارتمیس دیوی کا ایک ایسا مندر تھا جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا تھا جس کو ایک شخص نے اپنی شہرت کے لیے اس رات میں جلا دیا کہ جس رات سکندر رومی پیدا ہوا تھا۔ پھر دوبارہ یہ مندر اسی طرح بنایا گیا۔ اس شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس میں وہ غار ہے کہ جہاں اصحاب کہف غائب ہوئے تھے۔ یہ غار کئی میل تک کا ہے اور اس کی کئی شاخیں ہیں بیت ناک درے ہیں یہ شہر قیاصرۂ روم کے عہد میں بڑی رونق پر تھا اب اس کے خرابات پڑے ہیں ایک قصبہ سا ہے یہاں حضرت سلطان خلد اللہ ملکہ کی عملداری ہے۔

اس غار پر ایک خانقاہ ہے جس کی عیسائی اور مسلمان دونوں تعظیم کرتے ہیں۔ غالبًا یہ وہی خانقاہ ہے جو اصحاب کہف کے برآمد ہونے کے بعد بنائی گئی تھی یا وہی عمارت نہ ہو مگر اس کی جگہ پر عمارت قائم ہے۔

یہ واقعہ اصحاب کہف کا ڈیشیش (دقیانوس) قیصر کے عہد میں ہوا ہے۔ ۲۴۹ء کے بعد جب قیصر فیلپوس کی جگہ جو عیسائیوں پر بڑا مہربان تھا ڈیشیش بیٹھا تو یہ پہلے قیصروں سے بھی بڑھ کر عیسائیوں کے حق میں ظالم اور سفاک تھا۔ ان قیصران روم کے عہد میں قسطنطین تک نیرو دقیصر سے لے کر وہ ظلم و زیادتی ہوتی تھی کہ جس کا بیان نہیں۔ یہ روم کے بادشاہ جن کا پایہ تخت ملک اٹلی میں شہر روم تھا اور ان کا لقب قیصر، بت پرست تھے بتوں کی پرستش خصوصاً جوپیٹر کی عبادت ان کے ہاں قانونًا فرض تھی۔ جو عدول حکمی کرتا تھا اس کو فہمائش ہوتی تھی پھر کوئی قتل کیا جاتا تھا اور کوئی درندوں کے آگے ڈالا جاتا تھا، کوئی آگ میں ڈال دیا جاتا تھا، کسی کو لوہے کے گرم ستون سے باندھتے تھے جیسا کہ عیسائیوں کی کتب تواریخ کلیسیا میں مصرحا مذکور ہے۔

---

۱ اصحاف کہف کے اسما مختلف کتابوں میں مختلف لکھے ہیں مگر صحیح وہی اسما ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ سے منقول ہیں۔ ۱۲ منہ

۲ افسیس در مغربی آسیائے صغیر است و مسافت میان او و ازمیر تخمیناً سی و شش میل ست و افسیس قریب بجانب جنوب از میر واقع شدہ است و در الآن باز لوک میگویند جغرافیہ فرہاد مرزا۔ صفحہ ۴۳۳۔ ۱۲ منہ

یہ واقعہ اس قیصر کے عہد میں گزرا ہے جیسا کہ لارڈ ولیم میور اپنی تاریخ کلیسیا کے چھٹے باب صفحہ ۲۴۶ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں قولہ کہتے ہیں افسس کے رہنے والے سات جوان ڈیشیش کے ظلم کی سختی سے شہر چھوڑ کر پاس ہی کسی غار میں جا چھپے تھے اور وہاں دو سو برس تک برابر سوتے رہے اور پھر جب جاگے اور ان میں سے ایک شہر میں گیا تو وہ وہاں تمام حاکم و محکوم کو پورا عیسائی دیکھ کر نہایت تعجب میں آیا۔ یہ نقل اصحاب کہف کی قرآن میں بھی بہت سی خیالی باتوں کے ساتھ مل کر مذکور ہوئی ہے۔ اس میں اس خواب کے ایام بجائے تین سو نو برس لکھے ہیں پس اس کو جس طرح سمجھے مبالغہ صاف ہے۔ گبن کی کتاب کے ۳۳ باب کا آخر دیکھو آتشی۔ الغرض ولیم میور صاحب اور گبن صاحب کو جو نبی روشنی کے عہد کے مؤرخ ہیں اس قصہ کی بابت جو قرآن مجید میں مذکور ہے بجز تسلیم کے چارہ نہ ہوا تو ایک مبالغہ کا اتہام لگایا کہ خواب کی مدت میں قرآن نے مبالغہ کیا ہے۔ ولیم میور صاحب اگر ان کی بیداری کا زمانہ متعین بدلائل کرتے تو یہ اتہام پادریانہ زیبا تھا اور نہ اس بے تکی رائے کو کتاب الٰہی کے مقابلہ میں کون سنتا ہے۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے نصاریٰ جن سے تخمیناً بہتر برس پیشتر یہ واقعہ گزرا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غلط بیانی کی صورت میں کیسے کیسے الزام لگاتے اور پھر قریش مکہ کے ہاتھ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیط کے لیے ایک بڑی سند ہاتھ آجاتی حالانکہ وہ شب و روز ایسی ہی باتوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔

فوائد: (۱) سوال ان آیات سے اصحاب کہف کی ایمانداری اور مدح ثابت ہوتی ہے اور اس کا سبب بظاہر دین عیسوی قبول کرنا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس عہد تک دین عیسوی غیر محرف تھا اور جہاں تک تاریخ کی کتابوں کو دیکھا گیا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ تھا جو آج کے زمانہ کے عیسائیوں کا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ آج کل جو مذہب پر الزام تحریف لگایا کرتے ہیں محض تعصب ہے۔

جواب: جس نے مذہب عیسوی کی تاریخیں دیکھی ہیں اس پر یہ بات ہرگز مخفی نہیں کہ حضرات حواریوں کے زمانہ ہی میں اختلاف کی بنیاد قائم ہو گئی تھی۔ پولوس اور شمعون اور دیگر لوگوں میں جو کچھ اختلاف پڑا وہ خود حواریوں کی تاریخ یعنی کتاب اعمال حوارئین ہی سے ثابت ہے جس کو عیسائی انجیل کہتے ہیں اور پولوس کے ناموں سے بھی جو انجیل مانے جاتے ہیں اور پھر بعد میں جو کلیساؤں میں اختلاف ہوا اور مختلف فرقے اول اور دوسری صدی عیسوی میں پیدا ہوئے ان کا بیان کرنا طوالت ہے۔ چوتھی صدی عیسوی میں جب روم کے قیصروں میں سب سے اول قسطنطین عیسائی ہوا اس نے انہیں اختلافات دور کرنے کے لیے اور نیز الوہیت مسیح و دیگر اصول مذہب قائم کرنے کے لیے شہر نائس میں بڑے زور و شور سے ایک انجمن منعقد کی اور پھر برسوں تک انجمنیں منعقد ہوتی رہیں مگر تاہم بہت سے فریق جدا ہی رہے۔ عیسائیوں میں الوہیت مسیح کے منکر بھی باقی رہے اور اب تک عیسائیوں میں ان مخالف فریقوں کے پیرو باقی ہیں۔ پس جب یہ ہے تو اب کون کہہ سکتا ہے کہ افسوس کے عیسائیوں کا مذہب آج کل فرقہ پراٹسٹنٹ یا فرقہ رومن کیتھولک کا مذہب تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ملکوں میں پھیلا ہوا تھا جس میں بے شمار تحریفات ہیں اور جن کی اصلاح کے لیے نبی آخر الزمان علیہ السلام بھیجے گئے؟ حق یہ ہے کہ اصحاب کہف حواریوں کے اصلی مذہب پر تھے۔ تثلیث و الوہیت مسیح سے ان کے کان بھی آشنا نہ تھے ان پر پولوس کی تعلیم کا اثر نہ پڑا تھا۔

(۲) اس بات کا کہ اصحاب کہف اس غار میں اب تک سوتے ہیں اور قیامت تک وہیں سوتے رہیں گے یا یہ کہ وہ بیدار ہونے کے بعد غار میں جا کر مر گئے اور نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر آئی، اس کے چاروں کونے خلفاء اربعہ نے پکڑے اور بیچ میں

---

۱ قرآن مجید میں تین سو نو برس قمری ہیں جن میں تقریباً نو برس بحساب شمسی گئے باقی تین سو رہے اور یہ واقعہ ہوا دو سو انچاس عیسوی میں اور تین سو برس سوتے رہے حساب بیداری ان کی پانچ سو انچاس عیسوی میں ہوئی اور ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخمیناً پانچ سو ستر عیسوی میں ہے اس حساب سے اصحاب کہف کی بیداری تخمیناً اکیس برس پیشتر حضرت کی ولادت سے ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تخمیناً بہتر برس کا زمانہ گزرا تھا۔ ۱۲ منہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور اڑا کر فرشتے اصحاب کہف کے پاس لے گئے ان سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات کر کے ان کو اسلام تلقین فرمایا۔ قرآن واحادیث سے پتا نہیں لگتا۔ مؤرخین کی رائیں اور ان کے اقوال ہیں واللہ اعلم۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ
وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا
رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ
اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ
مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ مَآ
اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ
مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

(اے نبی!) اور آپ کسی کام کے لیے یہ نہ کہا کرو کہ اس کو میں کل کروں گا (ہاں یوں کہا کرو) مگر اللہ چاہے گا (تو کروں گا) اور جب آپ (ایسے موقع پر) اس کا نام لینا بھول جایا کریں تو یاد کر لیا[1] کرو اور کہہ دیا کرو کہ شاید میرا رب مجھ سے اس سے بھی کوئی اور بہتر بات بتلائے اور وہ اپنے غار میں نو اوپر تین سو برس رہے (اس پر بھی نہ مانیں تو) کہہ دو اللہ تم سے خوب تر جانتا ہے کہ کس قدر رہے (کیونکہ) اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم ہے وہ کیا ہی بینا اور کیا ہی شنوا ہے۔ اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں۔ اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے اور (اے نبی!) آپ کے رب کی کتاب جو کچھ آپ پر وحی کی گئی ہے اس کو پڑھتے رہا کرو کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا اور اس کے سوائے آپ کو کوئی بھی پناہ نہ ملے گی۔

ترکیب: **الا استثناء ہے نہی سے ای لاتقولن لاجل شیء تعزم علیہ انی فاعلہ فیما یستقبل الا بان یشاء اللہ ای الا ملتبسا بمشیۃ اللہ تعالیٰ قائلا ان شاء اللہ۔ ابصر بہ اسمع صیغہ تعجب ہیں۔ بہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور محل اس کا رفع ہے فاعلیت سے اور ب زائد ہے سیبویہ کے نزدیک۔**

تفسیر: وَلَا تَقُوْلَنَّ الخ۔ مفسرین کہتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جب قریش نے نبی علیہ السلام سے اصحاب کہف و ذوالقرنین وروح کا حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کل بیان کروں گا اور اس کے ساتھ انشاء اللہ نہ کہا۔ اس پر پندرہ دن تک بقول بعض چالیس روز تک وحی بند رہی تب یہ آیت نازل ہوئی کہ کسی کام کرنے کا وعدہ بغیر انشاء اللہ کہے نہ کیا کرو کیونکہ بندے کا ایسا کہنا گویا کارخانۂ قضاوقدر میں اپنا استقلال ظاہر کرنا ہے جو عبدیت کیخلاف ہے اور ہدایت فرمائی کہ جب انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جس وقت یاد آئے کہہ لو۔ اس پر امام شافعیؒ نے یہ بات نکالی کہ اگر کسی کام کی قسم کھائی اور عرصہ کے بعد انشاء اللہ کہہ لیا تو حانث نہ ہوگا مگر عام فقہا کہتے ہیں ملا کر کہے گا تو معتبر ہوگا کس لیے کہ اذکر ربک سے انشاء اللہ کہنا مراد نہیں بلکہ عموماً یاد الٰہی مراد ہے یا انشاء اللہ کہنا مراد ہے تو متصلاً اور جب قریش کو اصحاب کہف کا

[1] یعنی انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے کہہ لیا کرو۔ ۱۲ منہ

حال سن کر تعجب ہوا تو فرمایا کہہ دو عسیٰ ان یھدین کہ اس سے بھی زیادہ اور خبروں کی میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بتائے گا چنانچہ صدہا غیب کے اسرار بتائے۔ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ الخ۔ اس قصہ کا تتمہ ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس جملہ میں قل اللہ اعلم بما لبثوا الخ کہ اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ وہ کتنے رہے یہ لوگوں کے قول کو نقل کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ غار میں تین سو نو برس تک سوتے رہے اس لیے بعد میں فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا الخ کہ اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ وہ کس قدر ٹھہرے (لو پادری صاحب اب تو کچھ بھی خلاف باقی نہیں رہا) مگر دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے خبر دیتا ہے اور قل اللہ اعلم بما لبثوا سے اس کی تائید کرتا ہے کہ وہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس قدر سوئے کیونکہ وہ آسمانوں اور زمین کی سب چھپی ہوئی باتیں جانتا ہے وہ بڑا سمیع وبصیر ہے نہ کہ تم جو قیاس سے کہتے ہو مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ الخ وہی ان کا یعنی اصحاب کہف کا کارساز ہے جس نے ان کو اس قدر مدت تک سالم رکھا اور اپنے حکم میں کسی کو شریک نہ کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں اپنا جلال وجبروت ظاہر کرتا ہے تاکہ مخالفین اس کے خلاف کرنے سے ڈریں کہ ان کا کوئی حمایتی نہ پیدا ہوگا اس لیے اس کے بعد حضرت کو بے دھڑک قرآن سنانے کا حکم دیتا ہے۔ واتل ما اوحی الخ کہ کسی کا کچھ خوف وخطر نہ کرو کوئی اس کی بات بدل نہیں سکتا۔ جو وہ کہتا ہے وہی حق ہے وہی ہوگا وہی ہوا ہے آپ اس کی دی ہوئی کتاب کو پڑھا کرو اور لوگوں کو سنایا کرو کسی کے اختلاف کی کچھ پروانہ کرو۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ
وَجْهَهٗ ۡ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ
اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكُمْ ۡ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ
نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاۗءٍ كَالْمُهْلِ ۚ يَشْوِي
الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ
ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ

[1] الھل اللدید المناب وقیل الرعی واو المذاب او الصفیر وقیل ورد کی الزیت ای باقی فی اصل الاناء قال ابوعبیدہ ولا تحقیق ہو الحکم دوہو کل ما اذیب من جواہر الارض من حدید ورصاص وانحاس ۱۲ منہ

[2] مرتفقا مکانا وہو اصل الارتفاق نصیب الرفیق تحت وقال الخفاجی ہو العزل والمجلس۔ ۱۲

[3] اساور وقال الزجاج جمع اسورۃ وھی ما یسور بہ تلبس فی الید من زی ملوک۔ ۱۲۔

[4] السندس اسید الرفیق من الحریر واستبرق منہ وھما نعتان واحد بما الہ۔ تہ او استبرقہ وقیل مفردان وقیل استبرق الدیباج المنسوج بالذہب۔ ۱۲ منہ

وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝۳۱ ع

اور (اے نبی!) جو لوگ صبح وشام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں (اور) اس کی رضامندی چاہتے رہتے ہیں آپ انہیں کے ساتھ اپنے آپ کو صبر سے رکھئے اور ان سے آنکھیں نہ پھرائیے کہ آپ دنیا کی زندگانی کا پاس کرنے لگیں اور اس کا کہنا ہرگز نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہو گیا اور اس کا حال حد سے گزر گیا۔ اور کہہ دو حق تو تمہارے رب کی طرف سے (آیا) ہے پھر جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے ہم نے بھی ستمگاروں کے لیے ایسی آگ تیار رکھی ہے کہ جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی اور اگر فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے لوہے کی مانند ہوگا جو کہ جھلس ڈالے گا کیا ہی برا پانی ہوگا اور کیا ہی بری آرام کی جگہ ملے گی۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ہم بھی جس کسی نے نیک کام کئے ہیں اس کا اجر ضائع نہیں کرتے یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے بڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز لباس باریک اور دبیز ریشم کا پہنیں گے اور وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور کیا ہی خوب آرام گاہ ہے۔

ترکیب: یریدون حال ہے ضمیر یدعون سے تریدکا فاعل ضمیر ہے جو عینین کی طرف راجع ہے جملہ حال ہے ک سے یا فاعل لاتعد سے۔ انالا جملہ خبر ہے ان کی۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں فرمایا تھا کہ جو کچھ اسباب تجمل دنیا پر ہیں وہ صرف دنیا کی زینت ہے نہ آخرت کی اور وہ فانی اور سریع الزوال ہیں غرور اور دلبستگی ان سے نہ چاہیے کیونکہ وہ اسباب دار آخرت کے لیے حجاب ہیں پھر اس کے متعلق اصحاب کہف کا دلچسپ واقعہ فرمایا تھا جو دنیا کی بے ثباتی پر دلالت کرتا تھا۔ کفار قریش ایسے کہاں کے تھے جو اس سے عبرتناک نتیجہ حاصل کرتے بلکہ اس کو بھی ایک دلچسپ داستان سمجھ کر آنحضرت علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے مگر اپنے اسباب دنیا کے غرور میں ان کو فقراء مسلمین کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنا ناگوار معلوم ہوا۔ جس پر انہوں نے حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ یہ لوگ ہمارے وقت میں آپ پاس نہ آیا کریں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، وَاصْبِرْ نَفْسَكَ الی حیوٰۃ الدنیا کہ آپ انہیں غربا مسلمین کے ساتھ رہا کریں جو صبح وشام اپنے اللہ کو خاص اسی کی رضا کے لیے پکارتے ہیں (صبح وشام سے یا تو ہمہ وقت مراد ہے جو صبح وشام ان کی اطراف سے تعبیر کئے گئے یا صبح وشام سے نماز فجر ومغرب مراد ہے یا بیدار ہونے اور سونے کا وقت کیونکہ سو کر بیدار ہونا گویا مر کر جینا اور رات کو سونا گویا مرنے کا سامان ہے سو ایسے وقتوں میں باخدا لوگ ضرور متنبہ ہوتے اور اس کی شکر گزاری اور یاد کرتے ہیں) اور ان سے آنکھیں نہ پھیرنا کہ امراء کفار کی آرائش وتجمل آپ کی آنکھوں میں کھبے اور ان کفار کا کہنا نہ ماننا کہ جن کے دل ہماری یاد سے غافل ہو گئے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیرو ہیں اور حد سے گزر گئے ہیں اور کہہ دو امر حق اللہ کی طرف سے آچکا خواہ تم مانو یا نہ مانو۔ پھر آگے نہ ماننے والوں کی سزا جہنم اور آگ کی قنات اور پینے کو کھولتا پانی بیان فرمایا اور ماننے والوں کی جنات عدن اور وہاں کے تجملات اور حقیقی زینت بیان فرما دی۔ سونے کے کنگن اور لباس حریر اور تختوں پر تکیہ لگا بیٹھنا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ
وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝۳۲ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ
اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝۳۳ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ
وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝۳۵ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ
قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶ قَالَ لَهٗ
صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ
نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝۳۷ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ
اَحَدًا ۝۳۸ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ
اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝۳۹ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا
مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝۴۰
اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝۴۱ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ
يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝۴۲ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝۴۳ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ
ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝۴۴ ع

اور ان کو وہ شخصوں کی مثل بھی سنا دو کہ جن میں سے ایک کے لیے ہم نے انگور کے دو باغ تیار کئے اور ان کے گرداگرد کھجوریں لگائیں اور ان کے درمیان کھیتی بھی لگائی۔ دونوں باغ ہیں کہ اپنے پھل لاتے ہیں اور پھل لانے میں کچھ کمی بھی نہیں کرتے اور ان باغوں کے بیچ میں ایک نہر بھی جاری کی اور اس شخص کے پاس بہت پھل تھے پھر اس نے اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور آدمیوں کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت دار ہوں اور (جبکہ) وہ اپنی جان پر ستم ڈھاتا ہوا اپنے باغ میں گیا جا کر کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا اور نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو اس سے بھی بہتر جگہ پاؤں گا۔ (اس وقت) اس کے رفیق نے اس سے اثناء کلام کہا کہ کیا تو اس کا منکر ہو گیا کہ جس نے تجھے مٹی سے پھر

۱ بحاورہ یراجعونی الکلام من خبار اذا رجع۔
۲ کیسرا کنجد نوکر چاکر یارو احباب بہت ہیں اور دنیا میں مال کی طرح یہ بھی ایک عزت وشوکت کا سامان۔ ۱۲
۳ حسبان جمع حسبانۃ وھی الصواعق وقیل مصدر بمعنی الحساب (بیضاوی) الحسبان بالضم العذاب والبلاء والشر الحجج الرماء والبھام الصغار والحسبانۃ واحدھا الصاعقۃ قاموس۔ ۱۲ منہ

نطفہ سے بنایا پھر تجھے پورا آدمی بنادیا لیکن میرا تو اللہ ہی رب ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتے کا اور تو نے کس لیے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت یہ نہ کہا جو اللہ نے چاہا سو ہوا اور مجھ میں تو اس کے بغیر کچھ بھی قدرت نہیں اگر چہ تو مجھے اپنے سے مال اور اولاد میں کم دیکھتا ہے تو امید ہے کہ مجھے میرا رب تیرے باغ سے بھی بہتر باغ دے اور اس باغ پر ایک آسمانی بھونچال بھیجے گا جس سے وہ چٹیل میدان ہو جائے گا یا اس کا پانی خشک ہو جائے گا کہ جس کو تو ہرگز نہ پا سکے اور اس کے پھلوں پر آفت آ ہی پڑی پھر تو وہ جو کچھ اس نے باغ میں صرف کیا تھا اس پر ہاتھ ہی ملتا رہ گیا اور یہ باغ ہے کہ سراسر اُجاڑ پڑا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ہائے رے میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہوتا اور اس کی اب کوئی جماعت بھی ایسی نہ ہوئی کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی انتقام لے سکا۔ یہاں (سے معلوم ہوا کہ) سب اختیار اللہ سچے ہی کو ہے اسی کا انعام بہتر ہے اور وہی عمدہ بدلہ دیتا ہے۔

تفسیر..... دو شخصوں کا قصہ بطور مثال کے : پھر دنیا کی بے ثباتی اور اس کے اسباب و تجمل پر غرور کر کے خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور الحاد کا بدنتیجہ جو کبھی دنیا ہی پر ظاہر ہوتا ہے دو شخصوں کی تمثیل سے بیان فرمایا۔ بعض کہتے ہیں یہ صرف ایک تمثیل ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ دراصل ایسے دو شخص تھے بھی کہ جن کا یہ واقعہ ہے پھر بعض کہتے ہیں کہ یہ دو شخص بنی اسرائیل میں سے دو بھائی تھے کہ ایک نے اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف کیا تھا دوسرا دُنیادار اور مشرک اور وارِ آخرت کا منکر تھا۔ اس نے دو باغ اپنے تمام مال سے ایسے تیار کرائے تھے کہ ان میں نہر بھی جاری تھی اور بیچ میں انگور اور آس پاس کھجور کے درخت بھی تھے اور وقت پر پھل بھی عمدہ آتے تھے اس پر اس کی اولاد اور خدمتگار نوکر چاکر بھی زیادہ تھے ایک روز وہ اپنے غریب مومن بھائی کے ساتھ باغ میں گیا اور وہاں بجائے شکرگزاری کے تکبر کیا اور دنیا کی ترقی پر قیاس کر کے آخرت میں بھی تجمل و آرائش پانے کا استحقاق ظاہر کیا اور آخرت کا انکار بھی اس کے کلام سے ثابت ہوا۔ اس کے بھائی نے سمجھایا، تیقین کی لیکن نہ مانا۔ آخر اس پر آسمانی بلا نازل ہوئی کہ تمام باغ اجاڑ ہو گیا جس پر وہ ندامت و حسرت کرنے لگا تب معلوم ہوا کہ اللہ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ
نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ
عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ
وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَعُرِضُوْا عَلٰي رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ
جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝
وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا

۱ الخلط اے تکاثف وغلظ حتی استوی والتف بعضہ علی بعض او احترج الماء بالنبات فردی۔ ۱۲ منہ

۲ ہشیما یابسا متفتتا والہشیم الکبیر واحدہ ہشیمۃ وہی من النبات ما یکسر بالیبس والتحت۔ ۱۲ منہ

۳ فلم نغادر لم نترک ومنہ الغدر لان الغادر متبرک عوقاء بالعہد ومنہ الغدیر لان الماء یذہب من الغبرۃ ومنہ غدائر المرأۃ لانہا تضفرھا۔ ۱۲ منہ

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا
مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝

اور (اے نبی!) ان سے زندگی دنیا کی مثال بیان کرو کہ وہ ایسی ہے کہ جیسا کہ بارش کا پانی جس کو ہم نے اوپر سے برسایا پھر اس سے زمین کا سبزہ گھن گھنا کر اگا پھر وہ چورا چورا ہو کر رہ گیا کہ اس کو ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ مال اور اولاد تو زندگی دنیا کی آرائش ہے اور باقی رہ جانے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک بلحاظ ثواب اور توقع آخرت کے بہت ہی بہتر ہیں اور جس روز کہ ہم پہاڑوں کو اڑائیں گے اور (اے مخاطب!) تو زمین کو صاف میدان دیکھے گا اور ہم ان سب کو جمع کر لیں گے پھر تو ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب آپ کے رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کیے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) اب تو تم ہمارے پاس اس حال میں آ حاضر ہوئے کہ جیسا تم کو اول بار پیدا کیا تھا اور تم نے تو یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ تمہارے لیے کوئی وعدہ کا وقت مقرر نہیں کریں گے۔ اور نامۂ اعمال بھی ملا کر دھرے جائیں گے پھر (اے مخاطب!) تو گنہگاروں کو دیکھے گا کہ جو کچھ ان میں لکھا ہے اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ وائے خرابی یہ کیسی کتاب ہے جو نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو مگر سب کو تو گھیر لیا ہے۔ انہوں نے جو کچھ کیا تھا سب ہی کو تو موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔

ترکیب: مثل الحیوۃ مفعول ہے اضرب کا کماء موصوف انزلناہ الخ جملہ صفت مجموعہ خبر ہے مبتدا محذوف کی ای ھی مثل للخروج من کلام الی آخر۔

تفسیر : یہ دوسری تمثیل ہے دنیا کی بے ثباتی کے لیے صرف بارش سے دنیا کی زندگی کو تشبیہ نہیں دی بلکہ اس کی تمام کیفیت سے کہ جس طرح بارش سے زمین کے نباتات ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے نکلتے ہیں جن کو دیکھ کر انسان خوش ہوتے ہیں ان کی تھوڑی سی عمر طبعی ہے چند روز کے بعد خشک ہو جاتے ہیں پھر ان کا چورا چورا ہو کر ہوا میں اڑتا پھرتا ہے اسی طرح انسان و دیگر حیوانات کا حال ہے کہ لڑکے ہیں پھر جوان رعنا ہیں خوکریں مارتے چلتے ہیں پھر بڈھے ہوئے مر گئے چند روز کے بعد وہ سر پر غرور اور اس کا وہ جسم پر نور ذرہ ذرہ ہو کر خاک کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ بناتا بھی ہے مٹاتا بھی ہے پھر حشر کو بھی اٹھائے گا۔ اب اس کے بعد اس کے مال و اولاد کی کیفیت بیان فرماتا ہے جو اس کے غرور کا سرمایہ ہے کہ یہ چیزیں صرف حیاتِ دنیا کی آرائش ہیں۔ ان کا قیام اسی قدر ہے کہ جس قدر باغ میں پھول کی بہار برخلاف اس کے جو فقراء باخدا کا سرمایہ ہے وہ کیا۔ اَلْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ سو وہ اللہ کے نزدیک ثواب اور توقع کے لیے بہتر ہے یہی چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں جو اس عالم باقی میں اس کی فرحت دائمی کا سامان ہو جاتی ہیں۔ باقیات الصالحات سے مراد نیکیاں ہیں خواہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا ذکر ہو یا معرفت و استغراق ہو یا کوئی اور نیکی ہو صدقہ و خیرات دین کی خدمت وغیرہ۔ اب ان باقیات کا اثر کب نمودار ہوگا۔ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ کہ جس روز ہم پہاڑوں کو جن کی بقاء و حیات انسانوں کی نظروں میں مستحکم ہے، روئی کے گالوں کی طرح اڑائیں گے یعنی اس عالم عنصری کو فنا کر کے عالم باقی کو کہ جس کو حشر سے تعبیر کیا جاتا ہے ظاہر کریں گے باقیات الصالحات وہاں کی زینت ہوگی۔ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً اور زمین میدان دکھائی دے گی اس کے سب نشان مٹ جائیں گے۔ پھر اس روز اگلے پچھلے سب جمع کیے جائیں گے، صف بستہ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ نامۂ اعمال دیے جائیں گے اس میں جو کچھ دنیا میں کیا تھا چھوٹا یا بڑا

۱ یعنی جس طرح پیدائش کے وقت خالی ہاتھ ننگ دھڑنگا پیدا ہوتے ہیں اسی طرح اس عالم حشر میں بھی جو اصل دنیا کا تولد ہے خالی ہاتھ ہوں گے یہ مال و دولت جاہ و حشم جس پر آج غرور ہے کچھ بھی ساتھ نہ ہوگا۔ ۱۲ منہ

کام سب لکھا ہوا پائیں گے، گنہگار اس کو دیکھ کر ڈریں گے، پچھتائیں گے مگر یہ سب کچھ انہیں کا بویا ہوا ہوگا جس کو کاٹیں گے خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۵۰ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝۵۱ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝۵۲ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝۵۳ ع

اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے جھکو پس ابلیس کے سوا سب جھکے وہ قوم جن سے تھا سو اپنے رب کے حکم سے نافرمان ہو گیا (پھر تم) اس کو اور اس کی ذریت کو مجھے چھوڑ کر رفیق بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ستمگاروں کے لیے کیا ہی برا بدل[1] ہے (جن کو دیوتا جانتے ہیں ہم نے) نہ تو ان کو آسمانوں اور زمین کے بنانے میں (اپنی مدد کے لیے بلایا) نہ خود ان کے بنانے میں اور میں بدراہوں سے کام کو مدد لینے لگا تھا اور جس دن (اللہ) مشرکوں سے فرمائے گا کہ تم میرے ان شریکوں کو تو پکارو کہ جن کا تمہیں گھمنڈ تھا سو وہ پکاریں گے پر وہ تو انہیں کچھ بھی جواب نہ دیں گے اور ہم ان سب کے لیے ہلاکت کر دیں گے[2] اور گنہگار آگ کو دیکھیں گے اور سمجھیں گے کہ ہم اس میں ابھی گرنے والے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے[3]۔

تفسیر: یہ بھی کلام سابق کا تتمہ ہے انسان کو عالم آخرت سے غافل کرنے والی دو ہی چیزیں ہیں اول مال و اسباب و اولاد کہ جس کے نشہ میں یہ ایسا سرشار ہوتا ہے کہ اس کو اس عالم سے جانے کی فکر نہ وہاں کے لیے زادِ راہ حاصل کرنے کی مہلت۔ اس کا بے ثبات اور سریع الزوال ہونا تو بیان فرما چکا۔ دوم شیطان اور اُس کی ذریت اولاد یا اس کے متبع لوگ جو مجازاً ذریت کہلاتے ہیں۔ انسان کے دل پر ان کے خطرات ایسا برا اثر پیدا کرتے ہیں کہ جو اس کے دل میں نہایت راسخ ہو کر اس کو بری باتوں پر ہمیشہ تحریک کرتے ہیں۔ پھر یہ وسواس رسوم و عادات کے سبب اور پشت در پشت متواتر جانے کی وجہ سے دین و مذہب اور نہایت خوشنما اور باعث فلاح دارین خیال کیے جاتے ہیں جن کے ترک کرنے کو نہایت شاق و عار جان کر خدا تعالیٰ کے فرستادوں سے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ شیطان رجیم کی ذریت انسان

[1] یعنی اللہ کے بدلے میں شیطان کو کارساز بنا لیا۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی جب نہ وہ آسمانوں اور زمین کے بنانے کے وقت نہ خود ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے اور نہ اس میں شریک تھے تو اب ان کا خدائی میں کیا حصہ پھر کیوں ان کو شریک بنایا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی سب ایک ہلاکت میں شریک ہوں گے وہ کیا ہے آتش جہنم موبق ہلاکت موبق ظرف مکان یا بمعنی کہ ان کی باہمی محبت دنیا موبق یعنی ہلاکت کا باعث ہوگی تب یعنی وصل میں ای وجعلنا تواصلھم فی الدنیا بلا کا یوم القیامۃ (بیضاوی)۔ ۱۲ منہ

کے تو ہمات باطلہ بھی ہیں جو اس کے قائم مقام ہو کر کام دیتے ہیں۔ اس لیے ان آیات میں پھر کچھ شیطان کا حال بیان فرمانا پڑا کہ اس کا علاقہ بنی آدم کے ساتھ اس واقعہ کی وجہ سے جو انسان کے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ وہ دشمنی اور عداوت کا علاقہ ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نا خلف اپنا دوست سمجھ کر دل سے اس کی پیروی کرتی ہے لہٰذا و اذا قلنا للملٰئکۃ سے وہی بیان شروع ہوتا ہے کہ ہمارے حکم سے فرشتوں نے تو باوجود نورانی ہونے کے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اس کی تعظیم بجا لائے مگر ابلیس نے انکار کیا کیونکہ وہ قوم جن سے تھا جس کی اصالت میں سرکشی اور تکبر ہے جیسا کہ بنی آدم میں سے اس کے پیروؤں کا شیوہ مال و جاہ حسب و نسب کا غرور ہے اس لیے اس نے نافرمانی کی پھر اے بنی آدم تمہیں شرم نہیں آتی جو ہمارے خلاف میں جو تمہارے قدیم محسن و خالق ہیں تم شیطان اور اس کی ذریت کو مانتے اور ان کے بہکانے سے بتوں کو پوجتے ہو اور تم خدا تعالیٰ پر نئے نئے حکم صادر کرتے ہو کہ مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں غربا نہ آئیں وغیر ذالک یہ تو کہو ان کو میری خدائی میں کیا استحقاق ہے نہ میں نے آسمانوں اور زمین پیدا کرتے وقت ان کو حاضر کر کے شامل کیا تھا نہ خود ان لوگوں کے پیدا کرنے میں اور میں ان سے کیوں مدد لینے لگا تھا۔ اب ان کو خدائی میں کیا حق ہے اور تم پر ان کا کون سا استحقاق ہے جو ان کو پوجتے ہو اپنے مثل کو پوجنا کتنی فرومائیگی ہے ما اشھدتھم الی عضدا میں یہی مراد ہے۔ ویوم یقول الخ سے حشر کے دن ان بتوں اور شیاطین کا کام نہ آنا بیان فرماتا ہے کہ جس امید پر سینکڑوں جاہل انہیں مانتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ اب انہیں پکارو۔ دیکھیں تمہارے کیا کام آتے ہیں مشرکین حسب عادت انہیں پکاریں گے مگر کام آنا تو درکنار جواب بھی نہ دیں گے ان پر ہیبت الٰہی طاری ہو جائے گی پھر عابد معبود سب جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ جہنم جو آگ کا ایک عمیق گڑھا ہے اس کے کنارہ پر آ کر دیکھیں گے کہ آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور چاہیں گے کہ کسی طرح اس سے ٹل جائیں مگر کہاں ٹل سکتے ہیں۔ تب یقین ہو جائے گا کہ ہم اس میں گرنے والے ہیں، اس وقت کی کیفیت بھی بڑی جان گداز ہوگی آخر اس میں گرا دیے جائیں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا کے یہ معنی ہیں کہ ان کے معبودوں اور ان میں ایک حجاب[1] حاجز ہو جائے گا پھر وہ دکھائی بھی نہ دیں گے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝۵۴ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝۵۶ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا

[1] سو ھا قیل اسم وادٍ من جہنم وقیل ھی نار وقیل بوزخ فعلی ھذا احوا اسم مکان وقال ابن الاعرابی۔ کل حاجز بین اثنین فھو موبق فعلی ھذا تفسیر وجعلنا بین المشرکین وبین الھتھم حجابا حاجزا لا یصل احدھم الی احد وقال الفراء، الموبق الھلاک وبہ قال مجاہد وابن عباس والمعنی وجعلنا تواصلھم فی الدنیا مھلکھم فی الآخرۃ یقال وبق یبق۔ ۱۲ منہ

وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي
آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٥٧﴾ وَرَبُّكَ
الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل
لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ
لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾

ع ۷

اور البتہ ہم نے قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کو ہر طرح کی مثالیں بیان کردیں مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے۔ اور جب کہ لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو پھر ان کا ایمان لانے اور اپنے رب سے معافی مانگنے سے اس کے سوا اور کسی چیز نے نہیں روکا کہ یا تو ان کو بھی اگلوں جیسا ماجرا پیش آئے یا عذاب ان کے سامنے آموجود ہو اور ہم رسولوں کو تو صرف خوشخبری دینے اور ڈرسنانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں (زبردستی ہدایت پر لانا ان کا فرض نہیں) اور کافر بیہودہ شبہات سے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس سے حق کو ڈگمگادیں اور انہوں نے تو میری آیتوں کو اور جس سے کہ ان کو ڈرایا گیا ہے ہنسی بنالیا ہے اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے کہ جس کو اللہ کی آیتوں سے سمجھایا جائے پھر وہ ان سے منہ پھیر لے اور اپنے کیے کو بھول جائے ہم نے ہی ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں حق بات کے سمجھنے میں اور ان کے کانوں میں قفل کردیا ہے (بہرے ہوگئے ہیں) اور اگر ان کو ہدایت کی طرف بھی بلائیں تو بھی وہ ہرگز کبھی راہ پر نہ آئیں گے اور آپ کا رب بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے۔ اگر ان کے کیے پر ان کو پکڑنا چاہتا تو فوراً ہی عذاب بھیج دیتا بلکہ ان کے لیے ایک میعاد مقرر ہے جس سے ادھر انہیں بچنے کا موقع نہ ملے گا اور یہ ہیں وہ بستیاں کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کی ہلاکت کا بھی ہم نے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔

تفسیر: یہاں تک انسان کی بدی کا یقینی نتیجہ نہایت پراثر اور عمدہ پیرایہ سے بیان فرمایا گیا اور مسئلہ سیعاد کی پوری تشریح کردی گئی اور دنیا کے اسباب اور اس کی بقاء کا بھی پورا نقشہ کھینچ دیا گیا، مثالیں بھی پیش کی گئیں مگر کج رو، کج طبع اس پر بھی نہیں مانتے۔ اس مضمون کو ولقد صرفنا سے شروع کیا اور یہ بھی فرمایا کہ وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا کہ انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے اس کی طبیعت میں حجت و تکرار ہے جس کی وجہ سے اتنی تفصیل سے سمجھانے پر بھی ایمان نہیں لاتے۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا۔ اب ان کو ایمان لانے سے اسی بات نے روک رکھا ہے کہ یا تو جو اگلی قوموں کے ساتھ برتاؤ ہوا تھا ان کے ساتھ بھی وہی ہو دنیا میں کوئی سخت ہلاکت پیش آئے یا عذاب آخرت ان کے سامنے موجود ہو تب یہ ایمان لائیں یعنی اب بھی جو ایمان نہیں لاتے تو بجز اس کے اور کیا ہوگا۔ کہ قدیم لوگوں کے موافق ان پر عذاب آئے گا اور مرنے ہی جہنم میں جائیں گے۔ ہدایت آچکی رسول علیہ السلام نے پیغام پہنچا دیا اور انبیاء کا یہی کام ہے ان کے دلوں سے کفر نکال پھینک دینا ان کا کام نہیں۔ ایمان نہ لانا تو ایک جرم تھا۔ اس پر مزید یہ ہے وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ کہ وہ منکرین غلط اور لغو دلیلیں پیش کر کے جھگڑا چاہتے ہیں لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ تاکہ اس سے حق کو پست کریں، اسلام پر غالب آجائیں، اس کو مٹا ڈالیں اور اس پر بھی طرہ یہ کہ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا کہ میری نشانیوں کو جو ان میں بھی موجود ہیں تغیر جوانی و طفلی، ظہور پیری، مرگ ابعد اعزہ، بیماری و تندرستی، غنا و تنگ دستی وغیرہ دنیا میں بھی ہیں تغیر عالم تغیر لیل و نہار حوادث دہر یا قرآن کی آیات کو اور جن جن چیزوں کا ان کو ڈر سنایا گیا تھا دنیاوی ہلاکت و ادبار مرنے کے بعد جہنم سب کو ہنسی دل لگی بنالیا ہے، ان باتوں پر تمسخر کرتے ہیں، ٹھٹھوں میں اڑاتے ہیں۔ اب و من اظلم الخ ان سے بڑھ کر اور کون ظالم

ہوگا ان کی اس بدبختی کا اصلی سبب یہ ہے إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً ان کے دلوں پر حق سمجھنے سے حجاب اور پردے پڑے ہوئے ہیں اور دوسروں کا حال سن کر بھی عبرت نہیں پکڑتے کس لیے کہ کانوں میں بھی قدرت نے ثقل پیدا کردیا ہے ایسی باتیں سنتے ہی نہیں انسان جب حق کو نہیں مانتا اور عبرت و نصیحت سن کر نہیں قبول کرتا تو اس کی اس حالت کو اس سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ خدا نے ان کے دلوں پر پردے کانوں میں ٹیٹیاں ڈال دی ہیں یعنی قضاء وقدر سے ان میں ہدایت پذیر ہونے کی جو قابلیت دی گئی تھی انہوں نے وہ زائل کردی۔ اس لیے إِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ اے پیغمبر! آپ ان کو کتنا ہی کیوں نہ ہدایت کی طرف بلائیں یہ کبھی بھی ہدایت قبول نہ کریں گے ان کی سزا تو یہی ہے کہ یہ بیکار کی باتیں ہنسی سے اڑا دیتے ہیں مگر وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ آپ کا خدا بخش دینے والا رحیم ہے اگر وہ لوگوں کے گناہوں پر گرفت کرنے پر آئے تو فوراً مزہ چکھا دے بلکہ ہر کام کے لیے اس نے وقت مقرر کر رکھا ہے ان کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے جس سے پہلے یہ کوئی اس کا بندوبست نہ کرسکیں[1] گے اور اس پر بھی ان کو باور نہ ہو تو ابھی ظاہری بینائی تو موجود ہے عاد و ثمود و لوط کی الٹی اور برباد شدہ بستیوں کو دیکھ لیں وہ بھی ان کے جرموں پر دفعۃً ہلاک نہیں ہوئے بلکہ ان کے لیے ایک وقت مقرر تھا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾
فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ
سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِن سَفَرِنَا
هَٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ ۚ
وَمَا أَنسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾
قَالَ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ
عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ
لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾
قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ
بِهِ خُبْرًا ﴿٦٨﴾

[1] یعنی اس وعدے کو اس کے آنے سے پہلے کوئی کسی تدبیر سے ٹال نہیں سکتا بعض نے من دونہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع کی ہے اب یوں معنی ہوں گے کہ ان کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے جس کے دور کرنے کے لیے خدا کے سوائے اور کوئی پناہ نہیں عذاب موجود بھی اس کی جناب عالی میں پناہ لینے سے ٹل جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

اور جبکہ موسیٰ نے اپنے جوان[1] سے کہا کہ جب تک میں دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ لوں یا سالہا سال نہ چلا چلوں اپنے ارادہ سے کبھی نہ ٹلوں گا پھر جبکہ وہ دونوں دریاؤں کے ملنے کے موقع پر پہنچے تو اپنی (تلی ہوئی) مچھلی (وہیں) بھول گئے پھر مچھلی نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنالیا پھر جب وہ دونوں آگے چلے گئے تو موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو اپنے اس سفر (منزل) میں بڑی تکان پہنچی۔ اس نے کہا اے دیکھو جبکہ ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے مچھلی کو میں وہیں بھول آیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا آپ سے ذکر کرتا اور (جبکہ) اس نے دریا میں اپنا رستہ عجب طرح سے بنایا تھا۔ (موسیٰ نے کہا) یہی تو وہ جگہ ہے کہ جس کی ہم کو تلاش تھی پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر تلاش کرتے ہوئے واپس پھرے۔ (موقع پر پہنچ کر) ان کو ہمارے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور اس کو اپنے یہاں کا خاص علم سکھایا تھا اس سے موسیٰ نے کہا فرمائیں تو میں آپ کے ساتھ رہا کروں بشرطیکہ جو کچھ علم لدنی آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں کچھ مجھے بھی سکھائیں انہوں نے کہا تم تو ہرگز میرے ساتھ ٹھہر نہ سکو گے اور جو بات تمہاری سمجھ سے باہر ہے تم اس پر کیونکر صبر کر سکتے ہو۔

ترکیب: اذ قال ظرف ہے اذکر محذوف کا۔ لا ابرح اس کی خبر اسیر محذوف ہے لدلالۃ حالہ وھو السفر اور ممکن ہے کہ اصل کلام یوں ہو لا ابرح مسیری حتیٰ ابلغ تب حتی ابلغ خبر ہوگا پس مسیر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ ی متکلم کو اس کی جگہ قائم کر دیا لا ابرح تامہ بھی ہو سکتا ہے پھر خبر کی ضرورت نہیں مجمع بینھما ظرف کی طرف مجمع کو علی الاتساع مضاف کر دیا گیا۔ ان اذکرہ بدل ہے ضمیر منصوب سے جو اَنْسٰنِیْهُ میں ہے۔ ای ما انسانی ذکرہ۔ الا الشیطٰن خبرا بالضم العلم بالشی ءتمیز ہے یا مصدر ہے لم تحط کا کس لیے کہ لم تحط بمعنی لم تخبر ہے۔

تفسیر: یہاں سے پھر مسئلہ نبوت میں کلام شروع ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات: یہ دوسرا واقعہ ہے اول اصحاب کہف کا تھا اس میں یہود پر تعریض ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جملہ انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دیتے تھے اور جملہ علوم کا انہیں کو سرچشمہ خیال کرتے تھے اس میں اشارہ ہے کہ دنیا میں ان سے بھی بڑھ کر باکمال تھے۔ اب یہ کیا ضرور ہے کہ جو کچھ ان کی کتاب میں نہ ہو وہ غلط ہے علوم الٰہی کا خاتمہ نہیں ہو گیا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اس قصہ کا مجملاً بیان صحیح بخاری کی اس روایت کے بموجب جو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں وعظ فرما رہے تھے کہ کسی نے پوچھا سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں۔ یہ بات خدا کو ناگوار معلوم ہوئی کیونکہ سب میں زیادہ عالم ہونا اللہ کے لیے کیوں نہ کہا؟ تب خدا تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ مجمع البحرین کے موقع پر تم کو ہمارا ایک بندہ ملے گا جو وہ تم سے بھی زیادہ عالم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ ان تک پہنچنے کی کیا صورت ہے؟

قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ
اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾
فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ
اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ

[1] جوان سے مراد خادم ہے جو غالباً یوشع بن نون تھے۔ ۱۲ منہ

مَعِیَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ
عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ
بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

موسیٰ نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر ہی پائیں گے میں کسی بات میں بھی آپ کے خلاف نہ کروں گا۔ اس نے کہا اچھا اگر تو میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود ہی تجھ سے اس کا ذکر نہ کروں۔ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب دریا میں کشتی پر سوار ہوئے تو اس نے اس میں شگاف کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کیا کشتی کے لوگوں کو ڈبونے کے لیے اس کو پھاڑ ڈالا؟ البتہ تم نے ایک عجیب کام کیا ہے۔ اس نے کہا میں نہیں کہہ چکا ہوں کہ تو ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکے گا۔ موسیٰ نے کہا آپ بھول چوک پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کیجئے اور مجھ سے زیادہ سخت گیری نہ کیجئے۔ پھر وہ آگے چلے یہاں تک کہ ان دونوں کو ایک لڑکا ملا تو اس کو اس نے مار ڈالا۔ موسیٰ نے کہا آپ نے کیوں ایک بے گناہ کو ناحق مار ڈالا؟ البتہ آپ نے بری بات کی۔

تفسیر: فرمایا اپنے تھیلے میں ایک تلی ہوئی مچھلی رکھ لو پھر جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ شخص وہیں ملیں گے۔ پس موسیٰ علیہ السلام مچھلی تھیلے میں ڈال کر یوشع بن نون کو ہمراہ لے کر چلے۔ چلتے چلتے ایک موقع پر (سمندر کے کنارے) پہنچے تو ایک پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ مچھلی اس تھیلے میں سے تڑپ کر دریا میں جا گری اور جہاں تک وہ جاتی تھی پانی میں ایک سوراخ سا ہوتا جاتا تھا۔ حکم الٰہی سے پانی ادھر ادھر سے ملتے نہیں پاتا تھا۔ پھر بیدار ہوئے تو یوشع کو یاد دلانا یاد نہ رہا کہ اس مقام پر مچھلی گم ہو گئی ہے۔ اس سے رات دن تک چلا کئے یہاں تک کہ جب اگلے روز صبح کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان یعنی مرید یوشع سے کھانا مانگا۔ اس سے پہلے منزلوں میں موسیٰ علیہ السلام نہ تھکے تھے لیکن اس منزل میں تھک گئے جو مقام مطلوب کو چھوڑ کر چلے تھے مچھلی کو دیکھا تو ندارد یوشع نے عذر کیا کہ کمبخت شیطان نے مجھے یاد دلانا بھلا دیا۔ یہ اس پتھر کے پاس گم ہوئی تھی تب دونوں الٹے پھرے اور اس پتھر کے پاس آئے تو موسیٰ علیہ السلام کو وہ شخص ملا کہ جس کو علم لدنی دیا گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے السلام علیکم کہا انہوں نے جواب دے کر پوچھا کون ہو؟ کہا موسیٰ بنی اسرائیل اس لیے آیا ہوں کہ آپ سے کچھ علم لدنی سیکھوں۔ خضر نے فرمایا اے موسیٰ! تجھ کو خدا نے جو علم دیا ہے اس کو میں نہیں جانتا اور جو علم مجھے عطا ہوا ہے اس کو تو نہیں جانتا تم میرے ساتھ نہیں رہ سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا انشاء اللہ میں برداشت کروں گا اور کسی بات میں آپ سے خلاف نہ کروں گا پھر تمام قصہ مروی ہے کہ دریا میں ان کو ایک کشتی ملی، اس پر سوار ہوئے تو خضر علیہ السلام نے ایک تختہ نکال دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا واہ بغیر کرایہ سوار کیا، اس پر آپ نے یہ سلوک کیا؟ خضر علیہ السلام نے کہا اور خصت۔ موسیٰ علیہ السلام نے عذر کیا کہ بھول کر سوال کیا آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ پس کشتی سے نکل کر چلے تو ایک جوان لڑکا ملا جو لڑکوں میں کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اس کو مار ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس بے گناہ کو تم نے ناحق قتل کیا۔ یہ بری بات کی۔ خضر نے اب کی بار نہایت برہم ہو کر کہا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تم ہرگز میرے ساتھ نہ رہ سکو گے اس میں لک لام وکاف زیادہ کیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عذر کیا اور شرط کر لی کہ اگر اب کے پوچھوں تو اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ آگے چلے تو ایک گاؤں میں پہنچے۔ ہر چند انہوں نے دستور کے موافق گاؤں والوں سے کھانا مانگا، ضیافت چاہی مگر انہوں نے صاف جواب دے دیا۔ اسی گاؤں میں ایک دیوار تھی جو گرا ہی چاہتی تھی، خضر علیہ السلام نے اس کو سیدھا کر دیا، اب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاب نہ رہی۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ
شَیْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓی

الجزء الثامن عشر ۱۶

إِذَآ أَتَيَآ أَهۡلَ قَرۡيَةٍ ٱسۡتَطۡعَمَآ أَهۡلَهَا فَأَبَوۡاْ أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا
جِدَارٗا يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُۥۖ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَيۡهِ أَجۡرٗا ٧٧
قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيۡنِي وَبَيۡنِكَۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأۡوِيلِ مَا لَمۡ تَسۡطِع عَّلَيۡهِ صَبۡرًا ٧٨
أَمَّا ٱلسَّفِينَةُ فَكَانَتۡ لِمَسَٰكِينَ يَعۡمَلُونَ فِي ٱلۡبَحۡرِ فَأَرَدتُّ أَنۡ أَعِيبَهَا وَكَانَ
وَرَآءَهُم مَّلِكٞ يَأۡخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصۡبٗا ٧٩ وَأَمَّا ٱلۡغُلَٰمُ فَكَانَ أَبَوَاهُ
مُؤۡمِنَيۡنِ فَخَشِينَآ أَن يُرۡهِقَهُمَا طُغۡيَٰنٗا وَكُفۡرٗا ٨٠ فَأَرَدۡنَآ أَن يُبۡدِلَهُمَا
رَبُّهُمَا خَيۡرٗا مِّنۡهُ زَكَوٰةٗ وَأَقۡرَبَ رُحۡمٗا ٨١ وَأَمَّا ٱلۡجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَٰمَيۡنِ يَتِيمَيۡنِ فِي
ٱلۡمَدِينَةِ وَكَانَ تَحۡتَهُۥ كَنزٞ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَٰلِحٗا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبۡلُغَآ
أَشُدَّهُمَا وَيَسۡتَخۡرِجَا كَنزَهُمَا رَحۡمَةٗ مِّن رَّبِّكَۚ وَمَا فَعَلۡتُهُۥ عَنۡ أَمۡرِيۚ ذَٰلِكَ
تَأۡوِيلُ مَا لَمۡ تَسۡطِع عَّلَيۡهِ صَبۡرٗا ٨٢

ع ۱۲

انہوں نے کہا کیا تم سے میں نہیں کہہ چکا ہوں کہ تم ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکو گے؟ موسیٰ نے کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھئے آپ کو میری طرف سے عذر پہنچ چکا پھر وہ آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے پاس آئے تو ان سے کھانا مانگا۔ پر انہوں نے ان کی ضیافت دینے سے انکار کیا۔ پھر ان کو وہاں ایک ایسی دیوار ملی کہ جو گرا ہی چاہتی تھی تب اس نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اجرت لے لیتے، اس نے کہا اب یہ میرے اور تمہارے بیچ جدائی ہے اب میں تم سے ان باتوں کا راز بھی بتلائے دیتا ہوں کہ جن پر تم صبر نہ کر سکے۔ وہ جو کشتی تھی سو چند محتاج لوگوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے پھرتے تھے پھر میں نے اس میں عیب کر دینا چاہا کیونکہ ان محتاجوں کے آگے ایک بادشاہ ہر ایک کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا اور رہا لڑکا۔ سو اس کے ماں باپ ایماندار تھے سو ہم کو ڈر ہوا کہ ان کو بھی کفر اور ظلم میں مبتلا نہ کرے پھر ہم نے چاہا کہ ان کا خدا اس کے بدلہ میں ان کو ایسی اولاد دے جو تھرائی میں اس سے بہتر اور محبت میں اس سے اقرب ہو اور دیوار جو تھی سو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک مرد تھا پس تمہارے رب نے یہ چاہا کہ وہ جوان ہو کر اپنا خزانہ تمہارے رب کی عنایت سے نکالیں۔ اور یہ میں نے از خود نہیں کیا تھا یہ ہے سر اس کا کہ جس پر تم صبر نہ کر سکے۔

تفسیر : اور خود جان کر سوال کیا کیونکہ ان کے پاس رہنا مقصود ہی نہ تھا کہہ اٹھے کہ ان سے اس دیوار کے سیدھا کرنے کی اجرت لے

لہ وراء کے معنی آگے کے ہیں جیسا کہ تفسیر میں حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہم اما مہم فرمایا کرتے تھے اور اس کے معنی پیچھے کے بھی ہیں، دونوں ہو سکتے ہیں۔ ۱۲ منہ

مہ اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ یہ لڑکا یعنی نوجوان ناہنجار ہے، کافر بھی ہے، سرکشی بھی کرتا ہے کہیں ماں باپ اس کی محبت میں آ کر اس کا ساتھ نہ دیں اور اس کے سبب وہ بھی کفر و ظلم میں مبتلا نہ ہو جائیں دوسرے یہ کہ کہیں یہ ان سے کفران نعمت اور سرکشی کر کے ایذائیں نہ دے۔ اول معنی زیادہ مناسب ہیں۔

سہ رحماً بسکون الحاء وقری بضمها الرحمة یقال رحمه الله رحمة ورحماً والالف للتانیث۔ ۱۲ منہ

لینی چاہیے تھی۔ انہوں نے ہمارا حق مہمانی بھی ادا نہیں کیا۔ خضر علیہ السلام نے کہا لو اب مجھ میں اور تم میں جدائی ہے مگر میں تم کو ان تینوں باتوں کا سر بتلائے دیتا ہوں کہ جن پر تم سے صبر نہ ہو سکا۔ کشتی کی سنئے، وہ بیچارے غریبوں کی کشتی تھی جو اس کے ذریعہ سے محنت مزدوری کر کے بسر اوقات کرتے تھے اور آگے ایک بادشاہ بیگار میں زبردستی کشتیاں پکڑ رہا تھا میں نے اس کا تختہ نکال کر عیب دار کر دیا تا کہ بادشاہ اس کو نہ پکڑے چنانچہ اس نے نہ پکڑا اور تختہ لگا کر کشتی کو انہوں نے درست کر لیا۔ اب بتلایئے یہ کام اچھا تھا یا برا؟ اور وہ جو لڑکا تھا وہ نہایت شریر اور سرکش تھا، اس کے ماں باپ نیک تھے، خوف تھا کہ اس کی محبت میں آ کر کہیں وہ بھی کفر و سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس لیے خدا کو منظور ہوا کہ یہ مر جائے اور اس کے بدلے ان کو اور اولاد ملے جو خیراً منہ زکوٰۃً تقویٰ و صلاح میں اس سے بہتر ہو اور اقرب رُحمًا جو صلہ رحمی اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی اس سے بہتر ہو چنانچہ اس کے بعد ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جو نہایت نیک تھی جس کے پیٹ سے ایک نبی پیدا ہوا۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ وہ جوان تھا لیکن نوعمر ہونے کی وجہ سے اس کو لڑکا کہا اور چونکہ خوبصورت تھا اس لیے اس کو ستھرا کہا۔ کلبی کہتے ہیں وہ جوان تھا، راہزنی کر کے مال اپنے ماں باپ کے ہاں لاتا تھا۔ ضحاک کہتے ہیں لڑکا تھا مگر فساد کیا کرتا تھا جس سے اس کے والدین کو ایذا ہوتی تھی (معالم التنزیل) کہو اس میں ارادۂ الٰہی کے بموجب کیا برائی ہے؟

اب رہی دیوار سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ نیک مرد تھا جس کی برکت سے خدا کو اس کی اولاد کے ساتھ احسان کرنا منظور تھا کہ جوان ہو کر وہ اپنا خزانہ نکالیں۔ اگر اس دیوار کو درست نہ کیا جاتا اور یہ گر پڑتی تو اور لوگ خزانہ لے لیتے اس لیے اس کو درست کر دیا کہ ان کی جوانی تک نہ گرے۔ کہیے اس پر کیا اجرت لینی مناسب تھی؟

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے جدا ہو کر پھر بنی اسرائیل میں آ گئے۔ لیکن معلوم ہو گیا کہ دنیا میں خدا کے بندے مجھ سے بھی زیادہ عالم ہیں۔

ابحاث : (اوّل) یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کب گزرا ہے؟ حال کے اہل کتاب کہتے ہیں کہ توریت میں اس کا کہیں ذکر نہیں اس لیے وہ اس کے منکر ہیں۔ علماء اسلام میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں تھے اسی لیے مجمع البحرین یعنی دو سمندروں کے ملنے کے موقع پر اختلاف کیا ہے۔ قتادہ بحر فارس روم مشرقی جانب کا کہتے ہیں۔ محمد بن کعب طنجہ بتلاتے ہیں، ابی بن کعب افریقہ کہتے ہیں (معالم) مگر صحیح یہی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر قلزم کو عبور کر کے ملک عرب کے شمالی و مغربی کناروں میں آ رہے تھے اور بحرین سے مراد بحر قلزم کی وہ دو شاخیں ہیں جو شمالی جانب ہیں، دور تک جا کر دو شاخ ہو گئی ہیں جہاں سے وہ دو شاخ جدا ہوتی ہیں گویا وہ ان دونوں شاخوں کا مجمع یعنی جمع ہونے کی جگہ ہے۔ انہیں دو شاخوں کے بیچ میں کوہ سینا اور حورب اور وہ مقامات ہیں کہ جہاں بنی اسرائیل برسوں رہے ہیں چنانچہ جغرافیہ فرہاد صفحہ ۴۳۵ کے حاشیہ میں یہ ہے۔ وہا عقد من مجمع البحرین کہ در قرآن مجید است کما قال اللہ عزوجل حتی ابلغ مجمع البحرین الخ ملتقائے خلیج عقبہ و خلیج سویس است و اکثر مفسرین باشتباہ افتادہ مجمع البحرین را ملتقائے بحر عمان و ہند گرفتہ اند و حضرت موسیٰ بایں صفحات عبور نفرمودہ اسم قدیم عقبہ ایلہ است و اکثر بے نیز ایلہ را نشناختہ اند و ایلہ بصرہ خواندہ اند ہمیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا انتہی۔ توریت موجود میں اس قصہ کا درج نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ قصہ واقع نہیں ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہت سی کتابیں تھیں کہ جن کو سب اہل کتاب کہتے ہیں مفقود ہو گئیں، ان میں بھی اگر اس کو نہ پاتے تو پھر کچھ مجال گفتگو تھی۔

(دوم) اکثر اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ موسیٰ سے مراد ان آیات میں حضرت موسیٰ بن عمران ہارون علیہما السلام کے بھائی ہیں مگر کعب احبار کی بیوی کا بیٹا نوفل بکالی یہ کہتا تھا کہ یہ اور موسیٰ ہیں جو منسی بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام کے بیٹے تھے لیکن خود حضرت ابن عباس

ﷺ نے اس کی تکذیب کی ہے کہ وہ غلط کہتا ہے۔

تحقیقِ خضر : وہ شخص کہ جس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام علمِ لدنی تعلیم پانے گئے تھے کون تھے؟ علماءِ اسلام کہتے ہیں کہ وہ حضرت خضر تھے کہ جن کو بعض نے ولی اور بعض نے نبی کہا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں جس جگہ وہ نماز پڑھتے تھے وہ جگہ سبز اور ہریالی ہو جاتی تھی اس لیے ان کو خضر کہتے ہیں جس کے معنی سبز کے ہیں۔ یہ بات کسی صحیح حدیث سے دریافت نہیں ہوتی کہ خضر کس ملک میں پیدا ہوئے اور کس قوم کے تھے اور کس زمانہ میں پیدا ہوئے تھے؟ توریت سفر پیدائش کے چودھویں باب کے اخیر میں ملک صدق کا ذکر آیا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برکت دی اور وہ خدا کا کاہن تھا۔ پھر اسی ملک صدق کی نسبت عیسائیوں کی انجیل میں یعنی نامہ عبرانیوں کے ساتویں باب میں یہ لکھا ہے کیونکہ یہ ملک صدق سالیم کا بادشاہ تھا خدا کا کاہن تھا جس نے ابرہام کا جبکہ وہ بادشاہوں کو مار کے پھر آتا تھا استقبال کیا اور اس کے لیے برکت چاہی جس کو ابرہام نے سب چیزوں کی دہ یکے دی وہ پہلے اپنے نام کے معنوں کے موافق راستی کا بادشاہ اور پھر شاہ سالیم یعنی سلامتی کا بادشاہ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ جس کے نہ دنوں کا شروع نہ زندگی کا آخر مگر خدا کے بیٹے سے (عیسیٰ) مشابہ ٹھہر کے ہمیشہ کاہن رہتا ہے۔

گرچہ ملک صدق کی بابت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھا اور جس کی نسبت ہمیشہ زندہ رہنا لکھا ہے اہل کتاب کے مختلف قول ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ ملک صدق وہی شخص ہے کہ جس کو اہلِ اسلام خضر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب ان کی عظمت اسی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جدِ امجد اور اب الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برکت دی تھی۔ شاید پولوس کا یہ کہنا کہ ان کے نہ ماں تھی نہ باپ نہ اس کی عمر کی ابتداء ہے۔ مبالغہ پر محمول ہو جو اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تشبیہ کے لیے یہ بات کہی ہو۔ والعلم عند اللہ۔

خضر علیہ السلام : (اول) کے بارہ میں علماءِ اسلام کے دو قول ہیں ایک جماعت صرف حدیث سے استدلال کر کے (جس کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عشاء کی نماز پڑھ کر یہ فرمایا تھا کہ آج کی رات جو زمین پر زندہ ہے سو برس کے اخیر تک مر چکے گا) یہ کہتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت خضر بھی بموجب حدیث مذکور مر گئے مگر اکثر علماء فرماتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں جس طرح کہ حضرت الیاس اور سال بھر میں دونوں ایک بار ملاقات بھی کرتے ہیں۔ حدیث مذکور میں جو سو برس کے بعد مرنا آیا ہے وہ اکثر لوگوں کی عمرِ طبعی کا لحاظ کر کے فرمایا ہے عموم مراد نہیں کہ جن کی زندگی محض اس کی قدرتِ کاملہ کے طور پر ہو وہ بھی اس میں شامل ہو جائیں۔

(دوم) خضر کی زندگی کی بابت یہ جو عوام میں مشہور ہے (کہ وہ سکندر ذوالقرنین کے ساتھ ظلمات میں گئے اور ذوالقرنین آبِ حیات کے چشمہ کا رستہ بھول گئے اور خضر نے وہاں پہنچ کر وہ پانی پی لیا جس لیے ان کی زندگانی ہمیشہ تک رہے گی اور نیز یہ کہ خضر دریاؤں پر رہتے ہیں وہاں کے کاروبار انہیں سے متعلق ہیں یہاں تک کہ عوام کنوؤں، تالابوں، نہروں پر بھی خضر علیہ السلام کے نام کا چراغ جلاتے اور دیگ پکا کر فاتحہ دلاتے ہیں اور ان کے نام کی دہائی دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ) نہ قرآن سے اس کا ثبوت ہے نہ پیغمبر علیہ السلام کے کسی قول سے اور ان کی پرستش کرنا اور دہائی دینا تو صریحاً ممنوع ہے۔

علم لدنی : (سوم) باوجودیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے اولوالعزم رسول تھے ان کو توریت دی گئی تھی، خدا تعالیٰ سے کلام کرتے تھے، پھر وہ کون سا علم تھا جو انہیں حاصل نہ تھا جس کی خضر علیہ السلام کے پاس تعلیم پانے گئے تھے۔

---

۱ پیشوا۔ امام نجاور ذاہل کتاب۔ ۱۲ منہ

۲ ہر چیز میں سے دسواں حصہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انسانوں میں سے بعض نفوس ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے قوائے خیالیہ وحسیہ انوار وملعانِ روحانی کی وجہ سے ضعیف ہو جاتے ہیں اور ان کی قوتِ ملکیہ ان پر یہاں تک غالب ہوتی ہے کہ اگر ان کو طبقہ ملائکہ میں شمار کیا جائے تو کچھ بعید نہ ہو اور ان کی روح علوم ومعارف الٰہیہ کے لیے ایک آئینہ پر جلا ہوتی ہے تب ان پر بلاتوسط غیرہ عالم غیب کے اسرار فائض ہوتے اور اس کو علم لدنی کہتے ہیں گرچہ سب انبیاء علیہم السلام ایسے ہیں مگر۔ ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است، ہر ایک کے مراتب متفاوت ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم خلق کی طرف زیادہ توجہ تھی ان پر اسی قسم کے علوم فائض ہوتے تھے ملائکہ کے سلسلہ میں داخل ہونا ان کے حق میں ان کے مقاصد کے منافی تھا۔ برخلاف حضرت خضر علیہ السلام کے کہ وہ ملکیت غالب آجانے کی وجہ سے رجال الغیب اور ملائکہ میں مل گئے تھے اس لیے نظر سے غائب ہو جانا اور ہزاروں کوس دم مارنے میں چلا جانا، سمندروں پر سے پار اتر جانا ان کے نزدیک کچھ مشکل نہ تھا۔ خدا تعالیٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھانا تھا کہ ہمارے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو ملائکہ کی طرح جو کچھ کرتے ہیں اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں بظاہر ان کے افعال کسی سر کی وجہ سے کسی کی سمجھ میں نہ آئیں اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے کہا تھا کہ تم کو اور علوم مجھے اور علوم دیے گئے ہیں تم میرے ساتھ نہ رہ سکو گے۔ آخر موسیٰ علیہ السلام نے بھی دیکھا کہ ان علوم سے مجھے کچھ فائدہ نہیں، وہاں سے چلے گئے۔

امتِ محمدیہ میں خضر جیسے لوگ ہوتے ہیں : (چہارم) امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی خضر صفت آدمی ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں جن کو ابدال واوتاد واقطاب کہتے ہیں مگر جاہل صوفیوں کا اس قصہ سے یہ سمجھ لینا کہ باوا شریعت اور ہے طریقت اور ہے نماز روزہ حرام وحلال کے ہم پابند نہیں، ہم عالم غیب کے مختار ہیں جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں، پھر اس اعتقاد سے جہلاء کا ان سے حاجات طلب کرنا اور ان لوگوں کا شراب پینا، بھنگ نوشی کرنا اور معترض کو یہ کہنا کہ باوا موسیٰ علیہ السلام نے بھی خضر علیہ السلام پر ایسے ہی اعتراض کیے تھے۔ یہ علمِ لدنی کی باتیں ہیں جو مرشدوں (یعنی تکیہ میں بھنگ گھوٹنے والوں) سے حاصل ہوتی ہے۔ وغیرہ ذالک من الخرافات محض وسوسۂ شیطانی اور دامِ تزویر ہے معاذ اللہ اقطاب وابدال ایسے منہیات کے کب مرتکب ہوتے ہیں خضر علیہ السلام کی تینوں باتوں کو غور کر دان میں سرِ مو قباحت نہ تھی۔ دیوار کا بنانا تو ظاہر ہے، رہا کشتی کا تختہ نکالنا کہ جس سے وہ غرق نہ ہوئے اور ان کی کشتی بچ گئی ایسی ہی بات ہے کہ جس طرح سر کے بال مونڈ دینے سے کسی کا مرض دفع کر دیا جائے، رہا اس بدبخت لڑکے کا قتل کرنا سو وہ بھی ٹھیک بات تھی خصوصاً جبکہ وہ جوان اور قزاق تھا یوں تو ملک الموت پر بھی سینکڑوں قتل کے ہر کوئی الزام لگا سکتا ہے۔

ہنود کے معارضہ کا جواب : ہندوؤں کی کتابوں سے جبکہ ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ کرشن نے گوپیوں سے ایسا کیا مہادیو جی نے اور فلاں فلاں بزرگوں نے ذرا سی بات پر اتنے لوگوں کو بے رحمی سے قتل کر ڈالا تو ہنود کے رئیس المناظرین لالہ اندرمن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو مکا مارنا اور خضر علیہ السلام کا کشتی کا تختہ اکھیڑنا، لڑکے کو قتل کرنا، حضرت آدم علیہ السلام کا بھول کر گندم کے درخت کو کھانا گنوا دیا اور سینکڑوں وہ بے اصل قصے جو ہمارے خوش اعتقاد راویوں نے اہلِ کتاب سے لیے تھے بیان کر دیے کہ لو دیکھو تمہارے مسلم بزرگوں نے کیا کم کیا ہے؟ اس جواب سے ناواقف ہنود تو شاید خوش ہو گئے ہوں گے مگر منصف مزاجوں کے نزدیک یہ جواب سننے کے بھی قابل نہیں کیونکہ کہاں حضرت خضر علیہ السلام وموسیٰ وآدم علیہما السلام کا یہ فعل کہاں ان کے بزرگوں کے وہ حیرت انگیز ماجرے جو ان کی کتابوں[1] میں بھرے پڑے ہیں جس کی تشریح سوطالعہ ابھار وغیرہ میں علماءِ اسلام نے خوب کی ہے۔

قرآن مجید میں جو خضر علیہ السلام کے تین فعل بیان ہوئے ہر ایک امت کے لیے عجب رموز ہیں۔ (۱) اول کشتی کا تختہ توڑ کر بادشاہ ظالم کے ہاتھ سے بچا دینا اس بات کی تعلیم ہے کہ تھوڑے سے نقصان پر نا صبر نہ ہونا چاہیے اس میں جانے کیا فوائد رکھے ہوتے ہیں اور نیز

---

۱ پرانوں میں۔ ۱۲ منہ

یہ بھی کہ کسی غریب کو اللہ کشتی میں سوار کرنا یا اس کے ساتھ اور کوئی سلوک کرنا آسمانی بلاکتوں سے بچنے کا سبب ہو جاتا ہے۔ (۲) نیک آدمی پر صدمہ آنا کسی مصلحتِ الٰہیہ کی دلیل ہے جیسا کہ اس بدبخت لڑکے کا مرنا جو دنیا و آخرت میں ان کے ننگ کا باعث تھا جس کے بدلہ میں نیک اولاد ملی۔ (۳) نیک آدمی کے بعد پشتوں تک خدا تعالیٰ اس کی اولاد کو نیک صلہ دیا کرتا ہے جیسا کہ دیوار کے قصہ سے ظاہر ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۭ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝

اور (اے رسول!) آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں (ان سے) کہہ دو کہ اب میں تمہیں اس کا کچھ حال سناتا ہوں۔ ہم نے اس کو مملکت میں بڑی قوت دی تھی اور اس کو ہر ایک طرح کا ساز و سامان عطا کیا تھا۔ سو اس نے ساز و سامان تیار کر کے (سفر کا ارادہ کیا) یہاں تک کہ جب وہ آفتاب غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اس کو وہ ایک گرم (یا سیاہ) چشمے میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا اور وہاں اس نے ایک قوم کو بھی پایا۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین! (تجھے اختیار ہے) یا ان کو سزا دے اور یا ان سے نیک سلوک کر۔ اس نے (لوگوں سے) کہا کہ جو ان میں ظالم ہے اس کو تو میں سزا ہی دوں گا پھر وہ اپنے رب کے پاس روانہ ہوگا پھر تو وہ اسے اور بھی سخت سزا دے گا، اور جو کوئی ایمان لایا ہوگا اور اس نے نیکی بھی کی ہوگی تو اس کو (خدا کے پاس بھی) نیک بدلہ ملے گا اور ہم بھی اپنے معاملہ میں اس کو آسان ہی حکم دیں گے۔

ترکیب: عن یسئلونک سے متعلق ذکرا اتلوا کا مفعول، مکنا مفعول امرہ محذوف وجدھا جواب ہے اذا بلغ کا تعجب جملہ حال ہے ضمیر وجدھا سے یا مفعول وجد حمئۃ ذات حمات۔ الحمات الطین الاسود وقرآ ابن عامر وحمزۃ حامیۃ ای حارۃ اما تخییر کے لیے جزاء کو حمزہ کسائی حفص بالنصب والتنوین پڑھتے ہیں اور باقی بالرفع والاضافۃ۔ اول تقدیر پر فلہ الحسنیٰ جزاءً جیسا کہ کہتے ہیں لک ھذا الثوب ہبۃ دوسری صورت میں الحسنی کا موصوف الفعلۃ مقدر مانا جائے گا یا المثوبۃ پس جزاء موصوف ہوگی المثوبۃ الحسنیٰ کی واضافۃ الموصوف الی الصفۃ کثیر۔

تفسیر ..... ذوالقرنین کال اور اس کا سفر : یہ تیسرا قصہ ذوالقرنین کا ہے جو اہلِ کتاب کے کہنے سے قریش نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ اِنَّا مَكَّنَّا سے تمہید کے بعد قصہ شروع ہوتا ہے کہ ہم نے ذوالقرنین کو دنیا پر قابو دیا تھا اور ہر ایک قسم کا ساز و سامان عطا تھا جس سے وہ مشرق و مغرب تک فتوحات حاصل کرتا ہوا چلا گیا (اگرچہ جب سے علم تاریخ مدون ہوا ہے تب سے ایسے ساز و سامان جواب

ہیں ریل و ہوائی جہاز پائے نہیں جاتے مگر تواریخ سے پہلے غیر معلوم زمانہ میں جانے کیا کیا صنعتیں تھیں اور مٹ گئیں جن کے بعض آثار قدیم قرابات کے کھودنے سے برآمد ہوتے ہیں)۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا کہ ذوالقرنین نے سفر کا ساز و سامان تیار کیا اور پہلے مغرب کی سمت کو روانہ ہوا یہاں تک کہ ان کو آفتاب سمندر کے گرم اور سیاہ پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا گرچہ آفتاب آسمان پر ہے مگر غروب کے وقت پانی کے کنارہ پر کھڑے ہونے والے کو پانی میں اور پہاڑ کے سامنے والے کو پہاڑ میں غروب ہوتا ہوا معلوم ہوا کرتا ہے اور جس نے حمیۃ پڑھا ہے اس کے نزدیک ذوالقرنین کے سامنے سیاہ دلدل ہوگا جس میں آفتاب کو غروب ہوتے دیکھا ہوگا۔ القصہ وہاں ایک بت پرست قوم ملی جس کی نسبت خدا نے ذوالقرنین کو بالہام یا بواسطہ نبی یہ حکم دیا کہ خواہ ان کو سزا دے خواہ ان سے کوئی نیک سلوک کر، ذوالقرنین نے لوگوں سے کہا وہ جو ان میں ظالم و سرکش ہیں میں انہیں سزا دوں گا یعنی مار ڈالوں گا جو اس کے بعد وہ اپنے رب کے ہاں جا کر اور بھی سخت عذاب پائیں گے یا یہ مراد کہ سزا دوں گا کوئی سزا ہو پھر مرنے کے بعد وہ وہاں اور بھی سزا پائیں گے اور جو ان میں ایماندار اور نیک ہو جائیں گے ان کو اچھا بدلہ انعام و اکرام دوں گا اور اپنی حکومت و ریاست کے امر میں بھی ان سے نرمی برتوں گا چنانچہ ذوالقرنین نے ایسا ہی کیا۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰي قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝

پھر اس نے تیاری کی یہاں تک کہ جب آفتاب نکلنے کی جگہ (یعنی مشرق) میں پہنچا تو اس نے آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع کرتے ہوئے پایا کہ جن کے لیے ہم نے آفتاب سے بچنے کے لیے کوئی اوٹ نہ بنائی تھی بات یوں ہی ہے اور اس کے حال کی پوری پوری خبر ہمارے ہی پاس ہے۔ اس نے پھر تیاری کی یہاں تک کہ وہ جب پہاڑ کے دروں میں پہنچا تو ان کے پار ایک ایسی قوم ملی جو بات نہ سمجھ سکتی تھی۔ انہوں نے (مترجم کی معرفت) کہا اے ذوالقرنین! یاجوج و ماجوج نے تو ملک میں فساد ڈال رکھا ہے۔ پھر آپ کہیں تو آپ کے لیے ایک محصول قائم کریں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے بیچ کوئی مستحکم دیوار بنا دیں اس نے کہا کہ جو

کچھ میرے رب نے مجھے مقدور دے رکھا ہے وہی کافی ہے۔ پھر تم اپنی (ہاتھ پاؤں) طاقت سے میری مدد کرو کہ میں تمہاری اور ان کے درمیان ایک آڑ بنا دوں مجھے لوہے کے تختے لا دو (وہ لائے) اور کام شروع ہوا یہاں تک کہ جب پہاڑ کے دونوں کناروں کو (دیوار چن کر برابر کر دیا تو کہا اس کو دھونکو۔ لوگ دھونکنے لگے ہیں) یہاں تک کہ جب اس کو سرخ انگارہ کر دیا تو اس نے کہا کہ اب تم میرے پاس تانبا لاؤ کہ پگھلا کر اس پر ڈال دوں (پس ایسی مستحکم اور بلند دیوار تیار ہو گئی) کہ یاجوج و ماجوج نہ اس پر چڑھ سکتے ہیں اور نہ اس میں نقب لگا سکتے ہیں اور دیوار کو دیکھ کر ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی عنایت ہے۔ پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اس کو ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔

ترکیب: السدین ای الجبلین المعنی بینھما سدہ وھما جبلان منیفان فی اواخر الشمال فی منقطع ارض الترک من وراٰھما یاجوج و ماجوج وبین ھھنا مفعول بہ وھو من الظروف المختصرفتہ۔ ھرجا بمعنا تخرجہ من امواتنا۔ ردما حاجزا اعصینا وھو اکبر من السد من قولھم ثوب مردم اذا کان رقاع فوق رقاع۔ **الصدفین** الصدف محرکۃ کل شی ء مرتفع من حائط ونحوہ ای جانبی الجبلین فما استطاعوا بحذف التاء حذرا من تلاقی متقاربین ای التاء والطاء۔

تفسیر.....مشرق کا سفر: پھر وہاں سے بلاد مشرقیہ کی طرف توجہ کی اور مشرق میں ایسی قوم تک پہنچے کہ جن کے پاس آفتاب کی تپش سے بچنے کے لیے کوئی خیمہ یا مکان نہ تھا زمین اور پہاڑوں کی کھوہ میں رہتے تھے۔ فرماتا ہے کذلک الخ یعنی ہم علام الغیوب ہیں ذوالقرنین کا پورا حال کہ کس قدر سیاہ تھی اور اس کے ساتھ کون کون تھے جو ہم کو معلوم ہے اور کوئی کیا جان سکتا ہے اور الحق یوں ہی ہے۔

شمال کا سفر: ثم اتبع سببًا یہ تیسرا سفر ہے اس کی کوئی سمت بیان نہیں کی۔ غالبًا شمالی رخ کا دھاوا ہے کیونکہ آبادی زمین کی اسی حصہ میں بیشتر ہے۔ شمال میں فتح کرتے کرتے وہ پہاڑوں کی گھاٹی میں پہنچے اور اس کے متصل ایسی قوم ملی جو بات نہ سمجھ سکتی تھی ترجمان کے ذریعے سے انہوں نے ذوالقرنین سے قوم یاجوج و ماجوج کی سرکشی اور فساد کا حال بیان کر کے اس گھاٹی کو بند کرنے کی درخواست کی کہ جس سے گزر کر یہ دونوں قومیں ان کے ملک میں قتل و غارت کرتی تھیں اور اس پر انہوں نے کچھ روپیہ یا پیداوار دینے کا بھی عہد کیا۔ ذوالقرنین نے کہا خدا نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے تم صرف جسمانی مدد دو کہ لوہے کے تختے میرے پاس لاؤ چنانچہ وہ لوگ لائے، پس جب پہاڑوں کی چوٹیوں تک درے کو لوہے اور پتھروں سے چن دیا تو گرم کر کے یعنی پگھلا کر اس پر کسی حکمت سے تانبا یا سیسہ ڈال دیا جس سے دو دیوار ایک ذات ہو گئی۔ سب جوڑ مستحکم ہو گئے کہ نہ تو اس کی بلندی کی وجہ سے یاجوج و ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے نہ اس میں سوراخ کر سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے کہا یہ تم پر رحمت الٰہی ہے اس کے گرنے کا ایک وقت مقرر خدا نے کر رکھا ہے جب وہ وقت آئے گا تو گر جائے گی یہ اس لیے کہ شکر گزاری کرتے رہیں، ڈرتے رہیں۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾

اور اس روز ہم نے ان کو ایسا کر چھوڑا کہ ایک دوسرے پر دھکا پیل کرتا تھا اور صور پھونکا جائے گا پھر ہم ان سب کو جمع کر لیں گے اور ہم اس روز کافروں کے سامنے جہنم کو لائیں گے ان کے کہ جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ کچھ سن بھی نہ سکتے تھے۔

ترکیب: بعضھم مفعول اول ترکنا بمعنی جعلنا کیموج جملہ مفعول ثانی وترکنا جملہ مستانفہ ہے یومئذ یموج سے متعلق ہے۔ کانوا معطوف ہے کانت اعینھم پر حیز صلہ میں داخل ہے معطوف اور معطوف علیہ کا مجموعہ صلہ ہے الذین کا یہ موصول اپنے صلہ سے مل کر الکافرون کی صفت یا نعت ہے۔

تفسیر: یہ تتمہ ہے ذوالقرنین کے قصہ کا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس روز یعنی وقت موعود پر جبکہ دیوار ٹوٹے گی اور قوم یاجوج و ماجوج اس میں سے ادھر کے ملکوں میں آئے گی تو یہ اژدھام ہو گا کہ حکم دھکا ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ٹڈی دل کی طرح امڈے چلے آئیں گے آ کر زمین میں فساد کریں گے، قتل کریں گے، کھیتیاں اجاڑیں گے، چونکہ دیوار کا ٹوٹنا یاجوج و ماجوج کا باہر آ کر فساد کرنا بلحاظ زمانہ ذوالقرنین کے ہزاروں سینکڑوں برس کے بعد ہو گا اور یہ زمانہ اس زمانہ کے خیال سے یقیناً قیامت کے قریب ہے اس لیے اس مناسبت سے حشر کا مسئلہ شروع ہوا۔ ونُفِخَ فِي الصُّوْرِ صور پھونکا جائے گا، دنیا نیست و نابود ہو جائے گی، پھر دوسری بار صور پھونکے گا جس سے ہر شخص زندہ ہو گا۔ وعرضنا جھنم الخ اس روز کافروں کے سامنے جہنم کو لا کھڑا کریں گے تا کہ وہ اس میں ڈالے جائیں، وہ کافر کون لوگ ہیں؟ آپ ہی بتاتا ہے الذین الخ وہ کہ جن کی آنکھوں پر دنیا میں پردے پڑے ہوئے تھے کہ خدا کی نشانیوں اور آیات قدرت کو دیکھ کر اس کو یاد نہیں کرتے تھے اور جب خود یہ بات حاصل نہ تھی تو ان کے وعظ و نصیحت کو بھی نہیں سنتے تھے۔ وترکنا الخ کے جو معنی ہم نے بیان کیے ہیں انہیں معنی کی تائید سورۂ انبیاء کی اس آیت سے ہوتی ہے حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حدب ينسلون یہاں تک کہ جب یاجوج و ماجوج کو کھول دیں گے تو وہ ہر بلندی سے دوڑتے چلے آئیں گے۔ پھر واقترب الوعد الحق سے حشر کا برپا ہونا بیان فرماتا ہے جیسا کہ یہاں عرضنا سے فرمایا مگر بعض مفسرین یومئذ سے مراد وہ دن لیتے ہیں کہ جس روز دیوار قائم ہوئی تھی اور ترکنا ماضی کے صیغہ کو اپنے اصلی معنوں پر رکھتے ہیں ان کے نزدیک اس کے یہ معنی ہوئے کہ جس روز دیوار قائم ہو گئی تو یاجوج ماجوج وہیں ایک دوسرے پر باہر آنے کے لیے گرتے پڑتے اور اژدھام کرتے رہ گئے کہ ایک دوسرے پر دیوار کی طرف آنے کے لیے گرا پڑتا تھا جیسا کہ اژدھام میں ہوتا ہے، واللہ اعلم۔ ویسئلونک عن ذی القرنین الخ جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ قریش[1] نے احبار یہود کے کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند باتیں بطور امتحان کے پوچھیں تھیں منجملہ ان کے ایک یہ بات بھی ہے۔ اس بات کو محدثین نے صحیح سند سے ثابت کر دیا ہے اور قرآن مجید کے الفاظ بھی اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اس میں کچھ بھی شبہ نہ کرنا چاہیے کہ ذی القرنین کا قصہ یہود میں متعارف تھا۔ اب خواہ وہ ان کے طالموت میں ہو خواہ کمرا میں جو ان کی کتاب مقدس کی شرح یا تفسیر ہے یا ان کی ان روایات میں جو زبانی یکے بعد دیگرے ان کے ہاں متوارث چلی آتی تھیں ہر چہ باشد مگر وہ ذی القرنین کے قصہ سے واقفیت رکھتے تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس قصہ کو ہر ایک نہیں بتلا سکتا اور اسی غرض سے بطور امتحان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ قرآن مجید نے صرف یہی بتلایا کہ وہ ایک ایسا بادشاہ تھا کہ جس کو ہم نے زمین پر زور آور کیا تھا، اس کو ہر ایک طرح کے اسباب عطا کئے تھے۔ پھر اس نے مغرب کے رخ سفر کیا اور وہاں تک پہنچا کہ جہاں تک اس کو آفتاب سیاہ اور گدلے چشمہ میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوا۔ پھر وہاں سے لوٹ کر مشرق کی طرف رجوع کیا اور آخر ایک ایسی قوم پر پہنچا کہ جن پر آفتاب بغیر کسی حجاب کے طلوع کرتا تھا۔ پھر وہاں سے اس نے ایک اور سفر کیا (جو غالبًا سمت شمالی میں تھا اور

[1] چنانچہ ابن جریر نے بسند ابن اسحاق عکرمہ سے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں قریش نے نضر بن حارث عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ میں احبار یہود کے پاس بھیجا تا کہ ان سے پوچھ کر بطور امتحان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں چنانچہ انہوں نے یہ تین سوال تعلیم کئے اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر ان میں سے وہ کا بھی جواب دے گا تو جانو کہ برحق ہے۔ اول اصحاب کہف کا حال پوچھو پھر اس بادشاہ کا جو مشرق و مغرب تک فتح کرتا ہوا چلا گیا تھا یعنی ذوالقرنین کا پھر روح سے سوال کرو۔ ۱۲ منہ۔

قرائن سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے) اور ایک ایسی قوم تک پہنچے کہ جو ان کی زبان نہ سمجھ سکتے تھے (بغیر ترجمان کے) ان لوگوں نے ذوالقرنین سے کسی خاص خراج دینے پر یہ درخواست کی کہ یاجوج وماجوج مفسد لوگ ہیں، ہمارے ملک پر شورش برپا کیا کرتے ہیں۔ آپ ان کا رستہ بند کر دیجئے۔ ذوالقرنین نے خراج لینے سے انکار تو کیا اور لوہے کے تختے ان سے مانگے کہ جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کوئی درہ تھا اس کو بند کر دیا اور دیوار چن کر اس کو گرم کیا اور پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ اس پر ڈال کر ایسا مستحکم کر دیا کہ جس پر نہ وہ چڑھ سکتے تھے، نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے۔ نہ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر ہے کہ ذی القرنین کس ملک کا بادشاہ تھا اور کس عہد میں تھا؟ اور نہ یہ بات بتلائی کہ اس کو ذی القرنین کیوں کہتے تھے۔ نہ اس بات کا ذکر ہے کہ ذی القرنین مشرق ومغرب میں انتہی تک پہنچ گئے تھے نہ یہ بات بتلائی گئی ہے کہ وہ قوم کہ جس نے سد یعنی دیوار بنانے کی درخواست کی تھی کون تھی اور کہاں تھی؟ نہ یہ بتلایا کہ یاجوج وماجوج کون قوم تھی اور کہاں رہتی تھی اور اب بھی ہے کہ نہیں اور ہے تو کہاں ہے اور وہ کیسی قوم ہے، ان کے قد کیسے ہیں اور وہ مردم خور ہیں یا نہیں؟ اور نہ دیوار کا موقع بتلایا کہ وہ کس جگہ بنی ہے اور اب بھی ہے کہ نہیں؟ یہ سب باتیں سوال سے زائد تھیں اس لیے ان سے اعراض کر کے اصل قصہ بتلایا جو ان کی غرض سے تعلق رکھتا تھا اور انبیاء علیہم السلام اور وحی کا مقصدِ اصلی بھی یہی تھا۔ تفصیل وار قصے کہانی بیان کرنا مؤرخوں کا کام ہے۔ اب ان باتوں میں علماءِ اسلام نے غور کرنا شروع کیا اور جہاں تک ہو سکا، ان کا پتا نکالا اور ان باتوں کے دریافت کرنے میں انہوں نے کہیں قرآن مجید کے اشاروں سے کہیں روایاتِ سلف سے کہیں مورخینِ اہلِ کتاب واہلِ اسلام و دیگر تواریخ سے اور ہر زمانہ کے اہلِ تحقیق اور اہلِ جغرافیہ سے مدد لی اور یہی وجہ ہے کہ ان باتوں کے ٹھیک ٹھیک دریافت کرنے میں ان سے باہم اختلافات بھی ظہور میں آئے اور کچھ عجب نہیں کہ ان سے کسی موقع پر اصلی بات رہ گئی ہو اور بعض نے اس کو ٹھیک سمجھا ہو اور ایسی باتوں میں کہ جہاں نہ کوئی نصِ قطعی رہنمائی کرتی ہو نہ کوئی اس وقت کی صحیح تاریخ ملتی ہو اختلاف ہونا ایک معمولی بات ہے، نہ ان امور محبوشہ کا ان کی تحقیق کے موافق ہر ہر بات میں صحیح مان لینا فرض وواجب ہے، نہ ان پر کوئی وجہ انکار ہے۔

سب سے پہلی بات کہ ذوالقرنین کون تھا اور کہاں کا تھا اور کب تھا؟

اس کا ثبوت اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ یہ دیوار کس نے بنائی؟ پس جو اس کا بنانے والا تھا وہی شخص ذوالقرنین ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ اب ہم اس کو اس سد کی تلاش کرنی پڑی کہ کہاں ہے؟ ہمارے سامنے حال کے بھی متعدد جغرافیہ اور کرۂ زمین کے صحیح نقشے دھرے ہیں جو سرکاری مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، ان میں کسی جگہ یاجوج وماجوج قوم کا ذکر تک نہیں اور یہ ممکن ہے کیونکہ حال کے جغرافیوں میں قوموں اور ملکوں کے وہی نام ذکر کئے جاتے ہیں جو آج کل متعارف ہیں اور ایسا بہت واقع ہوا ہے کہ زمانہ کے گزرنے سے ملکوں اور شہروں اور قوموں کے اور ہی نام ہو گئے، پہلے نام بدل گئے، ہو سکتا ہے کہ یاجوج وماجوج کو آج کل کسی اور نام سے تعبیر کرتے ہوں اس لیے یاجوج ماجوج کا نام نہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کوئی قوم نہیں یا پہلے تھی اب بالکل نیست ونابود ہو گئی اسی طرح اس سد کا بھی ذکر نہیں اور یہ بھی قرینِ قیاس ہے کس لیے کہ جغرافیوں اور نقشوں میں شہروں اور پہاڑوں اور بڑے بڑے نشانوں کو ذکر کیا کرتے ہیں اور یہ دیوار جیسا کہ اہلِ اسلام کے مؤرخ کہتے ہیں صرف تخمیناً ڈیڑھ گز کی ایک مرتفع اور مستحکم دیوار دو پہاڑوں کے درمیان ہے اس سے بھی بڑی بڑی صدہا چیزیں مذکور نہیں ہوتیں۔

اب ہم کو مسلمانوں کے قدیم جغرافیہ دیکھنے چاہئیں کہ جنہوں نے بطلیموس کے جغرافیہ کو لے کر اس کے ساتھ اپنے سفرنامہ اور اپنے دیکھے ہوئے مقامات کو بھی نہایت تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے اور گویا حال کے جغرافیوں کی انہیں پر تقسیم اقالیم وجزائر وممالک وغیرہ امور میں بنیاد

ہے اور یہ بھی درست ہے کہ آج کل سامانِ سفر جیسے مہیا ہیں اور جس آسان طریقہ سے ہر ایک ملک کی خبر دریافت ہو سکتی ہے پہلے یہ بات نہ تھی اور اسی لیے حال میں اس فن میں بہت کچھ چھان بین کی گئی مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دوسری تیسری صدی میں جبکہ مسلمانوں کے فتوحات مشرق ومغرب تک پھیل گئے تھے اور وہ باوجود صعوبتِ سفر کے اندلس اور جبل الطارق سے لے کر چین کے کناروں تک ایسے امور کی تحقیقات کے لیے سفر کیا کرتے تھے اور پھر ہر ایک سیاح نہایت صحت واحتیاط کے ساتھ ان مقامات وبلاد وممالک کے احوال قلمبند کیا کرتا تھا چنانچہ اس قسم کے بہت سے جغرافیہ اب تک موجود ہیں جن میں سے اکثر کو اہل فرنگستان نے طبع بھی کیا ہے ان میں سے میرے پاس اس وقت یہ کتابیں موجود ہیں جن سے ایشیاء اور افریقہ کے ملکوں کا اور ان کے شہروں اور مشہور مقاموں کا بڑی تشریح کے ساتھ حال معلوم ہو سکتا ہے۔ (۱) کتاب المسالک والممالک تالیف ابی القاسم بن حوقل مطبوعہ لیڈن مطبع بریل ۱۸۷۳ء (۲) الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ تالیف ابوریحان محمد بن احمد بیرونی خوارزمی مطبوعہ جرمن ۱۸۷۸ء بیرون سندھ میں کوئی قریہ یا شہر تھا شاید اب بھی ہو۔ یہ شخص بڑا حکیم ومنجم سلطان محمود غزنوی کے عہد میں تھا۔ (۳) نزہۃ المشتاق فی ذکر الابصار والاقطار والبلدان والجزر والمدائن والآفاق اس کا مصنف علوی اور یہی چھٹی صدی ہجری میں تھا۔ یہ جغرافیہ یونانی اور اس کے جغرافیوں سے ملخص کر کے جزیرہ صقالیہ کے عیسائی بادشاہ کے لیے تصنیف کیا تھا۔ (۴) مراصد الاطلاع علے اسماء الامکنۃ والبقاع تالیف یاقوت حموی مطبوعہ فرانس۔ (۵) کتاب البلدان تالیف ابی بکر احمد بن محمد الہمدانی المعروف بابن الفقیہ مطبوعہ لیڈن بمطبع بریل ۱۳۰۲ ہجری۔ (۶) احسن التقسیم فی معرفۃ الاقالیم تالیف شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البناء الشامی المقدسی المعروف بالبشاری مطبوعہ لیڈن بمطبع بریل ۱۸۷۷ء۔ اس کا مصنف شہاب الدین غوری سے بھی پہلے تھا۔ (۷) مسالک الممالک تالیف ابی اسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطخری المعروف بالکرخی مطبوعہ مطبع بریل واقع شہر لیڈن ۱۸۷۰ء۔ (۸) تقویم البلدان تالیف السلطان عماد الدین اسماعیل بن الملک الافضل یعنی ابوالفداء مطبوعہ پیرس ۱۸۴۰ء۔ (۹) مقدمہ ابن خلدون یہ شخص جو آٹھویں صدی میں گزرا ہے، بڑا حکیم تھا اس نے اپنے جغرافیہ میں حکیم بطلیموس کے جغرافیہ سے لیا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تھوڑے دنوں بعد گزرا ہے اور نیز زجاج وابن مسعودی وحوقلی وقدری وابن اسحاق منجم ونزہۃ المشتاق سے بھی لیا ہے اور اقلیم کا اس صحت وخوبی کے ساتھ حال بیان کیا ہے جو آج کل کے جغرافیوں سے سرِ مو تفاوت نہیں رکھتا صرف ناموں کا فرق ہے۔

اوّل دیوار : اس نے اپنے مقدمہ میں تین جگہ اس دیوار کا ذکر کیا ہے، صفحہ ۷۱ میں کہتا ہے وفی الجزء التاسع من ھذا الاقلیم والخامس فی الجانب منہ بلاد خفشاخ وہم قفچق یجوز ھا جبل قوقیا حین ینعطف من شمالہ عند البحر المحیط ویذھب فی وسط الی الجنوب بانحراف الی الشرق فیخرج فی الجزء التاسع من الاقلیم السادس ویمر متعرضا فیہ۔ وفی وسط ھناک سد یاجوج وماجوج وقد ذکرناہ وفی الناحیۃ الشرقیۃ من ھذا الجزء ارض یاجوج وراء جبل قوقیا علی البحر قلیلۃ العرض مستطیلۃ احاطت بہ من شرقہ وشمالہ انتہی کہ اس اقلیم کے نویں حصہ میں ایک گوشہ میں خفشاخ کے بلاد ہیں کہ جن کو قچاق کہتے ہیں کہ جن پر سے قوقیا پہاڑ گزرتا ہے جبکہ وہ بحرِ محیط کے پاس سے ہو کر شمال کی طرف مڑتا ہے قدرے شرق کو مائل ہو کر تب وہ پہاڑ اقلیم سادس کے نویں حصہ تک نکل جاتا ہے اور یہیں سے وہ موڑ کھا کر نکلتا ہے اور اسی جگہ اس کے وسط میں یاجوج وماجوج والی دیوار ہے کہ جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس حصہ کے شرقی کنارہ میں یاجوج کا ملک ہے جبل قوقیا کے پرے سمندر کے رخ مستطیل نکلا ہے۔ قوقیا غالباً کوہ الطائی کو کہتے ہیں اور اسی کے موڑ میں ایک جگہ وہ دیوار ہے اور کوہ طبخ کے پرلی طرف منچولیا اور منگولیا مغلوں کی قومیں ہیں جن کو یاجوج سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ لوگ سخت خونخوار درندے اور سفاک کافر تھے، جن کا پیشہ شکار ہے پہلے زمانوں میں یہ لوگ ادھر تو چین کے ملک پر تاخت وتاراج کیا کرتے تھے جن کے روکنے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً ۳۲۵ برس پیشتر فغفور چین نے دیوار بنائی تھی جس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل سے لے کر پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے۔ یہ مستحکم دیوار کہ جس کی پوری کیفیت تاریخ چین سے معلوم ہوتی

ہے اب تک موجود ہے جو عجائب روزگار میں شمار کی جاتی ہے، ادھر یہ سفاک قوم اس پہاڑ کے درہ میں سے گزر کر ترکستان پر تاخت مارنے کرنے آیا کرتی تھی۔ اب ہم یہ بتلاتے ہیں کہ دنیا میں اس قسم کی دیواریں کئی جگہ ہیں۔ (۱) ملک چین کے شمالی حصہ میں ایک دیوار ہے جو دیوارِ چین کہتے ہیں جس کو بقول مورخین چی واٹگٹی فغفور چین نے بنایا تھا۔

دیوارِ دوم : دوسری وہ دیوار جو جبل الطی کے کسی درہ کو بند کئے ہوئے ہے جس کا ابن خلدون نے بھی ذکر کیا ہے اور اسی کو اکثر مؤرخین اسلام سدِ یاجوج کہتے ہیں جس کی تحقیق خلفاءِ عباسیہ کے عہد میں کی گئی تھی چنانچہ ابوریحاں بیرونی اپنی کتاب آثار باقیہ مطبوعہ جرمن ۱۸۷۸ء کے صفحہ ۴۱ میں لکھتے ہیں، فاما الروم المعنی بین السدین فان ظاہر القصۃ فی القرآن لاتیس علی موضعہ من الارض وقد نطقت الکتب المطولۃ بذکر البلاد والمدن کجغرافیا وکتب المسالک والممالک علی ان ھذہ الامۃ اعنی یاجوج وماجوج ھم صنف من الاتراک المشرقیۃ الساکنۃ فی ما وراء الاقالیم الخامس والسادس ومع ھذا حکی محمد بن جریر الطبری فی کتاب التاریخ ان صاحب آذربیجان ایام فتحھا وجہ انسانا الیہ من ناحیۃ الخزر ووصفہ بناء باسق سام اسود وراءہ خندق وثیق منیع۔ وحکی عبداللہ بن خرداذبہ عن الترجمان بباب الخلیفۃ ان المعتصم رای فی المنام ان حائطا قد فتح فوجہ نحو المشرق فنھض مذعورا فسلکو امن طریق باب الابواب والملان والخزر حتی بلغوا الیہ وشاہدوہ معمولا من لبن حدید ومشدا بالرصاص المذاب وعلیہ باب مقفل وحفظ من اھل البلدان القریبۃ منہ وانھم رجعوا فاخبر وھم الدلیل الی البقاع المحاذیۃ لسمت قد انتھی۔

"کہ اس دیوار کا قرآن نے کوئی موقع و محل نہیں بتلایا کہ کس جگہ ہے؟ ہاں کتبِ تواریخ و جغرافیہ میں تو ہے کہ یاجوج ماجوج ترکوں ہی سے ایک قوم کا نام ہے جو اقلیم خامس وسادس کے مشرق میں رہتے ہیں اور محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بھی لکھا ہے کہ والی آذربائیجان نے جب اس ملک کو فتح کیا تو کسی کو اس دیوار کو دیکھنے بھیجا جو بحیرۂ خزر کی راہ سے دیکھنے گیا اور دیکھ کر آیا اور ابن خرداذبہ نے نقل کیا ہے کہ خلیفہ معتصم نے خواب میں اس دیوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تب اس کی تحقیق کے لیے پچاس آدمیوں کو روانہ کیا۔ باب الابواب اور لان اور خزر کی راہ سے گئے اور اس کو دیکھ کر آئے اور بیان کیا کہ ایک دیوار مستحکم ہے جو لوہے کے تختوں یا اینٹوں سے بنائی گئی ہے، نہایت بلند و مستحکم اور اس پر دروازہ بھی ہے جس پر قفل لگا ہوا ہے۔" پھر جو اس جماعت کو راہبر نے وہاں سے نکالا تو سمرقند کے محاذی آ نکلے۔" کتاب احسن التقاسیم معرفت الاقالیم میں اسی بات کو بڑی تفصیل سے نقل کیا ہے مگر معتصم کی جگہ واثق باللہ عباسی خلیفہ کا معاملہ بتلایا ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ واثق نے اس جماعت کا افسر محمد بن موسیٰ خوارزمی منجم کو بنایا تھا اور سامان سفر بہت کچھ دیا تھا اور بادشاہوں کے نام نامے بھی دیے تھے۔ پھر یہ جماعت طرخان کے ملک سے ہو کر اس مقام پر پہنچی کہ جہاں یہ دیوار ہے۔ آگر انہوں نے سب تفصیل بیان کی۔ ذوالقرنین کا وہ پہاڑوں میں ایک گھاٹا ہے جس کو دو پائے چن کر (کہ جن کا عرض پندرہ پندرہ گز ہے جو لوہے کی اینٹوں سے بنے ہیں اور پھر پگھلے ہوئے تانبہ سے ان کی درزیں ملائی گئی ہیں) ایک مستحکم دروازہ بنا کر بڑے مستحکم آہنی کواڑوں سے بند کر دیا ہے۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۳۰۳ میں صفحانیاں کی مسافت یوں بیان کرتا ہے کہ یہاں سے شوبان تک دو دن کا رستہ ہے پھر اندیاں تک ایک روز کا پھر واشجر تک ایک روز کا وہاں سے ایلاق ایک روز کا اور وہاں سے دربند ایک روز اور یہاں سے چاؤگاں ایک روز کا انتہی غالباً دربند ایک دوسری عمارت ہے آذربائیجان کی طرف موجود ہے۔ کتاب المسالک والممالک تالیف ابی القاسم بن حوقل کے صفحہ ۳۹۹ میں ترمذ اور بخارا کی مسافت یوں بیان کی ہے کہ ترمذ سے قراجون ایک مرحلہ اور وہاں سے میاں کال ایک مرحلہ اور وہاں سے مائیرغ ایک مرحلہ اور وہاں سے نسف ایک مرحلہ اور وہاں سے سونج ایک مرحلہ اور وہاں سے دیدکی ایک مرحلہ اور وہاں سے کندک ایک مرحلہ وہاں سے باب الحدید ایک مرحلہ۔ اس کے علاوہ تاریخ تیموری میں تیمور بادشاہ کا اس باب الحدید تک ایک جنگ میں پہنچنا مذکور ہے اور اس کے بعد اور سیاحوں نے بھی اس پہاڑ دربند کا معائنہ کیا ہے اور یہ بات نقشہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ جبل الطی منگولیا اور منچوریا میں حائل ہے اور اس کا انہیں حدود میں ایک

معلوم ہوتا ہے اور اسی پہاڑ کے بیچ میں ایک درہ کشادہ تھا جس کو ذی القرنین نے بند کر دیا جو اب تک موجود ہے اور ٹھیک ٹھیک یہی وہ سد ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے پھر اسی کتاب کا مصنف صفحہ ۳۶۷ میں شہر سمرقند کی بابت لکھتا ہے۔ ویزعم الناس ان جمعابنی مدینتھا وان ذی القرنین تم بعض بنائھا ورایت علی بابھا الکبیر صحیفۃ من حدید وعلیھا کتابۃ زعم اھلھما انھا الحمیریۃ وانھم یتوارثون علم ذلک انتھی کہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تبع نے شہر سمرقند کو آباد کیا اور اس کی بعض عمارات کو ذی القرنین نے تمام کیا اور میں نے اس کے بڑے دروازہ پر لوہے کی تختی دیکھی کہ جس پر کچھ لکھا ہوا ہے وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ حمیریہ خط میں ہے (جو شاہانِ حمیریہ والیانِ یمن کا خط تھا) اور یہ بات وہ اپنے باپ دادا سے سنتے چلے آتے ہیں اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ذی القرنین حمیری بادشاہ تھا اور اس نے اس نواح میں عملداری بھی کی ہے اور اپنے ملک کی حفاظت کے لیے جبل الطی کا یہ درہ بھی بند کیا تھا کہ جس کو سدِ ذی القرنین کہتے ہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کس لیے کہ شاہانِ یمن مصر پر بھی عملداری کر چکے ہیں جو گلہ بانوں کی عملداری کے نام سے مشہور ہے اور ان کے آثارِ قدیمہ جیسا کہ قصرِ غمدان وغیرہ یمن میں یادگار رہتے اور اب بھی ہیں جو ان کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ پھر کیا تعجب ہے کہ مشرق وشمال میں بھی ان کے فتوحات ہوئے ہوں۔

دیوارِ سوم : تیسری دیوار یا ایک نہایت مستحکم بنا ہے جو غیر قوموں کے روکنے کے لیے ملک آذربائیجان کے سرے پر بحیرہ طبرستان کے کنارہ جبل قبق کے گھاٹ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ مراصد الاطلاع کے صفحہ ۱۱۱ میں ہے وباب الابواب فھو دربند، دربند شیرواں وباب الابواب مدینۃ علی البحر، بحر طبرستان وبحر الخزر ایضا وسمیت باب الابواب لانھا افواہ شعاب فی جبل القبق فیھا حصون کثیرۃ ولھا حائط بناہ انوشیروان بالصخر والرصاص وعلاھا ثلثمائۃ ذراع وجعل علیہ ابوابا من حدید لان، الخزر کانت تغیر فی سلطان فارس حتی تبلغ ھمدان والموصل فبناہ لیمنعھم الخروج منہ انتھی باب الابواب دربند، بحر خزر پر ایک شہر ہے اور اس کو باب الابواب اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں جبل قبق کی بہت سی گھاٹیاں ہیں جہاں بہت سے قلعے ہیں اور وہاں ایک دیوار ہے جو پتھر اور سیسے سے بنائی گئی ہے جس کی بلندی تین سو گز ہے اور جس میں لوہے کے دروازے ہیں اور اس کو انوشیروان نے اس لیے بنایا تھا کہ قوم خزر اس کے ملک میں آ کر ہمدان اور موصل تک غارتگری کرتی تھی ان کے روکنے کے لیے اس کو بنایا تھا۔ کتاب البلدان کا مصنف ابن الفقیہ اس دیوار کا کئی جگہ ذکر کرتا ہے۔ ایک جگہ کہتا ہے، صفحہ ۲۸۸، وبنی الحائط بینہ وبین الخزر بالصخر والرصاص وعرضہ ثلثمائۃ ذراع حتی الحقہ برؤس الجبال ثم قادونی البحر وجعل علیہ ابواب حدید۔ پھر صفحہ ۲۹۸ میں کہتا ہے، والباب الابواب حائط بناہ انوشیرواں وان طرفا منہ فی البحر الخ وسبعۃ فراسخ الی موضع اشب وجبل وعرلا سلکوہ وھو الی الحجارۃ المقورۃ المربعۃ بطول البحر الواحد منھا خمسون رجلا وقد نقبت ھذہ الحجارۃ والنقب بعضھا الی بعض بالمسامیر وجعل فی ھذہ السبعۃ الفراسخ سبعۃ مسالک الخ یلتقی علی کل مسلک باب وعرض السور فی اعلاہ مائیسر علیہ عشرون فارسا لا تیز احموں انتھی کہ خزر کے روکنے کے لیے پتھر اور سیسے کی نوشیرواں نے ایک دیوار بنائی کہ جس کا عرض تین سو گز ہے جس کو پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچا دیا اور اس کا ایک سرا دریا میں ملا دیا۔ اس کی لمبائی سات فرسخ ہے ہر ایک فرسخ پر ایک آہنی دروازہ لگا دیا ہے اور یہ دیوار گھڑے ہوئے مربع پتھروں سے بنی ہوئی ہے کہ سوراخ کر کے ایک پتھر کو دوسرے سے جمع کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک ایک پتھر ایسا بڑا ہے کہ پچاس آدمی بھی اس کو اکھیڑ نہیں سکتے اور اوپر جا کر اس کی اتنی چوڑان ہے کہ جس پر بلا مزاحمت بیس سوار چلے جائیں۔ اور ایک جگہ یہاں کے قلعوں کو قباد اکبر کی تعمیر بتایا ہے۔ یہ دیوار بھی اب تک قائم ہے اور بلاذری وغیرہ بعض علماءِ اسلام نے اسی کو وہ دیوار بتلایا ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے۔

دیوارِ چہارم : دیوار تبت کے شمالی پہاڑوں میں بمقام راست بنائی گئی ہے اس کی نسبت نزہۃ المشتاق میں یہ لکھا ہے والراست اقصی خراسان عن ذالک الجہۃ وھی مدینۃ بین جبلین کان حنامذ حل للترک الی الغارۃ فاغلق الفضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک ھناک بابا۔ کہ یہ شہر

راست جو دو پہاڑوں کے درمیان میں ہے اس سمت سے خراسان کا اخیر کنارہ ہے یہاں ایک رستہ ہے جہاں سے ترک دھاوا کیا کرتے تھے اس کو فضل بن یحییٰ برمکی نے دروازہ لگا کر بند کر دیا۔ یہ دیوار بالاتفاق وہ دیوار نہیں کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کیونکہ یہ نزول قرآن کے بعد بنائی گئی ہے۔

دیوار پنجم : بحرِ شامی یا بحرِ روم کا مشرقی کنارہ جو شام سے ملا ہوا ہے اس میں چند جزائر ہیں ایشیاءِ کوچک سے ملتے ہوئے جن میں سے ایک جزیرہ روڈس ہے اور ایک جزیرہ پلوٹس ہے کہ جس کو ہزار میل کے دورے سے دریا گھیرے ہوئے ہے اس کا خشکی کی طرف ایک حصہ ہے چھ میل کے فاصلہ کا۔ اس کو کسی قیصرِ روم نے دیوار بنا کر بند کر دیا ہے۔ چنانچہ نزھۃ المشتاق میں لکھتا ہے، الجزاء الرابع من الاقلیم الرابع تضمن قطعۃ من البحر الشامی فیھا اعداد جزائر منھا جزائر الرمانیۃ وجزیرۃ بلیونس جزیرۃ سحیط بھا البحر الف میل ولیس لھا منفذ الی البر الا من مضیق مقدارہ ستۃ امیال وقد کان احد القیاصرۃ من الروم بنی علیہ سورا طولہ حذ والمسافۃ وھی ستۃ امیال انتھی۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ دیوار اب بھی ہے کہ نہیں مگر یہ بھی بالاتفاق وہ دیوار نہیں کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اور نہ وہ دیوار مراد ہو سکتی ہے کہ جس کو بعض علماء نے ملک ارمینیہ کے پہاڑوں میں بتلایا ہے۔ اب صرف اوّل و دوم و سوم دیوار میں کلام ہے۔ اخبار علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مطبوعہ ۷ جون ۱۸۹۰ء میں ہمارے کسی نامور معاصر نے ایک مضمون طبع کیا ہے جس کی سرخی یا عنوان ازالۃ الغین عن قصۃ ذی القرنین ہے، اس میں امام فخر رازی پر بہت کچھ لے دے کی ہے۔ اول تو ذی القرنین کی وجہ تسمیہ میں جو امام صاحب نے لوگوں کے چند اقوال نقل کئے تھے حالانکہ نہ ان کی صحت کا ذمہ کر لیا تھا نہ ان کو اپنا قول بتلایا تھا مگر معزز معاصر نے امام صاحب جیسے جلیل القدر شخص پر اعتراض جما کر شہرت حاصل کرنے کی غرض سے سب کو امام صاحب کی طرف منسوب کر کے قہقہہ اڑایا ہے۔ اس کے بعد امام صاحب نے ذی القرنین کے بارہ میں جو لوگوں سے اقوال نقل کئے ہیں کہ کسی نے سکندر بن فیلقوس مراد لیا ہے اور کسی نے کوئی حمیری بادشاہ بتلایا ہے وہاں بھی آپ سکندر رومی کا ذی القرنین قرار دینا امام صاحب ہی کا عقیدہ سمجھ گئے اور ابو ریحان بیرونی کا جو امام صاحب نے قول نقل کیا تھا کہ وہ حمیری بادشاہ مراد لیتے ہیں، وہاں اس کی کچھ تخلیط کر دی نہ جس پر کوئی دلیل لائے نہ برہان۔ پھر عموماً مفسرین پر عتاب فرمایا ہے اور ان کو غلطی میں پڑنے کا الزام دے کر از خود سلسلہ پتے سے ذی القرنین کی تعیین کرنی شروع کی ہے۔ پھر جب آپ نے ادھر ادھر دیکھا اور آپ کو بجز دیوار چین کے اور کسی دیوار کا پتا نہ لگا تو اسی کو وہ دیوار قرار دیا کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور جب تاریخ چین کو دیکھا تو اس دیوار کا بانی چی وانگٹی فغفور کو پایا اسی لیے اس کو ذی القرنین قرار دیا اور قرنین سے اس کے دو زمانے مراد لیے، ایک اسباب و سامان جمع کرنے کا دوسرا فتوحات کا اور اس کا مغربی سفر بحر روم ملایا تک پہنچنا اور غربی سمت میں خلیج بنگالہ میں آفتاب کو چشمہ سیاہ میں ڈوبتے پانا قرار دیا اور ایمان لانا جو قرآن مجید میں مذکور ہے (کہ ذی القرنین نے کہا تھا جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا اس کو اچھا بدلہ ملے گا) اس کے معنی فرمانبرداری کرنا بتلایا اور مشرقی سفر گاہ (یعنی مشرقی کنارہ مانا۔ یہ تو سب کچھ کیا مگر بین الصدفین کی کچھ توجیہ نہ بن سکی گو ساوی کی توجیہ کر دی کہ سیدھا بین مراد ہے نہ کہ دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک بلند ہونا۔ کس لیے کہ قرآن مجید کی عبارت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیوار دو پہاڑوں کے درمیان تھی جو پہاڑوں کی گھاٹیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یہ دیوار چین تو تخمیناً پندرہ سو میل تک ہے اور پہاڑوں میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور میدانوں میں اور دریاؤں پر بنتی چلی گئی ہے اور وہ دیوار تو صرف دو پہاڑوں کے درمیان بنی تھی جیسا کہ معلوم ہوا کاش ہمارا معاصر یوں کہتا کہ ذی القرنین نے سب سے اول دو پہاڑوں کے درمیان اس دیوار کو چن کر ایک در بند کر دیا تھا پھر فغفور چین نے اِدھر اُدھر سے دیوار کو بڑھا کر پندرہ سو میل لمبا کر دیا تھا تب تو ایک وجہ معقول ہو سکتی تھی اور یہ بھی سہی مگر اس پر بھی ایک تاریخی خدشہ باقی رہتا وہ یہ کہ اگلے زمانہ بسبب دشوار گزاری رستوں کے آس پاس کے ملکوں کا تو حال معلوم ہوتا رہتا تھا، دور دراز کے ملک جیسا کہ اہلِ عرب و اہلِ شام سے شد

ہے، بیشہ چیز خفا اور پردہ لاعلمی میں رہتا تھا پھر یہود کو چی وانگٹی فغفور کا قصہ کس سبب سے معلوم ہوا اور جبکہ وہ باخدا اور موحد نہ تھا تو ذی القرنین یا اس کے ہم معنی لفظوں سے اس کا تذکرہ ان کی زبانوں پر جاری ہونے کی کیا وجہ؟ اس کے علاوہ قرآن مجید کے متعدد لفظوں سے ذی القرنین کا باخدا ہونا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس کا یہ کہنا کہ جو ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا اس کو اچھا بدلہ ملے گا، اب عام ہے کہ یہ محض نبی ہو یا اس کا پیرو مرد باخدا جو اس کی شہرت کا قرنوں تک باعث ہوا۔ دوسری دیوار کی نسبت جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ یہی وہ دیوار ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے چنانچہ تفسیر کبیر اور دیگر تفاسیر میں موجود ہے اور اس کا بانی کوئی فغفور چین نہیں۔ اہلِ تاریخ سب متفق ہیں کہ یہ دیوار کسی حمیری بادشاہ نے بنائی تھی پس ثابت ہوا کہ ذی القرنین حمیری بادشاہ تھا۔ سکندر رومی جیسا کہ بعض اہلِ علم کا خیال ہے اس کے سوا ایک اور بھی وجہ ہے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذی القرنین عرب کا رہنے والا تھا وہ یہ کہ ذی القرنین عربی لفظ ہے اور ذو کے ساتھ زمانہ قدیم میں اکثر یمن کے بادشاہ ملقب ہوا کرتے تھے جیسا کہ ذی نواس، ذوالنون، ذورعین، ذویزن، ذوجدن اسی طرح ذوالقرنین بھی ہے۔ ابو ریحان بیرونی اس کا نام ابوکرب بن عبر بن افریقس حمیری بتلاتے ہیں اور اپنی سند میں اسعد یمانی کے یہ اشعار لاتے ہیں۔

قد کان ذوالقرنین جد مسلما ملکا علا فی الارض غیر مفند
بلغ المشارق والمغارب یبتغی اسباب امر من حکیم مرشد

ابو الفداء اپنی تاریخ کی چوتھی فصل میں ابن سعید مغربی سے نقل کرتے ہیں کہ اول فحطان بن عابر ملک یمن میں آ کر بادشاہ ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا سبا کہ جس کو سباء کہتے ہیں اسی نے شہر سباء بنایا اور مآرب کی زمین میں ملک کو شاداب کرنے کے لیے پشتہ بند بندھوایا اس کے بعد اس کا بیٹا حمیر بادشاہ ہوا، اس نے ثمود کو یمن سے نکال دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا وائل بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا السکسک پھر اس کا بیٹا عفر، پھر حمیر کے خاندان میں سے ذوالراس عامر بادشاہ ہو گیا مگر یعفر کے بیٹے نعمان نے پھر غلبہ پایا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اشرح بادشاہ ہوا اور اس خاندان کی سلطنت اسی پر تمام ہو گئی اور شداد بن عاد بن الماطاطہ بن سہا بادشاہ ہوا جو بڑا جبار بادشاہ تھا اس کے بعد اس کا بھائی لقمان بن عاد اور اس کے بعد دوسرا بھائی ذوسد بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا حارث الرائش بادشاہ ہوا۔ یہی تبع اول ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا صعب بادشاہ ہوا یہی ذوالقرنین ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا ذوالمنار ابرہہ بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا افریقس اس کے بعد اس کا بھائی ذوالاذعار اس کے بعد اس کا بھائی شرجیل اس کے بعد اس کا بیٹا الہداد بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کی بیٹی بلقیس بادشاہ ہوئی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی تھی انتھی ملخصاً۔ قرن، عربی زبان میں سینگ کو بھی کہتے ہیں اور زمانہ کو بھی جس کا تثنیہ قرنین ہے ذوالقرنین کے معنی دو سینگ یا دو زمانہ والا قرآن مجید اور احادیث میں اس بادشاہ کو ذوالقرنین کہنے کی کوئی وجہ بیان نہیں ہوئی، البتہ علماء نے لفظوں کے معنی پر خیال کر کے متعدد وجہ بیان فرمائی ہیں اب یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ سب صحیح ہوں یا سب غلط منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اس کے تاج پر دونوں طرف کا نیاں لگی رہتی تھیں۔ عام بادشاہوں کے تاج پر ایک ہوتی ہے ان کے دو تھیں اس لیے اسی لقب سے شہرت پا گئے جو ان کی شہنشاہی اور فتوحاتِ کثیرہ پر دلالت کرتا ہے یا یہ کہو کہ اس کو دو زمانے پیش آئے، ایک فتوحات کا دوسرا ان پر قابض و مسلط ہو کر حکمرانی کرنے کا۔ یہ بات بھی ہر بادشاہ کو نصیب نہیں ہوتی۔ سکندر فیلقوس نے فتوحات کے بعد کچھ زمانہ نہیں پایا، ہندوستان سے مراجعت کرتے وقت ۳۳ برس کی عمر میں بابل میں مر گیا۔

قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ قریش نے خواہ از خود خواہ یہود کے کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کا حال بطور امتحان کے دریافت کیا تھا جیسا کہ فرماتا ہے وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ اس کے جواب میں فرماتا ہے قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا کہ ہم اس کا تم سے کچھ حال بیان کرتے ہیں پھر اس کا حال بیان کرتا ہے انا مکنا لہ فی الارض و آتیناہ من کل شیء سببا کہ اس کو ہر

ایک قسم کے اسباب اور قوت دی تھی فَاَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا کہ اس نے سامان وسازِ سفر درست کر کے سفر کیا اور فتح کرتا ہوا وہاں تک پہنچا کہ جہاں آفتاب غروب کرتا ہے سو اس کو ایک سیاہ یا گرم چشمہ میں ڈوبتے ہوئے پایا اور وہاں ایک قوم بھی اس کو ملی۔

مغرب الشمس کے یہ معنی نہیں کہ زمین پر کوئی آفتاب غروب ہونے کی جگہ ہے اور وہاں کوئی سیاہ دلدل یا گرم چشمہ ہے کہ جہاں آفتاب غروب ہوا کرتا ہے کس لیے کہ آفتاب چوتھے آسمان پر ہے اور زمین گول ہے، ہر وقت آفاقِ بعیدہ کے لحاظ سے اس کا طلوع وغروب ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اب دن ہے ان کے مقابلہ میں رات ہے کہیں اب نصف النہار ہے تو دوسری جگہ غروب کا وقت معلوم ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس اور جو کسی نے یہ معنی سمجھے ہوں تو یہ اس کی غلطی ہے نہ کلام اللہ کی بلکہ یہ کلام محاورہ اور عرف عام کے دستور پر صادر ہوا ہے دیکھو ہمارے محاورہ میں نہایت دور دراز کے مشرقی اور مغربی ملکوں کے لحاظ سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں بادشاہ کی وہاں تک سلطنت ہے کہ جہاں سے آفتاب طلوع کرتا ہے اور جہاں غروب ہوتا ہے یعنی مشرق میں دور دراز تک کہ جہاں ان کے افق کا دائرہ سطحِ ارض کو مس کرتا ہے اور اسی طرح مغرب میں بہت دور دراز تک یہ معنی ہیں مغرب الشمس اور مطلع الشمس کے اور امام رازی وغیرہ محققین نے یہ مراد لیا ہے اپنی تفاسیر میں پھر ذوالقرنین جب مغرب کے رخ بہت دور تک پہنچا کہ جہاں بجز سمندر کے اور کوئی آبادی نہ تھی تو آفتاب ان کو اس میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوا اور سب کو یوں ہی معلوم ہوا کرتا ہے جنہوں نے جہاز پر سفر کیا ہے یا جن کے مغرب میں سمندر ہے وہ ہر روز اس بات کا معائنہ کرتے ہیں۔

مغربی سفر : قرآن مجید نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ وہ مغرب میں کہاں تک پہنچے تھے اور وہاں ان کو کون قوم ملی تھی؟ اب اس کی تعیین وتحقیق جو کچھ ہوگی تاریخ سے ہوگی، عرب کے تمام غربی کنارہ کو بلکہ تمام جنوب اور قدرے شمال کو، بحرِ عرب اور قلزم احاطہ کئے ہوئے ہے اگر یہ مراد نہ لیا جائے کیونکہ یہ ان سے بہت کچھ دور نہیں تو قلزم کو عبور کر کے ملک مصر اور بربر کو طے کرتے ہوئے بحرِ اعظم تک پہنچنا مراد لیا جائے گا اور وہیں وہ قوم ملی تھی جس کی بابت خدا تعالیٰ نے بذریعہ الہام یا کسی نبی کی معرفت ذوالقرنین سے یہ فرمایا تھا قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا کہ تجھ کو ان کے بارے میں اختیار ہے خواہ سلوک کر خواہ ان کو سزا دے جس کے جواب میں ذوالقرنین نے عرض کیا قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّکْرًا۔ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ الْحُسْنٰی وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا، کہ ظالموں کو ہم سزا دیں گے اور وہ اپنے رب کے ہاں جا کر بھی سزا پائیں گے اور ایمانداروں، نیک بختوں کو خدا کے ہاں بھی اچھا بدلہ ملے گا اور ہم بھی اس کو آسان بات کہیں گے یعنی اس پر رعایت ومروت کریں گے ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۔

دوسرا سفر : پھر ساز وسامان مہیا کیا یہ ان کا دوسرا سفر مشرقی ہے ہر سفر پر خدا تعالیٰ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا کا اطلاق کرتا ہے حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا کہ مشرق میں وہاں تک پہنچے کہ جہاں سے آفتاب طلوع کرتا ہے اور وہاں اس کو ایک ایسی قوم ملی کہ جن پر آفتاب کے لیے کوئی آڑ نہ تھی۔ مَطْلِعَ الشَّمْسِ کے وہی معنی ہیں جو مغرب الشمس کے تحت ہم بیان کر آئے ہیں۔ یہاں بھی قرآن مجید میں کچھ بیان نہیں کہ مشرق میں کس ملک تک ذوالقرنین پہنچا تھا؟ غالباً چین کا اخیر ہوگا کہ جہاں سمندر کے سوا اور کوئی چیز آفتاب کے لیے حائل نہیں یا ہندوستان کا اخیر مراد ہوگا، بحرِ چین تک کہ آفتاب سمندر سے طلوع کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور کوئی پہاڑ یا ملک درمیان میں حائل نہیں، اس کے بعد اس بیان کی صداقت قائم کرنے کے لیے فرماتا ہے کَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا کہ اس کا حال ہم کو خوب معلوم ہے اور صحیح بیان یوں ہی ہے۔

تیسرا سفر : ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا پھر ساز وسامان سفر مہیا کیا یہ تیسرا سفر ہے اس کی کوئی سمت بیان نہیں کی غالباً یہ شمالی ملک کا سفر ہے کس لیے کہ آبادی کا اکثر حصہ اسی طرف ہے جنوب میں، بحر یا بعض جزائر ہیں۔ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ

قَوْلًا کہ فتح کرتے ہوئے دو پہاڑوں کے دروں تک پہنچا اور ان کے پرلی طرف ایک ایسی قوم ملی کہ جو بات نہ سمجھ سکتے تھے ان کی زبان بالکل غیر تھی۔ یہ تاتار اور چینی تاتار کا پہاڑ ہے اسی کو جبل الطائی کہتے ہیں یہ پہاڑ تاتار اور چینی تاتار کے درمیان سے گزرا ہے اور منگولیا اور منچوریا کے درمیان حدِ فاصل ہے پھر اس کی ایک شاخ مغرب کے رخ سینکڑوں کوسوں تک تاتار کو جنوبی وشمالی حصہ میں تقسیم کرتی ہوئی چلی گئی ہے اور ایک شاخ مشرق وشمال کو ہوتی ہوئی سائبیریا کو گھیرتی ہوئی بحرِ اعظم تک جا ملی ہے۔ چینی تاتار کے لوگ اس پہاڑ کے اس درہ میں گزر کر کہ جس کو ذوالقرنین نے بند کیا تھا، تاتاریوں کے ملک پر تاخت وتاراج کیا کرتے تھے، انہوں نے ذوالقرنین سے کہا اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا، کہ یاجوج وماجوج چینی تاتار کے لوگ زمین میں آکر فساد کیا کرتے ہیں، آپ اگر ہمارے اور ان کے درمیان دیوار بنا دیں تو ہم آپ کے لیے اس پر خراج مقرر کر دیں، قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا، اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ۔ ط

ذوالقرنین نے کہا خدا کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے تم صرف مجھے مدد دو اور لوہے کے ٹکڑے لاؤ کہ تمہارے اور ان کے درمیان دیوار بنا دوں۔ اب اس سے عام ہے کہ لوہے کے ٹکڑوں سے وہ دیوار چنی تھی یا پتھروں سے لوہے کی ان میں میخیں لگائی تھیں بہرطور دیوار چن کر دونوں پہاڑوں کے سرے تک لے گئے تو پھر اس کو آگ سے گرم کر کے اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا یا یوں کہو ان درزوں میں پلا کر سب کو ایک ذات کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَتّٰٓی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا۔ حَتّٰٓی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا۔ یہ دیوار اس مضبوطی سے بند ہوا فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا کہ نہ بلندی کی وجہ سے اس پر چڑھ سکتے تھے نہ اس میں لوہے اور تانبے کے لگانے سے نقب لگا سکتے تھے۔ جب یہ دیوار تیار ہوئی تو ذوالقرنین نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے یہ کہا قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ کہ یہ تم پر ایک انعامِ الٰہی ہے اس نعمت پر تم کو خدا تعالیٰ کا شکریہ کرنا چاہیے۔ یہ نعمت عرصہ دراز تک باقی رہے گی مگر فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا۔ جب میرے رب کا وعدہ یعنی اس کے گرنے کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی۔ میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا یا کوئی باخدا آدمی تھے جن کو بطور الہام کے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ایک وقتِ معین پر یہ دیوار ٹوٹے گی اس کا ذوالقرنین سے وعدہ خدا نے کر لیا تھا۔ اس وعدہ کا کوئی خاص وقت یہاں بیان نہیں ہوا کہ کب یہ دیوار ٹوٹے گی؟ علماءِ اسلام احادیث سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ یہ دیوار قریب قیامت کے ٹوٹ جائے گی اور یہ تاتار اور چینی قومیں کہ جن کو یاجوج وماجوج کہا ہے شام وغیرہ ملکوں پر حملہ آور ہوں گے اور آکر ان ملکوں میں سخت فساد برپا کریں گے۔ پھر خدا تعالیٰ کی ایک بلاءِ آسمانی سے سب ہلاک ہو جائیں۔ احادیثِ صحیحہ میں یہ مضمون ہے اور نیز کتاب حزقیل علیہ السلام کی ۳۸، ۳۹ فصل میں لکھا ہے کہ یاجوج وماجوج شمال کی طرف بے شمار تعداد کے ساتھ حملہ آور ہوں گے (شام کے ملک پر) اور لوگوں کو مغلوب ومقتول کر کے یہ کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم نے ہلاک کر دیا اب آسمان والوں کو بھی زیر کرنا چاہیے اس لیے آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے اور وہ تیر ان کے گمان کو صحیح کرنے کے لیے خون آلود ہو کر گریں گے، آخر خدا کی بھیجی ہوئی بلا سے یہ سب ہلاک ہوں گے کہ ان کی لاشوں سے زمین بھر جائے گی اور لوگ سات برس تک ان کے تیر وکمان کا ایندھن جلائیں گے۔ یہ پیشین گوئی اب تک ظاہر نہیں ہوئی بلاشک قربِ قیامت میں ظاہر ہوگی۔ گو خلیفہ واثق باللہ کے خواب کے موافق جو اس نے دیکھا تھا کہ دیوار ٹوٹ گئی ان تاتاریوں نے بسر کردگی چنگیز خاں وہلاکو خاں شام اور ایران وغیرہ ملکوں پر حملہ کیا اور لاکھوں آدمیوں کو تہ تیغ کیا اور ملک میں زلزلہ ڈال دیا، کسی کو ان کے مقابلہ کی طاقت نہ رہی اور اسی وجہ سے بعض علماء نے اس واقعہ کو یاجوج وماجوج کا واقعہ کہا ہے مگر دراصل یہ اور واقعہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی[1] کے مطابق ہوا اور خروج

[1] ترمذی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا لاتقوم الساعۃ حتی تقاتلوا قوما نعالھم الشعر ولاتقوم الساعۃ حتی تقاتلوا قوما کان ←

یاجوج وماجوج کا ایک اور واقعہ ہے جو ہوگا۔

اب ہم یاجوج وماجوج پر بحث کرتے ہیں کہ وہ کون قوم ہے اور کیسی ہے؟ باتفاق محققین یہ دونوں عجمی نام ہیں، دو قوموں کے کہ یافث بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ تفسیر کبیر میں ہے فَقِيْلَ اِنَّهُمَا من الترك وقيل ياجوج من الترك وماجوج من الجيل والديلم کہ بعض کہتے ہیں یاجوج وماجوج دونوں ترکوں کے قبیلہ ہیں، بعض کہتے ہیں یاجوج ترکوں میں سے ہیں اور ماجوج جیل اور دیلم سے۔ بیضاوی اور المسعودو دیگر مفسرین ان کو یافث کی نسل سے کہتے ہیں، مطلب ایک ہی ہے کتاب المسالک والممالک میں چین کا حال بیان کر کے لکھتا ہے یکون یاجوج و ماجوج ماوراءهم الى البحر المحيط کہ چین سے متصل بحر اعظم کے کنارہ کنارہ یاجوج ماجوج قوم ہے۔ جبل الطائے کے پرلی طرف منچور یا منگولیا، کوریا چین سے ملے ہوئے ہیں، دریا کی حد تک وہ ان سب کو یاجوج وماجوج بتلاتا ہے۔ انہیں کے روکنے کے لیے فغفور چین نے اپنے ملک کی حفاظت کے لیے دیوار چین بنائی تھی اور انہیں کے لیے ذوالقرنین نے اس درہ کو بند کر دیا تھا اور ایک جگہ لکھتا ہے و اما ياجوج فهم في ناحية الشمال اذاقطعت مابين الكيماكية الخ اور اسی کے مطابق اور قدیم جغرافیہ والوں نے بھی بیان کیا ہے جس سے منچوریا اور منگولیا کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دیو بھوت نہیں ہمارے جیسے آدمی ہیں، ہاں کسی زمانہ میں وحشی درندے، سفاک جاہل کافر ضرور تھے اور کچھ اب بھی ہیں، جغرافیہ جام جم میں جو انگریزی کتابوں کا ترجمہ ہے مرزا فرہاد نے ایسا ہی لکھا ہے۔ اس تقدیر پر منگول ومن جیوا جو چینی تاتار کے باشندے ہیں انہیں کو اگلے زمانہ میں یاجوج وماجوج کہتے تھے اور یاجوج وماجوج کے لفظ کو منگول ومن جیوا کر لیا یا اس کے برعکس ہوا اور صدیوں کے بعد الفاظ میں اس قسم کے تغیرات ہو جاتے ہیں کہ جس کا اصل پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ انگریزی میں یعقوب کا جیکب اور اسکندر کا اسکنر اور یوسف کا جوزف بن گیا اور اسی طرح یونانی الفاظ کا عربی میں آکر ایسا ہی حال ہوا اور زبانوں کے الفاظ کو قیاس کر لینا چاہیے۔ جب یہ مان لیا گیا کہ یہ یاجوج وماجوج عربی نہیں بلکہ عجمی لفظ ہیں اب نہیں کہہ سکتے کہ کس ملک کے لفظ ہیں اور عربی میں آکر ان میں کیا تغیر ہوا اور پہلے یہ اپنی اصلی زبان میں کیا تھے اور اب وہاں یہ کس طرح پر ہیں؟

توریت کتاب پیدائش کے دسویں باب میں یوں آیا ہے (۲) یافث کے بیٹے یہ ہیں جمر اور ماجوج اور مادی اور یونان اور توبل اور مسک اور تیراس اس یاجوج کی بابت ہمارا معزز معاصر لکھتا ہے کہ یہ ماکوک سے معرب ہوا جس کو عبرانی میں ماخوغ کہتے تھے اور آگے چل کر ثابت کیا ہے کہ گاگ میگاگ جس کا یاجوج ماجوج بنایا ہے ایک ہی قوم پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا ہو مگر اس کی دلیل بیان نہیں کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یاجوج ماجوج ابتداء میں کسی شخص کے نام تھے پھر ان کی اولاد پر مستعمل ہونے لگے۔ کتاب حزقیل کی ۳۸ باب میں یوں لکھا ہے اور خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اس نے کہا، اے آدم زاد تو جوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے، اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر۔ یہاں جوج کو یاجوج کی سرزمین کا رہنے والا اور روش اور مسک اور توبال قوموں کا سردار کہا۔ بظاہر یاجوج اس ملک اور اس قوم کو کہا جو یاجوج بن یافث کی اولاد سے ہیں اور جو انہیں بلاد شمالیہ میں رہتے تھے جن کو آج کل تاتار اور چینی تاتار وترکستان کہتے ہیں اور انہیں کی نسل کے لوگوں سے یہ ملک آباد ہیں اور جوج یعنی یاجوج ان میں سے کسی خاص فرقے کا نام تھا جو روس وتوبال اور مسک قوموں کا ان دنوں میں حاکم ہوگا۔

← وجوهم الجان المطرقة اور پھر ترمذی کہتے ہیں ہذا حدیث حسن صحیح یعنی قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم اے مسلمانو! ایک ایسی قوم سے نہ لڑو گے کہ جن کی جوتیاں بالوں کی جوتیاں ہوں گی اور ایسی قوم سے نہ لڑو گے کہ جن کے چہرے ڈھالوں کے جیسے چوڑے چکلے ہوں گے یعنی قیامت سے پیشتر تم کو ایسی قوموں سے لڑنے کا اتفاق ضرور ہوگا اور اس قوم کے سے مراد اتراک اور تاتاری لوگ ہیں مگر بعض علماء کہتے ہیں وہی یاجوج وماجوج ہیں جو چنگیز خاں اور اس کے بیٹے کے عہد میں خروج کر آئے تھے، واللہ اعلم عندہ ہو۔ منہ ۱۲

یہاں سے بعض صاحبوں کا یہ خیال کر لینا کہ جوج سے انگریز اور یاجوج سے روسی لوگ مراد ہیں محض غلط ہے، نہ اس کی کوئی سند ہے نہ اس کا کوئی عاقل قائل ہے۔

سوال: بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج وماجوج ہر روز اس دیوار کو توڑا اور ڈھایا کرتے ہیں، جب شام ہو جاتی تو کہتے ہیں کل ڈھائیں گے، ذرا سی رہ گئی مگر ان کے انشاء اللہ نہ کہنے سے پھر صبح کو خدا تعالیٰ اس دیوار کو ویسا ہی کر دیتا ہے، پھر جب اس کا وقت آئے گا تو انشاء اللہ کہیں گے، پھر اس کو توڑ کر باہر نکل آئیں گے اور لوگ ان سے بھاگ جائیں گے الخ۔ اس حدیث کو ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج وماجوج وقتِ معہود سے پہلے ان ملکوں میں نہیں آسکتے اور جس قوم کو تم نے یاجوج وماجوج بتلایا وہ ان ملکوں میں بارہا حملہ کر کے آئے ہیں اور اب بھی وہاں کے لوگ آتے ہیں اور ان کے قریب چین کی عملداری ہے اور روس کی مملکت بھی ہے۔

جواب: قرآن مجید سے صرف اسی گھاٹے کا بند کرنا ثابت ہوتا ہے جس کو ذوالقرنین نے بند کیا تھا، نہ یہ کہ ان کے چاروں طرف کے رستے بند کر دیے تھے۔ پھر یہ ممکن ہے کہ اور دور دراز کے رستوں سے اس قوم کے لوگ ان ملکوں میں آتے جاتے ہوں گے مگر اس عہد میں بجز اس رستہ کے اور کوئی آسان رستہ ان کے ہاتھ میں نہ ہوگا۔ خصوصاً ان لوگوں پر حملہ آوری کے لیے کہ جن کے کہنے سے ذوالقرنین نے دیوار چنی تھی اور جو لوگ یاجوج وماجوج چنگیز خانیوں کو کہتے ہیں ان کے نزدیک دیوار ٹوٹنے کا وقت کئی سو برس آگے آچکا اور بہ نسبت اگلے زمانہ کے وہ بھی قیامت کے قریب ہے، قربِ قیامت سے مراد نفخ صور سے متصل زمانہ نہیں اور ان کا اس دیوار پر نہ چڑھنا نہ نقب لگانا اس زمانہ تک خانہ ہمیشہ کے لیے یہ ہزاروں برس کا واقعہ ہے۔ صدیوں تک وہ دیوار ان کے خروج کو مانع رہی اب یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہی مانع رہے۔ قرآن میں کوئی بھی لفظ ایسا نہیں جو اس مطلب پر دلالت کرتا ہو۔ احادیث خبر آحاد ہیں جن کے ثبوت میں بھی یقین کامل نہیں۔ اہل کتاب کی کتابیں قابلِ احتجاج نہیں ہاں یہود میں یاجوج وماجوج اور دیوار کی بابت عجائب افسانے مشہور تھے جن کو بعض خوش اعتقاد مسلمانوں نے بھی روایت کر دیا۔ چنانچہ معالم التنزیل میں وہب رضی اللہ عنہ وغیرہما کے چند اقوال یاجوج وماجوج کی نسبت منقول ہیں کہ وہ ایک کان بچھا کر ایک اوڑھ کر سوتے ہیں اور ان میں سے کسی کا قد سو گز سے زیادہ ہے اور ان کے درندوں کی طرح چکل اور کچلیاں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب وہی روایات ہیں جو اہل کتاب سے لے کر قرآن مجید سے چسپاں کی گئی ہیں۔

تیسری دیوار جو باب الابواب کے پاس ہے جس کا ہم بیان کر آئے ہیں بعض مفسروں نے اسی کو وہ دیوار ذی القرنین قرار دیا ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے جیسا کہ بیضاوی نے لکھا ہے وقيل بآذربيجان الخ کہ بعض نے اس کو آذربیجان اور آرمینیہ کے پہاڑوں میں بتلایا ہے اور یہ بالاتفاق ہے کہ اس دیوار کا بنانے والا ایران کا کوئی بڑا جلیل القدر بادشاہ ہے پھر کوئی اس کا نام نوشیروان بتلاتا ہے کوئی قباد کہتا ہے اگر نوشیروان ہے تو یہ اخیر نوشیروان نہیں بلکہ پہلے بادشاہوں میں سے کوئی ہوگا کیخسر و دو کیقباد کہ جس کی سلطنت بھی مشرق ومغرب میں بہت دور تک پہنچی تھی اور اس نے بڑی بڑی مستحکم عمارتیں بھی بنائی تھیں جیسا کہ تاریخ شاہانِ ایران سے ظاہر ہے اس قول کے مطابق تو یہی بادشاہ ذوالقرنین قرار پاتا ہے اور اس کی سند بھی کتاب دانیال علیہ السلام کے آٹھویں باب سے ملتی ہے۔

اس کتاب کے ۸ باب میں لکھا ہے بیلشفر بادشاہ (بخت نصر کے بیٹے) کی سلطنت کے تیسرے سال میں مجھے ہاں مجھ دانی ایل کو ایک رویا نظر آئی بعد اس کے جو شروع میں مجھے نظر آئی تھی اور میں نے عالم رویا میں دیکھا اور جس وقت میں نے دیکھا ایسا معلوم ہوا کہ میں سوسن[1]

---

[1] یہ شہر شہنز کا قدیم نام ہے یہ شہر اگلے زمانوں میں شاہان کیانیہ کا پایہ تخت رہ چکا ہے جو دارا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کے عہد میں تھا اور جس کے ہاں حضرت مامور ہو گئے تھے اور جن نے بابل شہر سے بخت نصر بادشاہ کلدانی کی سلطنت کا خاتمہ کیا تھا اسی شہر میں تھا۔ حضرت دانیال بخت نصر کی قید میں ←

کے قصر میں تھا جو صوبہ عیلام میں ہے پھر میں نے رؤیت کے عالم میں دیکھا کہ میں اولائی کے ندی کے کنارے پر ہوں تب میں نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے آگے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ تھے اور دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا میں نے اس مینڈھے کو دیکھا کہ پچھم اتر دکھن طرف سینگ مارتا تھا یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ ہو سکا وہ جو چاہتا تھا سو کرتا تھا یہاں تک کہ وہ بہت بڑا ہو گیا اور میں اس سوچ میں تھا کہ دیکھا ایک بکرا پچھم کی طرف سے آ کے تمام روئے زمین پر ایسا پھرا کہ زمین کو بھی نہ چھوڑا اور اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے بیچوں بیچ ایک عجیب طرح کا سینگ تھا اور وہ اس سینگ والے مینڈھے پر بڑے زور سے دوڑ پڑا اور اس کو مارا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور اس کو زمین پر دے مارا اور لتھاڑ ڈالا اور کوئی اس کو نہ چھڑا سکا پھر وہ بکرا نہایت بڑا ہوا جب پرزور ہوا تو اس کا سینگ ٹوٹ گیا اور اس کی جگہ اور چار سینگ نکلے۔ جب میں دانی ایل یہ خواب دیکھ چکا تو اس کی تعبیر کی فکر میں تھا۔ پھر میں نے اپنے سامنے کوئی شخص کھڑا دیکھا اور ایک آواز آئی کہ اے جبرئیل اس کو رؤیا کے معنی سمجھا دے۔ اس نے میرے پاس آ کر کہا اے آدم زاد سمجھ کیونکہ یہ رؤیت آخری زمانہ میں انجام ہوگی وہ مینڈھا کہ جس کے دو سینگ تھے وہ مادہ اور فارس کے بادشاہ ہیں اور وہ بکرا یونان کا بادشاہ اور اس کے چار سینگ سو یہ چار سلاطین ہیں جو اس قوم کے درمیان برپا ہوں گے انتہی ملخصاً۔ اس بنا پر ذوالقرنین، فارس کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہے، قباد وغیرہ جو دو سینگ والے سے یہود میں مشہور تھا جس کا ترجمہ عربی میں ذوالقرنین ہوا اور وہ بکرا ایک سینگ والا سکندر فیلقوس یونانی بادشاہ ہے جس نے اس دو سینگ والے مینڈھے یعنی ایران کے اس بادشاہ کو جو اس کے عہد میں تھا (دارا جو انہیں بادشاہوں کے ذیل میں باعتبار حشمت و وسعت و غلبہ کے دو سینگ والا مینڈھا تھا) لتاڑا اور اس کی سلطنت چھین لی اور پھر سکندر کے بعد اس کے چار سرداروں میں اس کا ملک تقسیم ہوا اور یہ چاروں ایک ایک حصہ ملک کے بادشاہ ہو گئے۔ دانیال علیہ السلام کے کئی سو برس بعد یہ واقعہ ہوا۔ حضرت دانیال علیہ السلام کا یہ خواب کتاب دانیال میں یہود کے ہاں ایک معما سا چلا آتا تھا جس کے معنی یا تعبیر وہی جانتے تھے اس لیے انہوں نے قریش کو بطور امتحان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کے حال سے سوال کرنے کو کہا کہ وہ ذوالقرنین کو کوئی بادشاہ بتلاتے ہیں یا کوئی جانور دو سینگ والا؟ کیونکہ بظاہر لفظوں میں پورا ابہام ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بموجب وحی متلو اس کا ان آیات میں پورا حال بیان کر دیا اور اس کی دیوار بنانے اور قوم خزر کے روکنے کا تذکرہ بھی کیا جو یاجوج و ماجوج کی قوم میں سے تھے اور شاہ فارس کے ملک میں آ کر فتور برپا کیا کرتے تھے۔ اس خواب کے مطابق بھی سکندر رومی ذوالقرنین نہیں ہو سکتا، عوام میں جو سکندر ذوالقرنین مشہور ہو گیا ہے اس غلطی کا باعث بعض مؤرخوں کی لاعلمی اور پھر سکندر نامہ میں مولانا نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی ہے۔ بعض لوگوں نے ایرانی بادشاہوں میں سے ذوالقرنین فریدوں کو قرار دیا جیسا کہ تفسیر ابوالسعود و تاریخ ابوالفداء میں مذکور ہے مگر جمہور محققین کا اسی پر اتفاق ہے کہ ذوالقرنین تبع حمیری ہے اور وہ دیوار جو اس نے بنائی وہی ہے جو جبل الطالی میں واقع ہے نہ در بند اور یاجوج و ماجوج وہی تاتاری اور چینی تاتار کے لوگ ہیں کہ جن کے بزرگوں کے روکنے کے لیے ذوالقرنین نے دیوار بنائی تھی اور یہی قومیں اخیر زمانہ میں ملکوں میں یورش کریں گی یا کر چکیں۔ واللہ اعلم۔ یہ ہے ذوالقرنین کے قصہ کی تحقیق کہ جس میں توہمات باطلہ اور داستان گوئی کو کچھ بھی دخل نہیں اور جس پر حال کے جغرافیہ اور تاریخوں کے بموجب کوئی خدشہ نہیں پڑتا نہ کوئی شبہ باقی رہتا ہے اور جو محققین کے اقوال سے لی گئی محض اپنی رائے سے تاریخی واقعات میں زمین و آسمان کے قلابے نہیں ملائے گئے ہیں جیسا کہ ہمارے بعض معاصرین کی عادت ہے۔ بالایں ہمہ اگر ہماری اس تحقیق میں کوئی غلطی ہو تو مجھے اس پر کچھ بھی اصرار نہیں۔

← بابل پہنچے تھے پھر بخت نصر اور اس کے بیٹے کے درمیان میں آپ کو بڑی عزت دی گئی تھی انہیں کے روبرو بابل کی سلطنت کا خاتمہ ہو کر شاہان ایران کا غلبہ ہوا اور انہیں کو دو سینگ کا مینڈھا آپ خواب میں دیکھتے ہیں۔ ۱۲ منہ

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا
جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ
ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي
وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ
الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ
مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ
مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَنْ كَانَ
يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿١١٠﴾ ع ۱۶

کیا کافر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں ہی کو کارساز بنا بیٹھیں گے ہم نے بھی کافروں کے اترنے کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ (اے نبی!) کہہ دو کہ کہو تم کو میں بتاؤں کہ کون لوگ اعمال کے لحاظ سے خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں وہ جن کی دنیاوی کوششیں سب گئی گزری ہوئیں اور وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا اور اس کے سامنے جانے کا انکار کیا ان کی کمائی بھی اکارت ہو گئی۔ سو ہم قیامت کے دن ان کے (نیک) اعمال کا کچھ بھی وزن قائم نہ کریں گے یہ ہی جہنم ان کی سزا اس لیے ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھے میں اڑایا۔ البتہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے ان کے لیے جنت فردوس ٹھہرنے کی جگہ ہے وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ (اے نبی!) کہہ دو اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں تمام ہونے سے پہلے سمندر تمام ہو جائے اور گو اس کی مدد کو ہم ایسا ہی اور بھی دریا لائیں (اور) کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں یہی ہے کہ میری طرف یہی وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی توقع رکھے تو اس کو چاہیے کہ اچھے کام کیے چلا جائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

تفسیر: ذوالقرنین کے قصہ کے خاتمے پر فرمایا تھا کہ کافر قابل جہنم وہ ہیں کہ جن کی آنکھوں پر اور کانوں پر غفلت کے پردے پڑے ہیں نہ خدا تعالیٰ کو اس کے آیات قدرت دیکھ کر یاد کرتے ہیں نہ حق بات سنتے ہیں۔ اب یہاں سے ان پردوں کا اثر بیان فرماتا ہے فقال افحسب الخ کہ کیا ان کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مجھے چھوڑ کر میری مخلوق کو کارساز حاجت روا بنانا ان کے لیے بس کرتا ہے حالانکہ یہ بڑی بیوقوفی ہے اوّل تو یوں کہ مالک کے مقابلہ میں اس کے بندے اور مخلوق جنہیں حاجت روا سمجھ بیٹھے ہیں ان کے کام آئیں گے وہ کیا کام آ سکتے

ہیں جبکہ وہ خود ہی ہمارے محتاج اور دست نگر ہیں۔ دوم بڑا کام آنا اس جہاں کے لیے ہوتا ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے سو انا اعتدنا جھنم للکافرین نزلا ہم نے وہاں ان کے لیے بجائے نجات کے جہنم تیار کر رکھا ہے یہ ان کی وہاں مہمانی اور ضیافت ہے۔ دنیا میں جو کچھ ان معبودوں کی عبادت میں کوششیں کی تھیں مال صرف کئے تھے اس طریقۂ باطل کو غالب کرنے کے لیے اہلِ حق سے لڑے تھے حق کے مقابلے میں مال و جان صرف کی تھی اور اس کو دنیا و آخرت کی فلاح سمجھے ہوئے تھے اور دراصل یہ زیاں کاری اور خسارۂ دارین تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ میں تم کو بتلاؤں کہ کون زیاں کار اور خسارے میں ہیں؟ پھر آپ ہی بتلایا کہ الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا الخ کہ جن کی سب کوششیں بیکار گئیں اس پر یہ غضب کہ وہ اس کو نیکوکاری سمجھے ہوئے تھے۔ یہ جہل مرکب مرضِ لادوا جس کا نتیجہ موتِ روحانی یعنی دارین کی خسارت ہے۔ انسان اگر برائی کو جانے تب بھی امید ہے کہ کبھی راہ راست پر آجائے گا۔ اس کے برعکس کوشش دنیا میں کارگر اور راست ہوئی ان کا حال بھی بیان فرماتا ہے بقولہ ان الذین آمنوا الخ کہ ان کو دارِ آخرت میں جنات الفردوس رہنے کو ملیں گی جہاں وہ سدا رہا کریں گے قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ یہاں سے یہ بات بیان فرماتا ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے اس میں جو انسان کی سعادت و نحوست اس قدر مشرح بیان ہے کہ جس کو کوئی سمندروں کی سیاہی بنا کر بھی لکھے تو سمندر خشک ہو جائیں اور تمام نہ ہوں، بعض مفسرین کلمات ربی سے عام مراد لیتے ہیں ان کے شرائع اور عجائب قدرت جو ہر ہر مخلوق میں بے شمار ہیں ہر ایک مخلوق ہی کی عجائب قدرت کا بے انتہا دفتر ہے اس عالم حسی کی مخلوق پھر عالم ملکوت اور پھر دارِ آخرت کے کیفیات پھر عالم لاہوت اور شیونِ باری تعالیٰ جن کے لکھنے کو ہزار سمندر بھی کافی نہیں کس لیے کہ وہ متناہی اور یہ غیر متناہی۔

ابحاث : (۱) عبادی سے مراد بعض کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعض کہتے ہیں ملائکہ، بعض کہتے ہیں شیاطین، بعض کہتے ہیں اصنام ان کو بھی باعتبار ان اشخاص کے کہ جن کی یہ فرضی صورتیں بنائی گئی ہیں عباد کہا چاہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن میں آیا ہے، عباد امثالکم۔ فقیر کہتا ہے عموم مراد ہے اس میں سب آگئے۔ (۲) نزل زجاج کہتے ہیں ملاوی اور منزل کو نزل کہتے ہیں۔ اور جو کچھ مہمان کے لیے کہ جس کو عربی میں ضیف وتنزیل کہتے ہیں تیار کیا جاتا ہے یعنی مہمانی اس کو بھی نزل کہتے ہیں۔ (۳) بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا سے بعض کہتے ہیں رہبان کی طرف اشارہ ہے۔ مجاہد کہتے ہیں اہلِ کتاب کی طرف مگر یہاں بھی عموم مراد لینا چاہیے یعنی ہر ایک قوم اور ہر ایک شخص جو پیغمبر علیہ السلام کے برخلاف طریقہ کو نجات کا سبب جان کر اس میں کوشش کرتا ہے جیسا کہ ہندو گنگا کا اشنان اور گائے بیل کی پرستش اور بتوں کے آگے خودکشی و دیگر بے فائدہ مجاہدات کرتے ہیں اور اسی طرح دوسرے مذاہب کو سمجھنا چاہیے بلکہ اہلِ اسلام میں بھی جو لوگ کتاب وسنت کے برخلاف خانہ ساز باتوں کو دین اور نجات کا باعث سمجھ کر اس میں سعی کرتے ہیں مال و جان صرف کرتے ہیں بدعات میں ہزار ہا روپیہ اٹھاتے ہیں جیسا کہ محرم کی تعزیہ داری اور بے جا تعمیرات اور دیگر دستورات ان کو بھی اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ میں علی قدر مراتب شمار کرنا چاہیے۔ نفع کی امید میں کام کیا وہاں الٹا نقصان عائد ہوا۔ ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی، کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان۔ الٰہی ہماری چشم باطن بینا کر تا کہ ہم ہر چیز اس کی اصلی حالت پر نظر آئے، برے کو اچھا اور اچھے کو برا نہ سمجھیں، اس جہلِ مرکب کے ورطہ میں نہ پڑیں آمین۔ (۴) ولقاء سے مراد خدا تعالیٰ کے سامنے ہونا' اس سے ملنا جو مرنے کے بعد یا قیامت میں ضرور ہوگا خواہ مجرمانہ حالت میں جیسا کہ قیدی اور مجرم بادشاہ کے سامنے حاضر کیے جاتے ہیں یا اکرام واعزاز کی صورت میں۔ بہرطور اس سے ایک روز ملنا ضرور ہے جو اس کا منکر ہے خسارہ میں پڑا ہے۔ (۵) فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ حقارت وذلت میں ان کے اعمال ہوں گے، بولتے ہیں اس کا کچھ وزن نہیں یعنی عزت نہیں کہ قیامت میں جو ترازوئے اعمال قائم ہونا دوسری آیت میں آیا ہے تو اس سے یہ مراد کہ ترازو اہلِ ایمان کے لیے قائم ہوگی ان کو ان کے اعمالِ حسنہ وسیئہ کی مقدار معلوم کرانے کے لیے نہ کفار کے لیے، پس دونوں آیتوں میں تعرض نہیں جس طرح کافروں

کے لیے جہنم مہمانی میں ملنا بیان ہوا تھا اسی طرح ان کے مقابلہ میں جو کوئی ایمان لائے اور اچھے کام کرے اس کی مہمانی میں جنات الفردوس کا ملنا بیان فرماتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں فردوس وسطِ جنت اور ان میں سے اعلیٰ کو کہتے ہیں فردوس کے معنی رومی زبان میں باغ کے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں حبشی زبان میں ضحاک کہتے ہیں، گھن کے درختوں کو فردوس کہتے ہیں۔ اصل اس لفظ کی خواہ رومی ہو خواہ حبشی مگر یہ بوقتِ نزولِ قرآن عرب العربا کی زبان میں مستعمل تھا۔ جنت الفردوس کی تشریح احادیث میں بہت کچھ آئی ہے کہ یہ تمام جنتوں میں اعلیٰ ہے وغیرہ۔ اور کفار کو ان کے اعمالِ بد سے دائما جہنم میں محبوس رکھنا اور ایمانداروں، نیکوکاروں کو ہمیشہ جنت الفردوس رکھنا یہ اس کی ایک شان اور صفت ہے مجملہ ان صفات کے کہ جن کو سمندر کی سیاہی بنا کر جو کوئی لکھنا چاہے تو سمندر تمام ہو جائے اور وہ سب نہ لکھی جائیں۔ (۶) چونکہ اس سورہ میں اصحاب کہف اور ذی القرنین اور موسیٰ اور خضر کا حال بیان ہوا ہے جس سے ان کی بزرگی اور خرقِ عادات معجزات ظاہر ہوتے ہیں اور دنیا میں بزرگوں اور عباد اللہ کو جو لوگوں نے خدائی میں شریک کیا ہے تو بیشتر ان کے خارقِ عادات کاموں کی وجہ سے تو اس لیے آپ کی امت کو حیہ کرنے کے لیے سورہ کا خاتمہ اس پر کیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ[1] کہ کہہ دو میں بھی تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں، خدا نہیں نہ خدائی کا شریک ہوں، مجھے یہ مؤکد حکم وحی کیا گیا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے کوئی دوسرا معبود نہیں۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ الخ پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی توقع رکھتا ہو کہ اپنے رب کے پاس جا کر حیاتِ جاودانی پاؤں تو اس کو یہ دو کام کرنے چاہئیں، (۱) نیک کام کیے جائے اور نیک وہی کام ہیں جن کو نبی علیہ السلام نے نیک بتایا ہے اس میں مالی، بدنی، اخلاقی سب نیکیاں آگئیں۔ (۲) لایشرک الخ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے حسنات کے یہی دو اصول ہیں توحید جس کو ایمان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اعمالِ صالحہ تمام صحف انبیاء کا یہی خلاصہ ہے جس پر سورہ کو تمام کیا ہے

فائدہ : لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ الخ میں صرف شرک ہی کی نفی نہیں بلکہ ریاکاری کی بھی کس لیے کہ ریاکار جب غیر کے دکھانے یا سنانے کو عبادت کرتا ہے تو گویا اس نے اس کی یا اس کے لیے عبادت کی ان کو بھی خدا کے ساتھ شریک کیا اس کو شرع میں شرکِ خفی کہتے ہیں واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝١ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝٢ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝٣
قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ
بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝٤ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا
فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝٥ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ
رَضِيًّا ۝٦ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧
قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ

[1] انما انا بشر مثلکم الخ محض الوہیت وعبودیت کو امتیاز کے لیے ہے یعنی پیغمبر علیہ السلام میں الوہیت کا کوئی بھی حصہ نہیں اس سے کمالات نبوت کی نفی مراد نہیں مگر اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور انسانوں جیسا معمولی انسان خیال کرنا سخت نادانی ہے۔ ۱۲ منہ

عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ
وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ
لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً
وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾

(یہ) ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس کے بندے زکریا پر ہوئی جبکہ اس نے اپنے رب کو خفیہ آواز سے پکارا۔ کہا اے میرے رب! (بدن کی) ہڈیاں سست ہو گئیں اور سر میں بڑھاپا چمکنے لگا اور تجھ سے مانگ کر اے رب! میں کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے بعد اپنے اقارب سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے پس تو اپنی طرف سے مجھے ایک وارث[2] عطا کر جو میرا وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی اور اس کو اے رب پسندیدہ بنا (ہم نے کہا) اے زکریا! ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشی سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی بھی نہیں پیدا کیا[3]۔ زکریا نے کہا اے رب میرے لیے کہاں سے لڑکا ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپا میں آ کر ایڑھ گیا[4] ہوں۔ کہا یوں ہی ہو[5] گا۔ تمہارے رب نے فرمایا کہ یہ میرے نزدیک آسان بات ہے اور ہم نے اس سے پہلے تجھ کو بھی پیدا کیا ہے اور تم کچھ بھی نہ تھے۔ زکریا نے کہا اے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے۔ فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین رات دن تک کلام نہ کر سکو گے بھلا چنگا ہو کر۔ پس زکریا حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو اشارہ سے کہا کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کیا[6] کرو (زبان سے بول نہ سکے)

ترکیب: ذکر مرفوع بانہ خبر مبتدء محذوف ای ہذا ثم الخبر مضاف الی رحمت وھی الی ربک۔ عبدہ منصوب بانہ مفعول رحمۃ وقیل مفعول لذکر اذ نادی ظرف زمان للرحمۃ اے رحمۃ اللہ ایاہ وقت ان ناداہ۔ قال رب الخ الجملۃ مفسرۃ لقولہ نادی والوھن الضعف یقال وھن یہن وھنا من باب وعد یعد ولا یتعدی فی اللغۃ۔ اشتعل الراس الاشتعال انتشار شعاع النار فشبہ بہ انتشار بیاض شعر الراس بجامع البیاض ثم خرج الاستعارۃ بالکنایۃ بان حذف المشبہ بہ واداۃ التشبیہ شقیا ای خائبا من الاجابۃ۔ خفت بصیغۃ المتکلم وقری بکسر التاء وفاعلہ الموالی ای قلوبھا تو المراد بالموالی جمع المولی ھنا الاقارب یرثنی ویرث بالرفع الفعلین علی انھما صفتان للولی وقری بالجزم علی انھما للدعا سمیا فعلی بالمفعول قال اکثر المفسرین لم تسم احدا قبلہ یحییٰ وقال ابن عباس ومجاہد وجماعۃ معناہ لم نجعل لہ نظیرا ولا مثلا من السماۃ او السمو وقیل معناہ لیس

1. عتیا مشتق ہے عتوی سے معناہ از حد در گذشتن و بہ پیری رسیدن۔ حقانی
2. یعنی ایسا کوئی جانشین فرزند عطا کر کہ میرے بعد انتظام ملت و قوم کرے کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد میرے اقارب جو اس مسند امامت پر بیٹھیں گے قوم و ملت کو برباد نہ کر دیں کس لیے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کے آثار اچھے نہ دکھائی دیتے تھے۔
3. بنی اسرائیل میں اس نام کا ان سے پہلے کوئی نہیں گزرا بعض مفسرین کہتے ہیں سمی بمعنی مثل ہے یعنی اس صفت کا کوئی نہیں گزرا گو ان سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ بنی اسرائیل میں بڑے بلند مرتبہ رسول ہو گزرے ہیں مگر ان میں ایک وصف خاص تھا اور ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است۔ یعنی بڑا لائق فرزند عطا کریں گے۔ ۱۲ منہ
4. بڑھاپے میں انسان کی وہ حالت نہیں رہتی جو جوانی میں ہوتی ہے قد بھی کبڑا ہو جاتا ہے، ہاتھ پاؤں بھی سکڑ جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ
5. بعض مفسرین کہتے ہیں زکریا کا قول ہے جو بشارت فرزند بن کر تعجب سے یہ پوچھا کہ کیا ایسا ہوگا۔ ۱۲ منہ
6. ان کی زبان بند ہو گئی تھی اشارہ سے کہا کہ میں نماز نہیں پڑھ سکتا تم خود حسب دستور صبح و شام اپنی نماز پڑھ لو۔ وہ نمازیں بنی اسرائیل میں زیادہ مؤکد تھیں۔ ان کی نماز تسبیح و تقدیس تھی۔ ۱۲ منہ

یا قرمثلا قبلہ۔ ۱۲ منہ

تفسیر: اس سورہ میں بھی چند بزرگوں کے تذکرے ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی رحمت و قدرت کا کامل اظہار ہوتا ہے اور مقصود ان تذکروں سے یہ ہے کہ خدا پرستوں پر ہمیشہ دنیا و آخرت میں اس کی مہربانی اور عنایت ہوا کرتی ہے وہ اپنے مخلصین کی ہر موقع پر دستگیری کیا کرتا ہے اسی پر توکل چاہیے۔ پہلا تذکرہ حضرت زکریا پیغمبر علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت شہر یروسلم کے باشندے بنی اسرائیل میں یکل یعنی بیت المقدس کے ایک کاہن یعنی امام تھے، منجملہ اور کاہنوں کے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ یہود کی سلطنت قائم نہ رہی تھی۔ شاہان روم ان پر حکومت کرتے تھے اور ان کا ایک نائب یا گورنر یہاں رہا کرتا تھا جن کو ہیرودیس کہا کرتے تھے۔ یہ نام ان کا خاندانی نام تھا اور ہیرودیس یہود میں سے نہیں بلکہ غیر تھا۔ بیت المقدس کئی بربادیوں کے بعد حال میں ازسرنو بطرز سابق تعمیر ہوا تھا اس میں متعدد کمرے اور کئی درجے تھے اور دو منزلہ مکانات بھی تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی الیسبات جو حضرت مریم کی خالہ تھیں بانجھ تھیں۔ زکریا علیہ السلام کو اولاد نہ ہونے سے بعد میں اقارب کا کھٹکا تھا کہ ان سے سرانجام ملت نہ ہو سکے گا۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ
تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ
وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ
اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۡ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا
فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ
تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۡ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ
لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ
هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ
فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾

(جب یحییٰ پیدا ہو چکے تو ان کو کہا گیا) اے یحییٰ کتاب کو مضبوط ہو کر لو اور ہم نے لڑکپن ہی میں اس کو حکمت عطا کی اور اس کو اپنے ہاں سے رحمدلی اور پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ پرہیزگار اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بہت نیکی کرنے والے تھے اور وہ سرکش نافرمان نہ تھے۔ اور اس پر سلام[2] ہو جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ مریں گے اور جس روز کہ زندہ ہو کر اٹھیں گے اور کتاب میں مریم کا ذکر کرو جبکہ وہ اپنے لوگوں سے کنارہ کر کے شرقی مکان میں جا بیٹھی پس لوگوں کی طرف سے بیچ میں ایک پردہ ڈال لیا۔ پھر اس کے پاس ہم نے اپنے فرشتے کو بھیجا تب وہ اس کے روبرو پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ مریم نے کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر

1. توریت۔ ۱۲ منہ
2. یعنی اس کی ولادت اور موت اور بار دگر زندگی ہر حالت مبارک۔ ۱۲ منہ

تو پرہیزگار ہے۔اس نے کہا میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ تم کو پاکیزہ لڑکا دوں۔مریم نے کہا میرے کہاں سے لڑکا ہوگا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔کہا یوں ہی ہوگا۔تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے (اور اس طرح یوں پیدا کیا) تاکہ ہم لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی اور لوگوں کے لیے اپنی مہربانی[1] بنائیں اور یہ بات ٹھہر چکی تھی پس مریم کو (خود بخود) حمل رہ گیا اور وہ حمل کو لے کر کسی دور گوشہ میں رہنے لگی۔

ترکیب: وحنانا معطوف علی الحکم مشتق من الحنان بمعنی الرحمۃ والرقۃ ومشتق من صفات اللہ عزوجل۔وزکوۃ معطوف علی ماقبلہ والزکوۃ التطہیر والتزکیۃ والتنمیۃ ای جعلناہ مطہرۃ وقیل زکیناہ بحسن الثناء علیہ کتزکیۃ الشہود وقیل صدقۃ تصدقنا بھا علی ابویہ سلام علیہ قال ابن جریر معناہ امان علیہ من اللہ وقال ابن عطیۃ التحیۃ المتعارفۃ۔مکانا شرقیا ای من جانب الشرق وانتصب علی الظرفیۃ اومفعول بہ علی ان معنی انتھذت اتت مکانا ومن اجل ذالک اتخذت النصاری المشرق قبلۃ والمعنی ہی الزانیۃ التی تخفی الرجال قال البیرداصلہ بغوی علی فعول وقال ابن جنی فعیل ولما کان البغاء غالبا فی النساء دون الرجال اجری مجری حائض وحائل لنجعلہ متعلق بمحذوف ای خلقنا ورحمتہ معطوفۃ علی آیۃ وکان اسمہ محذوف ای خلقہ امرا مقیضا خبرکان۔۱۲

تفسیر: آخر ایک روز عین نماز میں دل بھر آیا۔اللہ سے مناجات ودعا کی (ندا آئی) کہ اے رب! میں کبھی تجھ سے سوال کر کے محروم نہیں رہا ہوں میں تجھ سے اب التجا کرتا ہوں کہ مجھے ایک پسندیدہ فرزند عطا کر کہ امانت میں میرا وارث ہو اور اسرائیل کی نسل کا بھی وارث ہو نبوت اور بزرگی اور برکت میں بھی جو اسرائیل سے وعدہ کی گئی تھی کہ تیری نسل میں برکت دوں گا۔فرشتہ نے خدا کی طرف سے زکریا کو مژدہ دیا کہ تیری دعا قبول ہوئی تجھ کو ایک فرزند نیک ملے گا جس کا نام یحییٰ (یوحنا) ہوگا اور اس سے پہلے اس نام کا کوئی نہیں ہوا ہے۔زکریا علیہ السلام کو مژدہ سن کر اپنی پیرانہ سالی اور بیوی کے بانجھ ہونے کا خیال کر کے تعجب ہوا۔فرشتہ نے کہا کیا تعجب ہے خدا نے انسان کو معدوم سے موجود کر دیا بغیر اسباب کے پیدا کر سکتا ہے اور اسباب بھی پیدا کر سکتا۔پھر جب زکریا علیہ السلام کا اطمینان ہو گیا تو فرشتہ سے اس کی علامت پوچھی۔فرشتہ نے کہا جب وقت آئے گا تو خود بخود تین رات دن تک تیری زبان بند ہو جائے گی۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ زکریا کچھ بات نہ کر سکتے تھے۔امامت کے روز لوگ حسب دستور منتظر تھے کہ زکریا علیہ السلام محراب یعنی اپنی خاص عبادت گاہ سے باہر آ کر نماز پڑھائیں ان کے دستور کے موافق پس باہر نکل کر لوگوں سے اشارہ کر کے کہا کہ تم بطور خود صبح وشام خدا کی حمد وثناء کرو۔اس علامت کے چند عرصہ بعد یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔یہ لڑکپن ہی میں وعظ وتلقین کیا کرتے تھے اور بچوں کی طرح کھیل کود میں کبھی مصروف نہیں ہوئے۔تورات پر عمل کرنے کا ان کو حکم ہوا تھا اس بات کو خذ الکتاب بقوۃ سے تعبیر کیا یعنی مضبوطی سے کتاب یعنی توریت کو پکڑ کر اس پر عمل کر اور ممکن ہے کہ ان کو کوئی خاص صحیفہ عطا ہوا ہو جو مصائب میں گم ہو گیا اور آپ کو لڑکپن ہی میں حکم یعنی حکمت اور فہم ودانائی اور حنان یعنی نرم دلی اور محبت اور دل دردمند اور زکوۃ یعنی طہارت ظاہری وباطنی وعطا کی گئی تھی۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

[1] یعنی مریم کو بغیر باپ کے بچہ دینے میں اظہار قدرت کاملہ اور لوگوں پر رحمت مقصود تھی رحمت اس لیے کہ ماں ہی کا اثر مولود میں ظاہر ہو اور عورت کی ذات میں قدرت نے نرمی اور شفقت رکھی ہے حضرت موسیٰ کے جلال کے بعد جن کے عہد میں بنی اسرائیل پر سخت سخت احکام فرض ہوئے ایک ایسا ہی رحم دل اور نرم نبی مبعوث کرنا عین حکمت تھا تاکہ بنی اسرائیل کو ان سخت احکام سے سبکدوش کرے۔۱۲ منہ

[2] یعنی پانی اور کھانے کا سامان خدا نے غیب سے پیدا کیا۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ[1] مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

پھر درد زہ کے مارے کھجور کے پیڑ کی طرف آئی۔کہنے لگی اے کاش کبھی کی میں اس سے پہلے مر چکتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔پھر اس کے پائیں سے (فرشتے نے) آواز دی کہ غم نہ کر تمہارے رب نے تمہارے پائیں میں ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔اور اپنی طرف کھجور کے پیڑ کو جھکاؤ تم پر پکی تازہ کھجوریں گریں گی سو تم کھاؤ اور پیو اور آنکھ ٹھنڈی کرو۔پھر جو تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لیے روزہ مانا ہے اب[2] میں آج کے دن کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔پھر وہ بیبی کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم پاس لائیں۔وہ کہنے لگے اے مریم البتہ تو تو ایک بڑی چیز لائی ہے اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ تو تیری ماں ہی بدکار تھی۔

ترکیب: فاجاء یقال جاء واجاء لغتان بمعنی واحد ای الجاہا واضطرہا المخاض مصدر وھو وجع الولادۃ عند الجمہور بفتح المیم وقری بکسرھا من تحتھا بفتح المیم وکسرھا والضمیر المونث لبعۃ ای مریم وقیل ای الفتحلۃ ان لاتحزنی تفسیر للنداء سریا النھر الصغیر والجدول لان الماء یسری فیہ والجمع سریان والسری الرئیس والجمع سراۃ وھزالھز التحریک یقال ھزہ فانھز تساقط اصلہ تتساقط مجزوم بانہ جواب امر۔ترین اصلہ ترائین مثل تسمعین فریا محیبا نادر۔۱۲

تفسیر: یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے چند اوصاف حمیدہ بیان فرمائے تاکہ وعدۂ الٰہی کہ اس سے پہلے کوئی اس کا ہم نام یا مثل نہیں پیدا ہوا صادق آئے اور وہ اوصاف یہ ہیں جوان کو لڑکپن ہی میں دیے گئے تھے۔باحکمت تھے نہایت مہربان رقیق القلب تھے۔ظاہر وباطن میں پاک اور بابرکت تھے نہایت پرہیزگار خدا ترس تھے، ماں باپ کے فرمانبردار تھے، جبار وسرکش نہ تھے۔ان خوبیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نسبت فرماتا ہے وسلام علیہ کہ ہمارا سلام یا سلامتی اور رحمت ہو ان پر پیدا ہونے اور مرنے اور مر کے جینے کے دن یعنی سخت اوقات میں۔یہ ایک محاورہ جیسا ہماری زبان میں کہتے ہیں مرحبا ہے اس کے پیدا ہونے پر یا مبارک ہے اس کا پیدا ہونا۔ان حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اس وقت کے ہیرودس نے ایک عورت کے کہنے سے ناحق قتل کیا۔ان کا سر قلم ہو کر طشت میں لگا کر بادشاہ مذکور کے سامنے لایا گیا۔یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وعظ ونصیحت کرتے پھرتے تھے۔

دوسرا تذکرہ حضرت مریم کا ہے۔اس قصہ کی ابتداء یہاں نہیں بیان کی بلکہ ان آیات میں ہے اذقالت امرۃ عمران رب انی

[1] ہارون سے حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام کے بھائی مراد نہیں کیونکہ مریم میں اور ان میں سینکڑوں برسوں کا فاصلہ ہے۔یہ ان کی بہن نہیں ہو سکتی بلکہ ان کے نام پر کوئی دوسرا ہارون تھا جو مریم کا رشتہ کا بھائی تھا جس کی نیک بختی بنی اسرائیل میں مشہور تھی یعنی تم ایسے شریف اور نیک خاندان کی ہو کر یہ کیا کر بیٹھیں اور اگر ہارون مراد ہوں تو اخت کے معنی بہن کے ہیں بلکہ ابن اخت اخ عرب میں نسبت کے لیے بھی مستعمل ہوتے ہیں ابن السبیل چاند کو ابن اللیل مسافر کو اخ العرب عربی کو کہتے ہیں یعنی تاروں والی چونکہ عہدۂ امانت حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں چلا آتا تھا اور حضرت مریم علیہا السلام بھی اس مقدس ومعزز خاندان میں سے تھیں اس لیے ان کو اخت ہارون کہہ کر مولود سعید پر ملامت کی۔حنائی ۱۲۔

[2] اس عہد میں روزہ میں بات نہ کرتے تھے۔

نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا بنی اسرائیل میں سے ایک شخص عمران نامی تھا (یہ عمران موسیٰ علیہ السلام کے والد نہیں بلکہ اور شخص تھے) اس کی بیوی حنہ بڑی نیک بیوی تھی جو حضرت زکریا علیہ السلام کی سالی تھی اس نے خدا تعالیٰ سے نذر مانی تھی کہ الٰہی یہ جو مجھے حمل رہا ہے اس سے لڑکا پیدا ہوگا تو میں تیری نذر کروں گی۔ یہود میں ایسی نذروں کا قدیم دستور تھا چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد سے ذراپیشتر سموئیل علیہ السلام کو بھی ان کی ماں نے خدا کے لیے نذر مانا تھا اور اسی لیے عبادت خانہ میں چڑھا گئیں لیکن عمران کی بیوی نے لڑکی جنی یعنی مریم جس پر ان کو افسوس ہوا کہ لڑکا ہوتا تو بیت المقدس کی خدمت کرتا کیونکہ جن کو خدا کے لیے نذر مانا کرتے تھے ان کو بیت المقدس میں لاکر چھوڑ جاتے تھے وہیں ان کی پرورش ہوتی تھی اور وہ عمر بھر وہیں خدمت کیا کرتے تھے لڑکی کیا کرے گی لیکن حضرت مریم علیہا السلام کو بھی ان کی ماں بیت المقدس میں چھوڑ گئیں۔ ان کے خالو زکریا علیہ السلام جو بیت المقدس کے امام تھے ان کی پرورش کے لیے مقرر ہوئے۔ زکریا علیہ السلام نے مریم کے لیے بیت المقدس کے مکانات میں سے ایک جدا مکان تجویز کر دیا اور یہی ان کے پاس کھانا پانی پہنچایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار جو یہ ان کے پاس گئے تو ان کے پاس بے موسم کے پھل دیکھے۔ تعجب سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے۔ مریم نے کہا اللہ نے بھیجے ہے۔ اس سے زکریا کو اور بھی امید ہوئی اور خدا تعالیٰ سے لڑکے کا سوال کیا جس پر حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جن کا قصہ گزرا۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۲۹ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ۭ
اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۳۰ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ
بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۳۱ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا
شَقِيًّا ۳۲ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۳۳ ذٰلِكَ
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۳۴ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ
وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۳۵ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ
وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۳۶ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ
بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۳۷

حضرت مریم علیہا السلام کا خود کلام نہ کرنا گود کے بچہ کی طرف اشارہ کرنا کہ یہ خود اپنا حال بیان کر دے گا اپنی برأت کا اظہار مقصود تھا کس لیے کہ حرامی بچہ سے کمال و کرامت کہاں کہ وہ کلام کرے اور کلام بھی ایسا پر معنی اور بلند مرتبہ کہ میں خدا کا بندہ ہوں خدا نہیں کیونکہ آنے والا حال خدا نے ان پر منکشف کر دیا کہ میرے معتقدوں میں سے بہت لوگ مجھے ابن اللہ یا خدا کہیں گے اس میں ضمناً نصاریٰ پر تعریض بھی ہے کہ وہ تو اپنے کو خدا کا بندہ کہتے تھے تم ان کو ناحق اللہ اور خدا کہتے ہو یہ کیا اتباع عیسیٰ ہے۔ دوم یہ کہ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا گو اس وقت نہ کتاب انجیل ملی تھی نہ نبوت مگر یقیناً ہونے والی چیز کو حال سمجھنا اپنے وثوق کا اظہار ہے چنانچہ انہیں انجیل بھی ملی اور نبی بھی ہوئے۔ سوم یہ کہ گو اعلی یہود اب تم مجھ پر اور میری ماں پر لعنت کر رہے ہو مگر بجائے ان کے مجھے خدا نے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں کیوں نہ ہوں دنیا میں بھی اور آسمان پر جانے کے بعد بھی۔ چہارم جامہ بشریت سے باہر نہیں ہوں۔ مجھ پر بھی خدا کے احکام فرض ہیں اور میں ان کی بسر و چشم تعمیل کرنے والا ہوں اس لیے اپنی ماں کا تابعدار ہوں سرکش اور نافرمان نہیں جیسا کہ حرامی بچے ہوتے ہیں اور پنجم یہ کہ ہر حالت پر خدا کی امان ہے پیدا ہونے' مرنے' زندہ ہونے میں اور مجھے خدا نے نماز اور خیرات کا مؤکد حکم دیا ہے جب تک کہ میں زندہ ہوں۔ ۱۲ منہ

تب مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا وہ کہنے لگے ہم گود کے بچے سے کیونکر بات چیت کر سکتے ہیں بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اللہ نے کتاب دی اور نبی بنایا۔ اور مجھے بابرکت کیا جہاں کہیں بھی میں ہوں اور مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی جب تک کہ میں زندہ ہوں اور ماں کے ساتھ نیکی کرنے والا (بنایا) اور مجھے سرکش بدبخت نہیں کیا۔ اور مجھ پر خدا کی رحمت جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن کہ میں مروں گا اور جس دن کہ بارِ دگر زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا (یہ ہے) سچی بات کہ جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب وہ کوئی کام کرنا ٹھہراتا ہے تو صرف اس کو کن کہتا ہے سو وہ ہو جاتا ہے اور (یہ بھی کہا) بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو اسی کی عبادت کیا کرو۔ یہ سیدھا رستہ ہے پھر لوگ آپس میں جھگڑنے لگیں پس منکروں کے لیے بڑے دن کی پیشی سے خرابی ہے۔

تفسیر : آخر جب مریم جوان ہو گئیں تو ایک بار ان کو خوبصورت آدمی کی شکل میں خدا کا فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) نظر آیا، مریم گھبرائیں اور کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے۔ فرشتہ نے کہا میں انسان نہیں خدا کا فرستادہ ہوں اس لیے آیا ہوں کہ تجھ کو پاک فرزند دوں۔ مریم علیہا السلام نے کہا یہ کیونکر ہوگا میرا اب تک کسی سے نکاح نہیں ہوا اور نہ میں حرام کار ہوں۔ فرشتہ نے کہا خدا یوں ہی اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کر سکتا ہے تب فرشتہ نے ان کے کرتے کے گریبان میں دم کر دیا یعنی پھونک دیا۔ اس کے بعد سے ان کو حمل معلوم ہونے لگا۔ مریم علیہا السلام لوگوں سے گوشہ اور کنارہ کے مکان میں جا رہیں (غالباً یوسف کے ساتھ وہاں سے بیت اللحم میں آ رہی ہوں گی جو وہاں سے کئی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا جو آج کل شہر ہے یا اپنی خالہ کے گھر آ رہی ہوں گی اور ان کی خالہ کو بھی حمل تھا چھ مہینے کا جس سے یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے) پس جب خاص جننے کا وقت آیا اور درد لگے تو ایک افتادہ مکان میں آئیں جہاں ایک کھجور کا درخت تھا اور پانی نہ تھا اور ولادت کے وقت ان چیزوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے ادھر تنہائی ادھر درد ادھر ہر قسم کی بے سروسامانی نہ کھانا نہ پانی۔ ایسی حالت میں انسان کا مقتضائے طبعی ہے کہ گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ کاش میں اس دن سے پیشتر مر چکتی اور نیست و نابود ہو گئی ہوتی کہ لوگ نام و نشان بھی بھول جاتے۔ ایسے سخت وقتوں میں خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی دستگیری کیا کرتا ہے پس ان کے پائیں[1] سے فرشتے نے آواز دی کہ کچھ غم نہ کرو دیکھو تمہارے پاؤں کی طرف خدا نے چشمہ جاری کر دیا جس قدر پانی درکار ہو لو اور اس کھجور کے درخت کو ہلاؤ تر و تازہ کھجوریں اس میں سے جھڑیں گی اور جو کوئی شخص تمہیں کچھ کہے تو اشارہ سے کہہ دینا کہ میں کلام نہیں کر سکتی روزہ نذر مانا ہے۔[2]

پس پاک ہونے کے بعد ختنہ کے لیے شریعت موسوی کے موافق مریم عیسیٰ کو بیت المقدس میں لائیں فاتت به قومها تحمله یہاں ان پر لوگوں کا ہنگامہ ہوا اور طعن و تشنیع شروع ہوئی کہ تیرے ماں باپ ایسے نہ تھے تو یہ حرام کار کہاں سے پیدا ہوئے؟ سچ بتا یہ بچہ کس کا ہے؟ مریم نے حضرت مسیح کی طرف اشارہ کیا کہ خود اسی سے دریافت کر لو۔ لوگوں نے کہا کہ ہم بچہ سے کیونکر بات چیت کر سکتے ہیں۔ اتنے میں حضرت مسیح علیہ السلام گود میں سے آپ بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں (سب سے پہلے یہ جملہ یوں کہا کہ ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور عجائب معجزات دکھانے سے لوگ ان کو کہیں خدا کا بیٹا نہ سمجھ لیں جیسا کہ نصاریٰ سمجھ بیٹھے) مجھ کو کتاب دی ہے یعنی انجیل گو اس وقت تک نہ

[1] تحتھا کے معنی بعض نے یہ بیان کیے ہیں کہ مسیح نے ان کے نیچے سے آواز دی تھی مگر صحیح مطلب آیت کا یہ ہے کہ مریم جو بوقت ولادت لیٹی ہوئی تھیں ان کے پاؤں کی طرف سے کہ جس کو تحت یا نیچے کی جانب کہتے ہیں جس طرح سرہانے کو بائیں یا اوپر کی جانب کہتے ہیں فرشتے نے آواز دی۔ ۱۲ منہ۔

[2] اگر روزہ میں یہ نذر مانا ہو کہ کسی سے کلام نہ کروں گا اس عہد میں اس نذر کا پورا کرنا ضرور تھا اس لیے مریم نے یہ عذر کیا اور غرض یہ تھی کہ لوگوں کو آپ جواب دینا پڑے خود لڑکا ہی جواب دے دے تا کہ اس کا اعجاز و کرامت معلوم ہو۔ ۱۲ منہ

ملی تھی بلکہ تیس برس کی عمر میں جبکہ نبی ہوئے اور اسی طرح نبوت بھی جب ہی ملی اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کی وصیت بھی اسی وقت ہو سکتی ہے لیکن یہ سب باتیں ہونے والی تھیں اور عالمِ غیب میں قرار پا چکی تھیں گو ظہور اس وقت تک نہ ہوا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم کرایا گیا تھا اس لیے ان سب باتوں کو بلفظِ ماضی اس طفولیت کے وقت میں بیان فرمایا۔ شیر خواری کی حالت میں اپنی ماں کی برأت کے لیے مسیح نے ایک ہی بار کلام کیا تھا پھر نہیں کیا بلکہ پھر اس وقت بولے جب اور لڑکے بولا کرتے ہیں جب لوگوں نے یہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئے اور اس لیے مریم علیہا السلام پر زنا کی سزا جو قتل تھی قائم نہ کی ورنہ سزا سے بری رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر اس بات کو یہود نے مخفی کر دیا تا کہ لوگ ان کے معتقد ہوں اور حضرت زکریا علیہ السلام پاکدامن پر بہتان دھر دیا۔

تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا چچازاد بھائی ایک شخص یوسف نامی تھا جو حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کو یہود اور ہیرودوس کے خوف سے مصر لے گیا تھا اور اس کے مرنے تک وہ وہیں رہے پھر ہیرودوس کے مرنے کے[1] بعد آ کر ناصرہ گاؤں میں رہے اسی لیے ان کے متبعین کو نصاریٰ کہتے ہیں اور پھر وعظ و پند میں مصروف ہوئے اور معجزات دکھانے شروع کیے۔ لوگ جوق جوق ان کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ آخر یہود کو حسد ہوا اس عہد کے حاکم کو بدگمان کر کے ان کو گرفتار کرایا کہ یہ قیصر سے باغی ہے، قید کر کے سولی دینے لے چلے مگر خدا نے ان کو زندہ و سالم اوپر اٹھا لیا اور ان کی شکل میں ایک کو انہیں میں سے کر دیا جس کو سولی دی گئی ان کے بعد حضرت مریم علیہا السلام کا انتقال ہوا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ان کے روبرو ہی ہیرودوس کے ہاتھ سے شہید ہو چکے تھے۔

حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کے قصہ کو تمام کر کے فرماتا ہے ذٰلِكَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ الخ کہ اصل حقیقت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی یہ ہے۔ سچا واقعہ جس میں وہ جھگڑتے ہیں یہ ہے نہ وہ جو کہ یہود کہنے لگے کہ معاذ اللہ وہ زنا سے پیدا ہوئے تھے اور مکار و فریبی تھے نہ وہ جو کہ عیسائی کہنے لگے کہ وہ خدا کے بیٹے تھے خدا ان کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ یہود کا قول تو از حد باہی البطلان تھا ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی اس لیے عیسائیوں کے قول کو باطل کرتا ہے مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ الخ کہ خدا کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنا دے وہ اس سے پاک ہے اذا قضٰی امرا فانما یقول له کن فیکون بیٹا ان کے لیے ہوتا ہے جن کو احتیاج ہے اور اس کے حکم میں تو ہر چیز ہے کن کہتے ہی ہو جاتی ہے اسی طرح بغیر سببِ ظاہری یعنی باپ کے بغیر عیسیٰ کو پیدا کر دیا خود عیسیٰ نے کہہ دیا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ کہ اللہ میرا اور تمہارا دونوں کا پالنے والا ہے اسی کی عبادت کرو سیدھا رستہ یہی ہے نہ یہ کہ مجھے خدا یا اس کا بیٹا سمجھو۔

ابحاث : (۱) زکریا علیہ السلام کا قصہ انجیل لوقا میں موجود ہے ہاں قرآن مجید میں تین روز تک اور انجیل مذکور میں ایک روز تک گونگا رہنا مذکور ہے اور مریم کے قصہ میں اس قدر تفاوت ہے کہ مریم کا ان کی والدہ کی طرف سے خدا کی نذر میں چڑھایا جانا اور زکریا علیہ السلام کی نگرانی میں پرورش پانا اور اسی طرح تولدِ مسیح علیہ السلام کے وقت خرمے کے درخت کا تروتازہ ہونا اور چشمہ جاری ہونا اور پھر شیر خوارگی میں مسیح علیہ السلام کا کلام کرنا ان کی اناجیلِ اربعہ میں موجود نہیں قرآن میں ہے البتہ ان کی اور اناجیل میں ہے جیسا کہ انجیلِ طفولیت وغیرہ اور اسی طرح رضاعت کے زمانہ میں یحییٰ کا کلام کرنا انجیل میں ہے قرآن مجید میں نہیں سو یہ کچھ اختلاف ایسا نہیں کہ جس سے ایک کو غلط ایک کو صحیح کہنے کی نوبت پہنچے خود چاروں انجیلوں میں اس قسم کی کمی زیادتیاں ہیں ایک میں ہے کہ مجوسی ستارہ کے اشارہ سے مسیح پاس آئے دوسری میں نہیں علیٰ ہذا القیاس۔ اور جو اختلاف ہے بھی تو اس میں قرآن مجید کا ہی عقلاً و نقلاً اعتبار ہونا چاہیے نہ ان کی کتبِ محرفہ کا۔

(۲) تمام اہلِ اسلام اور تمام عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علیہ السلام بغیر باپ کے محض قدرتِ کاملہ سے پیدا ہوئے نے

[1] تخمیناً بارہ برس کی عمر میں مسیح علیہ السلام مصر سے واپس آئے۔ ۱۲ منہ۔

برخلاف یہود کے کہ وہ ان کو انسان کے نطفہ سے بطور عادت پیدا ہونا کہتے ہیں اور معاذ اللہ ناجائز تولد قرار دیتے ہیں مگر آج کل برائے نام مسلمانوں کا ایک گروہ جو اس زمانہ میں علومِ حسیہ کی ترقی اور علومِ روحانیہ کے مفقود ہو جانے اور حسنِ باطن اور نورِ قلبی کے مٹ جانے سے پیدا ہوا ہے وہ فریق قدم بہ قدم حکمائے یورپ کے چلتا اور قرآن و احادیث کو ان کے خیالات کے مطابق کرتا ہے۔ غلط تاویلات کے ذریعہ سے وہ بھی یہود کی طرح بطور عادت انسان کے نطفہ سے پیدا ہونا کہتا ہے کیونکہ خوارقِ عادت امور ان کے نزدیک محال ہیں۔ اس بات کے امکان پر دلائل لانے کی یہاں گنجائش نہیں مقدمۂ تفسیر میں بیان ہو چکے اب ہم قرآن مجید کے وہ الفاظ بتاتے ہیں جو اسی بات پر دلالت کرتے ہیں: اول ان آیات میں فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا سے لے کر قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ تک صاف صاف کہہ رہا ہے کہ مریم کو فرشتہ کے کہنے سے کہ تجھ کو فرزند دینے آیا ہوں تعجب آیا اس لیے کہ نہ وہ حرام کار تھیں نہ کسی سے نکاح ہوا تھا اس پر فرشتہ کا یہ کہنا کہ تیرا رب یوں ہی کر سکتا ہے اور یہ اس پر کچھ مشکل بات نہیں تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تولد بغیر باپ کے ہوا ہے۔ دوم وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ بھی اسی کی تصریح کرتا ہے کس لیے کہ تولدِ مسیح اگر معمولی طور سے ہوتا پھر خواہ اس میں لوگوں کے لیے کتنے ہی برکات کیوں نہ ہوتے جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تولد میں اس پر آیۃ کا اطلاق نہیں ہوتا کس لیے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بجز آیاتِ قرآنیہ کے اور چیزوں پر لفظ آیۃ کا اطلاق ہوا ہے تو انہیں پر ہوا ہے کہ جہاں کوئی بات اس کی قدرت کی بابت عادت و اسباب ظاہری بغیر پائی گئی ہو جیسا کہ اصحاب کہف پر اور صالح علیہ السلام کے ناقہ پر وغیرہما۔ سوم اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ الاٰية میں اس امر کی صاف تصریح ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کے ساتھ مسیح علیہ السلام کو تشبیہ دینا اور اگر اس بات میں نہیں کہ جس طرح وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اسی طرح یہ بھی تو پھر اور کون سی خصوصیت آدم کے ساتھ مسیح کو ہے؟ اور نیز اس آیت کا نزول انہی کے دفعِ خیال کے لیے ہے جو مسیح کو بغیر باپ کے پیدا ہونے سے خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ اسی قصے میں اور کتنی ایک باتیں خارقِ عادت مذکور ہیں جیسا کہ کھجور خشک سے تر خرموں کا پیدا ہونا، پانی کا چشمہ نمودار ہونا، مسیح کا گود میں کلام کرنا، جس کی بابت یہود نے کہا تھا کہ ہم گود کے بچہ سے کیونکر بات کر سکتے ہیں؟ اور فرشتہ کا مجسم ہو کر مریم کو نظر آنا۔ پھر یہاں بھی شاید تاویلِ باطل کریں گے اسی طرح عیسائیوں کی اناجیلِ اربعہ میں بھی اس امر کی صاف تصریح ہے حالانکہ ماؤل صاحب اپنی کتاب تبیین الکلام[1] میں اناجیل مذکور کو غیر محرف اور کلامِ الٰہی مان چکے ہیں۔ انجیل متی کے اول باب میں ۱۸ درس سے لے کر آخر تک اس کی تصریح ہے جس کا ایک جملہ یہ ہے کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے آنے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔ پھر انجیل لوقا کے اول باب میں ۲۶ درس سے لے کر کئی جملوں تک قرآن مجید کے موافق مریم کو فرشتہ سے حمل ہونا اور مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور ہے۔ پھر نہیں معلوم کہ ماؤل صاحب کس سند سے انکار کرتے ہیں اور آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں؟

(۳) یا اخت ھارون اخت کے حقیقی معنی بہن کے ہیں لیکن یہاں یہ مراد نہیں بلکہ کلامِ عرب میں اخ اور اخت اور ابن سے مواقع میں محض نسبت کے لیے آتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں یا اخا العرب یا اخا ھمدان "اے واحد منہم یعنی اے عرب والے اے قبیلہ ہمدان والے" نہ یہ کہ اے عرب اور ہمدان کے بھائی اسی طرح مسافر کے لیے ابن السبیل اور چاند کے لیے ابن اللیل آتا ہے وغیرہ چونکہ حضرت مریم ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں اس لیے ان کو شرمندہ کرنے کے لیے ان کے جدِ اعلیٰ ہارون کی طرف منسوب کر کے کلام کیا کہ اے ایسے بزرگ کی اولاد تجھے ایسا کرنا تھا بعض کہتے ہیں کہ مریم کے حقیقی بھائی کا نام بھی ہارون تھا جو بڑے نیک مرد تھے۔ ایک پادری نے اخت کے حقیقی معنی سمجھ کر پھر ہارون اور مریم میں فاصلہ دراز خیال کر کے اعتراض جڑ دیا کہ قرآن میں غلطی ہے۔ فہم سلیم اسی کو کہتے ہیں۔

[1] نہیں الکلام ہو گا۔

أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾
وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾
إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَن عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾

جس روز کہ وہ ہمارے پاس حاضر ہوں گے اس دن تو کیا ہی سنتے دیکھتے ہوں گے لیکن ظالم آج تو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کو حسرت کے دن سے ڈراؤ جبکہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ ہیں کہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لاتے ہم ہی زمین کے وارث ہوں گے اور ان کے بھی جو اس پر ہیں اور سب ہمارے ہی پاس لوٹ کر لائے جائیں گے۔

ترکیب: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ معناً دونوں تعجب کے صیغہ لفظاً امر کے صیغہ ہیں بمعنی ما اسمعهم و ما ابصرهم بهم موضع رفع میں ہے کقولک احسن بزید ای احسن زید لفظوں میں امر اور معنی میں خبر ہے ای حسن زید، ویمکن ان یقال انه امر لکل احد بان یحسن بزید والباء زائدة۔ یوم ظرف والعامل فیه اسمع وابصر۔ اذا قضی یا یوم الحسرة سے بدل یا حسرت کا ظرف۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا فاختلف الاحزاب کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں قومیں مختلف ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہود کچھ کہتے ہیں، نصاریٰ کچھ اور پھر باہم نصاریٰ کے فرقوں میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے اور تھا جن کی نسبت فرماتا ہے فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ کہ منکروں کو بڑے دن کی حضوری اور اس کی شدت سے خرابی ہے بڑا دن قیامت کا دن ہے یعنی اس دن کا سامنا ہوتا ہے اور اس دن میں بڑی مصیبت ہے ان کے اختلاف کا ثمرہ اس روز ظاہر ہو جائے گا۔

اسمع الخ میں یوم عظیم کی کچھ کیفیت بیان کی کہ جس روز یہ کافر ہمارے پاس آئیں گے اس روز ان کی بینائی اور شنوائی عجب ہوگی یعنی جس طرح آج اندھے اور بہرے ہیں نہ باطن کی آنکھوں سے حق دیکھتے ہیں نہ کسی سے سنتے ہیں اس روز یہ حال نہ ہوگا بلکہ خوب آنکھیں کھل جائیں گی، کان بھی کھل جائیں گے یہی مضمون سورہ ق میں بھی آیا ہے لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ان غافلوں کو حسرت کے دن سے مطلع کر دو تا کہ خوف کریں۔ پھر یوم الحسرت کی کچھ اور تشریح فرماتا ہے۔ اِذْ قُضِيَ الامر و هم فی غفلة وهم لايؤمنون کہ یکایک ان کے لیے عذاب کا حکم دیا جائے گا اور وہ دنیا میں غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ بظاہر یوم الحسرت قیامت کا دن ہے کیونکہ جنہوں نے دنیا میں نیکی نہ کی ہوگی وہاں ان کی حسرت کا کیا ٹھکانا ہے مگر آیت کو عام رکھا جائے تو اور بھی تخویف پیدا ہوتی ہے یعنی حسرت کا دن عام ہے قیامت کے دن کو بھی شامل ہے اور موت کے دن کو بھی کہ انسان غفلت میں پڑا ہوا ایمان وحسنات سے بے خبر ہے ادھر یکایک اس کی موت کا حکم ہو جائے اس کا کام تمام ہو جائے اب اس کو ساتھ لے جانے کے لیے تو شۂ آخرت حاصل کرنے کی مہلت کہاں پس اس دن سے زیادہ بھی اس کی حسرت کا دن اور کوئی کیا ہوگا؟ یہ مضمون بھی قرآن مجید کی متعدد آیات میں آیا ہے لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ اور احادیث میں بھی وارد ہے کہ انسان اپنی آرزوؤں کے پورا کرنے میں لگا ہوا ہوتا ہے کہ یکایک اجل آجاتی ہے۔ حسرت وارمان دنیا کی جگہ دل میں آخرت کے لیے کوتاہی کرنے کی حسرتیں ساتھ ہو جاتیں ہیں۔

دنیا میں جو کچھ مال وزر زمین وباغات اس نے بڑی محنت سے حاصل کیے تھے وہ سب یہیں پڑے رہ گئے ان سب کا اللہ ہی وارث اور

آخر مالک رہے گا اور سب ایک روز خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جائیں گے۔ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۘ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ
لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿٤٢﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ
مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ
اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ
مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ
سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا
يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾
وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾

اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو بے شک وہ ایک نبی صادق تھے جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! آپ اس چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو کہ جو نہ سن سکتی ہے اور نہ دیکھ سکتی ہے اور جو نہ آپ کے کسی کام آسکتی ہے۔ میرے باپ اپنے شک مجھے وہ علم حاصل ہوا ہے جو آپ کو حاصل نہیں ہوا سو آپ میرے کہنے پر چلیے تا کہ میں آپ کو سیدھا رستہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کرو کیونکہ شیطان تو خدا کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم پر خدا تعالیٰ کا عذاب نہ آپڑے پھر تم بھی شیطان کے ساتھ ہو جاؤ۔ اس نے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر ڈالوں گا اور خیر سے میرے پاس سے جا دور ہو۔ ابراہیم نے کہا (بہتر) تو میرا آپ کو سلام ہے (پر) آپ کے لیے میں اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعا ہی کروں گا کیونکہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے اور میں نے تمہیں بھی چھوڑا اور تمہارے ان معبودوں کو بھی کہ جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہو اور میں تو اپنے رب

لے ملیاً مانا طویلا قال الکسائی موئمن الملاوة یقال بجرة ملوة وملاوة وقال ابن جریر وهو المروی عن ابن عباس معناه اعتزلنی سالم العرض لاتصبک بمنی معرة وعقوبة ۱۲ منه

ے ھفیا قال الکسائی یقال ھفی بی حفاوة وحفوة ای اعتنی ای وبالغ فی اکرامی وقد یجیء بمعنی المستقصی فی السوال ومنه قوله تعالیٰ کانک حفی عنها ۱۲ منه

ے یعنی بت ۱۲

ے یعنی اس کا کہنا نہ مان جو وہ بت پرستی کی ترغیب دل میں دلاتا ہے۔ ۱۲ منہ

ہی کو پکارا کروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔ پھر ابراہیم نے ان سے اور ان کے معبودوں سے کہ جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے کنارہ کیا۔ ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا اور ہم نے اپنی رحمت سے بہت کچھ بخشا اور ان کے لیے ہم نے ذکر خیر کا آوازہ بلند کیا (کہ ابد تک لوگ ان کو عزت سے یاد کریں گے)

تفسیر..... ابراہیم علیہ السلام کا قصہ : یہ تیسرا تذکرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ یہ ان کی اس وقت کی ثابت قدمی اور خدا پرستی مذکور ہے کہ جب ابتداءِ شباب میں انہوں نے بت پرستی کو حقیر جان کر اپنے باپ کو اس سے منع کیا اور آخر کار محض اللہ کے لیے اپنے باپ کو چھوڑا کہ جس کی محبت نے ابراہیم کو اس لیے خدا سے معافی مانگنے پر آمادہ کیا اور اس کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ بھی کر لیا پھر مہاجرت کے بعد خدا تعالیٰ نے اس کو اسحاق اور اسحاق کو یعقوب برگزیدہ پیغمبر فرزند عطا کیا۔ یہ نتیجہ ہے خدا کی فرمانبرداری کا۔

یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں لیکن ایسا اولوالعزم پوتا بھی دادا کا نام روشن کرنے والا گویا دادا کو فرزند ارجمند عطا کرنا ہے اس لیے وھبنالہ اسحٰق و یعقوب فرمایا اسحاق کے بعد اس کے لیے علاوہ اور صدہا چیزیں خدا نے یعقوب و اسحاق و ابراہیم علیہم السلام کو عطا کیں تھیں اور سب سے بڑھ کر لسان صدق علیا عطا کی یعنی ان کی ثناوصف لوگ ان کے پیچھے کرتے رہیں گے۔ لِسَانَ صِدْقٍ ثناءِ حسن ذکرِ جمیل۔ چونکہ یہ زبان سے پایا جاتا ہے اس لیے اس کو زبان سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ جو احسان ہاتھ سے کئے جاتے ہیں ان کو ید سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔ خدا تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی جس کا اثر یہ ہے کہ آج تک حضرت ابراہیم علیہ السلام تخمیناً دو ثلث سے زائد بنی آدم کے پیشوا مانے جاتے ہیں۔ یہود عیسائی وغیرہم ان کو بڑائی سے یاد کرتے ہیں۔ اہل اسلام پنج وقتہ نماز میں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ اپنے نبی خاتم المرسلین علیہ السلام کے ساتھ اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علیٰ ابراہیم و..... وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید کہتے ہیں۔ آلِ ابراہیم میں اسحاق، اسمٰعیل و یعقوب علیہم السلام کی طرف اشارہ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں خدا تعالیٰ عرب کے مشرکوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ تم جو باپ دادا کی تقلید کر کے بت پرستی کرتے ہو ایسا نہ چاہیے کیونکہ ابراہیم کہ جس کو تم بھی بزرگ مانتے ہو انہوں نے باپ کا کہنا نہ مانا ان کی تقلید نہ کی اور نیز یہ بھی ہے کہ اگر باپ دادا کی تقلید کرنی ہے تو ابراہیم کی اور ان کی اولاد کی کیوں نہیں کرتے؟ ملیادۃ طویلۃ وقیل سالما ابراہیم نے باپ کے لیے استغفار کا وعدہ کیا تھا اس کے موجب استغفار کیا مگر جب معلوم ہوا کہ اللہ کی مرضی نہیں پھر اس سے بری ہو گئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۫

وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۫ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

اور کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر (یاد) کرو کیوں وہ خاص بندے اور نبی صاحب کتاب تھے اور ہم نے اس کو کوہ طور کے داہنی طرف سے پکارا اور رازداری کے لیے پاس بلایا اور اس کو اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا اور کتاب میں اسمٰعیل کا بھی ذکر (یاد) کرو کیونکہ وہ وعدہ کے سچے اور نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے اور کتاب میں ادریس کا بھی ذکر (یاد) کرو بے شک وہ بڑے سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو بلند جگہ بٹھایا۔ یہ ہیں وہ انبیاء کہ جن پر اللہ نے کرم کیا تھا آدم کی نسل سے اور ان کی نسل سے کہ جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل میں سے اور یہ ان لوگوں میں سے تھے کہ جن کو ہم نے راہ راست دکھائی اور برگزیدہ کیا تھا جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جایا کرتی تھیں تو سجدہ میں گر پڑا کرتے تھے اور روتے جاتے تھے پھر ان کے بعد وہ ناخلف پیدا ہوئے کہ جنہوں نے نمازیں غارت کر دیں اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے پھر ان کی گمراہی بھی بہت جلد ان کے آگے آئے گی مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے سو یہی وہ لوگ ہیں کہ جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا کوئی حق تلف نہ کیا جائے گا اور وہ باغ ہیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کا رحمٰن نے غائبانہ اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے بے شک اس کا وعدہ پیش آ کر رہے گا وہ بہشت کہ جس میں کوئی خراب بات سننے میں نہ آئے گی مگر ہاں ہی سلام کی آوازیں اور وہاں صبح و شام ان کے لیے کھانا تیار ملے گا یہ ہے وہ جنت کہ جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اس کو وارث کرتے ہیں جو پرہیزگار ہوتا ہے۔

تفسیر : یہ چوتھا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ خدا نے ان کو کوہ طور کی جانب سے پکارا یعنی انني انا الله الخ کے ساتھ موسیٰ کو خطاب کر کے کلام کیا اور اس شرف کے بعد دوسرا شرف یہ بخشا کہ ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی ان کی مدد کے لیے نبی بنایا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ یہ پانچواں تذکرہ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے چونکہ یہ ایک مستقل رتبہ کے شخص تھے اس لیے ان کو ان کے باپ کے ذیل میں ذکر نہ کیا بلکہ جداگانہ۔ ان کا پہلا وصف یہ ہے کہ کان صادق الوعد وعدے کے بڑے سچے تھے۔ مروی ہے کہ ایک شخص سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارا فلاں جگہ انتظار کروں گا وہ اتفاقاً ایک برس تک نہ آیا آپ وہیں کھڑے رہے تو یہ ان کے صادق الوعد ہونے کی ایک ادنیٰ بات۔ دوم کَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا یعنی صرف نبوت ہی حاصل نہ تھی بلکہ صاحب شریعت بھی تھے اور اسی لیے کان یامر الخ اپنے اہل و عیال کو جس میں علما کے نزدیک ان کی امت بھی شامل ہے نماز روزہ کی تاکید کیا کرتے تھے کامل و مکمل تھے اور اسی لیے کان عند الخ اپنے خدا کے نزدیک پسندیدہ بھی تھے پس اے قوم عرب تم کو اسمٰعیل کا اقتدا لازم

ہے جو تمہارا جدِ امجد تھا نہ اور بے ہودہ جاہل باپ دادا کا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾

(ملائکہ نے کہا) اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر اتر کر نہیں آیا کرتے۔ اسی کا ہے جو کچھ کہ ہمارے سامنے اور ہمارے پیچھے اور اس کے درمیان ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اور ان چیزوں کا بھی جو ان کے بیچ میں ہیں۔ سو اسی کی عبادت کرو اور اسی کی عبادت کی تکلیف برداشت کیا کرو بھلا تمہارے علم میں اس جیسا کوئی اور بھی ہے۔

تفسیر : وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اور یہ چھٹا قصہ حضرت ادریس علیہ السلام کا ہے جو نوح علیہ السلام کے پردادا تھے (نوح بن ملک بن متوشلخ بن خنوک) یا اخنوخ ان کا نام اور ادریس لقب تھا بوجہ کثرتِ درسِ صحف آسمانی کے۔ وہ صدیق نبی تھے یعنی بہت برگزیدہ۔ اس لیے رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اس کے معنی بعض مفسرین کے نزدیک یہ ہیں کہ ان کو بلند مرتبہ کیا۔ وہ رفعتِ منزلت مراد لیتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آیا ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ایک گروہ کہتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو بلند مکان میں اٹھا لیا۔ اول تقدیر میں یوں کہا جائے گا کہ خدا نے ادریس علیہ السلام کا بلند مرتبہ کیا تیس صحیفے ان پر نازل کیے بہت سے علوم اور صنعتیں ان کے ہاتھ سے ایجاد ہوئیں دوسری صورت پر بعض کہتے ہیں کہ خدا نے ان کو زندہ آسمان پر بلا لیا اور جنت میں داخل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف آسمانوں پر بلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام زندہ آسمانوں پر ہیں واللہ اعلم عند اللہ۔

توریت سفر پیدائش کے ۵ باب ۲۳ درس میں یہ ہے اور حنوک کی ساری عمر تین سو پینسٹھ برس کی ہوئی (۲۳) اور حنوک خدا کے ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اس لیے کہ خدا نے اسے لے لیا۔ ان درسوں کی شرح میں علماءِ اہلِ کتاب کے بھی ایسے اقوال ہیں کہ جیسا اوپر بیان ہوا۔ ان سب بزرگواروں کا ذکرِ خیر کر کے فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کہ یہ انبیاء اور وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا نے کرم فضل کیا تھا آدم اور ابراہیم اور نوح علیہم السلام کے ساتھ والے اور اسرائیل کی نسل اور دیگر لوگ کہ جن کو خدا نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا ان کا یہ حال تھا کہ اللہ کی آیتیں سن کر سجدہ میں روتے ہوئے گر پڑا کرتے تھے اور خدا کے نہایت فرمان بردار نیک کردار بندے تھے۔ اس میں ان کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو لوگ ان کو خدا جانتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں اور جو لوگ ان کی نسبت فسق وفحش کی باتیں منسوب کرتے ہیں یہ بھی کہ کتبِ یہود و نصاریٰ میں ہے وہ بھی غلطی پر ہیں ان کا یہ مرتبہ خدا کی اطاعت سے ہوا۔ پھر ان کے بعد ناخلف پیدا ہوئے جو نماز وعبادت چھوڑ کر خواہشِ نفسانی کے درپے ہو گئے بجز کھانے پینے جماع کرنے کے اور کوئی بات ان میں نہ رہی۔ انہوں نے طریق بگاڑ دیا ۱۲ اپنے کئے کا برا نتیجہ دیکھیں گے اور جو توبہ کر گئے اور نیک ہو گئے وہ جنت میں رہیں گے جس کے یہ اوصاف ہیں کہ وہاں کوئی خراب بات دل شکن رنج دہندہ ان کی یا ان کے اعزہ واحباء کی موت یا وہاں سے نکالے جانے کی یا کسی نعمت کے زوال ہونے کی خبر یا گالی گلوچ بدکلامی، غیبت، بدگوئی سنائی نہ دے گی۔ سلام سلام کی آوازیں سنائی دیں گی۔ آپس کا تحیہ سلام یا فرشتوں کی طرف سے سلامتی کا مژدہ تعظیم وتکریم کے کلمات۔ دوم بلا محنت ومشقت ہمہ وقت بالخصوص صبح وشام ان کو تیار روزی ملے گی روحانی وجسمانی پھر یہ بہشت ہر ایک حصہ اور ورثہ نہیں بلکہ ہمارے بندوں میں سے صرف انہیں کا جو پرہیزگار ہیں دراصل وہی آدم کے حقیقی فرزند ہیں اور جنت آدم کول ملی

ہے کیا اپنے جد کا ورثہ پانے کے مستحق ہیں۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ یہاں سے ایک جداگانہ کلام شروع ہوتا ہے جس کے شانِ نزول میں بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ میرے پاس جلدی جلدی کیوں نہیں آیا کرتے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی گویا خدا تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے یہ جواب دیا کہ خود نہیں آتے بلکہ تمہارے رب کے حکم سے آیا کرتے ہیں۔ وہ مصلحت وقت سے خوب واقف ہے اس کو آگے اور پیچھے کا سب حال معلوم ہے یعنی ابتداء اور انتہا اور حال سب جانتا ہے وہ جب مصلحت جانتا ہے اس کو بھیجتا ہے دیر کر آنے میں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ خدا تعالیٰ آپ کو بھول گیا کیونکہ وہ بھولنے والا نہیں وہ رب ہے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کا اور رب وقتاً فوقتاً پرورش کیا کرتا ہے جس کو علم ہمہ وقت لازم ہے پس اے نبی! اس کی عبادت کرو اور ہمارے دیر کر آنے سے ملول نہ ہونا بلکہ اس کے لیے عبادت میں تکالیف برداشت کرتے رہو کیوں کہ وہ یکتا ہے اس کا کوئی ہمنام بھی نہیں یعنی ایسا دوسرا نہیں جو اس بے قراری کو دفع کر سکے۔ جنت عالم قدس کے بعد یہ جملہ جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے بیان ہونا جو عالم قدس میں رہتے اور وہاں کی خبریں لایا کرتے ہیں ایک عمدہ مناسبت رکھتا ہے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

اور انسان (منکر) کہا کرتا ہے کیوں جی جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر کیا زندہ کر کے قبر سے باہر نکالا جاؤں گا۔ کیا وہ انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ پہلے بھی اس کو

ہم نے ہی پیدا کیا تھا اور وہ کچھ بھی نہیں تھا (اے رسول!) ہمیں قسم ہے آپ کے رب کی کہ ہم ان کو اور ان کے شیطانوں کو جمع کر کے رہیں گے پھر ان کو جہنم کے کنارہ حاضر کریں گے۔ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے پھر ہر گروہ میں سے ہم ان کو گھسیٹ لائیں گے جو خدا سے بہت اکڑتے تھے۔ پھر ہم کو خوب معلوم ہوگا کہ ان میں سے کون جہنم میں گرنے کے قابل ہے اور تم میں سے ایسا کوئی بھی نہ ہوگا جو اس پر سے ہو کر نہ گزرے۔ آپ کے رب نے اس کا پورا کرنا لازمی کر لیا ہے۔ پھر پرہیزگاروں کو تو بچا لیں گے اور ظالموں کو اس میں پڑا اوندھا گرنے دیں گے اور جب ان کو ہماری کھی ہوئی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کافر ایمانداروں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ کون سا فریق ہم میں اور تم میں سے مرتبہ میں بہتر اور مجلس کے لحاظ سے عمدہ ہے حالانکہ ان سے پہلے ہم بہت سی ایسی جماعتیں ہلاک کر چکے ہیں کہ جو اسباب اور نمود میں ان سے کہیں بہتر تھے۔ کہہ دو جو کوئی گمراہی میں پڑا ہوا ہے سو خدا ابھی اس کو (دنیا میں) ڈھیل ہی دیتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جس کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے جب اس کو دیکھیں گے یا تو عذاب کو یا قیامت کو تب معلوم ہو جائے گا کہ کون برے درجہ میں ہے اور کس کی فوج کمزور ہے اور جو راست پر ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا جاتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں۔

تفسیر : وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یہاں سے ان ناخلفوں کے عقائد بیان فرماتا ہے کہ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے انسان سے کسی شخص خاص کی طرف اشارہ نہیں بلکہ عموماً حشر کے منکر مراد ہیں وہ تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جائیں گے تو پھر زندہ ہوں گے؟ اس بات کو محال اور خدا کی قدرت سے باہر جانتے تھے اس لیے رسول کی تکذیب کرتے تھے اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ ابن آدم یہ بات یاد نہیں کہ وہ کچھ بھی نہ تھا ہم نے اس کو موجود کر دیا پس جو ہستیِ محض کو موجود کر دیتا ہے اس کے نزدیک دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ اس دلیل کے بعد قسم کھا کر وعدہ مستحکم کرتا ہے کہ ہم ان کو مرنے کے بعد ضرور جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی جو انہیں گمراہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ان سب کو جہنم کے کنارہ پر حاضر کریں گے اور یہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے جس طرح غم و فکر میں بیٹھتے ہیں۔ پھر کفار کے ہر فریق میں سے متکبر و گمراہ کنندوں کو چھانٹ چھانٹ کر بہت خواری کے ساتھ جہنم میں داخل کریں گے (شیعۃ فعلۃ کفرقۃ وفیۃ الطائفۃ التی شاعت) وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا الی قولہ جِثِيًّا بعض مفسرین کہتے ہیں کہ منکم سے مراد کفار ہیں ان کو اولاً غائب کے صیغوں سے یاد کیا تھا پھر حاضر کے صیغوں سے خطاب کیا کیونکہ اہلِ ایمان دوزخ میں وارد یعنی داخل نہ ہوں گے لقولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ وقولہ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا لیکن اکثر کہتے ہیں کہ مومن و کفار سب کے لیے خطاب عام ہے مگر اہلِ ایمان کا ورود اس میں داخل ہونا نہیں بلکہ اس کا ملاحظہ اور معائنہ کرنا اور اس کے پاس سے ہو کر گزر جانا ہے جیسا کہ جملہ ثم ننجی الذین اتقوا الخ دلالت کرتا ہے اور بہت سی روایت صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے اور یہ اس لیے کہ اہلِ ایمان جنت میں اس تکلیف کے مکان کو یاد کر کے زیادہ شکریہ ادا کریں اور تا کہ جنت کی لذت بھی ان کو خوب معلوم ہو کیونکہ راحت کا مزہ تکلیف کے مقابلہ میں معلوم ہوا کرتا ہے و اذا یتلی الخ حشر کے ان دلائل کے بعد مشرکینِ عرب یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ایسا بھی ہوا تو وہاں بھی ہم ہی اچھے رہیں گے جس طرح کہ یہاں مسلمانوں سے زیادہ ہم کو راحت و ثروت ہے وہاں بھی ہوگی۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے وکم اھلکنا الخ کہ دنیا میں ان سے بھی زیادہ دولت مند قومیں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دولت دنیا کچھ عند اللہ عزت کی بات نہیں پھر فرماتا ہے کہ دنیا میں ہمارا طریق خالقیت یہ ہے کہ گمراہوں کو جلدی نہیں پکڑتے بلکہ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ (یہ صیغہ امر وجوب تحقیق کے لیے بمعنی مضارع ہے) اس کو اور ترقی دیتے ہیں یہاں تک کہ یا تو دنیا میں یا قبر میں مصیبت دیکھ لیتے

۱ یعنی ہم تم سے بلحاظ اعوان و انصار کے بہتر ہیں ہماری مجلسیں اعزہ و انصار سے بھری رہتی ہیں تم ذلیل و یکس ہو پھر آخرت میں کیا تم ہم سے بڑھ کر ہو گے اور یہ معنی بھی ہیں کہ ہمارے مکانات عمدہ اور مجلسیں شاندار ہماری ہیں یا تمہاری۔ ۱۲ منہ

۲ یعنی وجاہت اور سامان جس پر کافروں کو ناز ہے کچھ بھی نہیں چند روزہ ہے ہاں نیک اعمال ہی تا دیر باقی رہتے ہیں اور خدا کے پاس جزا اور بدلہ کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں نیکوں کو آخرت میں نیک بدلہ اور عمدہ مرتبہ اور بہتر مکان ملے گا جو سدا رہے گا۔ ۱۲ منہ

ہیں یا قیامت میں۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِـَٔايَٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ
اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ
مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً
لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ
ضِدًّا ﴿٨٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا
تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾
وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَّا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ
الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَّقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾
تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَن دَعَوْا
لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنبَغِي لِلرَّحْمَٰنِ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَّقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾
فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا
قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ ۖ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

بھلا تم نے اس کو بھی دیکھا کہ جو ہماری آیتوں کا منکر ہو گیا اور کہتا ہے کہ مجھے ضرور مال اور اولاد ملے گی کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا یا اس نے اللہ سے اقرار لے رکھا ہے ہرگز نہیں ہم لکھتے جاتے ہیں جو کچھ وہ کہتا ہے اور اس کے لیے عذاب بڑھاتے جاتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہو جائیں گے اور ہمارے پاس تنہا آئے گا اور مشرکوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے حامی و مددگار ہوں ہرگز نہیں اور تو بہت جلد ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ (اے نبی!) تم نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو ان پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو بہکاتے رہتے ہیں آپ ان کے لیے عذاب کی جلدی نہ کیجئے ہم خود ان کی مدت گن رہے ہیں۔ جس روز کہ ہم پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمان بنا کر جمع کریں گے اور گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے وہ سفارش کی قدرت نہ رکھیں گے مگر وہ شخص کہ جس نے رحمان کے پاس سے اجازت حاصل کی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے بیٹا بنا لیا ہے (کہہ دو) یہ تو تم

ایسی سخت بات گھڑ رہے ہو کہ جس سے ابھی آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اس بات پر کہ انہوں نے رحمان کے لیے بیٹا ثابت کیا اور رحمان کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنا دے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے ان میں سے ایسا کوئی نہیں کہ جو رحمان کا بندہ بن کر نہ آئے۔ اللہ نے ان کو شمار کر رکھا ہے اور ان کی گنتی گن رکھی ہے اور ہر ایک ان میں سے قیامت کے دن اس کے پاس تن تنہا آئے گا۔ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے عنقریب ان کے لیے رحمان محبت[1] پیدا کرے گا۔ سو ہم نے قرآن کو آپ کی زبان میں اس لیے آسان کر دیا ہے کہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری دیں اور جھگڑالو قوم کو خوف دلائیں اور ان سے پہلے ہم کتنے ایک قرن ہلاک کر چکے ہیں۔ بھلا ان میں سے کوئی بھی تمہیں دکھائی دیتا ہے یا کسی کی کچھ آواز بھی سنائی دیتی ہے۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ ان بزرگواروں کے بعد ناخلف پیدا ہوئے اب یہاں ایک ناخلف کی کیفیت بیان فرماتا ہے جس کو افراید سے شروع کرتا ہے جس کی بابت بخاری، مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں عاص بن وائل سہمی کے پاس تقاضے کے لیے گیا اس نے کہا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منکر ہو جائے تو تیرا قرضہ دے دوں میں نے کہا ہرگز نہ ہوں گا یہاں تک کہ تو مر کر بھی جی اٹھے اس نے کہا میں مر کر جب زندہ ہوں گا تو وہاں بھی میرے پاس مال و اسباب ہوگا وہاں تجھ کو دے دوں گا اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ جو یہ کہتا ہے کیا اس کو علم غیب ہے یا خدا سے اس نے عہد لے لیا ہے۔ سو یہ ہرگز نہیں۔ ہم اس کے گناہ لکھتے جاتے ہیں اور دنیا کا مال و اسباب چھوڑ کر تنہا ہمارے پاس حاضر ہوگا اور جس طرح یہاں اس کو مال پر مال دیا جاتا ہے اس کی ناشکری میں عذاب پر عذاب بڑھایا جائے گا اور اس افزائش اولاد و مال کو بتوں اور غیر اللہ کی پرستش کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اس لیے آخرت کی بھلائی کی بھی ان سے امید رکھتے ہیں اور وہاں کی عزت کے ان سے جویاں ہیں۔ کلا یہ ان کا غلط خیال ہے جس طرح دنیا میں غیر خدا کوئی بھی عالم پر تصرف نہیں کر سکتا اسی طرح اس عالم میں عزت دنیا تو درکنار ان کے وہ فرضی معبودان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تمہیں نہیں جانتے بلکہ ان کے مخالف بن جائیں گے۔ یہ محض شیطانی خیالات ہیں جو ان مشرکوں کے دلوں میں شیطان ڈالتے ہیں اور ان کو بت پرستی کی طرف اکساتے رہتے ہیں۔ اس نمک حرامی کی سزا کا ان کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اے نبی! اس کی جلدی نہ کیجئے اور وہ جزاء و سزا کا اصلی وقت قیامت ہے۔ اب قیامت کا اجمالی حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ پرہیزگار جوق در جوق خدا کی طرف انعام و اکرام کے لیے بلائے جائیں گے اور خدا کے مجرم اس کے سوا دوسروں کو پوجنے والے اس کی حکم عدولی کرنے والے جوق در جوق جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اور وہاں کوئی بھی کسی کے لیے سفارش کرنے میں لب کشائی نہ کر سکے گا مگر وہی کہ جس کے لیے خدا کے ہاں اقرار ہو چکا ہے حضرات انبیاء اولیاء صلحاء لیکن وہ بھی کس کے لیے صرف انہیں کے لیے جنہوں نے دنیا میں خدا پرستی و ایمان کے سبب اپنے خدا کے پاس عہد مغفرت قائم کرا لیا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سے اور دیگر ناخلفوں کا بیان فرماتا ہے جو خدا تعالیٰ کے لیے بیٹا ثابت کرتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ وغیرہ۔ فرماتا ہے یہ بڑی سخت بات ہے کہ جس سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے کیونکہ یہ اس کی شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بھی بیٹا بنائے۔ یہ اس کے تقدس اور وجوب وجود کے سراسر خلاف ہے کس لیے کہ آسمان و زمین کی سب مخلوق اس کے آگے غلاموں کی طرح دست بستہ ہے پھر اس کو بیٹا بنا کر اپنا پشت و پناہ بنانا فضول ہے۔ اس پر عتاب کرتا ہے کہ ہم نے ان سب کو شمار کر رکھا ہے محرم ہماری نگاہوں میں ہیں۔ روبار قیامت میں ہر ایک تن تنہا حاضر ہوگا اولاد و مال اور ان کے معبود کوئی بھی ساتھ نہ ہوگا۔ اس کے بعد ایمان و اعمال صالحہ کی خوبی بیان فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ ایماندار وں، نیکوکاروں میں خدا باہمی محبت پیدا کرے گا۔ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے محبت رکھتا ہے اور آخرت میں بھی رکھے گا کس لیے کہ جس کا مقصد خدائے واحد ہے برخلاف بت پرستوں بدکاروں کے کہ ان کے اغراض مخالف ہیں۔ اس لیے وہاں لگی

[1] وہ محبوب خلائق ہو جائیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ۱۲۔

ان میں محبت حقیقی نہ ہوگی۔ ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ خدا ان لوگوں سے محبت کرے گا اور مشرکوں کو بنظر قہر دیکھے گا اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ان کی محبت مخلوق کے دل میں ڈالے گا۔ اہل مکہ کہتے تھے کہ عربی میں کیوں قرآن اترا اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ ان جھگڑالوں کو سمجھایا جائے اگر عربی زبان نہ ہوتی تو عرب کچھ بھی نہ سمجھتے۔ اس کے بعد ان کے غرور و حشم پر تازیانہ مارتا ہے کہ ہم نے ان سے بھی بڑھ بڑھ کر قومیں غارت کر دی ہیں بھلا ان کا کوئی بھی نام و نشان باقی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ① مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ② اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ③ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ④ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ⑤ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ⑥ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى ⑦ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ⑧

(اے نبی!) ہم نے تم پر اس لیے قرآن نازل نہیں کیا کہ تم زحمت اٹھاؤ بلکہ وہ تو ایک نصیحت ہے اس کے لیے جو خدا سے ڈرتا ہے (اور یہ) اس کی طرف سے نازل ہوا ہے کہ جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ رحمٰن نے جو عرش پر جلوہ گر[2] ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور جو کچھ کہ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ کہ تحت الثریٰ میں ہے (اور اے مخاطب!) اگر تو پکار کر بات کہے (تو کیا) وہ تو مخفی اور اس سے بھی مخفی بات جانتا ہے وہی اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اس کے سب نام اچھے ہیں۔

ترکیب: الا تذکرۃ استثناء منقطع ہے ای لکن انزلناہ للتذکرۃ وقیل ھو مصدر ای لکن ذکرنا بتذکرۃ۔ تنزیلا بدل من اللفظ بفعلہ الناصب لہ العلی جمع علیا تانیث اعلیٰ۔ الرحمن بالجر بھی پڑھا ہے صلہ لمن خلق فیکون علی العرش استوی خبر امحذوفا ای ھو۔ وکذا ان رفع علی المدح

[1] الثری التراب الندی قال لم یکن ندیا فھو تراب والمراد مرکز الارض فانہ تحت حقیقی من کل جہۃ وقیل المراد بہ الثری الذی تحت الصخرۃ التی علیھا ثور فانہ من الاسرائیلیات لا تلتفت الیہ الجہر رفع الصوت والسر خلافہ واما اخفی یا الخطرہ ببالہ وقیل السر ما اخفی الانسان فی نفسہ والاخفی ما اخفی علی ابن آدم۔ ۱۲ منہ

[2] استوی قال ثعلب والزجاج والفراء الاستواء الاقبال علی الشیٔ وقیل ھو کنایۃ عن العز والملک والسلطان واما الاستواء بمعنی استقر فلم یثبت والارجح استواء یلیق بہ فانہ من صفاۃ تعالیٰ وکیفیۃ مجہول۔ ۱۲ منہ

علی العرش استوی پر فرقہ آریہ وغیرہا بہت کچھ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے خدا کا مجسم اور متمکن ہونا ثابت ہے جو اس کے تقدس کے خلاف ہے مگر اس گروہ نے اور لوگوں نے کہ جن کی تقلید سے یہ اعتراض کیا ہے مفسرین کے اقوال پر نظر نہیں کی نہ علماء کی اس تحقیقات کو سنا جو اس مسئلہ کی بابت ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس لفظ پر ہمارا ایمان ہے اور استوی سے یہی استوی مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے نہ وہ جو کہ اس کے خلاف ہے۔ متاخرین یقین کرتے ہیں کہ عرش سے مراد کوئی لکڑی یا سونے چاندی کا تخت نہیں کہ خدا اس پر بیٹھا ہو وہ اس سے قطعاً پاک ہے بلکہ یہ کنایہ ہے جس سے مراد تخت حکومت ہے استوی سے مراد اس پر اس کا متصرفانہ تسلط ہے۔ مخلوق کو پیدا کیا آسمان و زمین سب کچھ بنایا پھر ان پر حکومت و تصرف اور ان کی تدبیر و ترتیب کی۔ عرش سے مراد ایک ایسا آسمان لیا جائے جو سب کے اوپر ہے اور سب کو محیط ہے جس نے عالم ناموت کا احاطہ کر لیا ہے پھر اس کے اوپر عالم ملکوت و ناسوت اور لاہوت بھی ہے جہاں ملائکہ مقربین اور سب سے وراء الورٰی ذات پاک ہے۔ اس بات کو شرع نے بطور کنایہ کے بادشاہوں کے تخت پر بیٹھنے اور حضوری میں ملائکہ کے کھڑے رہنے سے اور تخت کو آٹھ فرشتوں کے سر پر اٹھائے رکھنے سے تعبیر کیا ہے اور ایسے باریک اسرار استعاروں اور کنایوں اور تشبیہوں سے جانا گئے جاتے ہیں پھر اس کو ظاہر پر محمول کر کے اعتراض کرنا معترض کے خود فہم کا قصور ہے اور سمجھا ہے تو اس کی بدنفسی ہے۔ ۱۲ منہ

دون الابتداء۔

تفسیر : ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مکہ میں ابتداءِ نزولِ قرآن کے وقت جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں کبھی اس پاؤں پر کبھی اس پاؤں پر کھڑے ہو کر اس قدر طویل قیام کرتے تھے کہ قدم مبارک ورم کر آتے تھے جس کو دیکھ کر کفارِ قریش کہتے تھے کہ اس پر قرآن کیا نازل ہوا زحمت میں پڑ گیا۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور یہ بھی منقول ہے کہ قرآن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس قدر وعظ و پند فرماتے تھے کہ نفس کے سب آرام جاتے رہے تھے۔ اس پر کفار کے جھگڑے مزید برآں تھے۔ تب کفار کہنے لگے کہ قرآن کیا اترا یہ شخص مشقت و مصیبت میں پڑ گیا۔ طٰہٰ حروفِ مقطعات ہیں جن کی بحث مقدمۂ تفسیر میں ہو چکی۔

فرماتا ہے کہ اے نبی امی نے قرآن اس لیے نہیں نازل کیا کہ آپ مصیبت میں پڑ جاؤ بلکہ خدا ترس لوگوں کے لیے نصیحت کرنے کے لیے اور یہ کسی ایسے ویسے کا نازل کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اس کا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس نے تختِ حکومت پر بیٹھ کر تمام عالم کی تدبیر کی سب کا بندوبست وافی کر دیا۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى چونکہ وہ رحمٰن ہے اس کی رحمت کا مقتضی یہ بھی ہوا کہ اس نے اپنے بندوں کی اصلاحِ آخرت و تزکیۂ ارواح و نفوس کے لیے قرآن نازل کیا وہ ان کی تدبیر سے کیوں ساکت رہتا کیونکہ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ زمین و آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کی مخلوق اسی کی ملک ہے۔ سب پر اس کی نظرِ رحمت ہے ہر چیز کی حاجت روا کرتا ہے انسان کی حاجت معلم روحانی و صحیفۂ آسمانی کی طرف اشد تھی۔ الثریٰ زمین کے نیچے کے طبقہ کو کہتے ہیں۔

ان آیات میں جس طرح اس کی قدرت و ارادہ کا ثبوت ہے اسی طرح اس کی رحمت کا بھی کہ جس کی وجہ سے قرآن نازل ہوا مگر قدرت و ارادہ علم بغیر ممکن نہیں اس لیے صفتِ علم کے ثبوت کے لیے فرماتا ہے وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ الخ فاعلم انہ غنی عن جہرک فانہ یعلم السر واخفی (بیضاوی) اگر تو دعا و ذکر پکار کر کرے تو اس کو اس کی حاجت نہیں کیونکہ اس کو پوشیدہ بات جو بہت آہستہ کہی جاتی ہے اور وہ خواہ سے بھی مخفی ہو یعنی دل کی بات سب معلوم ہے۔

اور جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ وہ تمام صفاتِ الوہیت کو جامع ہے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدائی خاص اسی کا حصہ ہے اس لیے فرمایا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اور چونکہ رحمٰن کے نام سے وہ چونکتے تھے تو فرمایا کہ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى کہ اس کے سب نام نیک اور عمدہ ہیں رحمٰن کسی اور کا نام نہیں یہ بھی اسی کا نام ہے جو مقامِ رحمت پر استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا
لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ
يٰمُوْسٰٓى ۝ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَاَنَا
اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰٓى ۝ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ
الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا
تَسْعٰى ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝ وَمَا تِلْكَ

بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ
فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝
قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ
تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ۝ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرَى ۝ اِذْهَبْ
اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝

رکوع ۱۴

کیا تمہیں موسیٰ کی بات بھی پہنچی؟ (معلوم ہوئی) جبکہ اس نے آگ دیکھی تو اپنی گھر والی سے کہا کہ ٹھہرو مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ شاید کہ میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی چنگاری لاؤں یا وہاں کسی راہبر کو پاؤں۔ پھر وہ جب ان کے پاس آئے تو آواز آئی کے اے موسیٰ! میں ہوں تمہارا رب پس تم اپنی جوتیاں اتار لو کیونکہ تم پاک وادی میں ہو جو طوٰی ہے اور ہم نے تم کو برگزیدہ کیا پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس کو غور سے سنو۔ میں ہی تو اللہ ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پس میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔ بے شک قیامت آنے والی ہے میں اس کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ پھر وہ شخص جو اس کا یقین نہیں کرتا اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے تم کو اس کی فکر سے باز رکھے پھر تم تباہ ہو جاؤ اور اے موسیٰ! تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے کہا یہ میرا عصا ہے اس پر سہارا لگایا کرتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے واسطے پتے جھاڑا کرتا ہوں اور میرے لیے اس میں اور بھی فائدے ہیں۔ فرمایا اے موسیٰ اس کو ڈال دو۔ پھر اس کو موسیٰ نے ڈال دیا تو جب ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ فرمایا اس کو پکڑ لو اور مت ڈرو۔ ہم اس کو ابھی اس کی پہلی حالت پر کیے دیتے ہیں اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں رکھو تو بغیر اس کے کہ اس میں کوئی عیب ہو ایک اور دوسری نشانی ہو کر چمکتا ہوا نکلے گا تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے اور بھی کچھ دکھائیں۔ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

ترکیب: الا ظرف ہے حدیث کا یا مفعول اذکر کا۔ هدیً ای ہادیا یدلنی علی الطریق۔ نودی کا مفعول مالم یسم فاعلہ محذوف ای نُودِیَ یٰمُوْسٰی الخ یوں ندا، طوٰی اسم علم للوادی وھو بدل منہ۔ لذکری متعلق ہے اقم سے لتجزی متعلق ہے آیۃ سے سیرتھا منصوب بنزع الخافض ای الحالتھا۔ حال ہے من غیر سوء متعلق ہے تخرج سے۔

تفسیر : قرآن کے نازل ہونے سے کفار سخت متعجب تھے اس لیے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زحمت کا سبب قرار دیتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہونے کے یہود و نصاریٰ اور ان کے اتباع کفارِ عرب بھی قائل تھے۔ اس لیے یہاں سے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو ان کو کس طرح سے الہام ہوا۔ آگ لینے گئے تھے نبوت مل گئی۔ یہ اس کے فضل کی بات ہے پس اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا نے تمام عالم کو تاریکی کے پردوں سے نکالنے کے لیے قرآن نازل کیا تو کیا عجب ہے؟ یہ ہے موسیٰ علیہ السلام کے بیان کرنے کا باعث۔ اذ ھل اتاک الخ اس وقت کا ذکر ہے کہ جب موسیٰ مدین سے اپنی بیوی کو لے کر مصر کو جا رہے تھے راستہ میں رات میں بیوی کو سردی معلوم ہوئی۔ موسیٰ کو دور سے ایک آگ کا شعلہ نظر آیا۔ یہ آگ لینے وہاں گئے اور یہ بھی سمجھے کہ ضرور یہاں کوئی آدمی ہوگا اس سے رستہ بھی ملے گا۔ مگر جب وہاں پہنچے تو ایک سبز درخت سے شعلہ نظر آیا جس کو دیکھ کر تعجب ہوا اور اصل وہ آگ نہ تھی نورِ الٰہی کی تجلی تھی۔ تب موسیٰ کو آواز دی گئی فرشتے نے آواز دی یا خدا تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوئی ہو جیسی ندا کہ اس کی ذات کے لائق ہو۔ تب خدا سے کلام اور الہام شروع ہوا۔ پھر آیت میں آخر تک اسی کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور خدا تعالیٰ سے باہم کلام ہوا۔ جوتیاں نکالنے کو فرمایا ادب کے لحاظ سے کیونکہ وہ مقامِ وادیٔ

مقدس میں طوی ہے جو کوہِ طور کے پاس ہے۔ ثابت ہوا کہ مقاماتِ مقدسہ میں جوتیاں اتار لینا گو پاک ہوں ادب کی بات ہے۔ بعض کہتے ہیں جوتیوں میں ناپاکی تھی یا گدھے کے کچے چمڑے کی تھیں اس لیے اتارنے کو فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس موقع پر خدا تعالیٰ نے یہ اصول دین تعلیم فرمائے۔ اول انني انا الله کہ میں ایک الٰہ ہوں میرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ یہ توحید ہے اس لیے فاعبدني کہ میری ہی عبادت کرنا یہ دوسری بات تھی عبادت عام ہے۔ ذکر ہو مراقبہ ہو دعا ہو حاجات میں پکارنا ہو مدد مانگنا ہو نذر کو توخیرات ہو۔ یہ احکام شریعت انہیں میں احکام عشرہ بھی آ گئے جن کی بابت کوہِ طور پر تاکید ہوئی پھر اس میں سے اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ بالخصوص مؤکدہ فرمایا۔ تیسری بات ان الساعة کہ قیامت ضرور قائم ہونے والی ہے جس کو میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں وقت اور سال مقرر نہیں کرتا تاکہ خدا پرستوں کو ہر وقت کھٹکا لگا رہے۔ شریعت و عبادت کے حکم کے بعد قیامت کی خبر دینا اس بات پر تنبیہ ہے کہ یہ عبث کام نہیں اس کے ثمرات نئی زندگانی میں جاودانی ہوگی ضرور ملیں گے۔ چوتھی بات فَلَا يَصُدَّنَّكَ اس پر قائم رہنا کسی جبار متکبر نفس کے مرید کے اثر اور روک سے اس سے بازنہ آنا یہ استقامت اور ثباتِ قدمی ہے جو دین کے لیے ضروری ہے اور اس لیے بھی اس کی تاکید کی کہ انہیں ایک جبار دنیا پرست کے پاس پیغام لے کر جانا تھا۔ اس کے بعد اس کے پاس پہنچنے کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ فقال وما تلك الخ کہ تمہارے ہاتھ میں یہ کیا ہے خدا کو معلوم تھا اس پر ایک معجزہ دینا تھا اس لیے پوچھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میرا عصا ہے جس سے یہ یہ کام لیتا ہوں بیکار لٹھ لیے نہیں پھرتا ہوں۔ حکم دیا کہ اس کو زمین پر ڈال دے، ڈالا تو سانپ بن کر پھن پھنانے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے۔ فرمایا مت ڈر اس کو اٹھایا تو پھر وہی عصا تھا۔ یہ ایک معجزہ ہوا پھر فرمایا اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالو تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ یہ دو معجزے ان کو ان کی صداقت کے نشان میں عطا ہوئے۔ پہلے میں جبروتِ الٰہی کا اظہار تھا جو فرعون جیسے سرکش کے لیے ضروری بات تھی۔ دوسرے میں رہنمائی اور روشنی طریقہ کی طرف اشارہ تھا جو مقصود انبیاء علیہم السلام ہے اس کے بعد حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور یہ کہو اس لیے کہ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾
يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ
اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾
اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً
اُخْرٰٓى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ
فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ
مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ
يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۭ وَقَتَلْتَ نَفْسًا
فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۭ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ

عَلٰي قَدَرٍ يٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا
تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾

عرض کیا کہ اے رب میرا دل کھول دے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان سے گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھیں اور میرے کنبہ میں سے کسی کو وزیر بھی کر دے میرے بھائی ہارون کو۔ اس سے میری کمر مضبوط کر دے اور اس کو میرے کام میں شریک کر تاکہ ہم تیری تقدیس بہت کیا کریں اور تجھ کو بہت یاد کیا کریں۔ تو ہی تو ہے جو ہم کو خوب دیکھ رہا ہے۔ فرمایا اے موسیٰ! تیری درخواست منظور۔ اور ہم تو تم پر بار بار احسان کر چکے ہیں۔ جن کے تمہاری ماں کی طرف ہم نے جو کچھ الہام کرنے کا تھا الہام کیا تھا۔ وہ یہ کہ اس کو (موسیٰ کو) صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دے پھر دریا آپ اس کو کنارہ پر ڈال دے گا کہ اس کو میرا اور اس کا دشمن پکڑ لے گا (فرعون)۔ اور اے موسیٰ تجھ پر ہم نے اپنی محبت ڈال دی تھی تاکہ جو دیکھے تجھ کو پیار کرے اور تاکہ میرے سامنے پرورش پائے جبکہ اے موسیٰ تمہاری بہن کہتی جاری تھی کہ میں تم کو ایسی اناتا ؤں جو اس کو اچھی طرح پرورش کرے۔ پس اس طور سے اے موسیٰ! ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کھائے اور اے موسیٰ! تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دلائی اور ہم نے تم کو بار بار آزمائش میں ڈالا۔ پھر تو تم برسوں مدین کے لوگوں میں رہے۔ پھر تم اے موسیٰ! مدتِ معین پر پھر آئے اور تم کو میں نے خاص اپنے لیے پسند کر لیا ہے تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ اس نے سر اٹھا رکھا ہے۔

تفسیر: جب موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر شرفِ نبوت پا چکے تھے تو یہ چار چیزیں طلب کیں۔ (۱) اشرح لی صدری الخ نبی کو عالم کی اصلاح کرنی پڑتی ہے طرح طرح کی سختیاں اٹھانی پڑتی ہیں، روحانی احکام کی تعلیم اور اخلاقِ حمیدہ کی ترغیب دینا اور اس کے تحمل کی آنکھوں میں حقارت پیدا کر دیتا ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں ہوتی ہیں کہ جب خدا دل کو کھول دے۔ اس کے دل سے حجاباتِ ظلمانیہ جو اس کی بیکسی کا باعث ہیں اٹھ جائیں اس کو شرح صدر کہتے ہیں ویسر لی اسی کی تشریح ہے۔ (۲) واحلل یہ ظاہری اصلاح کی دعا تھی جیسا کہ اول باطن سے متعلق تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر لکنت تھی، بعض کہتے ہیں پیدائشی، بعض کہتے ہیں لڑکپن میں جبکہ کھیلتے ہوئے فرعون کو لکڑی مار بیٹھے یا اس کی ڈاڑھی نوچ لی تھی تو اس نے مارنے کا قصد کیا تھا۔ اس کی بیوی آسیہ نے سفارش کی کہ نادان بچہ ہے اس امتحان کے لیے آگ اور ایک طرف یاقوت رکھ دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آگ منہ میں ڈال لی جس سے زبان پر لکنت پیدا ہو گئی اور ممکن ہے کہ امراءِ شاہانِ جبار کے سامنے انسان کی زبان پر ہیبت میں آ کر گرہ لگ جایا کرتی ہے صاف صاف نہیں کہہ سکتا اس گرہ کھولنے کی دعا کی ہو۔ (۳) واجعل لی وزیرا الخ کہ ہارون کو میرا وزیر یعنی کارکن کر دے اشدد بہ ازری اسی کی تشریح ہے۔ (۴) واشرکہ فی امری اس کو نبی کر دے۔ ان باتوں کو خدا تعالیٰ نے منظور کر لیا اور فرمایا کہ ہم نے تجھ پر اے موسیٰ دوبارہ احسان کیا۔ ایک یہ اور ایک بارہ جس کا بیان اذ اوحینا الخ سے لے کر واصطنعتک لنفسی تک ہے۔ یہ احسانات موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور فرعون کے گھر میں پرورش پانے اور قبطی کو مار کر مدین جا کر برسوں رہنے کے متعلق ہیں جن کی تفسیر ہم تفسیر سورۂ بقرہ میں کر آئے ہیں۔ والقیت علیك محبة منی ای کائنة منی قد اودعتها فی القلوب بحیث لایکاد یصبر عنك من راٰك (بیضاوی) یعنی تجھ کو محبوب کر دیا فرعون بھی تجھ پر شیفتہ ہو گیا تھا منی القیت سے متعلق ہو گا تو یہ معنی ہوں گے کہ میں نے تجھ سے محبت کی ولتصنع علی عینی تربی وتحسن الیک وانا راعیک وراقبك ای تربی بحفظی والطف علی علة مضمرة مثل لتعطف علیك ثم جئت علی قدر قدر کے دو معنی ایک قدرت کے اے موسیٰ! ہماری قدرت سے تو اس جگہ آیا یعنی ہم تجھ کو یہاں کلام کرنے کے موقع میں لائے۔ دوم مقدارِ معین کے یعنی مدتِ معین کے۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ
عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ
اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۫ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۫ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ
مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ
عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ
شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ
فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ
لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ
شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع

پس اس سے (جا کر نرمی) سے بات کرنا شاید وہ سمجھ جائے اور خدا سے ڈرے۔ دونوں نے عرض کی کہ اے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کرے یا سرکشی کرنے لگے۔ فرمایا کہ ڈرو مت میں تو تمہارے ساتھ سنتا اور دیکھتا ہوں۔ پس تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے رب کی طرف سے پیغام لے کر آئے ہیں کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیجئے اور ان کو (کسی طرح کی) تکلیف نہ دو۔ البتہ ہم آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے اور سلامتی اس کے لیے ہے جو راہ راست پر چلے۔ بے شک ہم کو حکم سنایا گیا ہے کہ عذاب اسی پر نازل ہوگا جو اللہ کے حکم کو جھٹلاوے اور منہ پھیر لے۔ فرعون نے کہا اے موسیٰ پھر تمہارا رب کون سا ہے۔ موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے کہ جس نے ہر چیز کو اس کی صورت خاص عطا کی پھر رہنمائی[1] کی۔ فرعون نے کہا پھر پہلے قرنوں والوں کا کیا حال ہے۔ موسیٰ نے کہا ان کی خبر تو میرے رب کے پاس کتاب میں ہے نہ میرا رب بہکتا ہے نہ بھولتا ہے۔ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش کر دیا اور اس میں تمہارے لیے رستے چلائے اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے ہر قسم کے مختلف نباتات پیدا کئے (اور اجازت دی) کہ کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو بھی چراؤ۔ بے شک عقلمندوں کے لیے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔

تفسیر : بعد تو آیا میں نے تجھ کو اپنے لیے منتخب کر لیا ہے اب تم دونوں بھائی فرعون کے پاس جاؤ اور ہمارے آیات یعنی معجزات تمہاری شہادت کے لیے تمہارے ساتھ ہیں اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ ذکر الٰہی میں ایک بڑی قوت ہے جس سے ہیبت اور وقار پیدا ہوتا ہے گردن کشوں کی گردنیں سامنے جھک جاتی ہیں، دل میں قوت اور کام میں سہولت پیدا ہوتی ہے، روحانیت کا غلبہ رہتا ہے جس سے بڑے بڑے کام سرانجام پاتے ہیں۔ کلام تمام کر کے فرماتا ہے اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ کہ اے موسیٰ! تم اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا اس سے نرمی سے بات کرنا کیونکہ عموماً نرمی نصیحت کے لیے ایسی ہے کہ جیسا جسم کے لیے روح۔ حتی ہے

[1] ہر مخلوق کو ایک مناسب شکل دی ہے جو اس سے بہتر یا دوسرے جنس میں نہیں آسکتی اور تکمیل پیدائش کر کے ہر ایک کو اس کے مناسب اغراض کی راہ بھی کی۔ ۱۲

دل پر اثر نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبار اور بھی بگڑ جاتے ہیں اس لیے فرمایا کہ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى موسیٰ علیہ السلام نے از خود اپنے بھائی کی طرف سے بھی (کیونکہ اس وقت ان کے بھائی ہارون علیہ السلام مصر میں تھے) عذر کیا کہ اس میں ان کے ظلم و سرکشی کا خوف ہے۔ قال ربنا الخ خدا تعالیٰ نے ان کی تسلی کی لا تخافا الخ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں فاتیاہ اس کے پاس جا کر فقولا یہ کہو انا رسول ربك الخ یہاں سے لے کر مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى تک اسی پیغام کی تقریر ہے۔ پھر قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا سے فرعون اور حضرت علیہ السلام کی گفتگو کا بیان ہے جو انہوں نے فرعون کے دربار میں کی تھی۔ اول فرعون نے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ فرعون فرقہ صابیہ میں تھا جو ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے اور اہل مصر کا بھی غالباً یہی مذہب تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے قائل تھے پھر جو وہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام سے رب سے متعلق سوال کرتا تھا غالباً اس کی یہ بھی تھی کہ وہ اپنی شوکت و دولت اور ان طلسمات کے زور پر جو اس عہد میں تھے رعیت پر رعب جمانے کے لیے اپنے آپ کو رب[1] کہتا تھا جیسا کہ قدیم زمانہ میں بعض بادشاہوں کا دستور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ جواب دیا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جس نے ہر ایک چیز کو اس کی مناسب صورت پر پیدا کیا۔ انسان اور اس کے ہر عضو کو۔ خیال کیجئے جس موقع پر آنکھوں کا لگانا مناسب تھا وہاں آنکھیں لگائیں، کان کی جگہ کان، ہر چیز میں یہی کاریگری ملحوظ ہے اعطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ کے یہی معنی ہیں اور اسی لیے اس کی جگہ خلق کل شیء نہ کہا پھر جسم کے اندر تو یہ صنعت کی ہی تھی لیکن ان کے مصالح دنیا و آخرت کے لیے ان کو قوائے ظاہرہ و باطنہ بھی دیے کما قال ثم هدى یہاں تک کہ کھی اور مچھر بھی اپنی تدابیر سے غافل نہیں۔ پھر یہ باتیں بجز مدبر عالم کے اور کون کر سکتا ہے؟ فرعون کو اس کا تو کچھ جواب نہ آیا مگر جاہلانہ طور پر یہ سوال کیا فما بال الخ کہ پہلے لوگ صدہا برس سے اسی مذہب پر تھے۔ بت پرستی کیا کرتے تھے پھر ان کا کیا حال ہوگا وہ تو سب گمراہ ٹھہرتے ہیں اور قابل عذاب۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا مجملاً جواب دیا کہ ان کا حال تو خدا کو معلوم ہے پھر آگے اور چند اوصاف اللہ تعالیٰ کے ایسے بیان کئے کہ جن سے فرعون کو یہ معلوم ہو جائے کہ در اصل رب اور ہی کوئی ہے جس نے زمین بنائی، رستے نکالے، پانی برسایا ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ
اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا
بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ
مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ
وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ
لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ
خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ

[1] کل کا پرورش کرنے والا نہ کہ خدا جبار۔ بادشاہوں کا ایسا خیال کچھ بعید نہیں قوم نوح کے رایہ ان داتا کہلاتے ہیں اور پوجے جاتے ہیں، نمرود کا بھی یہی حال تھا۔ ۱۲ منہ

[2] انتصاب مکانا سوی لفعل دل علیہ المصدر او بانہ یدل من موعدا علی تقدیر مکان مضاف الیہ۔ ۱۲ منہ

هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيدٰنِ [illegible] يُخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا
بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ
مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾
قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا
تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ
اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ
سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾

ہم نے تم کو زمین ہی سے پیدا کیا اور پھر تم کو اسی میں لے جائیں گے اور اسی سے تم کو باردگر نکالیں گے اور البتہ ہم نے فرعون کو اپنی سب ہی نشانیاں تو دکھائیں پر جھٹلاتا اور انکار ہی کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ اے موسیٰ! تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے۔ پھر ہم بھی تیرے مقابلہ میں ویسا ہی جادو لاتے ہیں۔ پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لے کہ جس سے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تو ایک کھلے میدان میں مقابلہ ہو جائے۔ موسیٰ نے کہا تمہارا وقت جشن کا دن ہے اور لوگوں کو دن چڑھے جمع کر لینا چاہیے۔ پھر فرعون نے اپنی جگہ پر جا کر اپنے مکر کا سب سامان فراہم کیا (اور مقررہ مقام پر سب کو لے کر) آیا۔ موسیٰ نے (ان جادوگروں سے) کہا اوکم بختو! خدا پر بہتان نہ باندھو ورنہ وہ کسی عذاب سے تمہارا استیصال کر دے گا اور بے شک جس نے جھوٹ بنایا وہ غارت ہوا۔ پس جادوگروں کا باہم اختلاف ہوا اور چپکے چپکے سرگوشیاں کرنے لگے، کہنے لگے یہ دونوں جادوگر ہیں تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکالا چاہتے ہیں اور تمہارے عمدہ طریق (مذہب) کو بھی مٹایا چاہتے ہیں پھر تم اپنی تدبیریں جمع کر کے (میدان میں) صف باندھ کر آؤ اور جو غالب رہا وہی بازی لے گیا۔ وہ بولے اے موسیٰ! یا تو اول تو ہی عصا ڈال اور یا یہ کہ اول ہم ڈالیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تم ہی ڈالو۔ پھر تو ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو سے موسیٰ کو دوڑتی ہوئی معلوم ہونے لگیں جس سے موسیٰ کے دل میں ذرا سا معلوم ہونے لگا۔ ہم نے کہا ڈرو مت تم ہی غالب ہو اور جو کچھ تمہاری داہنے ہاتھ میں ہے اسے زمین پر ڈال دو جو کچھ جادوگروں نے (سانگ) بنایا ہے سب کو ہڑپ کر جائے گا جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ تو صرف جادوگروں کا شعبدہ ہے اور جادوگر کو جہاں کہیں جائے فلاح نہیں ہوتی۔

تفسیر : باہمی گفتگو کے بعد فرعون نے جبکہ دربار میں موسیٰ کے معجزے دیکھے یہ کہہ دیا کہ یہ جادوگر ہے۔ جادو کے زور سے لوگوں کو یہاں سے باہر لے جانا چاہتا ہے۔ سو ہم بھی اس کے مقابلہ میں ایسا ہی سحر لا دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کی ٹھہری اور وقت مقرر کر لیا۔ موسیٰ نے کہا یوم الزینۃ جشن کا دن۔ مصریوں کے ہاں سال بھر کے بعد ایک بڑا جشن ہوتا تھا جس طرح ہندوؤں کے میلے ہوتے ہیں، تو ان کی پرستش کے لیے یہ اس لیے کہ اسی روز مجمع عام ہوگا سب لوگوں کو امر حق معلوم ہو جائے گا۔ فرعون نے جا بجا بڑے بڑے جادوگروں کے

۱ وھذین اسم ان حارث بن کعب کے محاورہ میں وہ شی کا اعراب تقدیری مانتے ہیں اور ممکن ہے کہ اسم ان ضمیر شان ہو وھذان لسحران خبر اور بعض کہتے ہیں بمعنی نعم و مابعد اس کا مبتدا و خبر ہے اور ابوعمرو نے ہذین پڑھا ہے تب کچھ دقت نہیں اور ابوحنیفہ اور کسیٔ نے ان مخففہ پڑھا ہے۔ ۱۲ منہ

۲ کید ساحر الرفع علی ان ما موصولہ و بالنصب علی انہا کافہ ۱۲ ابومحمد

پاس آدمی بھیجے اور ان کو انعام کا وعدہ دیا اس عہد میں طلسم و نیرنجات کا از حد چرچا تھا جیسا کہ مصر کی تاریخ اور فراعنہ کے تعمیر کردہ مکانات سے معلوم ہوتا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ بھی ہمارے علم کا بڑا ماہر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ کے وقت انہیں سمجھایا کہ بدنصیبو! ایسی باتیں نہ کرو اور اس بت پرستی کو خدا کی طرف منسوب نہ کرو کہ اس نے حکم دیا ہے کیونکہ خدا پر جھوٹی باتیں بنانے والا فلاح نہیں پاتا۔ آخر کار مجمع عام میں جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا یا تو اول آپ اپنے عصا کا کچھ کرشمہ دکھائیے (کیونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ فرعون کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے جب عصا ڈالا تو اژدہا بن گیا تھا) یا ہم ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تمہیں ڈالو، ان کے ڈالنے سے ان کی وہ رسیاں اور لکڑیاں طلسم یا کسی شعبدہ کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو حرکت کرتی ہوئی دکھائی دینے لگیں اور موسیٰ علیہ السلام دل میں ڈر گئے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا مت ڈرتو ہی تو غالب رہے گا اور اپنا عصا تو بھی ہاتھ سے ڈال دے۔ چنانچہ ڈالتے ہی اژدہا بن گیا اور ان کے سب سانپوں کو لقمہ کر گیا۔ فرماتا ہے کہ ساحر کو کہیں حق کے مقابلہ میں کامیابی اور فلاح ہوتی ہے۔ جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ کا یہ کام جادو اور طلسم کی قوت سے بڑھ کر ہے (اور ہر فن کو اس کا اہل ہی خوب جانا کرتا ہے اور اس لیے.....

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ
قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ
اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿٧١﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰي مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ
فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا
بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ
اَبْقٰى ﴿٧٣﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا
وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ
الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ
جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ
فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾
فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَاَضَلَّ
فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾

پھر تو جادوگر سجدہ میں گر کر کہنے لگے کہ ہم تو ہارون و موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔ فرعون نے کہا (کیا) تم میری اجازت سے پہلے ہی ان پر ایمان لے آئے۔ بے شک یہ تو تمہارا بڑا استاد ہے کہ جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو میں اب ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں کٹواتا ہوں۔ ایک دایاں اور تم کو کھجور کے پیڑوں پر لٹکاؤں گا اور تم کو معلوم ہوگا کہ ہم میں کس کا عذاب سخت اور دیرپا ہے۔ وہ بولے ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے ان کھلی نشانیوں کے مقابلہ میں جو ہمارے پاس آچکی ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں کہ جس نے ہمیں بنایا ہے جو تجھے کرنا ہے کرلے تو تو صرف اسی زندگی[1] دنیا پر حکم چلا سکتا ہے بے شک ہم تو اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہماری خطائیں بخش دے اور اس کو بھی جو تو نے ہم سے زبردستی سے جادو کروایا ہے اور اللہ ہی بہتر اور باقی[2] ہے جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ ہی رہے گا۔ اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا حالانکہ اس نے اچھے کام بھی کیے ہوں گے تو ان کے لیے بلند مرتبے ہوں گے (وہ کیا) ہمیشہ رہنے کے باغ کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے اور یہ بدلہ ہے اس کا جو (آلائش) گناہ سے پاک ہو گیا اور البتہ ہم نے موسیٰ کو وحی کی میرے بندوں کو تُو راتوں رات لے نکل پھر ان کے لیے دریا پر عصا مار کر سوکھا رستہ بنا دو کہ جس سے نہ تعاقب کا اندیشہ تمہیں رہے گا نہ (ڈوبنے کا) ڈر ہوگا۔ پھر تو فرعون بھی اپنا لشکر لے کر ان کے پیچھے چل دیا پھر تو ان کو یہ دریا کی موج نے جو ڈھانک لینا چاہیے تھا ڈھانک لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا تھا اور راہ پر نہ لایا۔

تفسیر : اس زمانہ کے موافق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قسم کے معجزات دیے گئے تھے) تو سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ موسیٰ اور ہارون کے رب پر ہم ایمان لائے۔ رب ہارون و موسیٰ اس لیے کہا کہ وہ معبودِ حقیقی کو جھوٹے معبودوں سے امتیاز کر دیں کیونکہ ان کے عقائد میں بہت سے رب ٹھہرے ہوئے تھے۔ فرعون بھی مصریوں کا رب کہلاتا تھا۔ اس بات پر فرعون سخت ناخوش ہوا کہ میری اجازت کے بغیر تم کیوں ایمان لائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اور موسیٰ کی باہم سازش ہے وہ بڑا جادوگر تمہارا استاد معلوم ہوتا ہے۔ اول تو تمہارے ہاتھ پاؤں کٹواؤں گا مِنْ خِلَافٍ کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا برعکس تاکہ دونوں طرف نکمی ہو جائیں شاید اس زمانہ میں مجرموں کے ہاتھ پاؤں اسی طریق سے کاٹے جاتے تھے۔ چنانچہ چور کی سزا میں شریعتِ محمدیہ میں بھی مکرر چوری کرنے پر ایسا ہی کیا جاتا ہے اور اس کے بعد میں تمہیں کھجور کے بلند درختوں سے لٹکا دوں گا کہ تڑپ تڑپ کر وہیں جان نکلے۔ ساحروں نے کہ جن کے دل میں حلاوتِ ایمان اثر کر گئی تھی، کہا اس کی ہم کو کچھ پروا نہیں۔ یہ دنیا کی سزا ہے جو تھوڑی سی دیر میں تمام ہو چکے گی مگر اس کے ڈر سے ہم اپنے پیدا کرنے والے کو اور ان دلائلِ قویہ یعنی معجزاتِ موسیٰ اور اس کے دین کو نہ چھوڑیں گے۔ ہم اللہ پر ایمان لا چکے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے گناہ معاف کرے اور اس کو بھی کہ جو تو نے زبردستی ہم سے کرایا ہے۔ اللہ کا انعام بہتر ہے وہ بندہ پر بے شمار انعام کرتا ہے اور باقی بھی ہے وہ ابدی ہے بخلاف تیرے عذاب کے کہ جس کو تو باقی اور اشد کہتا ہے یہ چند روزہ قصہ ہے۔

فائدہ من یات سے لے کر ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى تک اللہ تعالیٰ ان ایمانداروں کی تائید میں فرماتا ہے اور ممکن ہے کہ یہ انہیں ایمانداروں کا قول ہو اور یہ بات کچھ تعجب کی نہیں کہ ایمان لاتے ہی جادوگروں پر دارِ آخرت کا یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ جو خدا کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کی سزا جہنم ہے کہ جہاں نہ موت ہے نہ لطفِ حیات ہے اور جو ایمان و عملِ صالح کے ساتھ خدا کے پاس جائے گا ان کے لیے بڑے درجے ہوں گے۔ جناتِ عدن کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی کس لیے کہ ان پر عالمِ غیب کا نور اور اس کا ازلی فیض پرتو افگن ہو گیا تھا اور ایسی حالت میں یہ بات معلوم ہو جانی کچھ مشکل بات نہیں یا موسیٰ علیہ السلام سے سنا ہوگا القصہ جب یہ ہو چکا اور جادوگروں کو فرعون

[1] بہت کرے گا ہاتھ پاؤں کٹوا ڈالے گا یا مروا ڈالے گا سو یہ چند روزہ ہے حیاتِ ابدی کی کوئی سزا بھی تیرے اختیار میں نہیں۔

[2] یعنی اس کی بخشش اور عطا تیرے انعام سے کہیں بہتر ہے اور اس کا عذاب ہی حیاتِ جاودانی کے لحاظ سے بڑا دیرپا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی بنی اسرائیل کو جن کو فرعون نے مبتلائے مصائب کر رکھا تھا۔ ۱۲ منہ

نے اذیت سے قتل کیا تو اس کے بعد اور بھی موسیٰ علیہ السلام نے معجزات دکھائے آخر کار اس موذی نے بنی اسرائیل کو عید کرنے کی اجازت دی۔ اس بہانہ سے بنی اسرائیل مرد و زن مع مال و اسباب بلکہ فرعونیوں کے زیور

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ
الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ
غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ
اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ
وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ
بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ
اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ
الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ
مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ
زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ
عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۙ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾
اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

اے بنی اسرائیل البتہ ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات بھی دی اور تم کو کوہِ طور کی دائیں جانب سے وعدہ بھی دیا تھا (توریت کا) اور تم پر من و سلویٰ بھی اتارا تھا اور فرمایا کہ ہماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے خوب کھاؤ (پیو) اور اس میں حکم عدولی نہ کرنا کہ تم پر میرا غصہ اترے اور جس پر کہ میرا غصہ اترا تو وہ گیا گزرا ہوا اور میں اس کے لیے غفار بھی ہوں کہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے پھر ہدایت پر قائم بھی رہے اور اے موسیٰ[1] تم کس لیے اپنی قوم سے جلد کر آئے۔ موسیٰ نے کہا وہ بھی میرے پیچھے ہی آ رہے ہیں اور میں جلدی کر کے آپ کے پاس اس لیے آیا کہ آپ خوش ہوں فرمایا کہ تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور (وہ یہ کہ) ان کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ پھر موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے افسوس کرتے ہوئے پھر آئے (آ کر) کہا اے قوم!

[1] اور جب موسیٰ علیہ السلام سبقت کر کے کوہِ طور پر چڑھ آئے تو ہم نے کہا وما اعجلك کہ تم کس لئے جلدی کر آئے۔ ۱۲ منہ

کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا پھر کیا تم پر بہت زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے یہ چاہا تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غصہ اترے کیوں پھر تم نے مجھ سے کیا وعدہ خلافی کی۔ انہوں نے کہا ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلافی نہیں کی لیکن قوم (قبط کے) زیوروں میں سے جو کچھ بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا (سامری کے کہنے سے) اس کو ہم نے آگ میں ڈال دیا تھا پھر سامری نے بھی اسی طرح ڈال دیا اس سب زیور سے سامری نے ایک بچھڑے کا پتلا ڈھالا جس میں بچھڑے کی سی آواز بھی تھی تب (بعض) کہنے لگے کہ یہی تو تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے۔ پھر موسیٰ بھول گیا کیا انہیں یہ بھی نہ سوجھا کہ وہ بچھڑا نہ تو ان کی بات کا جواب دے سکتا تھا نہ ان کے لیے نفع ونقصان کا مالک تھا۔

.....بھی مانگ کر دور کے میدان میں نکلے۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام کو حکم پہنچا کہ اب ان کو شب شب ملک شام کی طرف لے نکل چنانچہ وہ سب چلے۔ ادھر فرعون کو خبر ملی تو وہ بڑا لشکر لے کر پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آیا۔ دریاء قلزم پر آگیا۔ بنی اسرائیل گھبرائے، خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا عصا مار، مارا تو پانی کی دونوں طرف دیواریں سی کھڑی ہوگئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل صاف نکل گئے ان کے پیچھے سے فرعون اور اس کا لشکر جو اسی رستہ سے آیا ان پر دریا مل گیا پانی نے ڈھانک لیا وہ سب غرق ہوگئے اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کہ جن کی تعداد لاکھوں کی تھی قلزم کے اس پار صحیح وسلامت اتر آئے اور اس بیابان میں پڑ لیے جو عرب کے مغرب وشمال اور شام کے جنوب میں واقع ہے جس کو تیہ کہتے ہیں اور یہیں کوہ طور بھی ہے۔

اب خدا تعالیٰ اس تیہ کے وقائع سے بنی اسرائیل کو متنبہ کرتا اور اپنے احسان یاد دلاتا ہے۔ (۱) اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ کہ اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اس کو غرق کیا تم کو صحیح وسلامت قلزم سے نکال دیا۔ (۲) وَوٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ بنی اسرائیل کا ڈیرا جب کوہ طور کے پاس پڑا تو وہاں خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ تو اس پہاڑ کی دائیں چوٹی پر جو میں بلند مقام ہے ہم سے آکر مل اور یہیں احکام عشرہ اور الواح ملنے کا وعدہ ہوا تھا جس کے لیے اول تیس رات پھر چالیس رات پہاڑ پر ٹھہرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہ بھی بنی اسرائیل پر خدا کا احسان تھا کہ ان کے لیے توریت والواح ودیگر نعماء دینیہ عطا ہوئیں۔ (۳) وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی جب ان الق ودق بیابانوں میں کھانے کو کچھ نہ ملا تو خدا نے بنی اسرائیل پر من کو (جو ایک قسم کی شیریں اور خوش مزہ چیز ترنجبین کی مانند تھی جس کی توؤں پر روٹیاں پکاپکا کر کھاتے تھے) اور سلوی کو (یعنی بٹیریں جو از خود رات کو ان کے خیموں میں آگرتی تھیں) نازل کیا اور یہ کہہ دیا کہ شوق سے کھاؤ مگر حد سے تجاوز نہ کرنا یعنی دن کا کھانا رات کے لیے اور رات کا دن کے لیے جمع نہ کرنا بعض کہتے ہیں یہ مراد کہ ناشکری نہ کرنا کیونکہ نعمت کے بعد شکر نہ کرنا حد سے تجاوز کرنا اور سرکشی کرنا ہے اگر ایسا کرو گے تو تم پر میرا غضب نازل ہوگا مگر بنی اسرائیل نے اس پر بھی ناشکری کی اور مورد عتاب ہوئے۔ اسی منزل پر خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ پر بلایا اور ان کی قوم کو بھی حکم دیا کہ تیار ہو کر خدا کا جلال دیکھنے کے لیے پہاڑ کے قریب آجائیں جیسا کہ سفر خروج کے ۱۹ باب میں ہے۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ

تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۡ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

حالانکہ ان سے ہارون پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ اے قوم! اس سے تو تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور رب تو تمہارا رحمان ہے میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ وہ بولے ہم تو اس بچھڑے (کی عبادت) پر اس وقت تک جمے بیٹھے رہیں گے جب تک کہ ہمارے پاس لوٹ کر موسیٰ نہ آجائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے (آکر) کہا اے ہارون! جب تم نے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تھا تو کس لیے میرے پیچھے نہ چلے آئے۔ پھر کیا تم نے میری حد دل شکنی کی۔ اس نے کہا اے میرے ماں جائے (بھائی)! میری ڈاڑھی اور سر کے بال تو نہ پکڑ، میں اس بات سے ڈر گیا کہ تم یہ کہنے لگتے کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈالا اور میری بات کا انتظار ہی نہ کیا۔ پھر موسیٰ نے سامری سے کہا کہ اے سامری! تجھے کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا مجھے وہ بات سوجھی جو ان کو نہ سوجھی تھی پھر میں نے رسول کے نقش قدم کی ایک مٹھی مٹی کی لے کر (اس بچھڑے میں) ڈال دی میرے جی میں ایسا ہی آیا تھا۔ موسیٰ نے کہا جا دور ہو زندگی میں تو تیرے لیے یہی سزا ہے تو کہتا پھرے کہ مجھے کوئی نہ چھونا[1] اور تیرے لیے (عذاب کا) ایک اور بھی وعدہ ہے کہ جس کو تو ٹال نہ سکے گا اور اپنے اس خدا کو بھی دیکھ لے کہ جس کی عبادت پر تو آسن لگائے ہوئے تھا کہ ہم اس کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بکھیرے دیتے ہیں (اے لوگو!) تمہارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جس کے علم میں ہر چیز ہے۔

تفسیر: اور موسیٰ سب سے آگے تنہا خدا کے پاس آئے جس پر خدا نے پوچھا وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى اور خدا تعالیٰ کے پاس کوہ طور پر موسیٰ چالیس دن رات رہے (سفر خروج ۳۴۔ باب) اتنی دیر لگنے سے بنی اسرائیل نے غل مچا دیا کہ موسیٰ کہاں گئے۔ کسی نے کچھ کہا، اس میں ایک شخص نے کہ جس کا نام سامری تھا لوگوں سے کہا کہ آؤ میں تمہارا معبود دکھاؤں کہ جو تمہیں مصر سے نکال لایا ہے۔ تم میرے پاس سونے کا زیور لاؤ چنانچہ وہ اس کے پاس لائے اس نے اس کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنا دیا اور اس میں ایک ایسا رستہ ہوا کے آنے جانے کا رکھا کہ جس سے گائے بیل کی آواز جیسی آواز پیدا ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل جو مصر میں مصریوں کو گائے بیل پوجتے دیکھا کرتے تھے اس پر گرویدہ ہوگئے۔ قربانیاں چڑھانے اس کی عبادت کرنے لگے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ہر چند سمجھایا مگر وہ کب مانتے تھے۔ اس بات سے خدا تعالیٰ نے کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو خبردار کیا کہ دیکھ تیرے پیچھے تیری قوم گمراہ ہوگئی۔ سامری نے ان کو گمراہ کر دیا۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام غصہ سے بھرے ہوئے ان کے پاس آکر ان کو ملامت کرنے لگے۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ الی قولہ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ لوگوں نے عذر کیا، ہم کو سامری نے گمراہ کیا ہے۔ ہم قوم قبط[2] سے زیور مانگ لائے تھے جس طرح ہم اس کو آگ میں ڈالا کرتے

[1] جو چھوئے گا اس کو تپ چڑھ جائے گی جذامیوں کی طرح لوگوں سے دور رہا کرے گا کوئی بھی تیرے پاس نہ پھٹکے گا یہ بڑی سزا تھی۔ ۱۲ منہ

[2] بعض روایات میں ہے کہ سامری نے کہا کہ تم پر قبط کا زیور حرام ہے آؤ سب مل کر اپنا اپنا زیور آگ میں ڈال دیں۔ انہوں نے بھی ڈالا۔ سامری نے بھی پھر اس نے اس کا بچھڑا بنا دیا۔ ۱۲ منہ

کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا پھر کیا تم پر بہت زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے یہ چاہا تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غصہ اترے کیوں پھر تم نے مجھ سے (میرے) وعدہ خلافی کی۔ انہوں نے کہا ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلافی نہیں کی ولیکن قوم (قبط کے) زیوروں میں سے جو کچھ بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا (سامری کے کہنے سے) اس کو ہم نے آگ میں ڈال دیا تھا پھر سامری نے بھی اسی طرح ڈال دیا اس سب زیور سے سامری نے ایک بچھڑے کا پتلا ڈھالا جس میں بچھڑے کی آواز بھی تھی تب (بعض) کہنے لگے کہ یہی تو تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے۔ پھر موسیٰ بھول گیا کیا انہیں یہ بھی نہ سوجھا کہ وہ بچھڑا نہ تو ان کی بات کا جواب دے سکتا تھا نہ ان کے لیے نفع ونقصان کا مالک تھا۔

.....بھی مانگ کر دور کے میدان میں نکلے۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام کو حکم پہنچا کہ اب ان کو شاب ملک شام کی طرف لے نکل چنانچہ وہ سب چلے۔ ادھر فرعون کو خبر ملی تو وہ بڑا لشکر لے کر پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آیا۔ دریائے قلزم پر آ لیا۔ بنی اسرائیل گھبرائے، خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ دریا پر عصا مار، مارا تو پانی کی دونوں طرف دیواریں سی کھڑی ہو گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل صاف نکل گئے ان کے پیچھے سے فرعون اور اس کا لشکر جو اسی رستہ سے آیا ان پر دریا مل گیا پانی نے ڈھانک لیا وہ سب غرق ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کہ جن کی تعداد لاکھوں کی تھی قلزم کے اس پار صحیح وسلامت اتر آئے اور اس بیابان میں پڑ لیے جو عرب کے مغرب وشمال اور شام کے جنوب میں واقع ہے جس کو تیہ کہتے ہیں اور یہیں کوہ طور بھی ہے۔

اب خدا تعالیٰ اس تیہ کے وقائع سے بنی اسرائیل کو متنبہ کرتا اور اپنے احسان یاد دلاتا ہے۔ (۱) اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ کہ اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اس کو غرق کیا تم کو صحیح وسلامت قلزم سے نکال دیا۔ (۲) وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ بنی اسرائیل کا ڈیرا جب کوہ طور کے پاس پڑا تو وہاں خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ تو اس پہاڑ کی دائیں چوٹی پر جو میں بلند مقام ہے ہم سے آ کر مل اور یہیں احکام عشرہ اور الواح ملنے کا وعدہ ہوا تھا جس کے لیے اول تیس رات پھر چالیس رات پہاڑ پر ٹھہرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہ بھی بنی اسرائیل پر خدا کا احسان تھا کہ ان کے لیے توریت والواح ودیگر نعماء دینیہ عطا ہوئیں۔ (۳) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى جب ان ابق ودق بیابانوں میں کھانے کو کچھ نہ ملا تو خدا نے بنی اسرائیل پر من کو (جو ایک قسم کی شیریں اور خوش ذائقہ چیز ترنجبین کی مانند تھی جس کی تو ڈوں پر روٹیاں پکا پکا کر کھاتے تھے) اور سلوی کو (یعنی بٹیریں جو از خود رات کو ان کے خیموں میں آ گرتی تھیں) نازل کیا اور یہ کہہ دیا کہ شوق سے کھاؤ مگر حد سے تجاوز نہ کرنا یعنی دن کا کھانا رات کے لیے اور رات کا دن کے لیے جمع نہ کرنا بعض کہتے ہیں یہ مراد کہ ناشکری نہ کرنا کیونکہ نعمت کے بعد شکر نہ کرنا حد سے تجاوز کرنا اور سرکشی کرنا ہے اگر ایسا کرو گے تو تم پر میرا غضب نازل ہوگا مگر بنی اسرائیل نے اس پر بھی ناشکری کی اور مورد عتاب ہوئے۔ اسی منزل پر خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ پر بلایا اور ان کی قوم کو بھی حکم دیا کہ نہا دھو کر خدا کا جلال دیکھنے کے لیے پہاڑ کے قریب آ جائیں جیسا کہ سفر خروج کے ۱۹ باب میں ہے۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ

تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۡ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

علاوہ ان کے ہارون پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ اے قوم! اس سے تو تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور رب تو تمہارا رحمان ہے میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ وہ بولے ہم تو اس بچھڑے (کی عبادت) پر اس وقت تک جمے بیٹھے رہیں گے جب تک کہ ہمارے پاس لوٹ کر موسیٰ نہ آ جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے (آ کر) کہا اے ہارون! جب تم نے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تھا تو کس لیے میرے پیچھے نہ چلے آئے۔ پھر کیا تم نے میری عدول حکمی کی۔ اس نے کہا اے میرے ماں جائے (بھائی)! میری ڈاڑھی اور سر کے بال تو نہ پکڑ میں اس بات سے ڈر گیا کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈالا اور میری بات کا انتظار ہی نہ کیا۔ پھر موسیٰ نے سامری سے کہا کہ اے سامری اچھے کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا مجھے وہ بات سوجھی جو ان کو نہ سوجھی تھی پھر میں نے رسول کے نقش قدم کی ایک مٹھی مٹی کی لے کر (اس بچھڑے میں) ڈال دی میرے جی میں ایسا ہی آیا تھا۔ موسیٰ نے کہا جا دور ہو زندگی میں تو تیرے لیے یہی سزا ہے تو کہتا پھرے کہ مجھے کوئی نہ چھوئے[1]۔ اور تیرے لیے (عذاب کا) ایک اور بھی وعدہ ہے کہ جس کو تو ٹال نہ سکے گا اور اپنے اس خدا کو بھی دیکھ لے کہ جس کی عبادت پر تو آسن لگائے ہوئے تھا کہ ہم اس کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بکھیرے دیتے ہیں (اے لوگو!) تمہارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جس کے علم میں ہر چیز ہے۔

تفسیر: اور موسیٰ سب سے آگے تنہا خدا کے پاس آئے جس پر خدا نے پوچھا وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى اور خدا تعالیٰ کے پاس کوہ طور پر موسیٰ چالیس دن رات رہے (سفر خروج ۳۴۔ باب) اتنی دیر لگنے سے بنی اسرائیل نے غل مچا دیا کہ موسیٰ کہاں گئے۔ کسی نے کچھ کہا، اس میں ایک شخص نے کہ جس کا نام سامری تھا لوگوں سے کہا کہ آؤ میں تمہارا معبود دکھاؤں کہ جو تمہیں مصر سے نکال لایا ہے۔ تم میرے پاس سونے کا زیور لاؤ چنانچہ وہ اس کے پاس لائے اس نے اس کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنا دیا اور اس میں ایک ایسا رستہ ہوا کے آنے جانے کا رکھا کہ جس سے گائے بیل کی آواز جیسی آواز پیدا ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل جو مصر میں مصریوں کو گائے بیل پوجتے دیکھا کرتے تھے اس پر گرویدہ ہو گئے۔ قربانیاں چڑھانے اس کی عبادت کرنے لگے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ہر چند سمجھایا مگر وہ کب مانتے تھے۔ اس بات سے خدا تعالیٰ نے کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو خبردار کیا کہ دیکھ تیرے پیچھے تیری قوم گمراہ ہو گئی۔ سامری نے ان کو گمراہ کر دیا۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام غصہ سے بھرے ہوئے ان کے پاس آ کر ان کو ملامت کرنے لگے۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ الیٰ قولہ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ لوگوں نے عذر کیا، ہم کو سامری نے گمراہ کیا ہے۔ ہم قوم قبط[2] سے زیور مانگ لائے تھے جس طرح ہم اس کو آگ میں ڈالا کرتے

[1] جو چھوئے گا اس کو تپ چڑھ جائے گی جذامیوں کی طرح لوگوں سے دور رہا کرے گا کوئی بھی تیرے پاس نہ پھٹکے گا یہ بڑی سزا تھی۔ ۱۲ منہ

[2] بعض روایات میں ہے کہ سامری نے کہا کہ تم پر قبط کا زیور حرام ہے آؤ سب مل کر اپنا اپنا زیور آگ میں ڈال دیں۔ انہوں نے بھی ڈالا۔ سامری نے بھی پھر اس نے اس کا بچھڑا بنا دیا۔ ۱۲ منہ

ہیں اور چیزیں ڈھال کر بنانے کے لیے اسی طرح سامری نے بھی ڈھال کر بچھڑا بنا دیا جس کی آواز تھی اور کہہ دیا یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے۔ موسیٰ اس کو بھول گیا جو کوہ طور پر خدا سے ملنے گیا ہے۔ اَفَلَا یَرَوْنَ یہ جملہ خدا کی طرف سے ہے کہ وہ عجب احمق تھے صرف آواز سے ایمان لائے اور یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ کچھ نفع دے سکتا ہے نہ ضرر۔ پھر معبود کیونکر ہو سکتا ہے یا موسیٰ کی طرف سے یہ جملہ تھا وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ کے آنے سے پیشتر ہارون نے سمجھا دیا تھا مگر نہ مانے۔ پھر موسیٰ ہارون پر خفا ہوئے کہ تو نے جب ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تھا تو ان کو چھوڑ کر میرے پیچھے کیوں نہ چلا آیا۔ ہارون نے عذر کیا کہ اس بات سے ڈر گیا کہ تم آ کر یہ کہتے کہ بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا، میرے آنے کا انتظار کیوں نہ کیا۔ پھر موسیٰ سامری کی طرف متوجہ ہوئے، اس نے کہا میں نے رسول کے پاؤں کی مٹی لے کر اس میں ڈال دی تھی جس سے وہ بولنے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا دنیا میں تیری یہ سزا ہے کہ تو سب سے دور راندہ ہوا رہے گا جو تیرے پاس آئے گا اس کو بھی اور تجھے بھی بخار چڑھ آئے گا تو کہا کرے گا کہ چھونا مت کوئی میرے پاس نہ آئے اور آخرت کی سزا تیرے لیے اور مقرر ہے جو ہرگز نہ ٹلے گی اور اس تیرے معبود کو تو دیکھ کہ اس کے ذرہ ذرہ دریا میں بہائے دیتا ہوں اس کے بعد فرمایا تمہارا معبود تو اللہ ہے جس کے علم میں ہر ایک چیز ہے۔ یہ کلام الٰہی کے لفظوں کی شرح تھی اب ہم چند فوائد بیان کرتے ہیں:

(۱) فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ عام مفسرین کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام خاص مجھی کو دکھائے دیتے تھے اوروں کو نہیں۔ پس میں نے اس کے گھوڑے کے پاؤں تلے کی مٹی میں سے ایک مٹھی بھر لی۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾
مَّنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾
يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ
اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا ع ۱۲
رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاۗعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾
يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا
تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ
وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ
عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ
يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

(اے نبی!) ہم اس طرح سے آپ کو گزشتہ لوگوں کی کچھ خبریں سناتے ہیں اور آپ کو ہم نے اپنے ہاں سے ایک سمجھانے والی چیز بھی دی تھی (قرآن) جس نے اس سے منہ پھیرا سو وہ قیامت کے دن اس (گناہ) کا بوجھ آپ اٹھائے گا جس میں سدا رہیں گے۔ اور ان کا یہ قیامت کے دن بہت ہی برا بوجھ ہے۔ جس دن کہ صور پھونکا جائے گا اور ہم سب گناہگاروں کو اس دن جمع کر لیں گے (اور) ان کی دہشت سے نیلی آنکھیں ہوں گی، پیچے چپکے آپس میں کہتے ہوں گے کہ تم دنیا میں کیا ٹھہرے ہو مگر بیس دن۔ ہم خوب جانتے ہوں گے جو کچھ کہ وہ کہتے ہوں گے جبکہ ان میں کا بڑا سمجھدار کہے گا کہ تم صرف ایک ہی روز ٹھہرے ہو۔ اور (اے نبی!) آپ سے پہاڑوں کا حال پوچھتے ہیں (سو) کہہ دو ان کو تو میرا رب ریتا کر کے اڑا دے گا۔ پھر زمین کو چٹیل میدان کر چھوڑے گا کہ جس میں (اے مخاطب!) تجھے کوئی پستی دکھائی دے گی نہ بلندی۔ اس روز پکارنے والے کے پیچھے سب ہی تو ہو لیں گے اور دہشت سے رحمٰن کے آگے سب کی آوازیں پست ہو جائیں گی۔ پھر اے مخاطب! تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے گا بجز پاؤں کی آہٹ کے اس روز کسی کی سفارش فائدہ نہ بخشے گی مگر اس کی جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہوگی اور اس کا بولنا پسند کر لیا جائے گا۔ جو کچھ ان کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے بعد ہوگا۔ وہ سب کو جانتا ہے اور اس کو کسی کا علم بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور حی و قیوم[1] کے آگے سب منہ جھک گئے ہوں گے اور جو ظلم کی گٹھڑی اٹھائے ہوگا وہ تباہ ہو گیا ہوگا اور جس نے اچھے کام کئے ہوں گے اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا[2] نہ حق تلفی کا۔

تفسیر: پھر اس کو ڈھلے ہوئے بچھڑے میں ڈال دیا جس کی تاثیر سے وہ آواز دینے لگا۔ اس تقدیر پر کئی باتیں ماننی پڑتی ہیں: اول یہ کہ رسول سے مراد جبرئیل علیہ السلام لیے جائیں۔ دوم اس پر بھی حذف ماننا پڑتا ہے ای من تراب اثر فرس الرسول۔ سوم اس بدمعاش سامری کی بات کو بھی صحیح تسلیم کیا جائے حالانکہ یہ تینوں باتیں نہ قرآن مجید کی کسی آیت سے ثابت ہوتی ہیں نہ کسی صحیح حدیث سے۔ ہاں مفسرین کے اقوال میں ابو مسلم ان معنی کو نہیں مانتے اور ایک جدید توجیہ کرتے ہیں کہ رسول سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور اثر سے اس کا طریقہ و دستور کہتے ہیں۔ فلان یقفو اثر فلان و یقبض اثرہ اذا کان تمثیل رسمہ یعنی جو کسی کے طریقہ کا متبع ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ یہ اس کے اثر پر قابض ہے۔ سامری کہتا ہے کہ اول میں رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام کا پیرو تھا پھر اس کو چھوڑ دیا اور بت پرستی کا یہ سامان بہم پہنچایا۔ اس توجیہ کی امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی تائید کی ہے اور اسی میں اعتراضات سے امن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سامری نے جو قبطیوں سے اس وقت کے علوم اور صنعت سیکھے ہوئے تھا ایسی صنعت سے بچھڑا بنایا ہو جس میں ہوا کے دخول و خروج کے ایسے رستے رکھے ہوں کہ جن سے بچھڑے کی آواز پیدا ہوتی تھی باقی اس نے جھوٹا فقرہ بنا لیا۔ (۲) سفر خروج کے ۳۲ باب میں ہے کہ ہارون نے نہ بچھڑا بنا کر پجوایا تھا اور سامری کا نام تک بھی وہاں نہیں۔ قطع نظر اس کے کہ یہ توریت وہ اصلی توریت نہیں یہ نسخہ بھی صدہا تحریفات سے خالی نہیں جس کا علمائے اہل کتاب کو اقرار ہے۔ یہاں غالباً نام میں کبھو ہو گیا یا سامری کا نام ہارون بھی ہو اور اس سے مراد ہارون علیہ السلام نہ ہوں کیونکہ اخیر میں اسی فعل کے مرتکب سب مبتلاء بلا ہوئے تلوار سے کٹے وبا سے مرے، خدا تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ان پر از حد بھڑکا ہر ایک کو حکم دیا کہ اپنے قرابتی کو اس جرم پر قتل کرے۔ پھر تعجب ہے کہ ہارون علیہ السلام پر کہ جس نے یہ فساد کھڑا کیا کوئی بھی سزا قائم رہے اور نیز ہارون علیہ السلام نبی تھے ان کو کیا ہوا تھا جو وہ ایسا کام کرتے؟

اس قصہ کو تمام کر کے فرماتا ہے کہ اے محمد! (علیہ السلام) گزشتہ لوگوں کے تذکرے ہم یوں سناتے ہیں ہم نے تجھے ذکر یعنی قرآن دیا ہے پھر جو قرآن سے منہ پھیرے گا قیامت میں اس کا یہ حال ہوگا کہ قیامت میں اپنے گناہوں کی گٹھڑی آپ اٹھاوے گا اور جس روز صور پھنکے گا

[1] حی زندہ قیوم پایندہ ہمیشہ رہنے والا سب کا آسرا اور سب کی ہستی کی اصل اور پناہ۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی اس کو اس بات کا کچھ بھی خوف نہ ہوگا کہ اس بارگاہ کبریا میں کوئی ظلم ہوگا یا اس کی کوئی حق تلفی ہوگی۔ کس لیے کہ وہ بارگاہ عدالت ہے حاکم علیم و خبیر ہے کسی کی کوئی چالاکی اور جھوٹا دعویٰ کسی پر نہ چلے گا نہ اس پر کسی کا دباؤ ہوگا نہ وہ کسی سے رشوت لیتا ہے کہ اس سبب سے کسی کی حق تلفی ہو جائے نہ وہاں امیر و فقیر شریف و رذیل کا لحاظ ہوگا نہ اس کی ذات میں غضبانی جذبات ہیں نہ وہ متلون المزاج ہے اس ایک تھوڑے سے جملہ میں دربار حشر کی سب کیفیت بیان فرما دی۔ ۱۲ منہ

دوبارہ زندہ ہونے کے لیے تو یہ لوگ ایسی دہشت میں ہوں گے کہ آنکھوں کی رنگت پلٹ جائے گی نور اور سیاہی جا کر نیلی ہو جائے گی اور دنیا میں جو سالہا سال عیش کی ہے وہاں کے مصائب کے آگے اس کو دس روز سمجھیں گے اور جو ان میں زیادہ دانا ہے وہ تو ایک دن سمجھے گا۔ قیامت کے ذکر میں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہاڑوں سے سوال کیا کہ یہ کیا ہوں گے وَيَسْـَٔلُوْنَكَ الخ فرمایا فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا کہ خدا ان کو ریزہ کر کے اڑا دے گا اور زمین کو صاف میدان کر دے گا پھر آگے اور قیامت کے حالات بیان کرتا ہے کہ اس روز بجز اس کے جس کو شفاعت کی اجازت ملی ہوگی اور اس کی بات بھی پسندیدہ خدا ہوگی اور

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ
بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۚ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ
عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ع ۱۵
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ
وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا
تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ
قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا
مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ
وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ
اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ
اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ
مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى
وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾

اور جس طرح (کہ معنی میں اس کی خوبی رکھی ہے) اسی طرح لفظوں کے لحاظ سے بھی) ہم نے اس کو عربی میں نازل کیا ہے۔ اور اس میں (طرح طرح کی) خوف [illegible]

والی باتیں بھی بیان کیں ہیں تا کہ لوگ ڈریں یا ان کے لیے سمجھ پیدا کرے (اس میں خدا کا کوئی ذاتی نفع نہیں کیونکہ) وہ بادشاہ برحق بلند برتر ہے (اور اے نبی! آپ) اس کی وحی تمام ہونے سے پیشتر جلدی نہ کیا کرو۔ اور دعا کیا کرو کہ اے رب! مجھے اور زیادہ علم دے اور ہم نے پہلے آدم سے بھی عہد لیا تھا۔ پھر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کو کچھ مضبوط نہ پایا اور جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے آگے جھکو تو سب ہی جھکے مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے آدم سے کہا یہ (شیطان) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے پھر ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو جنت سے نکال دے کہ پھر تو خراب ہو جائے تو اس بہشت میں نہ بھوکا رہے گا اور نہ ننگا اور تو اس میں پیاسا بھی نہ رہے گا اور نہ دھوپ اٹھائے گا۔ پھر شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ کہا اے آدم! تو کہے تو میں تجھے ایک ایسا درخت بتلاؤں کہ جس کے کھانے سے تو ہمیشہ جیتا رہے اور لازوال سلطنت ملے۔ پھر آدم وحوا نے اس درخت سے کچھ کھا لیا تو ان پر ان کی برہنگی ظاہر ہو گئی اور اپنے اوپر باغ کے پتے چپکانے لگے۔ اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی سو بہک گیا۔ آخر کار اس کے خدا نے سرفراز کیا پھر اس کی توبہ قبول کی اور اس کی رہنمائی کی۔ حکم دیا کہ تم دونوں وہاں سے نکل جاؤ کہ تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے۔ پھر جو کبھی تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے پس جو میری ہدایت پر چلے گا تو وہ گمراہ نہ ہوگا اور نہ خراب ہوگا۔ اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اس کی زندگی بھی تنگ ہوگی اور اس کو قیامت میں اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا تو نے اے رب! مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو بینا تھا۔

تفسیر: شفاعت کارگر نہ ہوگی نہ ان فرضی معبودوں کی جن کو وہ اس امید پر پوجتے ہیں اور اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس کے لیے رحمان اجازت دے گا اور اس کے حق میں بولنا پسند کرے گا اس کے لیے شفاعت کارگر ہوگی نہ ہر کسی کے لیے۔ کس لیے کہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ الخ اس کو ہر ایک کا اگلا پچھلا سب حال معلوم ہے اس کا علم بہت وسیع ہے جس کو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا کسی کا علم اس کے علم کے برابر نہیں۔ قابل شفاعت اس کو معلوم ہیں اور اس روز بڑے بڑے متکبروں کی اس کے آگے گردنیں جھک جائیں گی اور ظالم تباہ ہوں گے، ایمانداروں، نیکوکاروں کو ان کی دنیاوی کوشش کا پورا بدلہ ملے گا۔ وَكَذٰلِكَ عطف ہے كذلك نقص پر یعنی جس طرح ہم نے اے نبی! تم سے پہلوں کے راستی آمیز ہدایت خیز قصے بیان کیے اسی طرز پر تمام قرآن نازل کیا ہے جس کے دو وصف ہیں اول وہ عربی ہے جس کا سمجھنا قوم عرب کو آسان ہے۔ دوم صرفنا اس میں طرح طرح سے خوفناک باتیں بیان کی ہیں تا کہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا ان کو سمجھ بوجھ پیدا ہو۔ کلہ او منافات کے لیے نہیں ہے اور یہ قرآن اس خوبی کے ساتھ اس نے اس لیے نازل کیا ہے کہ جو بخل وجہل وغیرہ اوصاف سے بری ہے اس میں اس کا کوئی نفع ونقصان نہیں وہ ان باتوں سے پاک ہے اور حق ہے اس کا ملک اور اس کی ذات دائم وقائم ہے اس لیے اس نے ان کی بہبودی کے لیے ایسا قرآن نازل کیا چونکہ قرآن رحمت آسمانی ہے اور تدریجاً نازل ہوا ہے ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس کی تبلیغ اور اس کے یاد کرنے اور اس کے مطالب واضح کرنے کا بمقتضائے نبوت بہت شوق اور از حد ولولہ تھا اس لیے فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ الخ کہ وحی کے تمام ہو جانے سے پہلے قرآن کے پڑھنے یا لوگوں کے پڑھانے سمجھانے میں جلدی نہ کیا کرو جب ایک مضمون کی وحی جو فرشتہ لاتا ہے تمام ہو چکے تب آپ پڑھیں۔ اسی طرح کا مضمون اور جگہ بھی آیا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ اور رب سے دعا کرتے رہو کہ میرا علم زیادہ کرتا کہ وقتاً فوقتاً وحی آتی رہے آپ کا علم زیادہ ہوتا رہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خزانہ ہمارے پاس ہے اس میں سے جس قدر ہم جس کو چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں بندہ علام الغیوب نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد یہ چھٹی[1] بار حضرت آدم کا قصہ ایک آیندہ جملہ کے لیے بطور تمہید کے ذکر ہوا اور وہ جملہ مقصود بالذات یہ ہے فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى اس کی شروع تمہید یہ ہے وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ الخ کہ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اے بنی آدم ہم نے تمہارے جد امجد کے لیے فرشتوں کو سجدۂ تعظیم کا حکم دیا اور تاج خلافت ان کے سر پر رکھا گیا اس وقت سب فرشتوں نے

[1] اول بار سورہ بقرہ میں پھر اعراف میں پھر حجر میں پھر شعراء میں پھر کہف میں پھر اس جگہ ذکر ہوا (ک) یہاں صرفنا فیہ من الوعید کی وضاحت کے لیے آیا۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ
نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾
اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ
مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ
رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَاۗئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ
اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

فرمائے گا تو نے بھی اس طرح ہماری آیتوں کو جو تیرے پاس آئی تھیں فراموش کر دیا اور اسی طرح[1] آج تو بھی بھلایا گیا اور جو کوئی حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانے تو اس کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور البتہ آخرت کا عذاب تو سخت تر اور بہت ہی دیر پا ہے۔ پھر کیا ان کو اس بات نے بھی رہنمائی نہ کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایک قرنوں کو غارت کر دیا ہے کہ جن کے مکانوں پر سے وہ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک اس میں تو عقل مندوں کے لیے (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں اور (اے نبی!) اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات قرار نہ پا چکی ہوتی اور وعدہ مقرر نہ ہوا ہوتا تو عذاب لازم ہو چکا ہوتا۔ پھر جو کچھ وہ بکتے ہیں اس پر صبر کرو اور آفتاب[2] کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد و ثناء کے ساتھ تقدیس کیا کرو اور رات کے وقتوں میں بھی تسبیح کیا کرو اور دن کے اول و آخر میں بھی تاکہ تم کو خوش کیا جائے۔

تفسیر: سجدہ کیا مگر اس ابلیس نے (جس کے کہنے پر اکثر بنی آدم چل رہے ہیں قدیمی حاسد اور دشمن کو دوست بنا رکھا ہے) انکار کر دیا پھر اس کے بعد ہم نے تمہارے جد امجد کو ایک ایسے باغ میں رہنے کو جگہ دی کہ جہاں کھانے پینے کا ہم نے انتظام کر دیا تھا اور ان مشقتوں سے نجات دے دی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ خبردار رہنا یہ شیطان تیرا اور تیری بیوی دونوں کا دشمن ہے اس کے کہنے میں آ کر معصیت میں نہ پڑنا کہ یہاں سے نکالے جاؤ اور خراب و خستہ مارے پھرو مگر وہ مردود وہاں بہروپ بدل کر جا ہی پہنچا اور ناصح مشفق بن کر آدم علیہ السلام کے دل میں خطرہ ڈال دیا اور کہنے لگا کہ اے آدم! یہ تو تم پر بڑی مہربانی ہوئی مگر تمہاری حیات اور یہاں بادشاہانہ طور پر سدا رہنے کا کوئی بھی انتظام نہیں ہوا اس تمہید کے بعد کہا لو میں تمہیں اس باغ میں ایک ایسا پیڑ بتلاتا ہوں کہ جس کے کھانے سے ہمیشہ جیتے رہو اور بے زوال سلطنت تمہیں ملے۔ اس کا نام شجرۃ الخلد ہے۔ تمہارے خدا نے اس لیے تم کو اس کے کھانے سے منع کیا ہے حالانکہ ہم نے آدم سے اول ہی

[1] تیری طرف نظر عنایت نہ رہی یعنی جس طرح تو نے دنیا میں آیات اللہ سے بے اعتنائی کی آج اسی طرح تم سے بھی بے اعتنائی کی گئی۔ الحاصل یہ کہ اس جہان میں تجھے بینائی عطا نہ کی کیونکہ دنیا میں بینائی دی تھی تو اس سے تو نے آیات قدرت کو نہ دیکھا تھا۔ ۱۲ منہ

[2] قبل طلوع الشمس سے مراد صبح کی نماز قبل غروبہا سے ظہر و عصر کی و من اٰنائی اللیل سے مغرب و عشاء و تہجد کی۔ و اطراف النہار عصر و صبح کی نماز مراد ہے بعض کہتے ہیں تسبیح سے گو نماز مراد ہوتی ہے مگر یہاں سبحان اللہ الحمد للہ یا سبحان اللہ بحمدہ کہنا ان اوقات میں مراد ہے۔ ۱۲ منہ

عہد لے لیا تھا مگر آدم اس کو بھول گئے اور اس کو کھا لیا۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اور ہم نے تمہارے دادا کی کوئی استقامت اور مضبوطی نہیں پائی۔ نہ تمہارے عہد کی حفاظت کی نہ قدیمی دشمن کو خیال کیا (اس میں بنی آدم کی کمزوری کی طرف اشارہ بلکہ تعریض ہے) پھر ان پر بھی باوجود اس مقبولیت کے نافرمانی کا لازمی نتیجہ پیش ہی آیا۔ کپڑے تن سے اتار دیے گئے، برہنگی ظاہر ہونے پر درختوں کے پتے بدن پر چمٹانے لگے اور آدم و حوا اور شیطان سب کے سب اس باغ سے نکال دیے گئے اور کہہ دیا گیا کہ ایک دوسرے کا دشمن رہے گا لیکن آدم علیہ السلام روئے اور توبہ کی خدا نے اس کی توبہ قبول کی اور بار دگر سرفرازی بخشی۔ جب باغ سے نکالے گئے تھے یا جب توبہ کی تھی تو آدم علیہ السلام سے ہم نے کہہ دیا تھا کہ دنیا میں تمہارے پاس یعنی تمہاری اولاد کے پاس ہدایت آیا کرے گی۔ رسول اور آسمانی کتابیں پھر جو اس ہدایت پر چلے گا تو وہ اس سیدھے رستے سے جو انسان کو دار الخلد تک پہنچاتا ہے نہ بہکے گا نہ خراب ہوگا۔ وَلَا يَشْقٰى یعنی شقاوت و بدبختی سے محفوظ رہے گا۔ شقاوت کی دو قسم ہیں ایک دنیاوی دوسری اخروی۔ ہدایت الٰہی کے طفیل ان دونوں سے محفوظ رہتا ہے اور جو اس ہدایت سے منہ پھیرے گا۔ اس کی دو سزائیں ہوں گی ایک دنیاوی فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (وقالت اصل الضیق والشدۃ وھو مصدر یوصف بہ فیقال منزل ضنک وعیش ضنک۔ کبیر) کہ اس کی زندگی تنگ ہوگی۔ عام مفسرین کے نزدیک زندگی سے دنیا کی تنگی مراد ہے کیونکہ کافر مال و جاہ پر حریص ہوتا ہے گو باعتبار قید حلال و حرام ہونے کے وہ جنت میں ہے جیسا کہ آیا ہے الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر مگر وہ کون ہے کہ جس کو تمام باتیں حسب دلخواہ حاصل ہو گئی ہوں۔ اس کی پریشانی میں کمی ہے اور مومن کی نظر دار آخرت پر ہوتی ہے اس کو کسی تکلیف میں تکلیف معلوم نہیں ہوتی۔ اور یوں بھی ہے کہ خدا کی ہدایت چھوڑنے سے دنیا میں بلائیں نازل ہوتی ہیں سینکڑوں قومیں ایسی ہیں کہ اسی سبب سے برباد ہو گئیں۔ جیسا کہ اسی کی تائید کے لیے اگلی آیت میں فرماتا ہے اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ کہ کیا ان کو اس بات سے بھی رہنمائی نہیں ہوتی کہ ان کفار قریش سے پہلے ہم کتنی قوموں کو نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں کہ جن کے اجڑے ہوئے مکانوں پر آج یہ چلتے پھرتے ہیں۔ عاد ثمود، بنی اسرائیل و قیاصرہ و شاہان بابل و شاہان مصر وغیرہ نے نافرمانی کی نافرمانی کر کے کوئی قوم اخیر تک سرسبز نہیں رہتی۔ بعض کہتے ہیں قبر کی تنگی' بعض کہتے ہیں آخرت کی تنگی' مراد ہے۔ دوسری یہ کہ اس کو قیامت میں اندھا کر کے اٹھاویں گے وہ کہے گا میں آنکھوں والا تھا آج اے رب! اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ جواب ملے گا تو بھی تو دنیا میں ہماری آیتوں سے اندھا ہو گیا تھا۔ آخرت میں اندھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ جسمانی تاریکی میں مبتلا ہوں گے نور روحانی نصیب نہ ہوگا پس اس سے ان کے لیے ظاہری آنکھیں ہونی اور ہیبت سے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ
بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ
لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي
الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ
اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

اور (اے نبی!) آپ ان چیزوں کی طرف نظر بھی نہ ڈالیے جو طرح طرح کے سامانِ زندگی و دنیا کی آرائش ہم نے ان کو اس لیے دے رکھے ہیں کہ اس میں ان کی آزمائش کریں اور تمہارے رب کا عطیہ بہتر اور دیر تک رہنے والا[1] ہے اور اپنے کنبے کو نماز کا حکم دیا کرو اور خود بھی اس پر قائم رہو۔ ہم تم سے کچھ رزق نہیں مانگتے۔ روزی تو ہم تمہیں دیتے ہیں اور عاقبت (بخیر تو) پرہیزگاروں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تو اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لاتا۔ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کی شہادت نہیں پہنچی۔ اور اگر ہم اس سے پہلے ہی ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ضرور کہتے کہ اے رب! تو نے کیوں ہمارے پاس اپنا کوئی رسول نہیں بھیجا کہ ہم رسوا اور ذلیل ہونے سے پہلے ہی تیری آیتوں پر چلتے ان سے کہہ دو کہ ہر ایک انتظار کر رہا ہے سو تم بھی انتظار کرو۔ پھر (خود) معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے رستہ پر کون (اور للطراوہ الا کون ہے) اور ہدایت پانے والا کون (اور گمراہ کون ہے)۔

تفسیر : اوپر دیکھنے میں کچھ منافات نہیں پہلی قوموں کی ہلاکت بیان فرما کر یہ بات فرماتا ہے کہ اگر نوشتۂ ازلی (کہ چند روز ہم ان کو دنیا میں رکھیں گے) مانع نہ آتا تو ان لوگوں پر یہی عذاب دنیا ہی میں آ چکتا اس پر بھی اے نبی! جو ہدایت پر نہیں آتے اور ستاتے ہیں تو صبر کرو اپنے لیے دارِ آخرت کی تیاری کرو تا کہ تو وہاں خوش وقت رہو فقال فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ الخ تسبیح سے مراد اکثر علماء کے نزدیک نماز پنجگانہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد نماز فجر ہے اور قَبْلَ غُرُوْبِهَا سے ظہر و عصر وَمِنْ اٰنَآءِ الَّيْلِ سے مغرب و عشاء۔ اور قولہ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ دونوں نمازوں کے لیے جو دن کے اول و آخر ہوتی ہیں یعنی فجر و مغرب تاکید کا جملہ ہے جیسا کہ الصلوٰۃ الوسطیٰ عصر کے لیے گرچہ دن کی دو طرف ہوتی ہیں مگر ہر دن کے لحاظ سے اطراف جمع کا صیغہ لایا بعض کہتے ہیں اوقات مذکورہ میں جو تقرب کے اوقات ہیں انسان کو مشاغلِ دنیا و یہ سے غفلت ہو جاتی ہے عموماً اس کی تسبیح و تقدیس کرو سے ہے جو نماز کو بھی شامل ہے۔

فائدہ: (۱) فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آدم علیہ السلام کا گناہ سہواً تھا وقت پر ممانعت یاد نہ رہی لیکن اضاعۃ حق اس لیے عتاب ہوا۔

(۲) آدمی کی جبلی عادت ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کے کمالات پر نازاں ہوا کرتا ہے اور بسا اوقات اسی پر تکیہ کر لیتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ہمیں کیا غم ہے اس لیے آدم کے قصہ میں متنبہ کر دیا کہ اس پر نازاں نہ ہونا خود تمہارے بزرگ سے نافرمانی پر کیا ہوا باوجودیکہ مجبود ملائکہ تھے اور پھر کس خواری سے نکالے گئے بجز توبہ کے ان کو چارہ نہ ہوا۔ یہ ہے وعید شدید۔

والاتمدن الخ المد دراز کردن' کشیدن۔ اور مراد رغبت اور حسرت کے ساتھ نگاہ کرنا۔ دارِ آخرت کے توشہ کی تعلیم کر کے جو نماز و عبادت ہے دنیا کے وہ اسباب و آرائش و تجمل جو کفار اور دولت مندوں کو دیے گئے ہیں۔ مکان اور عمدہ لباس عمدہ عورتیں اور سواریاں اور دیگر چیزیں ان کی طرف رغبت کی نگاہ سے منع کرتا ہے کیونکہ یہ چیزیں ان کے لیے فتنہ ہیں ان میں ان کی خدا تعالیٰ آزمائش کرتا ہے۔ سو وہ ان میں ایسے مصروف ہوتے ہیں کہ دارِ آخرت اور اس کے توشہ کا ان کے دل میں خیال بھی پیدا نہیں ہوتا جب اس جہاں سے جاتے ہیں تو حالانکہ

[1] یعنی عطیۂ آخرت ان دنیاوی سامانوں اور آرائشوں سے بہتر ہے اس لیے کہ اس کے مقابلہ میں یہ چیزیں بے حقیقت ہیں اور باقی بھی ہے کس لیے کہ یہ روزہ و وداعی ہے۔ ۱۲ منہ

جاتے ہیں اور ادھر اس تجمل کے چھوڑتے وقت ان کی روح پر صدمۂ عظیم ہوتا ہے۔ ع چشمش نگراں ست کہ ملکش بارگراں ست۔ اس چند روزہ عیش کے مقابلہ میں وہ عذاب دائمی بڑا فتنہ ہے اور نیز اس دولت کی وجہ سے ظلم و ستم طرح طرح کے گناہوں میں بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں یہ سب بچ تھا مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے اوروں کو سنایا جاتا ہے کہ اس طرف نظر بھیر کر بھی نہ دیکھنا۔ حرص و رغبت تو دوسری چیز ہے اس لیے کہ تمہارے درجات آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ ایسے عارف تارک الدنیا کے متعلقین غالباً نان و نفقہ اور دنیاوی سامان سے خالی رہا کرتے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ ان کے دل پر دوسروں کے ساز و سامان دیکھ کر کچھ حسرت بھی پیدا ہوتی ہو اس لیے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ کہ ان کو توشۂ آخرت نماز کی تاکید کرو اور خود بھی اس پر جمے رہو آپ کو ہم رزق دینے کا حکم نہیں دیتے کیونکہ روزی ہم دیتے ہیں اور عاقبت کی بہتری پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے اس لیے پرہیزگاری میں کوشش کرو۔ وَقَالُوْا لَوْلَا ایسی باتوں کو سن کر کفار کہتے تھے کہ ہم کو کوئی بڑا معجزہ کیوں نہیں دکھاتے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے جو کچھ معجزے یا نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شواہد پہلے کتابوں میں ہیں کچھ کم ہیں؟ پھر فرماتا ہے ہم چاہتے تو بغیر رسول بھیجے ان کے گناہوں پر انہیں ہلاک کر دیتے مگر وہ عذر کرتے کہ رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم اس کو مانتے۔ پھر فرماتا ہے ان سے کہو ذرا انتظار کرو مرنے کے بعد تم کو آپ معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے رستہ پر کون ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۱﴾ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ
مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۲﴾ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۛ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ۡ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۳﴾ قٰلَ
رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۴﴾ بَلْ قَالُوْٓا
اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ
الْاَوَّلُوْنَ ﴿۵﴾ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾
وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷﴾ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا
كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿۸﴾ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا
الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۹﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾

لوگوں کا حساب تو قریب آلگا اور وہ ہیں کہ غفلت میں پڑے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ ان کے رب کے پاس سے سمجھانے کے لیے کوئی نئی ایسی بات ان کے پاس نہیں آتی کہ جس کو سن کر ہنسی میں نہ ڈال دیتے ہوں ان کے دل کھیل میں لگے ہوئے ہیں اور ظالم پوشیدہ سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ (محمد ﷺ) ہے کیا مگر تمہارے ہی جیسا کہ ایک شخص تو پھر کیا تم دیدہ دانستہ جادو کی باتیں سنتے جایا کرتے ہو۔ رسول نے کہہ دیا کہ میرا رب آسمان اور زمین کی سب باتیں جانتا ہے اور وہ (سب کچھ) سنتا (سب کچھ) جانتا ہے (پھر سرگوشیاں کیا چیز ہیں) بلکہ ان ظالموں نے (یہی) کہہ دیا کہ یہ قرآن خیالات پریشان ہیں بلکہ اس نے جھوٹ باندھا ہے بلکہ وہ شاعر ہے پھر جس طرح کہ پہلے رسول (معجزوں کے ساتھ) بھیجے گئے ہیں اسی طرح یہ بھی ہمارے پاس کوئی معجزہ لے آئے۔ ان سے پہلے جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا تھا وہ بھی تو ایمان نہ لائے تھے پھر کیا یہ ایمان لے آئیں گے اور اے محمد (ﷺ)! تم سے پہلے بھی تو ہم نے آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا (یہی قضا) کہ ان کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ دیکھو اور ہم نے ان کے ایسے بدن بھی نہ بنائے تھے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے پھر ہم نے ان سے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا تب ان کو اور جس کو چاہا نجات دی اور جو حد سے بڑھ گئے تھے ان کو ہلاک کر دیا ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے کہ جس میں تمہاری نصیحت ہے پھر کیا تم کو (اتنی بھی) عقل نہیں۔

ترکیب: وھم مبتداء و معرضون خبر وفی غفلہ ضمیر معرضون سے حال ہے ای اعرضوا غافلین اور ممکن ہے کہ خبر ثانی ہو۔ لاھیۃ قلوبھم حال ہے ضمیر یلعبون سے اور یہ دونوں حال مترادف یا متداخل ہیں اور جس نے لاھیۃ کو مرفوع پڑھا ہے تب ایک ہی حال ہے کس لیے کہ یہ خبر بعد خبر ہے ھل ھذا جملہ محل نصب میں ہے النجوی سے بدل کرای واسروا بعد الحدیث۔ قال بصیغہ ماضی رسول کا قول ہوگا نزو وکسائی وحفص کی قرأت کے بموجب اور دیگر قراء نے قل بصیغہ امر پڑھا ہے۔

تفسیر: یہ سورہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بیشتر توحید و نبوت اور عالم آخرت کا ثبوت اور انبیاء علیہم السلام کے عبرت انگیز تذکرے اور ان کی نافرمان امتوں کا انجام بد اور انسان کا بارگاہ الٰہی میں حساب دینے کے لیے حاضر ہونا بیان ہے پس فرماتا ہے اقترب الخ کہ انسان کے حساب کا وقت تو قریب آلگا اور وہ غفلت میں ہی پڑا ہوا خدا کے فرستادوں سے منہ موڑ رہا ہے اور جو کوئی نئی بات وعظ و پند کی ان کے کانوں میں پڑتی ہے تو اس کی طرف کھیل کود میں توجہ بھی نہیں کرتے۔

حسابھم مفسرین کہتے ہیں کہ حساب سے مراد قیامت کے دن کا حساب ہے اور گو وہ ابھی صدہا ہزارہا سال بعد آئے گا مگر آئندہ آنے والی چیز تو گھڑی گھڑی قریب ہی ہوتی جاتی ہے کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎ ماالقرب ماھوآت۔ وماالبعد ماھوفات۔ آنیوالی چیز بہت قریب ہے۔ اور جانے والی چیز بہت دور ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ حساب کا وقت کچھ قیامت ہی پر موقوف نہیں بلکہ موت کے بعد بھی انسان اپنے خدا کے روبرو جاتا اور اس کو قبر میں اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے سو یہ بھی ایک قسم کا حساب ہے پس اس وقت کے قریب ہونے میں تو کسی کو بھی کلام نہیں یعنی انسان غفلت کی نیند میں سوتا ہے کہ موت آلیتی ہے اَسَرُّوا النَّجْوٰی یہ جملہ مستانفہ ہے ان کی عادات رذیلہ کے بیان میں ان کے اعراض اور کھیل اور کود کے ثبوت میں۔ النجوٰی اسم ہے المناجاۃ سے جس کے معنی سرگوشی کرنا پھر اس کے مخفی کرنے کے یہ معنی کہ ان باتوں کو جن کا ذکر اگلے جملہ میں آتا ہے نہایت مخفی طور پر باہم کہتے تھے۔ انسان جس بات کو اہم سمجھتا ہے اس کی بابت مخفی طور پر مشورہ کیا کرتا ہے اور وہ باتیں یہ ہیں۔ (۱) ھَلْ ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہ یہ رسول تو تمہارے جیسا آدمی ہے جس طرح ہم کھاتے پیتے سوتے جاگتے ہیں ایسا ہی یہ بھی ہے۔ پھر یہ رسول کیسا جو خدا کی باتیں خاص اس کے پاس آتی ہیں ہمارے پاس نہیں؟ ان کے خیال میں رسول بشریت کے جامہ سے باہر اور ملکیت کے لباس میں ہونا چاہیے تھا جو کھانے پینے سے پاک ہو اور ہمیشہ جیتا رہے جس کے رد میں آگے ارشاد ہوتا ہے۔ (۲) اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ قرآن مجید کو اس کے اعجاز کی وجہ سے مکہ کے کافر جادو کہتے تھے۔ پھر اس کی نسبت ایک دوسرے کو کہتا تھا کہ تم قرآن پر نہ چلو جان

بوجھ کر کیوں جادو پر چلتے ہو؟ یہ بات ان کے دل میں نہ تھی دل میں تو حق جانتے تھے مگر لوگوں کے گمراہ کرنے کو سحر اور جادو کہتے تھے قَالَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ یہ ان کے مخفی کہنے کے جواب میں ہے کہ رسول نے ان کا مخفی راز ان سے کہہ دیا یا رسول کو حکم دیتا ہے کہ ان سے کہہ دو تم ہزار چھپاؤ میرا رب جو آسمان و زمین کی تمام باتیں جانتا ہے اور سننے والا جاننے والا ہے اس سے تمہارا یہ مخفی مشورہ کب مخفی رہ سکتا ہے؟ القول صاحب کشاف کہتے ہیں لفظ قول عام ہے شامل ہے سر و جہر کو تاکید کے لیے یعلم السر کی جگہ یعلم القول کہا۔

(۳) بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ کفار مکہ کو قرآن کے جادو کہنے میں بھی استقلال نہ تھا جیسا کہ بے تک کوئی کسی میں عیب لگایا کرتا ہے تو وہ اسی طرح مختلف باتیں کہا کرتا ہے یعنی جادو پھر بھی ایک نادر چیز ہے۔ یہ تو ایسا بھی نہیں بلکہ پریشان خیالات ہیں کہ جن کو از خود محمد (ﷺ) نے بنا کر ذرا اچھی اور چست عبارت میں جمع کر لیا ہے کیونکہ وہ شاعر ہے۔ (۴) فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ الخ پہلے نبیوں کی طرح کوئی بڑا بھاری معجزہ کیوں نہیں دکھاتا کوئی نشانی نہیں لاتا؟ یہ ان کے تین شبہ تھے جن کی تقلید میں آج کل کے عیسائی اور متعصب ہنود بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ یہ ان کی تیسری بات کا جواب ہے جس کو وہ بار بار منہ پر لاتے اور رسول علیہ السلام کے سامنے پیش کیا کرتے تھے کہ ان سے پہلے جس قدر بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ہے انہوں نے اپنے رسول سے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئیں گے مگر جب ان کو معجزہ بھی دکھایا تب بھی ایمان نہ لائے پھر یہ جو معجزہ کی درخواست کرتے ہیں کیا ایمان لے آئیں گے؟ اس لیے ان کی خواہش کے بموجب معجزہ نہیں دکھایا جاتا کیونکہ ایک وقت مقرر تک ان کا ہلاک کرنا ہم کو منظور نہیں وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ یہ ان کے پہلے شبہ کا جواب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر ہم نے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ بھی تو آدمی ہی تھے کہ جن کی طرف وحی کی گئی تھی فرشتہ نہ تھے اگر تم کو معلوم نہ ہو تو فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اہل کتاب سے پوچھ دیکھو کہ جن کے تم اے اہل مکہ اکثر باتوں میں معتقد ہو اور ان سے پوچھ پوچھ کر اعتراضات کیا کرتے ہو وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ اور ان انبیاء کو ہم نے ایسے بدن عطا نہ کیے تھے کہ جو کھانے کے محتاج نہ ہوں اور ہمیشہ باقی رہیں بلکہ وہ کھاتے پیتے تھے آخر دنیا سے اٹھ گئے، موت سے نہ بچے۔

ہاں وہ ہمارے رسول تھے انہوں نے اپنی نافرمان اور سرکش قوموں کی ہلاکت کے لیے جو کچھ وعدے کیے تھے ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ ان کو ہم نے پورا کر دیا۔ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ رسولوں اور ان کے پیروؤں کو بچا لیا اور بدکاروں کو حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم افلا تعقلون یہ ان کی دوسری بات کا جواب ہے کہ قرآن کو جو ہم نے تمہارے پاس بھیجا ہے اس میں غور کرو کہ تمہارے لیے اس میں کس قدر وعظ و نصیحت ہدایت و سعادت ہے۔ پھر اس کو سحر اور کیا کیا کہتے ہو اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم کو عقل نہیں؟

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪
فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ
اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭

ل ارکض القرار والہرب واصلہ من رکض الرجل الدابۃ ومنہا رکض برجلک والمعنی انہم عربوا واکثیین دوا بہم الترف النعمۃ یقال امترف فلان وہو مترف ای وسع علیہ فی معاشہ ۱۲ منہ

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

اور (اے نبی!) آپ ان چیزوں کی طرف نظر بھی نہ ڈالیے جو طرح طرح کے سامانِ زندگی دنیا کی آرائش ہم نے ان کو اس لیے دے رکھے ہیں کہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں اور تمہارے رب کا عطیہ بہتر اور دیرتک رہنے والا[1] ہے اور اپنے کنبے کو نماز کا حکم دیا کرو اور خود بھی اس پر قائم رہو۔ ہم تم سے کچھ رزق نہیں مانگتے۔ روزی تو ہم تمہیں دیتے ہیں اور عاقبت (بخیر تو) پرہیزگاروں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تو اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتا۔ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کی شہادت نہیں پہنچی۔ اور اگر ہم اس سے پہلے ہی ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ضرور کہتے کہ اے رب! تو نے کس لیے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول نہیں بھیجا کہ ہم رسوا اور ذلیل ہونے سے پہلے ہی تیری آیتوں پر چلتے ان سے کہہ دو کہ ہر ایک انتظار کر رہا ہے سو تم بھی انتظار کرو۔ پھر (تم کو) خود معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے رستہ پر کون (اور غلط راہ والا کون ہے) اور ہدایت پانے والا کون (اور گمراہ کون ہے)۔

تفسیر : اوپر دیکھنے میں کچھ منافات نہیں پہلی قوموں کی ہلاکت بیان فرما کر یہ بات فرماتا ہے کہ اگر نوشتۂ ازلی (کہ چند روز ہم ان کو دنیا میں رکھیں گے) مانع نہ آتا تو ان لوگوں پر بھی عذاب دنیا ہی میں آ چکتا اس پر بھی اے نبی! جو ہدایت پر نہیں آتے اور ستاتے ہیں تو صبر کرو اور اپنے لیے دارِ آخرت کی تیاری کرو تا کہ تو وہاں خوش وقت رہو فقال فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ الخ تسبیح سے مراد اکثر علماء کے نزدیک نماز پنجگانہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد نماز فجر ہے اور قَبْلَ غُرُوْبِهَا سے ظہر و عصر وَمِنْ اٰنَاۗءِ الَّيْلِ سے مغرب و عشاء۔ اور قولہ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ دونوں نمازوں کے لیے جو دن کے اول و آخر ہوتی ہیں یعنی فجر و مغرب تاکید کا جملہ ہے جیسا کہ الصلوٰۃ الوسطیٰ عصر کے لیے گرچہ دن کی دو طرف ہوتی ہیں مگر ہر دن کے لحاظ سے اطراف جمع کا صیغہ آیا بعض کہتے ہیں اوقات مذکورہ میں جو تقرب کے اوقات ہیں انسان کو مشاغلِ دنیا و یہ سے غفلت ہو جاتی ہے عموماً اس کی تسبیح و تقدیس کرنا مراد ہے جو نماز کو بھی شامل ہے۔

فائدہ: (۱) فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آدم علیہ السلام کا گناہ سہواً تھا وقت پر ممانعت یاد نہ رہی لیکن احتیاط نہ کی اس لیے عتاب ہوا۔

(۲) آدمی کی جبلی عادت ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کے کمالات پر نازاں ہوا کرتا ہے اور بسا اوقات اسی پر تکیہ کر لیتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ہمیں کیا غم ہے اس لیے آدم کے قصہ میں متنبہ کر دیا کہ اس پر نازاں نہ ہونا خود تمہارے بزرگ سے نافرمانی پر کیا سلوک ہوا باوجودیکہ مسجود ملائکہ تھے اور پھر کس خواری سے نکالے گئے۔ بجز توبہ کے ان کو چارہ نہ ہوا۔ یہ ہے وعید شدید۔

ولاتمدن الخ المد دراز کردن، کشیدن۔ اور مراد رغبت اور حسرت کے ساتھ نگاہ کرنا۔ دارِ آخرت کے توشہ کی تعلیم کر کے جو نماز و عبادت ہے دنیا کے وہ اسباب و آرائش و تجمل جو کفار اور دولت مندوں کو دیے گئے ہیں۔ مکان اور عمدہ لباس عمدہ عورتیں اور سواریاں اور دیگر چیزیں ان کی طرف رغبت کی نگاہ سے منع کرتا ہے کیونکہ یہ چیزیں ان کے لیے فتنہ ہیں ان میں ان کی خدا تعالیٰ آزمائش کرتا ہے۔ سو وہ ان میں ایسے مصروف ہوتے ہیں کہ دارِ آخرت اور اس کے توشہ کا ان کے دل میں خیال بھی پیدا نہیں ہوتا جب اس جہاں سے جاتے ہیں تو خالی ہاتھ

[1] یعنی عطیۂ آخرت ان دنیاوی سامانوں اور آرائشوں سے بہتر ہے اس لیے کہ اس کے مقابلہ میں یہ چیزیں بے حقیقت ہیں اور باقی بھی ہے کس لیے کہ یہ چند روزہ و دائمی ہے۔ ۱۲ منہ

جاتے ہیں اور ادھر اس تجمل کے چھوڑتے وقت ان کی روح پر صدمۂ عظیم ہوتا ہے۔ ع چشمش مگراں ست کہ ملکش بارگراں ست۔ اس چند روزہ عیش کے مقابلہ میں وہ عذاب دائمی بڑا فتنہ ہے اور نیز اس دولت کی وجہ سے ظلم و ستم طرح طرح کے گناہوں میں بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں یہ سب ہیچ تھا مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے اوروں کو سنایا جاتا ہے کہ اس طرف نظر پھر کر بھی نہ دیکھنا۔ حرص و رغبت تو دوسری چیز ہے اس لیے کہ تمہارے درجاتِ آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ ایسے عارف تارک الدنیا کے متعلقین غالباً نان و نفقہ اور دنیاوی سامان سے خالی رہا کرتے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ ان کے دل پر دوسروں کے ساز و سامان دیکھ کر کچھ حسرت بھی پیدا ہوتی ہو اس لیے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ کہ ان کو توشۂ آخرت نماز کی تاکید کرو اور خود بھی اس پر جمے رہو آپ کو ہم رزق دینے کا حکم نہیں دیتے کیونکہ روزی ہم دیتے ہیں اور عاقبت کی بہتری پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے اس لیے پرہیزگاری میں کوشش کرو۔ وَقَالُوْا لَوْلَا ایسی باتوں کو سن کر کفار کہتے تھے کہ ہم کو کوئی بڑا معجزہ کیوں نہیں دکھاتے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے جو کچھ معجزے یا نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شواہد پہلے کتابوں میں ہیں کچھ کم ہیں؟ پھر فرماتا ہے ہم چاہتے تو بغیر رسول بھیجے ان کے گناہوں پر انہیں ہلاک کر دیتے مگر وہ عذر کرتے کہ رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم اس کو مانتے۔ پھر فرماتا ہے ان سے کہو ذرا انتظار کرو مرنے کے بعد تم کو آپ معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے رستہ پر کون ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۱﴾ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ
مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۲﴾ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۣ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ۡ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۳﴾ قٰلَ
رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۴﴾ بَلْ قَالُوْٓا
اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ
الْاَوَّلُوْنَ ﴿۵﴾ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾
وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔـلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷﴾ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا
كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿۸﴾ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاۗءُ وَاَهْلَكْنَا
الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۹﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾

الجزء الثامن عشر (۱۸)

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا
السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ
مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ
فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا
يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا
اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ
لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا
يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو جہاں کے لوگ ظالم تھے غارت کر دیا ہے اور ان کے بعد ہم نے اور قومیں پیدا کیں پھر جب ان ہلاک ہونے والوں نے عذاب کی آہٹ پائی تو فوراً وہاں سے بھاگنے لگے (کہا گیا) مت بھاگو اور ان نعمتوں کی طرف لوٹ جاؤ جن کے تم مزے اڑایا کرتے تھے اور اپنے مکانوں کی طرف بھی واپس جاؤ تاکہ تم سے پوچھا جائے وہ کہنے لگے واحسرتاہ ہم ہی ظالم تھے۔ پھر وہ ہمیشہ یہی پکارا کیے یہاں تک کہ ہم نے ان کو کاٹ کر کھلیان کر دیا جو بجھے پڑے تھے اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کو کھیلنے کے لیے نہیں بنایا ہے۔ اگر ہم کھیل ہی بنانا چاہتے تو اپنے پاس کی چیزوں[۲] کو بناتے اگر ہم کوئی کرنا تھا بلکہ حق کو باطل پر (پتھر کی طرح) پھینک مارتے ہیں پس حق باطل کا سر توڑ دیتا ہے پھر وہ باطل تر مٹ جاتا ہے اور تم پر پھٹکار ہے تمہاری باتیں بنانے سے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا تو ہے اور جو لوگ اس کے حضور میں ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ سرتابی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ رات دن تسبیح کیا کرتے ہیں سستی نہیں کرتے۔ کیا انہوں نے زمین کی چیزوں سے ایسے معبود بنا رکھے ہیں کہ جن کو وہ خود بنا کر کھڑا کرتے ہیں اور اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ (کبھی کے) خراب ہو چکے ہوتے جو جو یہ لوگ اس کی نسبت بیان کیا کرتے ہیں اللہ عرش کا مالک ان سب سے پاک ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جاتا بلکہ وہ خود پوچھے جاتے ہیں۔

ترکیب: وَكَمْ قَصَمْنَا صاحب کشاف کہتے ہیں قصم اس طرح سے توڑنے کو کہتے ہیں کہ ایک ایک ٹکڑا جدا ہو جائے بخلاف قصم اور کسر

۲ کہ تم پر کیا گزری اور تمہارے وہ ساز و سامان کیا ہوئے جن مکانوں پر فخر کیا کرتے تھے کہاں گئے۔ یہ کلام ان سے بطور تمسخر کے کسی ہاتف نے کہا تھا۔ ۱۲ منہ

۳ یعنی کھیلنے کے لیے عالم غیب کی چیزیں فرشتے اور بہشت کی مخلوق اور روحانیات کیا کم تھے عالم غیب کی چیزوں کو اپنے پاس کی چیزیں اس لیے کہا کہ عالم محسوس کی بہ نسبت عالم ملکوت تو اس سے قریب ہے۔ عرب کے بعض قبائل اولاد اور بیوی کو لہو کہا کرتے ہیں اس لیے کہ دراصل انسان کے کھیلنے دل خوش کرنے کی یہی چیزیں ہیں۔ اس تقدیر پر یہ مطلب کہ کھیلنا ہی ہوتا تو اپنے پاس کے لوگوں کو بیوی بیٹا بنا کر نہ کھیلتے اس میں ان لوگوں پر تعریض ہے جو مخلوق کو اس کی ذاتی یا بیٹا کہتے ہیں۔ ۱۲ حقانی

کے۔ قریہ سے مراد وہاں کے سکان بحذف مضاف۔ کم خبریہ تکثیر کے لیے محل نصب میں قصمنا کی وجہ سے من قریۃ تمیز کانت ظالمۃ محل جر میں قریہ کی صفت ہو کر بحذف مضاف۔ اذا مفاجات کے لیے ھم مبتدا، یرکضون خبر اذا اس کا ظرف تلک دعواھم تلک موضع رفع میں اسم زالت و دعوھم خبر و یجوز العکس۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا ہم نے مسرفین کو ہلاک کر دیا۔ اب پھر اس کی تشریح فرماتا ہے کہ وہ مسرفین کون تھے اور ان کے کیا عادات تھے اور کس طرح سے ہلاک ہوئے؟ تاکہ ان مشرکین کو معلوم ہو کہ وہ ہمارے ہی جیسے کافر اور بدکار تھے اب ہم کو بھی عذاب الٰہی سے ڈرنا چاہیے۔ پس فرماتا ہے وکم قصمنا کہ ہم نے بہت سے شہروں کو ہلاک و برباد یا غارت کر دیا ہے جن کے رہنے والے ظالم و بدکار تھے اور ان کی جگہ اور نئی قومیں آباد کر دیں اور نئے لوگ پیدا کر دیے۔ پھر جب ان غارت ہونے والے لوگوں کو ہمارا عذاب آتا ہوا دکھائی دیتا ہے جیسا کہ انبیاء نے ان کو خبر دی تھی (یہ مُّحَمَّدٌ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ کی تفسیر ہے، تو اس عذاب سے بھاگنے لگے۔ رکض ایڑ مارنا و منہ قولہ تعالیٰ ارکض برجلک پس جب ان کو عذاب الٰہی کے آثار نمودار ہوتے دکھائی دیے تو اپنی سواریوں پر سوار ہو کر ان کو ایڑ مار کر اپنے شہر و دیار چھوڑ چھوڑ بھاگنے لگے یا رکض کے ساتھ ان کا جلدی بھاگنا سرعت کی وجہ سے تعبیر کیا گیا۔ لاتر کضوا فرشتہ یا ہاتف غیب نے یا ان کے حال موجودہ نے ان سے کہا کہ مت بھاگو اور تم کو جو کچھ خدا نے نعمتیں اور عمدہ مکانات اور باغ اور مال و زر اور محبوب زن و فرزند دے رکھے تھے لوٹ کر وہیں جاؤ شاید تم سے سوال کیا جائے کہ تم پر کیا گزری یعنی بھاگنا سودمند نہ ہوگا اور ان کے مکانات اور نعماء کی طرف لوٹ کر جانے کا حکم دینے میں گویا ان پر تعریض ہے کہ آج یہ سب چیزیں تم سے چھینی جاتی ہیں تم نے ان کی شکرگزاری نہ کی تھی اب انہیں کو دیکھ دیکھ حسرت کے ساتھ جان دو اور ان کو بھی اپنے روبرو برباد ہوتے دیکھو اور ان سے سوال ہونے سے یہ مراد کہ تمہارے اموال و مکانات کے ساتھ ہلاک ہونے سے کل آئندہ آنے والے لوگ سوال کریں گے کہ یہ کون لوگ تھے اور کیونکر ہلاک ہوئے؟ یا یہ معنی کہ جاؤ تمہارے نوکر چاکر ماتحت لوگ تم سے پوچھ پوچھ کر کام کریں گے جیسا کہ تمہاری بحالی کے وقت میں کیا کرتے تھے یعنی کہاں بھاگ کر جاتے ہو وہیں جاؤ ناجائز ویسی ہی حکومت چلاؤ۔ پھر فرماتا ہے فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ کہ وہ ہلاک ہوتے ہوتے تک یوں ہی پکارا کیے يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ کہ اے افسوس! اے خرابی! بے شک ہم ستمگار تھے۔ مگر اس وقت ان کا کہنا کیا فائدہ دیتا تھا آخریوں ہی پکارتے پکارتے نیست و نابود ہو گئے۔ دعویٰ مصدر بمعنی الدعوۃ پکارنا جیسا کہ اہل جنت کی شان میں آیا ہے وَآخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ حصید کٹی ہوئی کھیتی بمعنی المحصود۔ الخمود بجھنا آگ کا یعنی ان کو ہم نے ایسا کر دیا جیسی کھیتی کٹی ہوئی پڑی ہوتی ہے اور اس طرح بجھا دیا جس طرح آگ بجھ جاتی ہے مراد یہ کہ ہلاک و برباد کر دیا۔

ان گاؤں کی نسبت کہ جن کا ان آیات میں ذکر ہے مفسرین کا اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ حضور اور حول یمن میں دو شہر تھے جہاں عمدہ کپڑا بنتا تھا، وہ مراد ہیں۔ کوئی کہتا ہے شام کے ملک میں سدوم وغیرہ قوم لوط کی بستیاں مراد ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ شام و یمن پر کیا موقوف ہے تاریخ کھول کر دیکھیے گا تو ہر ملک میں آپ کو ایسے بہت سے اجاڑ شہر ملیں گے کہ جو زلزلہ یا آسمانی پتھروں یا طغیانی دریا یا وبا یا قتل یا پہاڑ کے آتشی مادہ سے یا کسی اور آفت الٰہی سے جو معمولی آفتوں کے علاوہ ہے برباد ہوئے ہیں اور اب ان قوموں کا نام و نشان بھی نہیں ان کی جگہ اور قومیں آباد ہیں فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ الخ مشرکین بلکہ اور بہت سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ انسان اور دیگر چیزیں آپ ہی پیدا ہوتی ہیں اور آپ ہی مٹ جاتی ہیں۔ خدا کو انسان کے نیک و بد سے کیا غرض اور رسولوں کے بھیجنے سے کیا مطلب؟ پھر جو کوئی قوم یا شہر برباد ہوا ہوتا ہے اس میں ان کے گناہ و ثواب کو کیا دخل۔ یہ سب اسباب ارضی و سماوی سے ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ آسمان اور زمین اور اندر کی

کائنات ازخود تو پیدا ہو ہی نہیں گئی بہر طور کوئی اس کی علت وسبب نکالو گے پھر اس میں کلام ہوگا انجام کار خدا کا قائل ہونا پڑے گا پھر جب ان کے ہم خالق ہیں تو باوجود اس علم وحکمت کے ہم نے ان چیزوں کو عبث اور بیکار تو پیدا کیا ہی نہیں بلکہ ہر ایک سے ایک غایت مطلوب ہے پھر جن چیزوں کو فی الجملہ اس غایت اور کمال حاصل کرنے میں اختیار بھی دیا گیا ہے اور وہ اس کو حاصل نہ کریں گے (جیسا کہ خلقت انسان سے مقصود اس کی معرفت وعبادت ودیگر مصالح ہیں) تو نکمے ہوں گے جیسا کہ میوے دار درخت کی نکمی شاخ جس کا کاٹنا ضروری ہوتا ہے تاکہ اس کی جگہ اور شاخ پھوٹے (وَاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ) رہے اسباب ارضی وسماوی وہ سب بھی ہمارے ہی ہاتھ میں ہیں۔ اسباب کا پیدا کرنا بربادی اور ہلاکت کے لیے یا سعادت کے لیے ہمارا ہی کام ہے اور اگر ہم کو دنیا کے پیدا کرنے سے کھیل اور تماشا ہی منظور ہوتا تو لاتخذناہ من لدنا ای من عندنا اپنے ہاں سے یعنی مجردات اور نورانی چیزیں جو ہمارے اسرار ربوبیت کا نمونہ ہیں کیا کم تھیں؟ بلکہ انبیاء ورسل بھیجنے سے ہمارا مقصود تو ہمات باطلہ کا مٹانا اور حق کا جتلانا ہے۔ اس مضمون کو کس خوبی سے ادا کیا ہے باطل کو مٹی کے خام برتن سے تشبیہ دی اور حق کو سخت پتھر سے کہ جب اس کو اس برتن پر پھینک ماریں تو فوراً ٹوٹ پھوٹ جائے اس لیے فرماتا ہے کہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں کہ جس سے وہ باطل مٹ جاتا ہے۔

اور اے کفار وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ تم جو یہ برے بیان کرتے ہو اس سے تمہارے لیے خرابی ہے یا یہ جملہ انشائیہ بصورت جملہ خبریہ ہے کہ تمہاری ان باتوں پر پھٹکار منجملہ ان کے برے بیانوں کے ایک یہ بھی تھا کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اب اس کا ابطال فرماتا ہے وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اللہ کی ملک ہے پھر اس کو بیٹے کی کیا حاجت؟ اور جو بیٹا ہے پھر اس نے کیا پیدا کیا ہے چیزیں تو خدا کی پیدا ہوئی ہیں؟ ومن عندہ اور اس کے پاس رہتے ہیں یعنی ملائکہ وہ تو خیر رات دن اس کی عبادت کرتے ہیں' تھکتے نہیں نہ تکبر کرتے ہیں پھر وہ اس کی بیٹیاں کیونکر ہیں؟ ام اتخذوا الھۃ زمین کی چیزوں کو انہوں نے گویا خدا بنالیا ہے پھر کوئی پوچھے هُمْ يُنْشِرُوْنَ کیا وہ کسی کو زندہ کر سکتے ہیں؟ لو کان الخ اگر آسمان وزمین میں دو خدا ہوں تو آپس کے جھگڑے سے نہ آسمان رہے نہ زمین پس خدا عرش کا مالک جس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا کہ کیا کرتا ہے ان سب باتوں سے پاک ہے۔ اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ خود انہوں نے زمین کی چیزوں سے پتھر' پیتل' تانبے' سونے' چاندی کے آپ ہی بت بنا کر کھڑے کرتے اور پھر ان کو پوجتے ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ
مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝
وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ
بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ
يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي

ع ۲ ۱۹ ۳

الظّٰلِمِيْنَ ۝

کیا انہوں نے اس کے سوا اور بھی معبود بنا رکھے ہیں۔ کہہ دو اپنی دلیل تو پیش کرو۔ یہ میرے ساتھ والوں کا فہمائش کرنے والا (قرآن) موجود ہے اور مجھ سے پہلوں کے بھی فہمائش نامے ہیں (یعنی تورات وانجیل پر کسی میں بھی دو معبود نہیں) بلکہ اس میں سے اکثر تو حق جانتے ہی نہیں اس لیے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور (اے نبی!) تم سے پیشتر ہم نے ایسا کوئی بھی رسول نہیں بھیجا کہ جس کی طرف یہ وحی نہ کی ہو کہ بجز میرے اور کوئی معبود نہیں سو میری ہی عبادت کیا کرو اور وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے (فرشتوں کو) بیٹیاں بنالیا ہے وہ پاک ہے بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں۔ کلام کرنے میں اس سے پیش قدمی نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو کچھ کہ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ شفاعت بھی نہیں کرتے مگر اس کے لیے کہ جس سے وہ خوش ہو گیا ہو اور وہ اس کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو کوئی ان میں سے یہ کہے کہ اس کے سوا میں خدا ہوں تو اسی پر ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے۔ ظالموں کو ہم اسی طرح سے سزا دیا بھی کرتے ہیں۔

تفسیر: پھر تہدید وتوبیخ کے لیے اسی جملہ کو نقل فرماتا ہے اَمِ اتَّخَذُوْا الخ کہ کیا انہوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں؟ پھر اس بات کو دو طرح سے باطل کرتا ہے: (۱) قل ھاتوا برھانکم کہ اس پر کوئی سند یا دلیل پیش کرو اور جب سند نہیں تو محض وہم اور تو سمد خیال ہے۔ (۲) هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ کہ اچھا اگر تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل اس بات پر نہیں تو نقلی پیش کرو۔ نقلی دلیل کتاب الٰہی سے ہو تو مسلم ہے ورنہ نہیں اور کتاب الٰہی جو میرے ساتھ والوں کا یعنی میری امت کا ذکر یعنی فہمائش کرنے والی ہے وہ قرآن مجید ہے اور مجھ سے پہلے لوگوں کا ذکر تورات وانجیل وزبور وصحف انبیا بھی دنیا میں آچکے ہیں پھر کسی میں تو دکھاؤ کہ اور بھی خدا کے سوا معبود ہیں؟ سعید بن جبیر وقتادہ وسدی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ یہ ذکر من قبلی قرآن مجید کی صفت ہے کہ اس قرآن میں میری امت کا اور مجھ سے پہلے لوگوں کا ذکر ہے۔ اب اس سے بڑھ کر اور جامع کون سی کتاب ہوگی جو مانو گے؟ فرماتا ہے بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ کہ یہ جو اس سے اعراض کرتے ہیں اس سے کتاب الٰہی کا قصور نہ سمجھنا چاہیے بلکہ ان میں سے نادان اور جاہل ہیں' حق شناس نہیں ہیں اس لیے اعراض کرتے' منہ موڑتے ہیں۔ اس کتاب کا اور اگلی کتابوں کا تو حال انہیں معلوم ہو گیا۔ رہے بزرگان دین جو انبیا اور رسول ہیں، انہوں نے بھی کبھی دو خدا کی عبادت نہیں بیان کی بلکہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الخ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے پیشتر جس قدر انبیا ہم نے بھیجے ہیں سب کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کیا کرو۔ چنانچہ توریت موجودہ اور اناجیل موجودہ میں بھی یہ بات موجود ہے پھر مسیح کا خدا ہونا اور خدا کا بیٹا ہونا اسی طرح اور چیزوں یا بزرگوں کا خدائی میں شریک ہونا ان کو کہاں سے ثابت ہو گیا؟ عرب میں قبیلہ خزاعہ کے لوگ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے ان کے قول کو بھی رد فرماتا ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ الخ کہ وہ مشرکین کہتے ہیں کہ خدا نے اولاد جنائی ہے وہ ایسی باتوں سے پاک ہے اور وہ فرشتے کہ جن کو وہ خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اس کے بندے ہاں معزز بندے ہیں۔ مگر اس کے حکم کے ایسے مطیع ہیں کہ (۱) کلام بھی اس کی اجازت بغیر نہیں کرتے جب وہ کچھ فرما لیتا ہے تو بولتے جواب دیتے ہیں۔ (۲) وہ اس کے حکم کے پابند ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کا ظاہر وباطن معلوم ہے۔ یا یہ معنی کہ خدا تعالیٰ نے جو ان کو عزت دی ہے وہ ان کے ابتداء وانتہا سے خوب واقف ہے کہ وہ نافرمانی نہیں کرتے۔ یا یہ کہ وہ اس کی قدرت وعلم کے احاطہ میں ہیں پھر ان کی الوہیت کیسی۔ (۳) اور وہ سفارش بھی اسی کی کرتے ہیں کہ جس سے خدا کو راضی پاتے ہیں یعنی کلمہ گو کی اور (۴) وہ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو کوئی بالفرض ان میں سے خدائی کا قائل ہو بھی تو ہم اس کو جہنم میں ڈال دیں ہمارے زیر حکم ہیں پھر بیٹیاں ہونا اور رشتہ دار ہونا کیسا؟ اور ان پر کیا موقوف ہے ہم ہر ظالم کو ایسی ہی سزا دیا

کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور کیا منکروں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین باہم جڑے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے ہی ان کو جدا جدا کر دیا اور ہر جاندار کو پانی سے بنایا۔ تو پھر کیا (اس پر بھی ہم پر) ایمان نہیں لاتے اور زمین میں ہم نے ہی بوجھل پہاڑ رکھ دیے کہ ان کو لے کر ادھر اُدھر نہ جھکنے پائے اور اس میں ہم نے ہی کشادہ راستے بنا دیے تاکہ لوگ راہ پائیں اور ہم نے ہی آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا اور وہ ہیں کہ ہماری آسمانی نشانیوں سے منہ پھیرے لیتے ہیں اور وہی تو ہے کہ جس نے رات اور دن اور آفتاب اور چاند کو پیدا کیا جو ہر ایک (ایک ایک) آسمان میں تیرتا پھرتا ہے۔

ترکیب : کل شیءٍ مفعول جعلنا حی اس کی صفت من الماء لابتداء الغایت وبجوزان یکون صفۃ لکل تقدم علیہ فصار حالا۔

تفسیر : مشرکین کا خیال رد کر کے اب ان کے سامنے (جو بہت سے معبودوں کے قائل تھے اور کبھی اس کی معزز مخلوق کو اس کا بیٹا یا بیٹیاں کہتے تھے) یہ چند دلائل بیان فرماتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ عالم میں یہ تمام صنعتکاری اسی کی ہے۔ کسی معبود یا بیٹے نے کیا پیدا کیا ہے؟ اور چونکہ یہ دلائل ایسے بدیہی ہیں کہ جو ادنیٰ غور کرنے سے مدعا ثابت کر دیتے ہیں تو اس لیے اَوَلَمْ یَرَ کر کے خطاب کیا (اَلَمْ تَرَ اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا الخ) رتق بند کرنا بند ہونا فتق بالفتح جدا کرنا کھولنا۔ اس کے معنی مفسرین نے چند طور پر بیان کئے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری اور جمہور مفسرین اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ آسمانوں کا بند ہونا مینہ کا بند ہونا' مینہ کا ان سے نہ برسنا اور زمین کا بند ہونا نباتات کا پیدا نہ ہونا اور کھلنا آسمان سے بارش برسنا اور زمین کا نباتات اگانا کہ کافر یہ نہیں دیکھ چکے بلکہ ہر سال صیف وشتا شدید کے وقت جبکہ بارش نہیں ہوتی اور زمین سے کچھ پیدا نہیں ہوتا دیکھتے ہیں کہ آسمان اور زمین بند ہوتے ہیں خدا تعالیٰ ہی اپنی بدقدرت سے کھولتا ہے، بارش برساتا ہے، پھر اس سے ہر قسم کا سبزہ اگاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان آیات میں ابتداء آفرینش عالم کی طرف اشارہ ہے جس کو قرآن مجید میں کئی جگہ بیان فرمایا یہاں اجمالاً بیان کیا جاتا ہے کہ مادہ اثیریہ یعنی ایتھر سب ایک جا جمع تھا آسمانوں اور زمین کا مادہ مجتمع تھا اس میں سے میں نے آسمانوں کو جدا کر دیا زمین کو جدا یعنی اس میں سے کسی قدر سے آسمان بنا دیے کسی قدر سے زمین پھر زمین کی مخلوقات حیوانات نباتات کو زندہ کیا کل شیءٍ سے یہی چیزیں مراد ہیں۔ نباتات میں بھی ایک قسم کی حیات ہے اگرچہ

۱ اولم یر بمعنی اولم یعلموا کانہ التفت الی الضمیر الی السماء والارض بلحاظ الجنس لہذا لم یقل کن الرتق السدۃ ضد الفتق یقال الرحمۃ فارتتق امی التائم امی کانتا متصلتین وقال رتقا ولم یقل رتقین لانہ مصدر ۱۲ منہ

کروتجمادات کا انعقاد بھی پانی سے ہوا ہے اور ان کی صورت نوعیہ کا قیام ان کی حیات ہے اس لیے اس کے بعد میں فرماتا ہے (۲) وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ حی صاحب کشاف کہتے ہیں کہ جعلنا یا تو ایک مفعول کی طرف متعدی قرار دیا جائے یا دو کی طرف پہلی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے ہر حیوان کو پانی سے پیدا کیا جیسا کہ اور جگہ فرماتا ہے وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ یا تو نطفہ سے حیوانات پیدا ہوتے ہیں جو ایک قسم کا پانی ہے یا ان کو پانی کی طرف اشد ضرورت ہے اس لیے ان کی حیات کو پانی کی طرف منسوب کیا جیسا کہ آیا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ انسان میں جلدی ہونے کو جلدی سے پیدا ہونے کے ساتھ تعبیر کیا یہ ایک محاورۂ عرب ہے۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے صیرنا کل شیءٍ حی بسبب الماء کہ ہر جاندار کو پانی سے زندہ کیا ہے من الماء مفعول ثانی کل شیءٍ موصوف حی صفت مجموعہ مفعول اول مفعول ثانی کا مقدم کرنا اہتمام شان کی وجہ سے ہوگا۔ اور بعض روایات میں حیا بالنصب بھی آیا ہے یا تو اس کو اس صورت میں کل کی صفت قرار دیں گے کہ ہر کل شی جو حی ہے اس کو پانی سے پیدا کیا۔ یا یہ مفعول ثانی ہوگا تب یہ معنی ہوں گے کہ ہر ایک شے کو پانی سے زندہ کیا۔ اس صورت میں ہر شے سے مراد حیوان یا نباتات ہوں گے۔ قرائن سے عام خاص کیا جائے گا۔

سوال: بہت سے جاندار ہیں جو پانی سے پیدا نہیں ہوئے جیسا کہ جن آگ سے پیدا ہوئے یا فرشتے اور خود حضرت آدم علیہ السلام جن کی نسبت آیا ہے خلقہ من تراب اور وہ جانور جن کو کہ حضرت مسیح علیہ السلام گارے کا بنا کر اس میں کچھ پھونکتے تھے کہ وہ اڑ جاتا تھا پھر سب جانداروں کا پانی سے پیدا ہونا نہ پایا گیا۔

جواب: لفظ گرچہ عام ہے مگر قرینہ مخصص موجود ہے کس لیے کہ اللہ تعالیٰ اَوَلَمْ یَرَ سے وہ چیزیں بیان کرتا ہے جو ان کے دیکھنے میں آتی ہیں اور یہ چیزیں انہوں نے کب دیکھی ہیں۔ پس یہ اس میں شامل نہیں یا بیان اکثریہ ہے جس کو محاورۂ عرب میں کلیہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور عرف عام کا یہی کلیہ ہے۔ (۳) وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ اصل تھا رواسی لام ولاعدم التباس کی وجہ سے حذف کیا گیا۔ راسیہ زمین میں گڑی ہوئی چیز جس کی جمع رواسی ہے۔ مراد پہاڑ یعنی کرۂ ارض زمین میں پہاڑوں کی وجہ سے یا خود اس کی ذات میں ثقل اور بوجھل ہونا کر دیا جو ڈگمگاتی نہیں اگر یہ بھی ہوا یا پانی کی طرح خفیف وسبک ہوتی ہلتی جلتی تب اس پر نہ کوئی مکان رہتا نہ تمکین یہ بھی بڑا انعام الٰہی ہے۔ (۴) وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ کہ زمین میں تمہارے راہ پانے کے لیے کشادہ رستے رکھے اگر سخت ناہموار دشوار گزار زمین ہوتی جیسا کہ بعض خیال ہوتے ہیں تو بھی دنیا اس لطف کے ساتھ نہ بستی۔ الخ الطریق الواسع لعلھم یھتدون میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ کاش یہ گمراہ ان کشادہ رستوں کو نعمت سمجھیں اور راہِ ہدایت پر آئیں۔ (۵) وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا آسمان کو چھت زمین سے فوقیت کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ اب رہا اس کا محفوظ ہونا سو وہ کئی وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ وہ گرنے اور پارہ ہونے سے محفوظ ہے اور گھروں کی چھتوں کی مانند وہ نہیں کقولہ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ دوم یہ کہ شیاطین سے محفوظ ہے شیاطین کو وہاں تک رسائی نہیں کما قال وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ۔ زمین گویا فرش اور آسمان اس کی چھت ہے اور یہ ایک عمدہ گھر ہے جس کی روشنی کی قندیلیں آفتاب وماہتاب ہیں اور اسی طرح سیارے بھی۔ جن کا آگے ذکر فرماتا ہے پھر یہ تمام مخلوق جو اس کے گھر میں اس کی نعمت کھا پی رہے اور یہ گھر اور اس کی نعمتیں جو روز اپنے مہمانوں کو کھلاتا ہے۔ بجز اس کے اور کس نے پیدا کی ہیں؟ پھر اس آسمان کی رفتار اور اس کے ستاروں کی گردش اور ان سے صدہا انقلابات خدا تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جو اس کے جبروت وسطوت پر دلالت کر رہی ہیں لیکن کفار ان میں غور نہیں کرتے۔ وَهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔

فی الحقیقت اگر انسان تھوڑی دیر ان عجائب قدرت میں غور کرے کہ جو اس نے آسمانوں میں رکھی ہیں تو صاف معلوم ہو جائے کہ اس پردۂ زنگاری میں کوئی ہے جو یہ کارپردازی کر رہا ہے۔ (۶) وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ اس

آیت میں ان چند نشانیوں کا ذکر کرتا ہے کہ جن سے وہ اعراض کرتے ہیں رات دن کا بہ تعاقب آنا علاوہ ان بیشمار فوائد کے جو انسان اور دیگر مخلوق کے لیے ہیں جیسا کہ رات میں سونا آرام کرنا' دن میں روزی تلاش کرنا' کاروبار کرنا' پھلوں پھولوں کا نمودار ہونا' اس کی قدرت کی بھی ایک دلیل واضح ہے۔ پھر آفتاب کے مختلف حرکات اور مختلف طور پر طلوع وغروب کرنے میں رات دن کے پیدا ہونے کے سوا بہزار دن فوائد ہیں اور یہ گویا اس دنیا کے گھر کا چراغ ہے اسی طرح ماہتاب کے حرکات اور مختلف طور پر طلوع وغروب بھی ان فوائد کی تکمیل ہے اور یہی حال دیگر ستاروں کا ہے۔ یہ رات کا چراغ ہے۔ چاند اور سورج کی اس چال کو جب ناظر آسمان کی طرف غور کر کے دیکھتا ہے تو گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نیلے رنگ کے دریا میں یہ دو مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ ان کی اس چال کو تیرنے کے ساتھ بطور تشبیہ یا استعارہ کے بیان کیا۔

فائدہ: حکمائے قدیم کا ایک بڑا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ سات آسمان ہیں اور آفتاب چوتھے آسمان میں ہے اور ماہتاب پہلے میں اور نیز ان کے حرکات فلک کے حرکات کے ساتھ ہیں پھر تدویر اور اس فلک کی وجہ سے کہ جس میں یہ تدویر ہے اور نیز فلک الافلاک کی وجہ سے مختلف حرکات پیدا کرتے ہیں اگر یہ حرکاتِ مختلفہ نہ ہوتے تو کہیں ہمیشہ جاڑا رہتا کہیں سخت گرمی کہیں رطوبت کہیں سخت یبوست نظام عالم میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک تو معنی ظاہر ہیں اور جمہور اہل اسلام بھی ان آیات و دیگر آیات سے ایسا ہی خیال رکھتے ہیں۔ مگر حکماء کا ایک فریق کہتا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب کسی فلک میں جڑے ہوئے نہیں اپنے اپنے مدار پر بذات خود حرکت کرتے ہیں اور افلاک کوئی جسم دار چیز نہیں؟ ہاں یہ جو نظر میں ایک نیلا گنبد سا نظر آتا ہے یہی عرف عام میں فلک گنا جاتا ہے خدا کی پاک کتابوں میں ایسے امور کی حقیقت سے کچھ بحث نہیں کہ وہ کیا ہے؟ وہاں تو عرف عام کے لحاظ سے کلام ہوا کرتا ہے۔ پس اس تقدیر پر ہر ایک کا ایک فلک میں تیرنا حرکت کرنا بجز اس توجیہ کے درست نہیں ہو سکتا کہ فلک سے مراد ہر ایک کا مدار لیا جائے جیسا کہ ضحاک کا قول ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾
كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۗ وَاِلَيْنَا
تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۗ
اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ
الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۗ سَاُوْرِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى
هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ
عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ
بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ
اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع ۲

اور (اے نبی!) آپ سے پہلے بھی ہم نے کسی آدمی کے لیے ہمیشگی نہیں بنائی۔ تو پھر کیا آپ مر جائیں گے تو وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ ہر ایک جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور (اے لوگو) ہم تم کو بری اور بھلی آزمائش کرتے ہیں اور تم ہمارے پاس تو پھر آؤ گے اور (اے نبی!) جب تم کو کافر دیکھتے ہیں تو بس تم سے ہنسی کرتے ہیں کہ کیا یہ وہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتا ہے حالانکہ وہ (خود) رحمٰن کے ذکر سے منکر ہیں۔ آدمی جلد باز بنایا گیا ہے (ذرا ٹھہرو) میں تم کو اپنی نشانیاں ابھی دکھائے دیتا ہوں سو جلدی مت کرو اور وہ (منکرین) کہتے ہیں کہ بتاؤ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ کاش منکروں کو وہ وقت معلوم ہو جائے کہ جب وہ نہ اپنے مونہوں[1] سے آگ دور کر سکیں گے نہ اپنی پشت (پیچھے) سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی بلکہ وہ گھڑی ان پر یک بہ یک آ جائے گی پھر تو وہ ان کو بدحواس کر دے گی۔ پھر نہ تو اس کو ٹال سکیں گے اور نہ ان کو مہلت ملے گی اور (اے نبی!) آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا ہے۔ پھر جس عذاب کی بابت وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی ان پر آ پڑا۔

ترکیب: فتنة مفعول یا موضع حال میں ای فاتنین یا مفعول مطلق ای نفتنکم بما فتنة الا هزوا مفعول ثانی۔ من عجل موضع نصب میں خلق سے علی المجاز جیسا کہ خلق من طین۔ اور حال بھی ہو سکتا ہے ای عجلا و جواب لو محذوف وحین مفعول بہ ہے۔ بغتة مصدر موضع حال میں۔

تفسیر: آفتاب و ماہتاب اور دیگر دار دنیا کے ارکان بیان فرما کر جن میں غور کرنے سے اس گھر کے بنانے والے کا وجود ثابت ہوتا تھا یہ بات بیان فرماتا ہے کہ کسی کو سدا اس گھر میں رہنا نہیں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) تم سے پہلے کوئی ہمیشہ رہنے والا نہیں بنایا نہ تم کو ہمیشگی ہے اور نہ تمہارے بعد ہمیشہ یہ رہیں گے جو تمہارے مرنے کی آرزو کرتے ہیں۔ وَمَا جَعَلْنَا الخ اس دنیا میں امتحان کے لیے تم آئے ہو تا کہ تم نیکی کر کے دار آخرت کی خوبیوں کے مستحق بنو اور ہمارے پاس ہر ایک کو ضرور آنا ہے پھر ہر ایک کو نیکی بدی کا بدلہ ملنا ہے واذا راك الخ مگر اب ان دار آخرت سے غافلوں اور دار دنیا کے مفتونوں کا یہ حال ہے کہ بجائے اس کے کہ دار آخرت کے ہادی کا اتباع کرتے اس سے بروقت تمسخر اور ٹھٹھا کر کے کہتے ہیں کہ کیا یہی تمہارے بتوں کو برائی سے یاد کرتا ہے؟ یعنی ان کی خدائی باطل کرتا ہے ان کو بے اختیار اور عاجز کہتا ہے مقاتل وسدی کہتے ہیں کہ یہ آیت ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی ہے یعنی وہ زیادہ تر ٹھٹھا کیا کرتا تھا۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتا ہے کہ بتوں کے اور اپنے فرضی معبودوں کے ذکر سے تو ایسا خفا ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کے ذکر یعنی اس کے اوصاف حمیدہ وحدہ لاشریک لہ اور قادر مطلق ہونے وغیرہ کے منکر ہیں ایسا برتاؤ کرتے ہیں جس سے اس کے ان اوصاف کا انکار لازم آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حقیقی معبود کے مقابلہ میں فرضی معبودوں کی یہ قدر و منزلت؟ پھر دار آخرت اور حیات جاودانی کیونکر نصب ہوگی؟

خلق الانسان من عجل اے خلق عجولا وذلک علی المبالغة۔ یعنی دار آخرت کا ہادی جو ان کو بری باتوں سے جو پیش آنے والی ہیں روکتا ہے تو اپنی جلد بازی سے کہتے ہیں کہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ وہ وعدہ کب پورا ہوگا اور جلد ہم پر کیوں عذاب نہیں آ چکتا۔ فرماتا ہے سَاُوْرِيْكُمْ اٰيٰتِيْ کہ ابھی میری آیتوں کا یعنی ان باتوں کا کہ جن کا وعدہ کیا گیا ہے زندگی میں اور مرنے کے بعد ظہور ہو جاتا ہے جلدی نہ کرو۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ جلد بازی اس لیے ہے کہ ان کو اس کا یقین نہیں اور اگر ان کو وہ وقت معلوم ہو جائے کہ جب جہنم میں ہر طرف سے آگ ان کو گھیرے گی کبھی اس کی جلدی نہ کرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان آیات میں سے ایک قیامت ہے کہ جو فوراً آ جائے گی مہلت نہ لینے

[1] یعنی آگے پیچھے ہر طرف سے آگ گھیرے ہوگی نہ اس کو سامنے سے دور کر سکیں گے نہ پیچھے سے۔ ۱۲ حقانی

دے گی۔

پھر آپ کو (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تسلی دیتا ہے کہ یہ تمسخر کوئی نئی بات نہیں کفار ہمیشہ انبیاء سے تمسخر کرتے چلے آئے ہیں جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ وبالِ عذاب جس کی بابت وہ تمسخر کرتے تھے انہی پر الٹ پڑا۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ
مُّعْرِضُوْنَ ۝ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ
وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ
اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ قُلْ
اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۫ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝

(اے نبی!) ان سے پوچھو (تو سہی) رات اور دن میں رحمٰن کے عذاب سے تمہاری کون محافظت[1] کیا کرتا ہے (ان کو ڈرنا چاہیے تو کیا) بلکہ وہ تو اپنے رب کے ذکر سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں پھر کیا ہم سے ان کے معبودان کو بچائے رکھتے ہیں وہ تو خود اپنی بھی (وقت پر) مدد نہیں کر سکتے اور نہ ان کا ہمارے مقابلہ میں ساتھ دے گا (وہ معبود کسی کو کیا دیکھتے ہیں) بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو یہاں تک رسایا بسایا تھا کہ ان پر زمانہ دراز گزر گیا اس لیے اس رحمت کو رحمت خداوندی نہیں سمجھتے پھر کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے دباتے[2] چلے آتے ہیں پھر کیا وہی غالب رہیں گے؟ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے میں تو تم کو صرف وحی سے ڈرسناتا ہوں (مگر تم بہرے ہو) اور بہروں کو جب کسی چیز سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ (سرے سے) پکار ناہی نہیں سنتے ڈرنا تو کجا۔

ترکیب: من استفہامیہ مبتدا یَكْلَؤُكُمْ ای یحفظکم خبر من الرحمن ای من بأسه موضع نصب میں یکلؤ سے ام استفہام انکاری لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ جملہ مستانفہ يُصْحَبُوْنَ مازنی کہتا ہے یہ اصحبت الرجل اذا منعتہ سے ہے نہ صحبت سے بعض کہتے ہیں اس جگہ بمعنی نصرت و معونت ہے۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ آخرت میں ان پر ہر طرف سے عذاب محیط ہوگا آگے سے اور پیچھے سے یہ اس کو دفع نہ کر سکیں گے۔ اب فرماتا ہے آخرت تو آخرت اگر دنیا میں ان پر رات دن میں کوئی بلا نازل ہو جائے تو یہ اس کو کب روک سکتے ہیں۔ پس اس دار دنیا میں بھی دن رات دن کی صدہا مصائب سے بجز رحمٰن کے اور کوئی ان کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ یہ بات ان سے پوچھ دیکھو خود ان کو بھی اس کا اقرار ہے۔ لفظ رحمٰن میں اشارہ ہے کہ یہ محافظت محض اس کی رحمت کا مقتضی ہے ورنہ تمہارے اعمال تو ایسے نہیں۔ یہ جملہ گویا اگلے کلام کے لیے تمہید بھی ہے کہ ان کے معبودوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کو ہماری بلا سے محفوظ رکھ سکے؟ پھر فرماتا ہے کہ وہ تو خود اپنی ہی حفاظت نہیں کر سکتے۔ دوسرے

[1] الکلاءۃ الحراسۃ والحفظ یقال کلاہ اللہ کلاءۃ ای حفظ وقری یکلوکم بفتح اللام واسکان واو یصحبون قال ابن قتیبہ ای لا یجیرھم منا احد لان للغیر صاحب الجار والغرب تقول صحبک اللہ ای حفظک۔ ۱۲ منہ

[2] یہ پیشین گوئی ہے کہ کیا کفار مکہ نہیں دیکھتے کہ ارض یعنی زمین عرب کو چاروں طرف سے کم کرتے یعنی فتح کرتے ہوئے یا کھولتے ہوئے چلے آتے ہیں چنانچہ ایسا ہی واقعہ بھی ہوا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت گرچہ ظہور وغلبۂ اسلام نہیں ہوا تھا مگر جس کا ہونا یقینی ہوتا ہے اس کو ہوا ہی کہہ کر تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

سب کچھ جان بوجھ کر جو ہمارے سوا اوروں کو پوجتے ہیں گویا عمداً ہم سے اور ہماری یاد سے منہ پھیرتے ہیں۔ کما قال بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ اب ان کی اس بے اعتنائی کا سبب بیان فرماتا ہے کہ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ الخ ان کا یہ اعراض و تمرد کچھ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے اس دار دنیا میں کہ جس کا فرش زمین اور جس کی چھت آسمان اور جس کی قندیلیں چاند اور سورج ہیں ان کو پشت در پشت اپنے کرم و فضل سے طرح طرح کی نعمتیں عطا کی ہیں کہ جن کو یہ برتتے برتتے یہ سمجھنے لگے کہ یہ سب ہماری ہی کوشش کا نتیجہ ہے اور سدا سے ہے اور ہمیشہ ہمیں ہی کامیاب رہیں گے۔ الغرض ہماری نعمتیں کھا کھا کر مست و مغرور ہو گئے۔ سو ان کا یہ خیال غلط ہے وہ ہماری نافرمانی کر کے کبھی بحال نہ رہیں گے ہم ان کو مٹا ڈالیں گے اور اپنے پاکباز بندوں کو غالب کریں گے۔ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا سے یہی مراد ہے کہ وہ مشرکین متمردین جو عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ زمین یعنی ملک عرب کو اس کے کناروں سے لے کر کم کرتے چلے آتے ہیں کہ مکہ کے اردگرد دور دور تک بڑے بڑے سرکش مرتے جاتے ہیں اور اسلام پھیلتا چلا آتا ہے کفر کی زمین گھٹتی چلی جاتی ہے اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ و مقاتل و کلبی کہتے ہیں مقصد اس سے مراد اسلام کے لیے شہروں کا فتح ہونا، مکہ مکرمہ کہتے ہیں لوگوں کے مرنے سے بستیوں کا برباد ہونا، اول قول قوی ہے مگر ایک شبہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکیہ ہے اور جہاد و ہجرت کے بعد فرض ہوا تھا پھر زمین کفر کے کم کرنے کے اس وقت میں کیا معنی؟ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں کہا ہے کہ یہ آیات مدینہ میں ہیں تب شبہ نہیں رہا۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر آیات مکیہ بھی ہوں تو کچھ شبہ نہیں۔ کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے ہجرت سے ذرا پیشتر مدینہ اور اس کے نواح میں اسلام پھیل گیا تھا اسی طرح حبشہ میں اور دیگر قبائل عرب میں بھی۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو یہ جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اپنے گھر سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو تمہارا منعم حقیقی ہے مگر جو لوگ بہرے ہو گئے ان کے کانوں میں حق باتوں کی رسائی نہیں وہ اس خوف آمیز پیغام کو سنتے ہی نہیں وہ دراصل بہرے نہیں ہو گئے تھے بلکہ اس وقت شنوائی کو عمداً حق بات سننے میں صرف نہیں کرتے تھے۔ گویا انہوں نے اس قوت سے جب اس کا اصلی کام نہ لیا تو کھو ہی دیا اس لیے بطور استعارہ کے ان کو بہرا کہا گیا اور اسی طرح جس قوتِ خداداد کو کوئی اس کے موقع پر استعمال نہیں کرتا تو اس کو اس قوت کا کم کر دینے والا سمجھنا اور اس کو اس فاقدۃ القوت سے تعبیر کرنا عام محاورہ ہے اس لیے ان کو گونگا اندھا کہا جاتا ہے۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ[1] مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا
ظٰلِمِيْنَ ۝ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ
وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝
الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ
اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ ع

الربع

[1] نفح دینا بوسے خوش دیا ہے زور ناقہ و شمشیر زور دینا باد دادن چیزے نفح بشی اعطاہ قال الاصمعی ما کان من الریاح نفح فھو وبرد ما کان نفح فھو حر من السموم ۱۲ منہ۔

اور اگر ان کو آپ کے رب کا عذاب ایک جھونکا بھی لگ جائے تو کہنے لگیں گے کہ ہائے خرابی! بے شک ہم ہی ظالم تھے اور قیامت کے دن ہم انصاف کی ترازوئیں قائم کریں گے۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو اس کو بھی ہم لا موجود کریں گے۔ اور ہم حساب لینے کے لیے کس ہیں۔ اور البتہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی اور روشنی دینے والی اور پرہیزگاروں کی فہمائش کرنے والی (کتاب) دی تھی ان پرہیزگاروں کے لیے جو اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے ہیں۔ اور قیامت کا بھی وہ خوف رکھتے ہیں اور یہ (قرآن) ایک مبارک پندنامہ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے (اے لوگو!) پھر کیا تم اس کے بھی منکر ہو۔

ترکیب: ولئن شرط من عذاب ربك نفحة کی صفت۔ واصل النفح من الریح الهبوب والمعنی ولئن مستهم شیء قلیل من عذاب الله لیقولن جواب الموازین جمع میزان موصوف القسط گو مفرد ہے مگر مصدر ہے جو جمع کی صفت ہوسکتا ہے یا یہ تقدیر وذات القسط تب بھی الموازین کی صفت ہوسکتا ہے مثقال منصوب خبر کان ہو کر ای وان کان العمل وزن مثقال۔ ثقل بمعنی بوجھ سے مشتق ہے جس کے معنی وزن ہیں من خردل صفة ہے حبة یا مثقال کی۔ کفی بنا کی ترکیب گزر چکی۔

تفسیر: ہاں اگر ان کو عذاب الٰہی کی کچھ ہوا بھی چھو جائے ذرا بھی عذاب نازل ہو جائے تو یہ بہرا پن سب جاتا رہے اور اپنے ظلم و ستم کا اقرار کرنے لگیں اور خیر یہ تو دنیا کا معاملہ ہے مگر آخرت میں تو وہ اپنے اعمال سے ہرگز بچ ہی نہ سکیں گے کیونکہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الخ وہاں اعمال کی ترازوئیں ہم قائم کریں گے ہر ایک کے لیے ایک ترازو ہوگی اور ترازو بھی کیسی عدل و انصاف کی۔ کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا کہ اس کے نیک اعمال کو دبا لیا جائے اور ناکردہ عمل اس پر لگائے جائیں بلکہ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ الخ اگر رائی کے دانہ برابر بھی کسی کا عمل ہوگا وہ بھی لایا جائے گا اور ہم خود حساب لیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں اور ضحاک وقتادہ سے بھی یہی منقول ہے کہ یہ بطور تشبیہ کے ہے نہ یہ کہ حقیقت میں ترازو عمل تولنے کو کھڑی ہوں گی بلکہ مراد کہ حساب انصاف کے ساتھ لیا جائے گا کیونکہ دنیا میں محسوسات کا صحیح اندازہ اور انصاف و عدل کا وزن ترازو پیمانہ سے ہوتا ہے اس لیے قیامت میں اعمال کے موازنہ کو اس کے ساتھ تعبیر کیا۔ ابن جوبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے مگر ائمہ سلف فرماتے ہیں کہ جب تک لفظ کے حقیقی معنی بن سکتے ہوں مجاز کی کیا حاجت؟ پس اگر قیامت میں اعمال تولنے کے لیے ترازو قائم ہو تو کیا بعید ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ ترازو دنیا کی ترازوؤں کی طرح نہ ہوگی بلکہ اعمال تولنے کے مناسب خواہ اعمال کو کسی شکل میں محسوس کر کے تولا جائے یا کوئی اور طریق جو خاص اس علام الغیوب کو معلوم ہے اور یہ اس لیے کہ میدان حشر میں سب کو اعمال کا اندازہ ہو جائے۔ خدا تعالیٰ پر ظلم کی تہمت نہ کوئی لگائے اور بہت سی صحیح احادیث سے کہ جن کو صحیحین میں شیخین نے بھی روایت کیا ہے اس قول سلف کی تائید ہوتی ہے۔

سوال: یہ آیت اس آیت کے مخالف اور صریح نقیض ہے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔

جواب: اس آیت میں وزن نہ قائم کرنے سے مراد ان کے اعمال بد کی بے قدری مراد ہے۔

پہلے فرمایا تھا کہ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ اب اس بیان کو تمام کر کے جو دار آخرت و معاد سے متعلق تھا مسئلہ نبوت کو ثابت کرنے کے چند اولوالعزم انبیاء کے تذکرہ سے بیان فرماتا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ہو اور مخالفوں کو اطمینان ہو کہ یہ الہام و نبوت کا سلسلہ دنیا میں ہم نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) تم سے بہت پہلے سے جاری کر رکھا ہے۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بھی ہم نے کتاب یعنی تورات دی تھی۔ یہ فیصلہ کرنے والی اور نور یعنی منور اور پرہیزگاروں کے لیے سمجھ کی چیز تھی۔ یعنی خدا ترسوں کے لیے۔ باوجود اس کے ان کی امت نے ان سے کیا کیا اور اسی طرح یہ قرآن بھی سمجھانے کی مبارک کتاب ہے۔ پھر کیا اے لوگو! تم اس کے بھی منکر ہو؟ کتاب تو موسیٰ علیہ السلام ہی کو دی تھی مگر نبوت اور اس کی ترویج و شہرت میں ہارون علیہ السلام بھی شریک تھے اس لیے ان کو بھی شامل کر لیا جس طرح کبھی امت کو شامل کر لیا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ
وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا
لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا
اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾
وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ
جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا
بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾
قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ
هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ
كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾
ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ
اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ
وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور ہم نے ابراہیم کو (اول ہی سے) عقل سلیم عطا کی تھی اور ہم ان (کی صلاحیت) سے واقف تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کہ جن پر تم بیٹھے ہو کیا چیز ہیں! انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہیں کی عبادت کرتے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا تم اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس حق بات لے کر آیا ہے یا تو دل لگی کرتا ہے۔ ابراہیم نے کہا بلکہ تمہارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے کہ جس نے ان چیزوں کو بنایا ہے اور میں اسی کا گواہ ہوں (آہستہ سے یہ کہا) کہ بخدا تمہارے گئے بعد میں تمہارے بتوں سے چال ہی کر کے رہوں گا۔ سوا ابراہیم نے بت کے سوا سب کو توڑ ڈالا کلہاڑا گلے میں ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کو اس لیے رہنے دیا شاید کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ جب وہ پھر کر آئے اور یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا۔ بے شک وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ آپس میں کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو جو ابراہیم کہلاتا ہے ان کا ذکر (بھی) کرتے سنا ہے۔ وہ لے پھر تو اس کو سب کے سامنے لاؤ تاکہ وہ بھی دیکھیں۔ (پھر مجلس میں ابراہیم سے) پوچھا کہ اے ابراہیم کیا یہ حرکت ہمارے بتوں کے ساتھ تو نے

ہی کی ہے۔ ابراہیم نے کہا بلکہ یہ تو ان کے اس بڑے نے کی ہے اگر وہ بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ دیکھو۔ پھر وہ اپنے دل میں نادم ہو کر کہنے لگے کہ بے شک سراسر تمہیں ناحق پر ہو پھر انہوں نے سر نیچا[1] کر کے کہا کہ تو خوب جانتا ہے کہ یہ بولا نہیں کرتے۔ ابراہیم نے کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کو پوجا کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکتی ہے تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر کہ جن کو تم خدا کے سوا پوجا کرتے ہو پھر کیا تم کو کچھ بھی عقل نہیں!

تفسیر : یہ دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس میں حضرت کا ابتداءِ عمر میں موحد ہونا اور اپنی قوم سے بت پرستی کی تحقیر کرنا اور جب وہ عید میں باہر گئے تھے بعد میں ان کے چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالنا اور بڑے کا باقی رکھنا اس الزام دینے کے لیے کہ ان سے پوچھو پھر بت پرستوں کا اس بات سے ناراض ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنا اور رحمتِ الٰہی سے جو ہمیشہ اس کے پاکباز بندوں کے ساتھ رہتی ہے آگ کا سرد اور باغ ہو جانا مذکور ہے اس میں عرب کے مشرکین کی طرف سے تعریض بھی ہے کہ تم کیسے ابراہیم کے فرزند ہو اس نے تو بت پرستی کو یوں مٹایا اور تم خود بت پرستی میں مشغول ہو۔ اگر باپ دادا ہی کی تقلید کرتے ہو تو اپنے جدِ امجد ابراہیم کی تقلید کرو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع

[1] یعنی شرمندہ ہو کر کہا۔ ۱۲ منہ

وہ (جل کر) کہنے لگے کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہو تو ابراہیم کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو (جب ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا تو) ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم پر سرد اور راحت ہو جا۔ اور انہوں نے تو ابراہیم سے برا کرنا چاہا تھا پر ہم نے خود انہیں کو زیاں کار کر دیا۔ اور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے آئے کہ جس میں ہم نے جہان کے لیے برکت رکھی ہے۔[1] اور ہم نے اسکو اسحاق اور کہن میں یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے نیک بخت کیا تھا اور ان کو پیشوا بنایا تھا کہ ہمارے حکم سے رہنمائی کیا کرتے تھے اور ہم نے ان کو اچھے کام کرنے اور نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تھا اور وہ ہماری ہی بندگی کیا کرتے تھے۔ اور لوط کو ہم نے حکمت و علم عطا کیا تھا اور ہم ان کو اس بستی سے جو گندے کام کیا کرتی تھی (صحیح و) سلامت نکال لے آئے کیونکہ وہ لوگ بری قوم (اور) بدکار تھے۔ اور اس کو ہم نے اپنی رحمت میں لے لیا تھا کیونکہ وہ نیک بختوں میں سے ہے۔

دیگر پیکر نورانی کی پرستش کیا کرتے تھے اور ان کے مناسب ان کی مورتیں بنا کر ان کی پرستش کیا کرتے تھے خاص بابل میں ان کا ایک بڑا عالیشان مندر تھا جس کی بلندی اور دیگر عمارات کا حال سن کر حیرت ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام لڑکپن سے ہونہار اور ابد تک موحد قوم کے پیش رو ہونے والے علم الٰہی میں مقرر ہو چکے تھے۔ ان کو اس بت پرستی سے نفرت ہوئی باپ اور دیگر اقارب سے اس امر میں مناظرے شروع ہونے لگے پہلے ستاروں کے طلوع و غروب سے ان کی الوہیت باطل کر کے قوم کو الزام دیا پھر کہہ اٹھے کہ میں تمہارے معبودوں کو بھی ٹھیک کروں گا چنانچہ جب سب لوگ شہر سے باہر اپنی عید کے لیے گئے جوان کے معبودوں کی پرستش میں ایک سالانہ بڑا بھاری جشن ہوا کرتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام مرض کا عذر کر کے پیچھے رہ گئے ان کے بت خانہ میں جا کر ان کے چھوٹے چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہنود کے ہاں چھوٹی چھوٹی مورتیں ہوتی ہیں ان کے ہاں بھی ویسی ہوں گی اور ایک مورت کو جو سب میں بڑی تھی رہنے دیا جب وہ لوگ واپس آئے یہ حال دیکھا تو بڑے طیش میں آئے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا کام ہے کیونکہ کسی نے کہا کہ آج قوم بھر میں وہی ان کی اہانت کیا کرتا ہے پھر اس کے سوا اور کون ایسا کر سکتا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجلسِ قومی کے سامنے حاضر کیا گیا اور ان سے سوال کیا کہ یہ کام کس ظالم نے کیا۔ فرمایا کہ یہ تمہارے معبود ہیں اس میں ہر قسم کی قدرت ہے خود ان سے دریافت کر لو۔ الزام دینا مقصود تھا کہ یہ کیسے معبود ہیں کہ جن کو کسی نے توڑ ڈالا یہ کچھ نہ کر سکے اور نیز اب بیان بھی نہیں کر سکتے۔ ان میں باہم لڑائی ہوئی ہوگی بڑے نے چھوٹوں کو مار ڈالا اس پر اور بھی وہ نادم اور خجل ہوئے اور یہ مشورہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلا دو چونکہ ان وحشی قوموں میں سخت جرم کی ایسی ایسی وحشیانہ سزائیں تھیں آگ میں ڈالا اللہ تعالیٰ نے آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر سرد اور راحت کر دیا۔ صحیح سلامت اس میں سے نکل آئے تب تو اور بھی لوگوں کو حیرت ہوئی اور ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام بھی ایمان لے آئے۔ ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی بھائی تھا لوط علیہ السلام اس کے بیٹے تھے ہاران اپنے باپ تارا کے روبرو جس کو آزر بھی کہتے ہیں وطن ہی میں مر گیا تھا ابراہیم علیہ السلام خداوند کے کہنے کے موافق روانہ ہوا اور لوط بھی اس کے ساتھ چلا[2] اور یہ ملک شام میں آیا کہ جن میں خدا نے پھلوں پھولوں اور انہار و اثمار و شادابی کی وجہ سے دنیا کے لیے برکت رکھی ہے۔ اس ملک میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت برومند کیا۔ اسحاق علیہ السلام بیٹا پیدا ہوا اور پھر اسحاق سے یعقوب نفع میں کیونکہ التجا بیٹے کے لیے کی تھی خدا نے پوتا بھی دیا اور پھر ان کی نسل میں سے انبیاء اور برگزیدہ لوگ پیدا کیے یہ نتیجہ ہے دنیا میں خدا پرستی[3] کا۔ اور لوط

[1] یعنی ملک شام میں لے آئے جہاں باعتبار پیداوار کے بڑی برکت ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا اصلی وطن ملک عراق تھا۔ [2] توریت سفر پیدائش ۱۳

[3] واضح ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے آپ کو بیمار کہنا اور بت شکنی کو بڑے بت کی طرف منسوب کرنا آفتاب کو بذاربی کہنا یا مصر میں جا کر کافر بادشاہ کو خوف سے اپنی بیوی سارا کو بہن کہنا نسب آبائی کے لحاظ سے جھوٹ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ یہ باتیں از قسم تعریض و توریہ ہیں مجازاً جھوٹ کہو تو کہو سو یہ بھی ایسے اولوالعزم نبی کے لیے موجب استغفار تھا۔ لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کرنا اور صالحین میں سے ہونا فرمایا اب اس سے وہ قصہ جو تورت موجودہ میں ہے کہ لوط نے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا غلط ثابت ہو گیا ایسا ہی کہ جس کی امت اعلام کرنے سے ان کے روبرو غارت ہو آپ ایسا فعل بد کر سکتا ہے۔ ۱۲ منہ

علیہ السلام کو جمیل مردار کے پاس رہنے کا حکم ہوا وہاں کی بستیاں سدوم وامورہ وغیرہ کے بڑے ناپاک لوگ اغلامی تھے ان پر خدا کا قہر نازل ہوا لوط علیہ السلام کو خدا نے وہاں سے سلامت نکالا۔

وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ۝ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا
قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي
الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا
سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۫ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ
وَ الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ
بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ
بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ وَ مِنَ
الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ
حٰفِظِيْنَ ۝

اور نوح کو بھی (یاد کرو) جبکہ اس سے پیشتر انہوں نے پکارا تو ہم نے اس کی سنی پھر اس کو اور اس کے گھرانے کو بڑی سخت مصیبت سے (طوفان سے) نجات دی اور ہم نے اس کو اس قوم پر مدد کیا کہ جس نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تھیں کیونکہ وہ بہت برے لوگ تھے اس لیے ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور داؤد اور سلیمان کو بھی (یاد کرو) جبکہ وہ دونوں کھیتی کا جھگڑا فیصلہ کرنے لگے جبکہ ایک کھیت میں ایک قوم کی بکریاں رات کو چر گئیں اور ان کا فیصلہ ہمارے سامنے پھر وہ فیصلہ ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے حکمت وعلم دیا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا کہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کیا) اور یہ سب کچھ ہم ہی کیا کرتے تھے اور داؤد کو ہم نے زرہیں بنانا بھی تمہارے لیے سکھایا تا کہ تم کو لڑائی میں محفوظ رکھیں۔ پھر تم کیا شکر کرتے ہو اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کا حکم بردار کر دیا تھا جو اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلا کرتی تھی کہ جس میں ہم نے برکت دی ہے اور ہم ہر بات جانتے ہیں۔ اور سلیمان کے لیے کچھ تو ایسے جن تھے کہ جو دریا میں غوطہ لگاتے تھے اور اس کے سوا اور بھی کام کیا کرتے تھے اور ان کی حفاظت ہم کیا کرتے تھے۔

ترکیب : جس طرح لوطا مفعول تھا اٰتینا محذوف کا جس کی تفسیر اتینا مذکور ہے اسی طرح نوحا داؤد وسلیمان ہیں اور ممکن ہے کہ ان کو

۱ یعنی ملک شام وفلسطین۔ ۱۲ منہ

۲ عاصفۃ شدیدۃ الھبوب وخفیفۃ یقال اعصفت الریح اذا اشتدت۔ ۱۲ منہ

۳ الغوص غوطۃ دون درآب۔ ۱۲ منہ

اذ کر محذوف کا مفعول کہا جاوے اذ نفشت ظرف ہو یحکمان کا مع داؤد والعامل فی مع یسبحن اور یہ حال ہے الجبال سے والطیر معطوف ہے الجبال پر وقیل ھی بمعنی مع الریح منصوب ہے تمیز نا مقدر سے عاصفہ حال ہوا الریح سے تجری دوسرا حال من منصوب ہے یجرنا سے۔

تفسیر : ۔ یہ تیسرا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے کہ جب ان کی قوم نے ان کو سخت تکلیف پہنچائی اور انہوں نے ہم کو کرب عظیم میں پکارا تو اس کو اور اس کے کنبے کو کشتی میں سوار کر کے اس بلائے عظیم سے نجات دی باقی تمام قوم پر قہر الٰہی ٹوٹ پڑا سب کے سب پانی میں ڈوب گئے۔ اے محمد (ﷺ)! پہلی امتوں نے اپنے انبیاء کو ایسی ایسی تکلیفیں دی ہیں آخر اس کے وبال میں پکڑے گئے تمہارے مخالف اس مہلت پر نازاں نہ ہوں۔

یہ چوتھا قصہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا ہے ان کے قصہ میں ایک تو یہ بات بتلانی مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ایسے ایسے برگزیدہ اور صاحب تخت وتاج پیدا ہوئے یہ سب ان کی خدا پرستی کا پھل ہے کہ جن کے ساتھ ان کے معاصروں نے یہ بدسلوکیاں کیں تھیں کہ ان کو آگ میں ڈال دیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ کفار قریش جو اپنی تھوڑی سی آسودگی پر یہ غرور اور سرکشی کرتے یہ ان کی کم حوصلگی ہے ورنہ داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسوں کو دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے ان کو کیسی ثروت اور حکومت دی تھی ہوا اور پہاڑ اور پرند تک اور جن و شیاطین تک بھی ان کے زیر حکم تھے۔ اس پر بھی وہ ایسے خدا ترس' خدا پرست' باانصاف تھے کہ جس کی ادنیٰ نظیر یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام سے باوجودیکہ باپ اور بزرگ تھے ایک فیصلہ میں غلطی ہوئی جو بکریوں کے کھیت میں نقصان کر دینے کے متعلق تھا مگر سلیمان علیہ السلام کے کہنے کو مان گئے اور سلیمان علیہ السلام کو دیکھو کہ انہوں نے اس غلط فیصلہ میں جو ایسے بڑے معزز باپ سے سرزد ہو گیا تھا ان کی پیروی نہ کی۔ پھر اے لوگو! تم اپنے جدامجد باپ دادا کی لکیر کے ناحق کیوں فقیر بنے بیٹھے ہو کیا ان سے غلطی اور سوءفہمی ممکن نہ تھی؟ اب پیشتر وہ بکریوں کے چرنے کا فیصلہ ذکر فرماتا ہے پھر جو ان کو نعمتیں عطا ہوئی تھیں ان کو ذکر کرتا ہے۔ فقال اذ نفشت ابن السکیت کہتے ہیں نفش شب میں بکریوں کا چرواہے بغیر از خود چرنا۔ وہ قصہ جیسا کہ ابن مسعود' شریح ومقاتل رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے یوں ہے کہ داؤد علیہ السلام کے عہد حکومت میں ایک رات کسی چرواہے کی بے خبری میں بکریاں کسی کے انگوری کھیت میں جا پڑیں۔ بکریوں نے انگور کی کونپلیں کھا لیں خوشوں کو خراب کر دیا صبح کو یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا حضرت نے اس کے نقصان کا اندازہ لگایا تو اس قدر قیمت ہوئی کہ جس قدر بکریوں کی مالیت تھی اس لیے وہ بکریاں اس کے تاوان میں کھیت والے کو دلا دیں۔ فریقین باہر آئے تو ان سے سلیمان علیہ السلام نے پوچھا سن کر کہا کہ فریقین کے حق میں اس سے بہتر اور فیصلہ ہونا چاہیے تھا۔ یہ خبر داؤد علیہ السلام کو پہنچی انہوں نے سلیمان علیہ السلام کو بلا کر پوچھا فرمایا بکریاں کھیت والے کو دیجئے اور چرواہے کو کہئے کہ جتنی مدت تک کہ پھر اسی طرح اس کا باغ درست ہو وہ تیری بکریوں کا دودھ اور اون وغیرہ کا نفع لے گا اور تو اتنے دنوں اس کی کھیت کو درست کرے گا پھر جب ویسا ہی ہو جائے تو تیری بکریاں تجھ کو واپس ملیں گی اس پر فریقین راضی ہو گئے۔ داؤد علیہ السلام نے اس کو بہت پسند کیا[1]۔ اب داؤد پر جو انعام ہوئے تھے ان کو بتلاتا ہے: (۱) پہاڑ اور پرند ان کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے مقاتل کہتے ہیں کہ

[1] داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ وحی والہام پر مبنی نہ تھا بلکہ اجتہاد پر اور اجتہاد شرع میں درست اور سند ہے لیکن بمجتہد سے بحیثیت اجتہاد خواہ وہ کوئی ہو غلطی ممکن ہے یہاں کو داؤد علیہ السلام سے بھی غلطی نہیں ہوئی مگر سلیمان علیہ السلام کو ان سے بہتر بات معلوم ہو گئی۔ ہماری شرع میں اگر یہ حادثہ واقع ہوتا اس کی نسبت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی حکم سلیمانی جاری ہوگا کیونکہ یہ آیت محکمہ ہے اور بہت علماء کہتے ہیں اجماع سے منسوخ الحکم ہے پھر اس میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر یہ واقعہ دن میں ہوتو بکریوں کے مالک کو کچھ دینا نہیں پڑتا کیونکہ ان میں کھیت کی حفاظت کھیت والے کے ذمہ ہے ہاں اگر رات میں ہوتو تاوان دینا ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خواہ دن کا واقعہ ہو یا رات کا جب تک چرواہے کی بکریوں کے چھوڑنے میں کوئی تعدی یا خیانہ ہوگی تاوان نہ لازم ہوگا کیونکہ صحیح حدیث میں آ گیا ہے العجماء جرحہا جبار۔ ۱۲ منہ

جب داؤد علیہ السلام جنگل میں جا کر زبور پڑھتے اور روتے تھے تو ان کے ساتھ پہاڑ اور پرند بھی تسبیح وتہلیل کرنے لگتے تھے۔ کلبی کہتے ہیں کہ پہاڑوں کا ان کی آواز تسبیح سے گونج اٹھنا اور پرند کا جھنڈ باندھ کر ان کے گرداگرد ان کے حمد وثناء آہ وبکا میں شریک ہونا ان کا تسبیح کرنا ہے اور ایسا واقعہ ہوتا تھا۔ (۲) داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانی سکھائی۔ ان سے پیشتر کوئی زرہ بنانا نہ جانتا تھا۔ یہ بھی حروب وجدال میں بڑی کارآمد چیز ہے خدا نے یہ نعمت بندوں کو داؤد علیہ السلام کے ذریعہ سے عطا فرمائی۔ آج کل قسم قسم کی توپیں اور بندوقیں اور آلات آتش فشاں انسان کے مارنے کے اسباب ہیں مگر محفوظ رکھنے کا کوئی نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے لِتُحْصِنَكُمْ اس پر شکر کرنا چاہیے۔ کَمَا قَالَ فَهَلْ اَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ۔

اس کے بعد ان نعمتوں کا ذکر کرتا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی گئی تھیں: (۱) وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً کہ سلیمان کے لیے ہوا مسخر ہوئی اس کے حکم یا مرضی کے موافق شام کے ملک کی طرف چلا کرتی تھی۔ سورہ ص میں اسی امر کو یوں بیان فرمایا ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ، سورہ سباء میں یوں آیا وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا تابع کردی تھی جس کی صبح وشام کی رفتار ایک مہینہ کا رستہ تھا۔ سورہ ص میں ہوا کو نرم اور سورہ انبیاء میں تند وتیز فرمایا اس وجہ سے کہ ہوا تو تیز تھی مگر سلیمان علیہ السلام کی مرضی کے موافق نرم نرم بھی چلتی تھی کہ جس میں تکلیف نہ ہو، ہموار چلتی تھی ان آیات میں یہ ذکر نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کسی تخت پر مع اپنے مصاحبوں کے بیٹھتے تھے اور وہ تخت ایسا اور ایسا تھا جو ہوا پر اڑا کرتا تھا۔ مہینے بھر کا رستہ آدھے دن میں طے کرتا تھا اور سلمان علیہ السلام اصطخر یا اور کسی مشرقی صوبہ سے صبح کو سوار ہوتے تھے دوپہر تک شام اور خاص یروسلم میں جا پہنچتے تھے۔ البتہ مفسرین اسلام اور مؤرخین یہود کے ہاں یہ روایات مشہور اور مسلم ہیں اور اگر ایسا ہو بھی تو عقلاً کچھ ممنوع نہیں کیونکہ اول تو حضرت سلیمان علیہ السلام نبی تھے ان کے معجزہ سے ایسا ہونا ممکن ہے دوم ہر زمانہ میں ایسے ایسے عجائب وغرائب صنائع اختراع ہوئے ہیں کہ جو ان صنائع کے صفحۂ عالم سے محو ہو جانے کے بعد وہ افسانہ دوراز عقل معلوم ہوتا ہے۔ آج کل ہوائی جہاز کی رفتار کو دیکھیے پھر کیا ممکن نہیں کہ اس عہد میں اسی قسم کی سواری ایجاد ہوئی ہو۔

جو لوگ معجزات وخرق عادات کو قصہ وکہانی جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آیات میں صرف ہوا کا مسخر ہونا مذکور ہے جو سلیمان علیہ السلام کے جہازی بیڑے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو جیرام شہر صور کے بادشاہ نے بیت المقدس کی تعمیر کے لیے لکڑیاں پہنچانے کے لیے بنوایا تھا جیسا کہ اول کتاب السلاطین کے ۵ باب میں مذکور ہے اور تجری بامرہ الی الارض التی بارکنافیھا اس پر صاف دلیل ہے کیونکہ لبنان کی طرف سے سمندر کی راہ سے وہ بیڑا یروسلم کی طرف آیا کرتا تھا۔ (۲) شیاطین یعنی جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے جو بہت سے سرکشی کی وجہ سے بیڑیوں میں قید رہتے تھے اور ان میں سے بہت کو مختلف کاموں پر لگا رکھا تھا کہ بعض

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ
رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ
وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ

فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِيَّاۤ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ
خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ
زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ
وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا
وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ
وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور (یاد کرو) جبکہ ایوب نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے سخت روگ لگ گیا ہے حالانکہ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے سو ہم نے اس کی سنی بس جو یہ کہ روگ تھا اس کو دور کر دیا اور ان کا کنبہ بھی انہیں دیا اور اتنا ہی ان کے ساتھ اپنی رحمت سے اور بھی دیا اس لیے کہ عابدوں کے لیے یادگار رہے۔ اور اسماعیل اور ادریس اور ذی الکفل کو بھی (یاد کرو) ہر ایک ان میں سے صابر تھا۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا کیونکہ وہ نیک لوگوں میں سے تھے اور ذی النون کو (بھی یاد کرو) جبکہ وہ خفا ہو کر چل دیے پھر انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہم اس پر قابو نہ پاویں گے۔ تب انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں تو پاک ہے البتہ میں جو تھا تو ستمگاروں میں سے تھا پھر ہم نے اس کی سن لی اور اس کو غم سے نجات دی۔ اور ہم ایمان والوں کو یونہی نجات دیا کرتے ہیں اور زکریا کو بھی یاد کرو جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو سب سے بہتر وارث ہے پھر ہم نے اس کی سن لی اور اس کو یحییٰ عطا کیا اور اس کے لیے اس کی بیوی کو درست کر دیا بے شک یہ لوگ نیک کاموں میں دوڑ پڑا کرتے تھے اور ہم کو امید اور ڈر سے پکارا کرتے تھے اور ہم سے ہی ڈرتے رہتے تھے اور اس عورت (مریم) کو بھی یاد کرو کہ جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا پھر اس عورت میں ہم نے اپنی روح پھونک دی اور اس کو اور اس کے بیٹے کو جہان کے لیے نشانی بنایا (مسلمانو!) یہ لوگ تمہارے گروہ کے ہیں جو ایک ہی گروہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس میری ہی عبادت کیا کرو لیکن ان کے بعد لوگوں نے آپس میں تفرقہ ڈال دیا سب کو آنا تو ہمارے ہی پاس ہے۔

سمندر میں غوطہ لگا کر موتی نکالا کرتے تھے اور عمارت اور دیگر بھاری بھاری کاموں پر بھی مامور تھے جیسا کہ سورۂ سباء میں ہے وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ اور یہ قوم جن محض خدا تعالیٰ کی قدرت سے سلیمان علیہ السلام کے بس میں تھی جیسا کہ فرماتا ہے وَكُنَّا لَهٗ حٰفِظِيْنَ جبکہ قوم جن کا وجود انسان سے جداگانہ مقدمۂ تفسیر میں ثابت ہو چکا اور یہ بھی کہ اپنے مادہ کی وجہ سے وہ انسان سے قوی ہیں تو پھر خدا کی قدرت وعنایت سے ان کا کسی بابرکت انسان کے بس میں ہو جانا اور کام کرنا کیا محال ہے؟ صدہا عجائب کارعاملان جن کے لوگوں نے دیکھے ہیں مگر وہی نئی روشنی کے لوگ اس کی بھی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عملداری نہر فرات سے لے کر فلسطینیوں کی زمین تک اور مصر کی سرحد تک تھی اور دریا کے اس پار شیخ سے لے کر غزہ تک سب بادشاہوں یعنی بااختیار رئیسوں پر اس کی

حکومت تھی جیسا کہ اول کتاب السلاطین کے ۴ باب میں ہے اور عمالیق قوم کو ان کی سرکشی اور تنومندی اور قوت کی وجہ سے کبھی جن کے ساتھ کبھی شیاطین کے ساتھ تعبیر کیا جاتا تھا جیسا کہ آج کل بھی بڑے اور سرکش آدمی کو شیطان اور بڑے قوی کو جن کہا کرتے ہیں۔ بس اس سے یہی لوگ مراد ہیں۔ فائدہ: یہ باتیں صاف صاف بائبل میں نہیں مگر کچھ حرج نہیں کیونکہ کتب موجودہ میں بہت سی باتیں نہیں۔ دیکھو اول کتاب التواریخ کے اخیر میں یہ لکھا ہے کہ داؤد بادشاہ کے اعمال اول و آخر دیکھو وہ سب سموئیل غیب بیں کی تواریخ میں اور ناتن نبی کی تواریخ میں اور جادو غیب میں کی تواریخ میں یعنی اس کی ساری حکومت اور زور کا تذکرہ اور جو جو زمانے اس پر اور اسرائیل پر اور زمین کی ساری مملکتوں پر گزرے ان کا سب حال لکھا ہے۔ اب فرمایئے کہ وہ سب کتابیں کہاں ہیں؟ پس جس علام الغیوب کے علم میں وہ سب احوال ہیں اس نے ان میں سے بعض اپنے رسول ﷺ پر بھی الہام کئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ : یہ ایوب علیہ السلام کا پانچواں قصہ ہے جس میں یہ بات پاکبازوں اور خدا کے راستبازوں کو بتلائی جاتی ہے کہ دنیا دار المصائب ہے یہاں بڑے بڑے برگزیدے آزمائے گئے ہیں۔ ان پر طرح طرح کی مصیبتیں پڑی ہیں ایوب علیہ السلام کو دیکھو مال و اسباب پر مصیبت آئی، فقیر ہو گئے پھر تمام اولاد بیٹے اور بیٹیاں دفعتاً مر گئے پھر خود بھی مرض جذام میں مبتلا ہو گئے لوگ گھن کھانے لگے گاؤں سے نکال دیے گئے، باہر ایک جھونپڑی میں رہتے تھے بیوی کہیں سے ..... محنت و مزدوری کر کے لاتیں اور ان کو کھلاتی تھیں اس پر بھی انہوں نے صبر کیا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾
وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ
وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا
هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ
مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ
جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

لے اس آیت کے معنی میں مفسرین نے بہت اختلاف کیا ہے بعض لفظوں کو زائد مانا ہے تب معنی کہ وہ ایسے ازلی بدنصیب اور ناپاک طینت ہے کہ ان پر تو پھر کر خدا کی طرف رجوع کرنا اللہ نے حرام یعنی ممنوع کر دیا تھا اس لیے وہ ہلاک ہی ہونے کے قابل تھے باغ دنیا سے ان کا کٹ جانا ہی بہتر تھا۔ بعض لوگ زوال نہیں مانتے تب یہ معنی ہوں گے کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے اب یہ نہیں کہ وہ مر کر چھوٹ گئے بلکہ ان پر دیسے کہ وہ پھر ہمارے پاس وہ روز جزا میں بنا کسی یعنی ضرور حاضر ہوں گے۔

حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ
الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ
نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ
وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

پھر جو کوئی اچھے کام کرے گا اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی اور ہم اس کے لکھنے والے ہیں اور جس بستی کو ہم نے غارت کر دیا ان پر رجوع کرنا حرام تھا۔ یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جاوے اور وہ ہر بلندی سے دوڑے چلے آویں گے اور وعدۂ حق نزدیک آ لگے گا کہ یک بیک کافروں کی آنکھیں اوپر لگ جاویں گی اور وہ کہیں گے ہائے رب اخرابی بے شک ہم تو اس سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ ہم ہی ظالم تھے (حکم ہوگا) البتہ خود تم اور جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے سب جہنم کا ایندھن ہو۔ تم کو اس میں پہنچنا ہے اگر یہ (دراصل) معبود ہوتے تو اس میں کاہے کو گرتے۔ اور یہ سب اس میں سدا پڑے رہیں گے جن میں ان کی چیخ دھاڑ ہوگی اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے (اپنے رونے کے غل میں) البتہ جن کے ہے ہماری طرف سے آگے سے بہتری ٹھہر چکی ہو گی وہی اس سے دور رہیں گے اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانی عیشوں میں ہمیشہ رہا کریں گے ان کو بڑی بھاری گھبراہٹ سے بھی پریشانی نہ ہوگی اور ان سے فرشتے آملیں گے اور کہیں گے یہی تو تمہارا وہ دن ہے کہ جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا جس دن کہ ہم آسمانوں کو کاغذوں کے مٹھے کی طرح سے لپیٹ لیں گے جس طرح ہم نے اول بار پیدا کیا تھا اسی طرح سے بار دیگر پیدا کریں گے ہم پر وعدہ ہے چکا ہے البتہ ہم کو یہ ضرور کرنا ہے۔

اس آزمائش کی بابت کتاب ایوب میں بھی اور ہمارے ہاں کی روایات میں بھی یوں بیان ہوا ہے کہ شیطان نے خدا تعالیٰ سے کہا کہ ایوب کی جو تو تعریف کرتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اس کو تو نے بہت سی نعمت عطا کر رکھی ہے اگر اس پر مصیبت آوے اور پھر تیری شکایت نہ کرے تب جانوں کہ صابر و شاکر ہے۔ خدا تعالیٰ نے شیطان کو اختیار دیا ایوب علیہ السلام کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں اور مال کا یہ حال کہ سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار اونٹ اور پانچ سو جوڑیاں بیلوں کی اور پانچ سو گدھیاں تھیں۔ پس ایک روز ایسا ہوا کہ سب بہن بھائی ایک مکان میں دعوت کھا رہے تھے اور مواشی چراگاہ میں چر رہے تھے اور بیل جوتے جا رہے تھے۔ ناگاہ سبا کے لوگ آ گرے اور گدھوں کو چھین لے گئے اور آدمیوں کو قتل کر گئے اور اسی دن آسمان سے آگ کا شعلہ آیا اس نے بھیڑوں اور نوکر چاکروں کو ہلاک کیا اور کسدی اونٹ لے گئے اور نوکروں کو مار گئے اور ایک زور کی آندھی آئی مکان گر گیا۔ سب بیٹے بیٹیاں دب کر مر گئے۔ قاصدوں نے یکے بعد دیگرے آ کر ایک ہی وقت میں ایوب علیہ السلام کو اس حادثہ کی خبر دی کسی نے اولاد کی ہلاکت کی، کسی نے اونٹوں کی، کسی نے بکریوں کی۔ ایوب علیہ السلام نے سن کر سجدہ کیا اور کہا میں ماں کے پیٹ سے ننگا نکلا تھا اور ننگا ہی قبر میں جاؤں گا، اسی نے دیا تھا، اسی نے لے لیا۔ اس کے بعد شیطان نے کہا اب بھی ایوب جو شکر و صبر کرتا ہے تندرستی کی نعمت ان کو حاصل ہے اگر یہ نہ ہو تب شکر و صبر کرے تو معلوم ہو اس پر بھی خدا تعالیٰ نے شیطان کو اجازت دی۔ تب شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام پر اثر کیا جس کی وجہ سے تمام بدن پر پھوڑے نکلے اور ٹھیکرا لے کر کھجلانے لگے اور تمام بدن خراب ہو گیا بھوٹ نکلا ان مصیبتوں پر حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر کیا لوگوں کے طعن و تشنیع کی بھی تکلیفیں اٹھائیں۔ دوستوں کی بے مہری دیکھی۔ تب ایک روز حضرت ایوب علیہ السلام خدا تعالیٰ کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے کہ اے میرے معبود! اپنے بندے پر رحم کر، میرے زخمی دل کو دیکھ، مجھ

لے صاحب معالم وتلک حجتنا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام رومی تھے اور تیسری پشت بنی عیص بن اسحاق علیہ السلام سے جا ملتے ہیں مگر صاحب انوار التنزیل نے سورہ جن میں اذکر عبدنا ایوب کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایوب اسحاق علیہ السلام کا پوتا اور عیص کا بیٹا ہے بعض نے لوط علیہ السلام کا نواسہ بتایا ہے۔

سے لوگ نفرت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَ اَیُّوْبَ اِذْنَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ خدا تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام پر رحمت کی اس کو آگے کی نسبت دونی دولت عنایت کی وَ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ مقاتل وقتادہ وابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کے مرے ہوئے کنبے کو زندہ کر دیا اور سات بیٹے اور تین بیٹیاں بعد میں پیدا ہوئیں جیسا کہ ظاہر آیت میں سمجھا جاتا ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں اس کے یہ معنی کہ ہم نے ایوب علیہ السلام کو اس کا کنبہ دیا یعنی سات بیٹے اور تین بیٹیاں تندرست ہونے کے بعد پیدا ہوئیں اور اس کے بعد ایوب ایک سو چالیس برس تک زندہ رہے۔ اپنی چار پشت کو دیکھا (جیسا کہ کتاب ایوب کے ۴۲ باب درس ۱۵۔۱۶ اس میں تصریح ہے مشکم معہم ہوا۔ حضرت ایوب کو توریت میں۔ پھر اس میں بھی بڑا اختلاف ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کس زمانہ میں تھے وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ایوب رومی تھے انوص کے بیٹے عیص بن اسحٰق کی نسل سے اور ان کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی پوتی تھیں جن کا نام رحمۃ تھا چونکہ عرب میں بنی اسماعیل جا بسے تھے اور ایوب علیہ السلام کی قرابت ان سے بہت قریب تھی ان کے ہم زبان بھی تھے اس لیے ان کا عرب میں مبعوث ہونا من قومہ کے برخلاف نہیں کہا جا سکتا۔ اب یہ متعین نہیں کہ عرب میں کس بستی میں رہتے تھے؟ ان کی ایام مصیبت کی تعداد کسی نے سات برس کسی نے کم زیادہ بیان کئے ہیں واللہ اعلم عند اللہ تعالیٰ۔

ذی الکفل کا حال : اس کے بعد خدا تعالیٰ اسماعیل وادریس وذی الکفل علیہم السلام کا ذکر فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ ہر ایک ان میں سے صابر تھا ان پر بھی بڑی بڑی تکلیفیں دنیا میں نازل ہوئی ہیں۔ اسماعیل وادریس علیہما السلام کا حال اور ان کے مصائب تو ناظرین کو ہماری کتاب کے متعدد مقامات سے معلوم ہو گئے ہوں گے ہاں ذی الکفل کا بتلانا ضرور ہے۔ زجاج کہتے ہیں لغت میں کفل حصہ کو بھی کہتے ہیں اور اس کپڑے کو بھی جو اونٹ کے چوتڑوں پر پڑا رہتا ہے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کو ذی الکفل کیوں کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ذی الکفل سے مراد زکریا ہیں بعض کہتے ہیں یوشع بعض کہتے ہیں الیاس۔ قوی تر یہ ہے کہ یہ الیسع کے شاگرد اور ان کے قائم مقام ہیں اور ذی الکفل ان کو اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے انتظام نبی اسرائیل کا تکفل کر لیا تھا یعنی اپنے ذمہ لے لیا تھا یا غرباء و مساکین کا تکفل کیا کرتے تھے اس لیے اس لقب سے مشہور ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد یاہو ہے جو حضرت الیسع کے حکم سے بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا تھا جس نے بنی اسرائیل کی بت پرستی دور کی اس کا اس نے تکفل کیا تھا یہ نیک بندہ بادشاہ تھا نبی نہ تھا واللہ اعلم۔

ذوالنون: یہ نواں قصہ یونس علیہ السلام کا ہے نون مچھلی کو کہتے ہیں کیونکہ مچھلی نے ان کو لقمہ کر لیا تھا اس لیے ان کا لقب ذوالنون ہوا۔ ذهب[1] مغاضبا خفا ہو کر گئے خدا سے خفا نہ ہوئے تھے بلکہ قوم سے فظن ان لن نقدر علیه نقدر یہاں بمعنی القضاء ہے یعنی یونس کو یہ گمان تھا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے یہ سمجھ کر قوم سے چلے گئے تھے ان کا مختصر حال یہ ہے کہ یہ شہر نینوا کی طرف بھیجے گئے تھے وہاں کے لوگ بت پرست اور بدکار تھے جب ان کی ہدایت کو قبول نہ کیا تو عذاب الٰہی ان پر نازل ہونے کی ان کو خبر دی گئی انہوں نے بغیر حکم الٰہی اس کا وقت بھی مقرر کر دیا وہاں کے لوگوں کو عذاب کے آثار معلوم ہونے لگے سر بسجر اخدا کی جناب میں توبہ و گریہ کرنے کو نکل کھڑے ہوئے ان سے وہ عذاب ٹل گیا۔ حضرت کو وعدہ پر عذاب نہ آنے کے سبب شرمندگی ہوئی اور وہاں سے چل نکلے۔ راستہ میں دریا تھا کشتی سے باہر

[1] اذ ذہب مغاضبا سے اگر یہ یہی مراد لیا جائے کہ خدا سے خفا ہو کر چل دیے تھے تو یہ خفگی باہمی محبت میں بیگانوں کے پیار سے زیادہ مرتبہ رکھتی ہے اور فظن ان لن نقدر علیہ کے یہ معنی کہ اس خفگی میں ان کا یوں جانا گویا ان کا یہ سمجھ لینا ہے کہ ہم سے بھاگ کر چلے آئے ہیں ہم ان کو پکڑ نہ سکیں گے نہ یہ کہ درحقیقت انہوں نے ایسا گمان بھی کر لیا تھا کیونکہ وہ نبی تھے صفات باری خدا تعالیٰ سے واقف تھے ایسی باتیں عشق ومحبت کی باہمی معاملات ابرموز ہیں ایسی مچھلڑ چھاڑ کا حاصل دفع عشق سے ہو سکتا ہے عقل کے قانون میں اس کی گنجائش نہیں اس لیے حضرت ذی النون علیہ السلام پر تہمت کی گئی مچھلی کے پیٹ میں جا پڑے آخر اس حالت بے کسی میں اس معبود حقیقی کے سوا اور کوئی فریاد رس نہ دکھائی دیا فریاد فریاد کرنے لگے قصور کے معترف ہوئے دریائے رحمت جوش میں آ گیا باہمی ملاپ ہو گیا۔ مصیبت سے رہائی ہوئی۔ عاشقان خدا اس کی بے نیازی سے لرزتے رہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

دریا میں گر گئے مچھلی نے لقمہ کر لیا۔ ان اندھیروں میں خدا سے دعا کی۔ فی ظلمات ایک مچھلی کا اندھیرا دوسرا دریائے شور کا تیسرا رات کا من الظلمین جو کہا ترک اولی کے لیے نہ کہ درحقیقت ان سے ظلم سرزد ہوا تھا کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ وزکریا: یہ دسواں قصہ حضرت زکریا علیہ السلام کا ہے۔ بیٹے کے لیے دعا کی خدا نے یحییٰ علیہ السلام بیٹا دیا۔ وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا یہ گیارہواں قصہ حضرت مریم کا ہے جَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ میں تصریح ہے کہ مسیح علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے جس لیے ان کو قدرت حق کی نشانی جہان کے لیے فرمایا گیا ورنہ معمولی ولادت نشانی یا معجزہ نہیں ہو سکتی تم سے وہ بیگانہ نہیں تم اور وہ ایک ہی گروہ کے لوگ ہو سب کا اصول ایک ہی ہے ان سے تمہیں کو فخر کرنا چاہیے نہ کہ ان کو جو باوجود ترک اتباع کے ان کی طرف منسوب ہیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ ان بزرگوں کے حالات بیان فرما کر مسلمانوں کو بتایا جاتا ہے۔ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً صاحب کشاف کہتے ہیں امۃ بمعنی ملت اور یہ اشارہ ہے ملت اسلام کی طرف یعنی ملت اسلام وہ ملت ہے جس پر تم کو قائم رہنا چاہیے جس کو ایک ملت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے یعنی اس میں کچھ اختلاف نہیں مراد یہ کہ تم کو اختلافات پیدا کرنے نہ چاہییں اور میں تمہارا معبود ہوں میری عبادت کرو۔ ایک حدیث میں جس کو محدثین نے صحیح مان لیا ہے یوں آیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام پیشین گوئی کے طور سے فرماتے ہیں کہ میری امت میں بہتر (۷۲) فریق ہو جائیں گے بجز ایک فریق کے سب ہلاک ہوں گے یعنی آخرت میں اپنے عقائد فاسدہ کی سزا پاویں گے لوگوں نے پوچھا کہ وہ ایک فریق کونسا ہے فرمایا وہ کہ جس طریق پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔ چنانچہ چند روز کے بعد ایسا ہی ہوا اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ بہتر (۷۲) فریق ایک ہی زمانہ میں موجود ہو جاویں بلکہ جب کبھی ہوں۔ بعض کہتے ہیں انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرما کر یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ سب لوگ اصول دین میں تمہارے ہی لوگ ہیں ایک طریقہ کے یعنی ان کا اور تمہارا طریقہ جدا نہیں۔ ہاں پچھلوں نے تفریق کر دی اور اختلاف ڈال دیا ہے جس کے بعد بطور معیار کے فرماتا ہے فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ کہ جو کوئی ایمان لائے گا اور پھر نیک کام کرے گا خواہ کوئی ہو اس کی کوشش کا قطعاً بدلہ ہم دیں گے پھر فرماتا ہے وحرام علی قریہ حرام خبر ہے اس کا مبتداء یا اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ہے یا کچھ اور۔ اول صورت میں بعض علمائے نے لا کو زائد نہیں مانا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ ان کا عدم رجوع حرام یعنی ممتنع ہے تب رجوع کرنا ان پر واجب یعنی ضرور ہے اور آخرت کی طرف

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ
الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿١٠٦﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً
لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَهَلْ
أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي
أَقَرِيبٌ أَم بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ
وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١١٠﴾ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ
حِينٍ ﴿١١١﴾ قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا
تَصِفُونَ ﴿١١٢﴾

النصف

اور ہم پند ونصیحت کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ بے شک زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے البتہ اس میں خدا پرست قوم کے لیے ایک (بشارت کا) پیغام ہے اور اے نبی! آپکو ہم نے جہان بھر کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے (ان سے) کہہ دو کہ میری طرف تو یہی حکم پہنچایا جاتا ہے کہ تمہارا معبود تو صرف خدا واحد ہے پھر کیا تم فرمانبردار رہتے ہو (یا نہیں) پھر اگر نہ مانیں تو کہہ دو کہ میں نے تم کو بار بار اطلاع کر دی اور مجھے معلوم نہیں کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا دور۔ کیونکہ اللہ ظاہر بات کو جانتا ہے اور جو کچھ تم مخفی کام کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ شاید (اس مہلت میں) تمہاری آزمائش اور ایک وقت تک دنیا کا فائدہ پہنچانا منظور ہے۔ آخر پیغمبر نے کہہ دیا کہ اے رب! (مجھ میں اور ان کافروں میں بھی) حق فیصلہ کر دے اور جو جو تم باتیں بناتے ہو ان پر تو اپنے مہربان رب ہی سے مدد مانگی جاتی ہے۔

لایرجعون اکثر مفسرین لاکو زائد کہتے ہیں تب یہ معنی کہ ان پر رجوع کرنا دنیا میں بار دگر آنا حرام کر دیا ہے یا یہ کہ ان کی تقدیر میں شرک و معاصی سے باز آنا حرام تھا اس لیے وہ غارت ہوئے۔ جمہور کا قول بہت ٹھیک ہے کہ ان کو بار دگر دنیا میں آنا تدارک مافات کے لیے حرام ہے پھر اس کی غایت فرماتا ہے کہ کب تک؟ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ یاجوج وماجوج جو دو قومیں بند ہیں (دیوار سے) ان کے کھلنے تک اور اس وقت تک کہ وعدۂ قیامت قریب آ لگے اور لوگوں کی آنکھیں اس سخت وقت میں خوف و دہشت سے رحمت کے انتظار میں اوپر کی طرف لگ جاویں اور کافر یہ کہنے لگیں کہ ہائے خرابی ہم بدکار تھے یعنی قیامت تک وہ دنیا کی طرف رجوع نہ کریں گے۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج الخ حرام کی غایت نہیں بلکہ مستقل کلام ہے اور حتی کسی محذوف مناسب کی غایت ہے قیام الدین و غیرہا اور یہاں سے مسئلہ معاد شروع ہوتا ہے یعنی یہ حضرات انبیا علیہم السلام دنیا میں لوگوں کی رہنمائی کو آئے تھے کہ دار آخرت میں عذاب سے بچیں۔ نعیم باقیہ حاصل کریں اور یہ دنیا ایک وقت معین تک باقی ہے پھر فنا ہو جائے گی فنا کی ابتداء اور علامت خروج یاجوج وماجوج ہے اس کے بعد وعدۂ حق بہت قریب آ لگے گا قیامت برپا ہو جائے گی اور اس روز گنہگاروں کی آنکھیں دہشت یا انتظار رحمت میں اوپر لگی ہوں گی اور اپنے گناہوں کا آپ اقرار کریں گے حقیقت حال کھل جائے گی بت اور بت پرست جہنم میں پھینک دیے جائیں گے وہاں روئیں پیٹیں، چیخیں چلائیں گے مگر بے سود نیکوں کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھ کر نعماء ابدیہ سے سرفراز کیا جائے گا۔ یاجوج وماجوج کا مفتوح ہونا یعنی دیوار سے کھولا جانا قرب قیامت میں ہوگا وہ دیوار ٹوٹ جائے گی یہ قوم بدکار پھیل پڑے گی۔ ہر بلندی سے اترتے آنا محاورہ ہے دوڑتے ہوئے آنے سے۔ یہ جملہ یاجوج وماجوج کے ذکر میں بیچ آ گیا۔ اس قوم کا قریب قیامت میں ظاہر ہونا اس آیت اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور کتاب حزقیل کی ۳۹ فصل میں مصرحا مذکور ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ سعید بن جبیر و مجاہد و کلبی و مقاتل و ابن زید کہتے ہیں زبور سے مراد وہ کتابیں جو دنیا میں انبیاء پر نازل ہوئیں اور ذکر سے مراد لوح محفوظ کہ جہاں سے نقل ہو کر یہ کتابیں آئیں یعنی دونوں جگہ ہم نے لکھ دیا کہ زمین کے نیک بندے وارث ہوں گے۔ زمین سے مراد جنت کی زمین کہ وہاں بجز ان کے اور کوئی آدم علیہ السلام کے ورثہ میں مالک نہ ہوگا۔ سو یہ بات کل آسمانی کتابوں میں ہے۔ اس تقدیر پر یہ آیت بیان سابق کا تتمہ یا تاکید ہوگی۔ قتادہ و شعبی کہتے ہیں زبور سے مراد قرآن و ذکر سے مراد تورات ہے۔ سو ان دونوں میں بھی یہ بات مذکور ہے زبور سے مراد داؤد کی کتاب بھی ہو سکتی ہے۔ ارض میں مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) جنت کی زمین جیسا کہ بیان ہوا (۲) دنیا کی زمین یعنی ملک کا مالک ہم نیک بندوں کو کریں گے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الی قولہ لیستخلفنھم فی الارض الآیہ۔ اس میں اسلام کے غلبہ اور ظہور کی طرف ایما ہے اور مخالفوں کے لیے تہدید کہ تمہارے سامنے یہ نہ مٹے گا اور بعض کہتے ہیں کہ ارض سے ارض مقدسہ بیت المقدس اور ملک شام مراد ہے۔ سو اس نے اپنے وعدہ کے موافق ایسا ہی کیا کہ مسلمانوں کے قبضہ میں کر دیا اور اب تک ہے اور کسریٰ و قیصر کی سلطنت بھی ان کے قبضہ میں

آئی۔ قریش مکہ جو اپنی سرداری اور جماعت پر نازاں تھے ان کو یہ سنایا گیا۔ ۷۳ زبور کے ۹ اور گیارہویں درس میں بھی یہی مضمون ہے اور بہت سے مقامات عہد جدید و عہد قدیم سے بھی ثابت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس میں عبادت کرنے والوں خدا ترسوں کے لیے مژدہ رسانی ہے کہ خدا پرستوں پر دنیا میں بھی فضل ہوتا ہے۔ آخر کار ملکوں کے مالک بنائے جاتے ہیں اور مصائب سے بھی محفوظ رہتے ہیں آخرت میں تو پھر سب ہی کچھ ہے اور اے محمد (ﷺ)! تم کو اس تمام عالم کا ہادی بنا کر اس لیے رحمت و شفقت کی نظر سے بھیجا ہے کہ میرے بندوں کو جو ہر کی میں پڑے ہیں مطلع کر دو اور منجملہ اور پیغاموں کے سب سے مؤکد حکم توحید کا ہے سو وہ پہنچا دو کہ اِنَّمَا يُوْحٰٓى الخ پھر اگر وہ اس کو نہ مانیں تو کہہ دو تم پر بلا مقرر آنے والی ہے لیکن اس کا وقت خدا ہی کو معلوم ہے کیونکہ وہ چھپی اور کھلی ہر ایک بات کو جانتا ہے اور جو یہ مہلت ہے سو چند روزہ ہے تمتع دنیا کے لیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا
تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝
كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ
السَّعِيْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ
مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ
مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ
وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ
وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ
الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہا کرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ ایک بڑی بھاری چیز ہے۔ جس دن کہ تم اس کو دیکھو گے تو ہر ایک دودھ پلانے والی دودھ پیتے ہوئے بچہ کو بھول جائے گی اور ہر ایک حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور تجھے (اے مخاطب!) لوگ مدہوش نظر آئیں گے اور (درحقیقت) وہ مدہوش نہ ہوں گے لیکن اللہ کا سخت عذاب ہوگا کہ جس کے خوف سے مدہوش ہوں گے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں (مشرکین مکہ) کہ پھر اللہ کے معاملے میں نادانی سے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے کہے پر چلتے ہیں۔ حالانکہ (شیطان کی بابت) لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو یار بنائے گا تو یہ اس کو گمراہ کر کے رہے گا۔ اور اس کو عذاب جہنم رستہ دکھائے گا۔ لوگو اگر تم کو (قیامت کے دن) پھر جی اٹھنے میں شک ہو تو اس کو خیال کرو کہ ہم نے تم کو خاک سے پھر نطفہ سے۔ پھر خون کی پھٹکی سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے بنایا کسی کو پورا کسی کو ناقص الخلقت بنایا تاکہ اپنی قدرت تم کو معلوم کرائیں۔ اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ایک وقت مقرر تک ٹھہرا رکھتے ہیں۔ پھر بچہ بنا کر نکالتے ہیں۔ پھر (پرورش کرتے رہتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور کچھ تم میں سے پہلے ہی مر جاتے اور کچھ تم میں سے نکمی عمر (بڑھاپے) تک پہنچائے جاتے ہیں کہ دانش کے بعد بھی کچھ وقوف نہیں رہتا ہے۔ اور تجھ کو (اے مخاطب!) زمین خشک پڑی دکھائی دیا کرتی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو تروتازہ ہو جاتی ہے۔ اور ہر ایک خوشنما جڑی بوٹی اگاتی ہے۔ یہ (اس لیے) کہ اللہ ہی برحق ہے۔ اور مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ اور یہ بھی کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں۔ اور یہ بھی کہ جو قبروں میں ہیں اللہ ان کو (زندہ کر کے) کھڑا کرے گا۔

ترکیب : زلزلة مصدر ہے جائز ہے کہ فعل لازم سے ہو ای تزلزل الساعة اور ممکن ہے کہ متعدی سے ہو ای زلزال الساعة الناس دونوں صورت میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہوگا یوم ترونها منصوب ہے تذهل سے جو حال ہے ضمیر مفعول سے والعائد محذوف ہے۔ سکاری حال ہے اور یہ بالضم اور بالفتح دونوں طرح سے آیا ہے اور سکری مثل مرضی اور واحد سکران یا سکر ہے مثل زمن وزمنی۔ مَنْ يُّجَادِلُ میں مَنْ نکرہ موصوفہ ہے۔

تفسیر : اس سورہ میں علماء کا اختلاف ہے ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم و مجاہد کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی ہے بجز چند آیات کے کہ مکہ میں نازل ہوئیں وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ سے لے کر عَذَابُ يَوْمٍ مُّقِيْمٍ تک جمہور کہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ صحیح یہی بات ہے اس سورہ میں علوم خمسہ قرآنی مذکور ہیں آفرینش بھی معاد بھی احکام بھی پہلے واقعات امتوں کے عذاب ثواب دنیاوی بھی رسالت کا بھی مسئلہ۔ اس میں ابن المبارک و شافعی و احمد و اسحاق کے نزدیک دو جگہ سجدے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ ابراہیم و نخعی و سفیان ثوری و امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کہتے ہیں ایک سجدہ ہے۔ سورہ انبیاء کے خاتمہ میں مسئلہ معاد کا ذکر تھا اس سورہ میں اس سے بڑھا کی جاتی ہے تاکہ انسان کو پرہیزگاری اور خداترسی اور عبادت کی طرف کامل رغبت ہو اور دل میں خوف رہے اور انبیاء علیہم السلام جن کاموں کے سورۂ انبیاء میں ہوا تھا تصدیق اور ان کی پیروی کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ کس لیے کہ دار آخرت کا مسئلہ اور اس عالم کے مفید و مضر کام بغیر حضرات انبیاء کے معلوم ہو نہیں سکتے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اس ہولناک واقعہ کی خبر کس ہیبت ناک عنوان سے بیان فرماتا ہے اور سب سے پیشتر رب سے ڈرنے اور تقویٰ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فقال يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اول تو لفظ رب یہ چاہتا ہے کہ اپنے ہر روز کے مربی سے ڈرنا اور اس کی طاعت کرنا چاہیے مگر اس کے بعد ایک سخت مصیبت آنے والی ہے اس کا ذکر کر کے اور بھی اس تقوے کے حکم کو مؤکد کرتا ہے گویا یہ جملہ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ علت ہے کیونکہ اس سخت وقت میں انسان کو تقویٰ ہی امان دے گا۔ پھر فرماتا ہے: زلزلہ کس دن ہوگا اور اس روز کیا حال ہوگا؟

فرماتا ہے يَوْمَ تَرَوْنَهَا الخ کہ اس روز حاملہ عورتوں کے اس کے خوف سے حمل گر جائیں گے اور دودھ پلانے والیاں باوجود اس کے

کہ بچے سے بڑی محبت ہوتی ہے بچہ کو بھی اس پریشانی اور بدحواسی میں بھول جائیں گے اور اس دہشت سے لوگ متوالے کی طرح بدحواس ہوں گے اور درحقیقت نشہ نہ ہوگا عذاب الٰہی کی بدحواسی ہوگی۔ یہ زلزلہ قیامت کے روز ہوگا جس روز صور پھنکے گا۔ پہاڑ اڑتے پھریں گے زمین کپکپاوے گی ایک آپادھاپی ہوگی کہ الٰہی توبہ۔ اہل ایمان میں سے اس وقت روئے زمین پر ایک بھی باقی نہ رہے گا پہلے ہی اٹھ جائیں گے اشرار بدکردار رہ جائیں گے جو اس دن کو دیکھیں گے۔ پھر تمام دنیا نیست ہو کر دوبارہ ایک اور عالم پیدا ہوگا نیا آسمان نئی زمین قائم ہوگی لوگ جی اٹھیں گے حشر برپا ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ الخ مکہ کے مشرک اس بیان کو سن کر جھگڑنے لگے کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے اور جھگڑا بھی بے دلیل یہ محض شیطانی وسوسہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابی مالک سے روایت کی ہے کہ نضر بن حارث نے اللہ کے امر یعنی قیامت کے معاملہ میں جاہلانہ گفتگو کی تھی جس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے حق میں فرمایا۔ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ کہ وہ ہر ایک شیطان راندۂ درگاہ کی پیروی کرتا ہے اس میں ان کے گمراہ کنندہ لوگ بھی آ گئے اور ابلیس بھی جس کے لیے یہ مقرر ہو چکا ہو کہ جو اس کو یار بنائے گا تو یہ اس کو راہ راست سے بہکا کر جہنم کی طرف لے جائے گا پھر اس کمبخت کو کیا ہوا جو ہادی برحق سے جھگڑ کر مضل کی پیروی کرتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ قیامت کے ہونے پر دو دلیلیں پیش کرتا ہے: اول دلیل يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ الیٰ قولہ تعالیٰ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا کہ اگر تم کو قیامت کے روز مر کر جی اٹھنے میں شک ہو تو تم اس بات کو دیکھو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا کیونکہ تمہارے جد امجد آدم کو مٹی سے بنایا کہ جس کی تم نسل ہو یا یوں سمجھ لو کہ تم نطفہ سے پیدا ہوتے ہو جیسا کہ اس کے بعد خود ہی فرماتا ہے ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ اور نطفہ غذاؤں کے کھانے سے پیدا ہوتا ہے جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر نطفہ کو جو پانی کا ایک قطرہ ہے خون بنا دیتے ہیں پھر اس خون کو گوشت کا لوتھڑا پھر اس میں کسی کے پورے ہاتھ پاؤں و دیگر اعضاء لگاتے ہیں کسی کو ناقص رکھتے ہیں غیر مخلقہ یا یوں کہو کہ بعض لوتھڑے ناقص کے ناقص ہی رہ کر باہر گر جاتے ہیں۔ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ تاکہ تم کو معلوم کرائیں کہ یہ اس قادر مطلق کی صنعت ہے جس نے طبیعت کو آلہ بنا دیا ہے ورنہ طبیعت کے لیے کونسا امر مرجح تھا کہ ایک قطرہ یا یکساں گوشت کا لوتھڑا سب کی ایک طبیعت پھر اس میں سے کسی کو ہڈی کسی کو پٹھا بنائے کسی کو ہاتھ آنکھ ناک اور ان میں یہ یہ دور اندیشیاں مدنظر رکھے پھر رحم میں جس کو جتنی مدت چاہے ٹھہراتے ہیں پھر بچہ بنا کر اس نطفہ کو باہر لاتے ہیں پھر کسی کو لڑکپن میں کسی کو جوانی میں کسی کو ایسی عمر طبعی تک پہنچا کر مارتے ہیں کہ وہ علم و دانش جان کر پھر نادان بچوں جیسا ہو جاتا ہے۔ پس جو ان باتوں پر قادر ہے کیا وہ انسان کو بار دگر زندہ نہیں کر سکتا؟ بے شک کر سکتا ہے اور ضرور کرے گا۔

دوسری دلیل وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً سے لے کر آخر تک کہ زمین خشک ہوتی ہے پھر ہم اپنی قدرت سے پانی برساتے اور ایک پانی آبی سے زمین سے گوناگوں جڑی بوٹیاں اگاتے ہیں اور ہماری اس قدرت کاملہ کا تماشا اکثر دیکھتے ہو۔ پھر کیا ہم ملاحیات برسا کر انسان کو نباتات کی طرح بار دگر پیدا نہیں کر سکتے؟

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ

ع لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿١٣﴾

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے معاملہ[1] میں حق سے منہ موڑ کر بغیر علم و ہدایت اور بغیر کتاب روشن کے اس کے رستہ سے برگشتہ کرنے کے لیے جھگڑا کرتے ہیں اس کو دنیا میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اس کو عذاب دوزخ کا مزہ چکھائیں گے اس کو کہا جائے گا یہ تیرے عمل بد کا بدلہ ہے جس کو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا اور اللہ تو بندوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اللہ کی عبادت تو کرتے ہیں مگر اگر تھک پھر اس کو کچھ فائدہ پہنچ گیا تو اس پر جما دیا۔ اور اگر کچھ تکلیف پہنچ گئی تو منہ کے بل الٹا پھر گیا ان سے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی۔ یہ ہے وہ صریح خسارہ اللہ کو چھوڑ کر اس کو پکارتا ہے جو نہ اس کو ضرر دے سکے اور نہ فائدہ۔ یہی تو وہ پرلے درجہ کی گمراہی ہے اس کو پکارتے ہیں کہ جس کا ضرر اس کے نفع سے نزدیک تر ہے ایسا آقا بھی برا اور رفیق بھی برا۔

تفسیر: قیامت کے دلائل بیان کر کے پھر انہیں بے ہودہ لوگوں کے جاہلانہ حجت و مجادلہ کا ذکر فرماتا ہے۔ قال وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ۔ بعض کہتے ہیں پہلی آیت وَمِنَ النَّاسِ الخ نضر بن حارث کے حق میں اور یہ ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں دونوں جگہ نضر مراد ہے محض ذم کے مبالغہ کے لیے اس کا اعادہ کیا۔ انسان کسی مقصد پر جو حجت قائم کرتا ہے یا کوئی عقیدہ دل میں جماتا ہے۔ تو یا علم بالبدیہیات یا استدلال و نظر سے یا وحی و الہام سے پھر جس کو یہ تینوں باتیں کسی بات کی طرف ہدایت نہ کریں اور وہ اس پر جھگڑے تو سخت نادان ہے بغیر علم میں بدیہیات ولا هدى میں نظریات اور ولا كتاب منير میں الہام حق کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے پاس ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ پھر اس کا یہ فعل محض تکبر اور لوگوں کے گمراہ کرنے کے لیے ہے۔ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثانی العطف کبر و خیلا سے عبارت ہے۔ اب اس کی سزا بیان فرماتا ہے اس کے کبر و غرور کے بدلہ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ کہ خدا تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی خوار و ذلیل کرے گا چنانچہ نضر بن حارث اور ابوجہل کس ذلت کے ساتھ بدر کی لڑائی میں مارے گئے اور کتوں کی طرح سے ان کی لاشیں کھینچوا کے ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں اور اسی طرح سب سرکشوں کا بھی حال ہوا ہے اور ہوگا۔ اور اس جاہلانہ مجادلہ کی سزا نُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ قیامت کے روز عذاب جہنم کا بھی مزہ چکھائیں گے اور یہ اسی کے عمل کا بدلہ ہے اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

انبیاء علیہم السلام قیامت کے حالات بیان فرما کر انسان کو دار آخرت کی بھلائی کے لیے اپنی طرف بلایا کرتے ہیں پھر اس شخص کی سخت حماقت ہے کہ اس رستہ کو دنیا کے فوائد حاصل کرنے کے لیے اختیار کرے۔ دنیا کے نفع و نقصان تو انسان کے ساتھ ہر حال میں رہتے ہیں چنانچہ حضرت کے عہد میں بھی بعض بیوقوف اس لیے اسلام میں آئے تھے اس لیے ان کی برائی بیان فرماتا ہے فقال وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

[1] یعنی بغیر علم و دانش اور بغیر کسی کتابی سند کے خدا کی باتوں کی جاہلانہ تکذیب کیا کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ[1] بخاریؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مدینہ میں ایسے بھی لوگ آتے اور اسلام لاتے تھے کہ اگر اس کے لڑکا پیدا ہوا اور اس کے مواشی کے بچے ہوئے تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور جو ایسا نہ ہوتا تو کہتا کہ یہ دین برا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی حرف کے معنی طرف یعنی شک و تردد کے ہیں دنیا میں تو اس پر قضاء و قدر سے مصیبت آئی ہی تھی ادھر خدا سے بھی پھر گئے دنیا[2] بھی گئی دین بھی ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ یہ بڑا ٹوٹا ہے اب خدا کے ڈر سے پھر کر اور معبودوں کی طرف رجوع ہوا ہے یہاں کیا رکھا ہے بجز نقصان کے ان کی عبادت و نذر و نیاز میں مال ضائع کرنا وقت کھونا وبال بت پرستی سر پر لینا اور بھی خسارہ اور ضرر ہے ان معبودوں کو قدرت ہی کیا ہے جو کسی کو نفع یا نقصان دے سکیں ایسا ہی بدنصیب یہ مانگنے والا ہے جو ان کا رفیق بنا ہے اور ایسے ہی وہ خود معبود باطل ہیں۔ جن کے پوجنے میں نفع کی جگہ ضرری ضرر ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿١٥﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١٧﴾

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جس کو حالت مایوسی میں یہ گمان ہو کہ اللہ اس کی دنیا اور آخرت میں مدد نہ کرے گا اس کو چاہیے کہ چھت میں ایک رسی لٹکائے پھر اس کو کاٹ ڈالے (پھانسی لے کر مر جائے) پھر دیکھے کہ اس کی تدبیر اس کے غصے کو دور بھی کرتی ہے اور ہم نے قرآن کو کھلی کھلی آیتیں بنا کر نازل کیا ہے اور یہ بھی کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے بے شک اللہ ایمان والوں اور یہودیوں اور صابیوں اور عیسائیوں اور مجوسیوں اور مشرکوں میں ضرور قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا البتہ اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے۔

منافقوں کی عبادت اور ان کے معبودوں کا حال بیان فرما کر اس جگہ سچے ایمانداروں کی عبادت کا حال بیان فرماتا ہے اور ان کے معبود حقیقی کا وصف کرتا ہے کہ اللہ جو معبود حقیقی اور قادر مطلق ہے اپنے ایمانداروں نیکوکار بندوں کو مرنے کے بعد ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے قادر مطلق ہے برخلاف ان کے معبودوں کے کہ ان کو نفع و ضرر کا کچھ بھی اختیار نہیں۔

[1] قال المفسر وان الحرف الشك واصله من حرف الشيء اي طرفه مثل حرف الجبل والحائط فان الشاك حائر على طرف ليس بمستقر۔ ۱۲ منه

[2] یہ کیا عجب ہے کہ اگر اس کو دنیا کا فائدہ حاصل ہوا تو اس راہ پر قائم رہے کچھ آزمائش ہو گئی کوئی تکلیف پہنچی تو پھر گئے بتوں سے مانگنے لگے۔ ۱۲ منه

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ میں ان منافقوں کی طرف روئے سخن ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی عبادت تردد اور شک سے کرتے ہیں کہ جہاں کوئی دنیا کا فائدہ معلوم ہوا تو جمع رہے کوئی تکلیف آپڑی تو اللہ سے پھر کر باطل معبودوں کی طرف متوجہ ہو گئے کہ ان معبودوں کی طرف متوجہ ہو کر تو اپنا کام بنالیں اور دیکھیں ان کے دل کا غصہ جو خدا پر ہے کس طرح سے نکالتے ہیں۔ وہ جیسی چاہیں تدبیریں کر لیں جس قدر چاہیں زور لگالیں حتی کہ آسمان کی طرف یا اپنے گھر کی چھت میں (کیونکہ السماء سے سماء البیت بھی مراد ہو سکتا ہے) رسی لٹکا کر اس سے گلا گھونٹ کر مر جاویں۔ پھر دیکھیں کہ اس تدبیر سے بھی ان کے دل کا غصہ نکلتا ہے؟ یعنی ہزار تدبیریں کریں کچھ نہ ہوگا ہی نہ چاہے، تو کیا ہو سکتا ہے۔ یہ معنی اس تقدیر پر ہیں کہ ینصرہ کی ضمیر من کی طرف رجوع کی جاوے جیسا کہ سیاق چاہتا ہے۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ و کلبی و مقاتل و ضحاک و قتادہ و ابن زید و سدی و فراء و زجاج اس کو حضرت محمد ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ محمد ﷺ کی دنیا میں اس کا بول بالا کر کے اور آخرت میں اس کا درجہ بلند کر کے اس کی مدد کرے گا اور اسی لیے وہ اسلام کے قبول کرنے میں تردد کرتا ہے جیسا کہ مقاتل کہتے ہیں یہ آیت غطفان اور اسد کے چند لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو کہتے تھے کہ ہم کو خوف ہے کہ خدا محمد (ﷺ) کی مدد نہ کرے تو ہم اپنے حلیفوں سے بھی گئے گزرے ہوئے یا جو آنحضرت ﷺ سے حسد رکھتے ہیں اور حسد کے مارے یہ خیال کرتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ جیسا دل چاہے ویسی تدبیر اور داؤ کر لیں یہاں تک کہ کوئی رسی لے کر اس سے گلا گھونٹ کر مر جاویں یا رسی کے ذریعہ سے آسمان پر پہنچ جائیں تب بھی کچھ نہ ہوگا خدا اپنے رسول کی دنیا و آخرت میں مدد کر کے ضرور کرے گا کیونکہ ابھی ہم کہہ چکے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ یا کوئی ایسا سبب پیدا کریں کہ جس سے آسمان پر چڑھ جاویں اور وہاں سے ناکام ہونے پر گر کر مر جاویں لِيَقْطَعْ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں سبب کے معنی رسی کے اور وسائل کے بھی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار مسلمان حضرت ﷺ کے فتوحات اور غلبہ میں دیر ہونے کی وجہ سے خفا اور دل تنگ ہوا کرتے تھے اس آیت میں ان کی طرف اشارہ ہے کہ جو چاہیں کر لیں ان کی تدابیر سے کچھ نہ ہوگا خدا ایک وقت پر مدد و فتح حضرت کی کرے گا۔

تمام قرآن کو آیاتِ بینات بنا کر ہم نے یوں ہی نازل کیا ہے۔ رہی ہدایت سو وہ ہر ایک کے حصہ میں نہیں خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ گو دنیا میں اکثر چھ[1] فریق ہیں اہل اسلام جن کو الذین آمنوا سے تعبیر کیا۔ دوم یہودی۔ سوم صابی۔ چہارم نصاریٰ۔ پنجم مجوس۔ ششم مشرکین اور ان میں سے ہر ایک اپنے تئیں ہدایت پر کہتا ہے مگر در اصل ہدایت پر وہی فریق ہے کہ جس کو خدا نے ہدایت دی یعنی اہل اسلام۔ رہی ان کی یہ قیل و قال سو اس کا قیامت میں اللہ آپ فیصلہ کر دے گا اس کے سامنے ہر چیز ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝۱۸ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۣ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

[1] کس لیے کہ جو لوگ قائل مختار حق سبحانہ کے قائل ہیں پھر یا تو انبیاء کے قائل نہیں جیسا کہ مشرکین اور جو قائل ہیں پس یا سچے نبی کے پیرو ہیں یا فرضی نبی کے متبع مجوس ہیں۔ ۱۲ منہ

قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝۱۹ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝۲۰ وَلَهُمْ مَقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝۲۱ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۠ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۲۲

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان والے اور زمین والے اور آفتاب و ماہتاب اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چارپائے اور بہت سے آدمی اللہ کے آگے جھکتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے اور جس کو کہ اللہ ذلیل کرتا ہے پھر اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ دونوں فریق مخالف جو اپنے رب کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں پھر جو منکر ہیں ان کے لیے تو آگ کے کپڑے قطع کیے گئے ہیں اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا کہ جس سے جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے (انتڑیاں وغیرہ) اور ان کی کھال جھلس دی جائے گی اور ان پر لوہے کے گرز پڑیں گے جب گھبرا کر وہاں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں داخل کیے جائیں گے اور کہا جائے گا دوزخ کا عذاب چکھو۔

ترکیب: کثیر مبتداء من الناس صفت خبرہ مطیعون محذوف اور بعض کہتے ہیں مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ پر معطوف ہے تفصیل کے لیے بعض جملہ مستانفہ اور خبر ثانی بھی ہو سکتا ہے۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا اللہ ہر چیز جانتا ہے جس سے اس کا علم و ادراکِ کامل ثابت ہوا تھا جو يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے فیصلے کے لیے ضروری ہے۔ اب یہاں الم تر سے قدرت و جبروت کا ثبوت کرتا ہے کہ اس کے آگے تمام کائنات سرنگوں ہے اور جس کو وہ ذلت دیتا ہے کوئی اس کو عزت نہیں دے سکتا اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ جو لوگ اس کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں جیسا کہ مشرکین جن کا ذکر اگلی آیتوں میں آیا تھا محض بیوقوف ہیں نہ اور کسی کو وہ علم ہے جو اللہ کو ہے نہ اس کی مانند کسی کو قدرت و سلطنت ہے اور قیامت میں فیصلہ کرنے کے لیے بھی دو وصف ضروری ہیں اس لیے اپنے فیصلہ کرنے کا ثبوت کر دیا کہ ہم قادرِ مطلق ہیں۔ ہمارے آگے ہر ایک سرنگوں ہے تمہارے معبود وہاں کیا کر سکیں گے اور یہاں بھی وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ الم تر سے مراد الم تعلم یعنی تو کیا نہیں جانتا مراد ہے کہ اے مخاطب! تجھے خوب معلوم ہے دلائل و براہینِ قدرت میں نظر کرنے سے چونکہ یہ بات بہت ظاہر تھی اس لیے الم تر سے تعبیر کیا۔ يَسْجُدُ لَهٗ سجدہ کرنے سے مراد مسخر اور سرنگوں ہونا اور یہ ظاہر ہے۔ کس لیے کہ تمام عالم ممکن ہے اور ممکن کو جس طرح اپنے حدوث سے واجب تعالیٰ کی طرف احتیاج ہے اسی طرح بقاء میں بھی۔ پس ہر چیز کا ہمہ وقت اس کا محتاج ہونا اس کے آگے سجدہ کرنا ہے۔ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اگرچہ جملہ علویات و سفلیات داخل ہیں لیکن ان مشرکین کے معبود کہ جو نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے مفصلہ ذیل تھے اس لیے تعمیم کے بعد ان کی تخصیص کی گئی وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ آفتاب اور چاند اور ستارے اکثر فرقہ صابیہ اور مجوس اور ہنود کے معبود ہیں۔ ان کے مرشدوں نے انہیں اشیاء کو پیکرِ نورانی سمجھ کر ان کی عبادت کو تقربِ الٰہی کا ذریعہ بنایا اور بعد میں انہیں کو قاضی الحاجات سمجھنے لگے۔ پھر ان کے نام کے بت ان کی مناسب دھات کے بنائے اور بڑے بڑے شاندار مکان بنا کر ان کی پرستش کرنے لگے

[1] بخاری و مسلم وغیرہما نے ابوذر سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حمزہ و عبیدہ و علی رضی اللہ عنہم کے اور عتبہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ بدر کے روز یہ دونوں فریق لڑنے کو میدان جنگ میں صف سے نکل کر لڑے اور حاکم نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں ہی نقل کیا ہے کہ یہ آیت ہمارے حق اور ہمارے مقابل بازوں کے حق میں نازل ہوئی ہے مراد یہ کہ اس کے ہم بھی مصداق ہیں۔ ۱۲ منہ

یونانی بھی ایسا ہی کرتے تھے پھر ان سے اتر کر والجبال پہاڑوں کے پتھر پوجنے لگے ہنود اور عرب کے معبود پتھروں کے اور یہ لوگ دھات تانبے پیتل کے تھے والشجر والدواب یہاں تک کہ ہنود درختوں چارپایوں کو بھی پوجتے ہیں' پیپل کا درخت اور گائے نیل بھی ان کے معبود ہیں و کثیر من الناس بہت سے آدمیوں کو بھی پوجتے ہیں راجہ رام چندر و کرشن و ہنود و مہادیو و شن و برہما یہ سب انسان تھے جن کو ہندو پوجتے ہیں۔ اسی طرح عرب کے مشرکوں نے لات' منات' اساف' نائلہ' ذی الخلصہ' ہبل وغیرہ انسانوں کی مورتیں بنا رکھی تھیں۔ ان ہی قاضی الحاجات' دافع البلایات جانتے تھے۔ نذر و نیاز کرتے تھے' مصائب کے وقت ان کو پکارتے تھے' ان کی دوہائی دیتے تھے۔ فرماتا ہے یہ سب چیزیں تو اللہ کے آگے جھک رہی ہیں اسی کے آگے سر جھکاتی ہیں باخدا انسان کہ جن کو یہ پوجتے ہیں بالاختیار اللہ کو سجدہ کرتے تھے کرتے ہیں۔ باقی یہ سب اشیاء اپنے بقاء میں ہر دم اسی کی طرف محتاج ہیں اور اس کے حکم تکوین کے مسخر ہیں یہی ان کا جھکنا اور سجدہ ہے ان کے مالک و خالق کو چھوڑ کر ان کو پوجنا کونسی عقلمندی ہے۔ مگر آدمیوں میں سے ایسے بھی بدبخت اور بدعقل اور ذلیل ہیں کہ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ کہ باختیار خود اس کے آگے نہیں جھکتے اس کی مخلوق کے آگے جھکتے ہیں۔ ان ذلیلوں پر عذاب الٰہی ثابت ہو چکا ہے اور ذات اقدس ازلی ہے وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ کیونکہ جن کو وہ ذلت دے اس کو کون عزت دے سکتا ہے اور اس فعل میں خدا کو کون پوچھ سکتا ہے وہ فاعل مختار ہے اپنی حکمت و مصلحت سے

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا
حَرِيْرٌ ۝۲۳ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝۲۴
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَاۗءَۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ
بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۵ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ ع ۱۴
مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـــًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ
وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۲۶ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي

۱ سواء کو یعقوب و عاصم نے بالنصب پڑھا ہے جعل کا مفعول بنا کر بعض نے مرفوع پڑھا ہے مبتداء کی خبر مقدم قرار دے کر صاحب کشاف کہتے ہیں بالنصب ہم یہ دونوں حال متراوف ہیں رجال جمع راجل پیادہ والضمر راہزال ضمر یضمر مضمورا والمعنی ان الناقۃ عبارت مرضاۃ للطول، سفر یا وقع الطریق میں لکھیل یستعمل فی سائر الطریق الساھا والعمیق البعید کبیر۔ ۱۲ منہ ۲ ان الذین کی خبر محذوف اس پر مذقہ دال ہے۔ ۱۲ منہ

۳ طائفین جمع طائف بمعنی طواف کنندہ قائمین جمع قائم یعنی قیام کنندہ رکع جمع راکع بمعنی رکوع کنندہ و سجود جامع ساجد خواہ یہ افعال ایک ساتھ ادا کئے جاویں جیسا کہ نماز میں یا جداگانہ۔ ۱۲ منہ

۴ حج کے لیے آنا تجکم ابراہیم علیہ السلام گویا ان کے پاس آنا ہے یا ان کی حیات کے لحاظ سے فرمایا یہیں ان کے پاس لوگ حج کرنے کو آنے لگے تھے۔ ۱۲ منہ

كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝۲۷

البتہ اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے ایسے باغوں میں داخل کریگا کہ جنکے نیچے نہریں ہوں گی وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ اور یہ وہ ہیں کہ جن کو اچھی بات کی طرف رہنمائی کی گئی اور عمدہ رستے کی انہیں ہدایت کی گئی۔ بے شک جو منکر ہو گئے اور لوگوں کو اللہ کے رستہ (اور اس) مسجد الحرام سے روکتے ہیں کہ جس کو ہم نے سب لوگوں کے لیے معبد بنایا وہاں اس جگہ کا رہنے والا اور باہر والا دونوں برابر ہیں اور جو وہاں ظلم سے کجروی کرنا چاہے گا تو ہم اس کو دکھ دینے والا عذاب چکھاویں گے اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ کی جگہ معین کردی (حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو اور لوگوں میں حج کی منادی کرو تمہارے پاس لوگ پاپیادہ اور پتلے و دبلے اونٹوں پر سوار ہو کر دور دراز رستوں سے چلے آئیں گے۔

جو چاہے کرتا ہے اب یہ دو فریق ہو گئے ایک ذلیل جو اپنی مثل مخلوق کو پوجتے ہیں دوسرے عزت دار جو اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں پوجتے اب دونوں فریق کا کیا حال ہے هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ وہ یہ کہ آپس میں اپنے رب کے معاملہ میں باہم اختلاف کرتے ہیں۔ ذلیل فریق خدا میں عجز و حدوث کے اوصاف رذیلہ اپنے قیاس سے ثابت کرتا ہے کہ وہ سب کام آپ نہیں کر سکتا۔ اس نے ان ان اشخاص و اشیاء کو یہ یہ کام بانٹ دیے ہیں اس لیے ہم ان کو پوجتے اور پکارتے ہیں۔ فریق عزت دار اسی کو قادر مطلق اور جملہ کاموں کا کرنے والا سمجھتا ہے وہی علام الغیوب ہے ہر ایک کی پکار بھی وہی سنتا ہے اور سن کر قضائے حاجت بھی کرتا ہے کیونکہ علیم بھی ہے رحیم بھی ہے بخلاف مخلوق کے۔ اس کے بعد آپ ہی دونوں فریق کا انجام کار بتلاتا ہے۔ فریق ذلیل کا انجام ان آیات میں ہے فالذین کفروا کہ ان کے لیے جہنم کے کپڑے تیار ہیں گرم پانی اور لوہے کے گرز اور وہاں سدا رہنا ہے۔ اگلی آیات میں فریق عزت دار کا انجام بیان فرماتا ہے۔

ان اللہ میں اس دوسرے فریق کا ذکر ہے کہ اللہ ان کو بھی بہشتوں میں داخل کرے گا کہ جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اس میں جڑاؤ زیور اور موتی اور ریشمی لباس پہنیں گے پھر ان اہل ایمان کے وصف میں فرماتا ہے وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ کہ یہ باتیں ان کو اس وجہ سے نصیب ہوں گی کہ دنیا میں اللہ کی طرف سے ان کو اچھی بات اور عمدہ رستہ کی ہدایت کی گئی تھی اچھی بات کہ جس کو قول طیب سے تعبیر کیا کلمۂ پاک لا الہ الا اللہ یا قرآن مجید ہے اور عمدہ رستہ دین اسلام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جنت میں جا کر اچھی باتیں کہنا ہے اس کی حمد و ثناء گویا اس میں روحانی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ الخ یہاں سے اس سے فریق نافرمان کے پھر چند اوصاف بیان فرماتا ہے۔ بالخصوص ان کے جو حضرت ﷺ کے معاصر تھے کہ کفر کے علاوہ وہ لوگوں کو اللہ کے رستہ سے بھی روکتے ہیں یعنی اسلام اور نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی سے مشرکین مکہ ان لوگوں پر جو اسلام لاتے تھے بڑے ظلم و ستم

۱ واذن فی الناس حسن اور اکثر معتزلہ کہتے ہیں کہ یہاں سے خطاب آنحضرت ﷺ کی طرف ہے پہلا کلام تمام ہو چکا یعنی اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ سے فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! لوگوں میں حج کا اعلان کر دو وہ تمہارے پاس حج کرنے نزدیک و دور سے چلے آئیں گے۔ یہ آیت فرضیت حج کے لیے ہے۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ بھی جملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہے اس میں انہیں کی طرف خطاب ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ تعمیر کر چکے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ تم لوگوں میں حج کے لیے پکار دو تا کہ لوگ حج کو آویں۔ اس میں یہ مراد ہے کہ اے قریش مکہ! تم جو ان لوگوں کو مسجد الحرام سے روکتے ہو نہ صرف خدا تعالیٰ بلکہ اپنے بزرگ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے بھی برخلاف کرتے ہو۔ یاتوک رجالا علی کل ضامر ضامر تپلی دبلی اونٹنی جو اونٹنیاں سواری کی ہوتی ہیں کثرت سفر سے دبلی تپلی ہو جاتی ہیں اس سے یہ مراد نہیں کہ حج کو پاوے یا اونٹنیوں کے سوار ہی آئیں گے بلکہ عرب کی قوموں کے لحاظ سے یہ فرمایا جن کی سواری بیشتر اونٹوں ہی پر ہوتی ہے ورنہ مراد عموم ہے کہ ہر قسم کے لوگ آئیں گے۔ ۱۲ حقانی۔

کرکے ان کو اسلام سے روکتے تھے اور بعض اسلام پر جھوٹے الزامات لگا کر اس کو رسوا کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ آج کل گمراہ فرقوں کے پیشوا کیا کرتے ہیں اور لوگوں کو مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ سے

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى
مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾
ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۗ
وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ
الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا
قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ
فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ
مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾
لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع

تاکہ اپنے فوائد کو دیکھیں اور تاکہ جو چارپائے خدا نے ان کو دے رکھے ہیں ان پر ایام مقررہ میں خدا کا نام یاد کیا کریں (قربانی کرنے میں اس کا نام لیا کریں) پھر ان میں سے آپ بھی کھاؤ اور محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ پھر چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کریں (احرام کھول کر) اور اپنی نذریں پوری کریں اور قدیم گھر (کعبہ) کا طواف کریں۔ بات یہ ہے اور جو اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا سو یہ اس کے لیے اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے اور تمہارے لیے مواشی حلال کر دیے گئے مگر جو تم کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں (مردار وغیرہ) پھر بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی دور رہا کرو۔ خاص اللہ کے ہو کر رہو اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہ بنو اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے تو گویا وہ اوپر سے گر پڑا کہ یا تو اس کو پرندے اچک لے جا رہے ہیں یا اس کو ہوا اڑا کر کسی دور جگہ میں پھینک رہی ہے۔ بات یہ ہے اور جو کوئی اللہ کے شعائر[1] کی حرمت مانتا ہے سو یہ دل کی پرہیزگاری ہے۔ تمہارے لیے (قربانی) جانوروں میں ایک وقت معین

[1] شعائر جمع شعیرۃ او شعار ۃ بالکسر ومنہ شعار القوم ای علامتھم فی الحرب فشعائر اللہ اعلام دینیہ۔ ۱۲ منہ۔
شعائر علامات اور نشان جو امتیاز کے لیے ہر قوم اور ہر شخص کے لیے مخصوص ہوتے ہیں خدا کے شعائر اس کے وہ عبادت کے خاص دستورات جو اس نے فرمانبردار قوم کے امتیاز کے لیے مقرر کر دیے ہیں ان کی پابندی دلی پرہیزگاری ہے۔ قومی اور ملکی نشانوں کو ہلکا جان کر ترک کرنا ایک طرح کا فسق اور بدکاری ہے کس لیے کہ ان کے ترک کرنے سے قوم قوم نہیں رہتی شیرازہ قائم نہیں رہتا بعض بے باک طبائع ان کو فضول جانتی ہیں اور کہتی ہیں کہ دل میں خدا پرستی ہونی چاہیے اس کو جواب میں فرمایا کہ یہ بھی دلی پرہیزگاری سے متعلق ہے اس کی منافی نہیں اس جگہ شعائر سے مراد احکام حج ہیں۔ قربانی کرنا' طواف کرنا' احرام باندھنا' حرم و احرام میں شکار نہ کھیلنا' سر منڈانا' عورتوں سے صحبت کرنے سے جدا رہنا۔ اس لیے بعض علماء نے اس کو ہدی یعنی قربانی سے تعبیر کیا ہے۔

تک فوائد ہیں۔ پھر ان کو قدیم گھر تک پہنچانا چاہیے۔

بھی روکتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابی سفیان وغیرہ کے حق میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو عام حدیبیہ میں عمرہ سے روک دیا تھا۔ (کبیر) اگر حدیبیہ کا واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد ہے تو یہ صاف ہے ورنہ یوں بھی وہ روک دیا کرتے تھے۔ باہم لڑائی بھڑائی کے خوف سے لوگ بجز ایک خاص موسم کے نہیں آسکتے تھے اور جب اسلام پھیلا تو مسلمان قبائل کو تو آنے سے روک ہی دیا تھا اس کے بعد مسجد الحرام کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ (۱) یہاں عاکف و مقیم و حاضر اور بادی (الطاری من البلد ودعوا النازل الیہ من غربۃ۔ کبیر) یعنی مقیم و مسافر دونوں برابر ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مکہ کی سکونت میں اور وہاں کے ٹھہرنے میں سب برابر ہیں جو پہلے آوے اور ٹھہر جائے وہی مستحق ہے اور یہی قتادہ و سعید بن جبیر کا قول ہے ان کے نزدیک مکہ کے مکانات کا کرایہ لینا اور بیع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ وہ زمین کسی کی ملک نہیں ہو سکتی اور یہی مذہب ابن عمر رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز و امام ابوحنیفہ و اسحاق حنظلی رحمہ اللہ کا ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت اور بعض احادیث ہیں۔ اس تقدیر پر مسجد الحرام سے مراد مکہ ہے۔ اور علماء کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ خاص حرم کسی کی ملک نہیں یہاں ہر ایک مقیم و مسافر کا نماز پڑھنے اور عبادت کرنے میں برابر حق ہے اور مکہ کے مکانات کی بیع آنحضرت ﷺ کے عہد میں برابر ہوتی تھی۔ (۲) ومن یرد فیہ بالحاد بظلم۔ الحد سے مشتق ہے بمعنی کجی، اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں شرک مراد ہے بعض کہتے ہیں حرم میں شکار کرنا' بعض کہتے ہیں کسی کو مارنا ستانا۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ عموماً ممنوعات مراد ہیں ان سب پر عذاب ہے۔ اس کے بعد اس مسجد کی تعمیر اور فرض کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ الخ کہ اس گھر کے بنانے کا ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے ہی حکم دیا تھا یہ جگہ خدا کی عبادت کرنے کے لیے مخصوص کر دی تھی کہ ایک عبادت خانہ بنا کہ جس کے ارد گرد لوگ طواف کریں خدائے غیر جسم کے اوپر اس طرح سے قربان ہوں اور خدا پرست اس میں کھڑے ہو کر نماز ادا کریں اور رکوع کرنے والے رکوع اور سجدہ کرنے والے وہاں خدائے واحد کو سجدہ کیا کریں اور اس گھر کو پاک صاف کریں اور وہاں کسی قسم کی پرستش غیر اللہ کی نہ ہوا کرے۔ اس میں قریش مکہ پر تعریض ہے کہ تم ایسے نالائق مجاور ہو کر تم نے اس گھر کو خلاف منشائے ربانی بت خانہ بنا دیا اس نجاست سے گندہ کر دیا۔ اور ہم نے ہی ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ پکار دے کہ خدا پرست یہاں آ کر حج کیا کریں۔ مراسم خدا پرستی بجالائیں۔ اس صلائے عام سے ہر دور دراز سے خدا پرست پاپیادے اور سوار ہو کر کشادہ رستوں اور تنگ گھاٹیوں سے چلے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرفات کی پہاڑی پر چڑھ کر پکار دیا۔ اس بات سے یہ جشن خدا پرستی قائم ہوا۔ یہ عرب کے جاہلوں کا بت پرستی کے لیے سالانہ میلہ نہیں ہے اس کے بعد حج کے فوائد اور قربانی کے طریقے ارشاد فرماتا ہے۔

فوائد حج: قال لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ، حج کے منافع دو قسم کے ہیں ایک منافع دنیا سو وہ بھی بے شمار ہیں: (۱) تمام اہل مذہب کا ایک جگہ جمع ہونا میل جول کرنا۔ (۲)۔ ایک قوم کا دوسرے سے علم و ہنر میں مستفید ہونا۔ (۳) دور دراز کے صحیح صحیح حالات کا بہم پہنچانا (۴) پھر اس سے تجارت و دیگر امور دنیا میں فوائد حاصل کرنا (۵) تجارت کے منافع سے مستفید ہونا (۶) قوت اجتماعیہ اور اخوت

[1] حج موت کا بھی نمونہ ہے۔ گھر سے چلنا' اولاد مال کو چھوڑنا گویا دنیا سے گزرنے کو یاد دلاتا ہے۔ پھر کعبہ کے قریب آ کر احرام باندھنا گویا کفن میں لپٹنے کا نمونہ ہے پھر احرام میں شکار و جماع وغیرہ محرمات سے رکنا' مرنے کے بعد ان چیزوں سے رکنے کا نمونہ ہے۔ پھر وہاں زاد و راحلہ کا ہمراہ ہونا' ہدی کا ہونا' اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ مرنے کے بعد اعمال ہی کا توشہ ساتھ رہے گا۔ پھر عرفات میں کھڑا ہونا' حشر میں کھڑے ہونے کا نمونہ ہے۔ پھر قربانی کر کے احرام کھولنا' نہانا' صاف ہونا' گناہوں سے بری ہونے کا نمونہ ہے۔ پھر طواف کرنا' حرم مکہ میں جانا سب چیزوں کا درست ہو جانا جنت میں جا کر وہاں کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کا یاد دلانے والا ہے' اللھم ادخلنا الجنۃ۔ اور نیز سفر بہت سی بیماریوں کے لیے مفید ہے' ۱۲ منہ

دنیہ کا استوار کرنا۔ (۷) جس بات پر تمام قوم کو اتفاق کرنا ہو وہاں اس متبرک جگہ میں اس کا بسہولت میسر آنا۔ (۸) سفر کا عادی ہونا ریاضت ومشقت وتجربہ حاصل کرنا وغیرہ۔ دوسرے فوائد دینیہ وہ بھی بہت ہیں۔ صدہا ہزار ہا خداپرستوں کا ایک جگہ جمع ہو کر دنیا میں سچی سلطنت کا نمونہ دکھانا (۲) ایک پر دوسرے کے انوار و برکات کا منعکس ہونا۔ (۳) تمام خلائق کو یہ دکھا دینا کہ دنیا میں بھی ایک جماعت ہے کہ جو خاص اس کی پیرو ہے جس سے عام طبائع پر توحید وخداپرستی کا ایک ولولہ پیدا ہو وغیرہ۔ ان سب کی طرف اس جملہ میں بخوبی ایماء ہے۔ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ پھر بعض فوائد کی تفصیل فرماتا ہے فقال وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ کہ چند معین دنوں میں اللہ کا نام لیا کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قربانی کرنا ہے جس کا قرینہ علی ما رزقھم اللہ الخ ہے کیونکہ قربانی میں اللہ کا نام کس کی یعنی جانور پر ذکر کیا جاتا ہے تکبیر بسم اللہ واللہ اکبر کہی جاتی ہے اور یہ بھی اللھم منک والیک اور یہ بھی اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اکثر علماء کہتے ہیں۔ ایام معلومات سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے اور معدودات سے ایام التشریق اور یہ مجاہد وعطاء وقتادہ وحسن وسعید بن جبیر وابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اسی کو شافعی اور ابوحنیفہ رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے کیونکہ یہ ایام عرب کو زیادہ معلوم رہا کرتے تھے۔ اور اب بھی معلوم رہا کرتے ہیں اس لیے کہ انہیں کے آخر میں حج کا وقت ہے اور اس طرح قربانی بھی انہیں ایام میں سے یوم النحر کو ہوتی ہے یعنی دسویں تاریخ۔ خلاصہ یہ ایام معلومات سے عشرہ ذی الحجہ کا مراد ہے اور اس کے جزاء خیر میں یہ قربانی دسویں تاریخ ہوتی ہے۔ عطاء کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ ایام معلومات سے یوم النحر اور اس کے بعد کے اور تین روز مراد ہیں۔ کیونکہ یہ ایام قربانی کے لیے عرب میں معلوم ومعین تھے اور یہی قول صاحبین کا ہے اور اسی کو ابومسلم نے پسند کیا ہے۔

بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ بہیمہ ہر چار پائے کو کہتے ہیں خواہ بری ہو خواہ بحری۔ اس معنی میں یہ لفظ مبہم تھا پھر جب اس کے ساتھ الانعام لگا دیا تعین ہو گئی یعنی اونٹ گائے بیل، دنبہ بکرا۔ (کشاف)

فَكُلُوْا مِنْهَا[1] بعض کہتے ہیں یہ امر وجوب کے لیے ہے کیونکہ ایام جاہلیت میں برسم یہود یا از خود اپنی قربانی میں سے آپ نہیں کھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے دفع حرج کے لیے مسلمانوں کو قربانی میں سے کھانے کا حکم دیا لیکن اکثر علماء کہتے ہیں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے یعنی ہدی تطوع وتمتع وقران میں سے آپ بھی کچھ کھاوے اور باقی فقیروں محتاجوں کو دیوے۔ بعض کہتے ہیں نصف آپ کھاوے اور نصف کو تصدق کرے۔ بعض کہتے ہیں تین حصے کرے ایک حصہ اپنے لیے ایک احباب واقارب کے لیے ایک مساکین کے لیے۔ مگر قربانیاں کہ نذر یا کفارات یا حج کے جنایات میں کی جاتی ہیں ان میں سے بالاتفاق نہ کھانا چاہیے۔ سب کو تصدق کر دینا چاہیے یہ مساکین کا حق ہے پہلی امتوں میں قربانیوں کو خواہ کسی قسم کی ہوں کھاتے نہ تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ کھانے کی اجازت صرف اس قربانی میں ہے جو تطوعاً ہو۔ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ۔ مبرد کہتے ہیں تفث کلام عرب میں ناپاکی کو کہتے ہیں جو انسان کے لگتی ہے اس میں میل کچیل ناخنوں کا بڑھنا حجامت کا بڑھ جانا سب آ گیا۔ مراد یہ کہ حج میں قربانی کر کے احرام کھول دو حجامت بنواؤ نہاؤ دھوؤ میل کچیل دور کرو

ولیقضوا ای لیودوا ازالۃ وتحھم **وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ** اور جو کچھ ہدایا اور قربانیاں تم نے نذر مانیں ہیں ان کو بھی پورا کر دیا یہ مراد کہ حج میں جو چیزیں واجب ہوتی ہیں کہ جن کے بغیر حج پورا نہیں ہوتا جیسا کہ دم قران وتمتع وغیرہ ان کو پورا کرو، نذورھم مواجب تحجھم والعرب یقول لکل من خرج عما وجب علیہ وفی نذرہ وان لم ینذر اوما ینذرونہ من اعمال البر فی تحجھم (مدارک)۔

[1] ولا یجوز الاکل من ھدی التطوع والمتعۃ والقران لانہ دم نسک فیجوز الاکل منھا بمنزلۃ الاضحیۃ قد صح ان النبی علیہ السلام اکل من لحم ھدیہ واحسن المرئیۃ منہ واللہ اعلم۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ
بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۭ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ
الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ
عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالْبُدْنَ
جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۡ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
عَلَيْهَا صَوَاۗفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا
الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ
كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ
خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝

اور ہر گروہ کے لیے ہم نے قربانی مقرر کر دی تھی تا کہ جو کچھ خدا نے ان کو چارپائے عطا کئے ہیں ان پر اس کا نام یاد کیا کریں۔ پھر تم سب کا خدا تو ایک ہی خدا ہے پس اس کا حکم مانو اور (اے نبی!) خدا سے عاجزی کرنے والوں کو مژدہ دو اور ان کو کہ جب اللہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر مصیبت پڑتی ہے تو اس پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیا کرتے ہیں اور مسلمانو ہم نے تمہارے لیے قربانی کے اونٹ کو اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے تمہارے لیے ان میں فوائد بھی ہیں۔ پس ان پر اللہ کا نام کھڑا کر کے لو (یعنی بسم اللہ کہہ کے ذبح کرو) پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں تو ان میں سے خود کھاؤ اور قانع اور سوالی کو بھی کھلاؤ اللہ نے ان کو تمہارے لیے ایسا مسخر کر دیا تا کہ تم شکر کرو اللہ کو تو ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون البتہ تمہاری پرہیز گاری اسے پہنچتی ہے۔ اس طرح سے ان کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تا کہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو اس پر کہ اس نے تم کو ہدایت کی اور (اے نبی!) نیک بختوں کو مژدہ سنا دو بے شک اللہ حمایت کرتا ہے ایمانداروں کی اللہ کو کوئی دغاباز ناشکر پسند نہیں آتا۔

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ قربانی کے بعد جو دسویں تاریخ منیٰ میں ہوتی ہے احرام کھول دیتے ہیں پھر اس کے بعد خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں جس کا اس جملہ میں حکم دیتا ہے۔ بالاتفاق اس طواف سے مراد طواف واجب ہے جسکو طواف الزیارۃ اور طواف الافاضہ کہتے

[1] صواف جمع صافۃ ھی قراءۃ الجمہور ای انھا قائمات قد صفت قوائمھا الا ان المسنون نحرھا قائمۃ ۱۲ منہ

[2] یعنی وقت اہل ایمان کے لیے جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ جلالین

ہیں۔ کعبہ کو بیت العتیق کہا۔ عتیق قدیم اور پرانے کو کہتے ہیں۔ سو کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اس سے پرانا اور قدیم عبادت خانہ زمین پر اور کوئی نہیں۔ یہ احکام بیان فرما کر فرماتا ہے ذلک کہ بات یہی ہے جو بیان کی۔ یہ عرب کا محاورہ ہے ایک کلام تمام کر کے یہ جملہ بول دیا کرتے ہیں جس طرح حذا کہہ کر فرماتا ہے کہ جو خدا کی منع کی ہوئی چیزوں کی رعایت کرے گا تو یہ اس کے لیے عنداللہ بہتر ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ حرمات اللہ وہ امور کہ جن سے خدا تعالیٰ نے منع کیا ہے اور ان کی تعظیم ان سے بچنا ہے۔ زجاج نے کہا ہے حرمۃ وہ ہے کہ جس کے قائم رکھنے کا اللہ نے حکم دیا اور اس میں کمی کرنا حرام ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس جگہ حرمات اللہ سے مراد مناسک حج ہیں۔ منجملہ ان کے احرام میں شکار نہ کھیلنا اور فحش باتوں کی ممانعت ہے اس لیے اس کے بعد احرام کے متعلق ذکر کرتا ہے وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کہ احرام میں تمہارے لیے سب چار پائے حلال ہیں ان کو ذبح کر کے گوشت کھانا مباح ہے مگر وہ جو تم سے سورہ مائدہ میں بیان کیے گئے وہ درست نہیں۔ خنزیر وغیرہ اور وہاں وانتم حرم بھی فرما دیا ہے کہ جس سے یہ بات نکلی کہ ان چار پایوں میں سے جو وحشی جانور ہیں جن کا شکار کیا جاتا ہے محرم کے لیے ان کا شکار کرنا ممنوع ہے ہاں غیر محرم شکار کر کے لاوے تو کھا لینا درست ہے۔ خلاصہ یہ کہ احرام کی حالت میں کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان حلال جانوروں کے گوشت کی بھی ممانعت ہے بلکہ حرام جانوروں کی اور شکار کرنے کی۔ یہ لب لباب ہے تمام احادیث واقوال کا۔ گوشت سے کیا پرہیز ہے بچنے کی تو یہ چیزیں ہیں فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ کہ بتوں سے بچو جو ناپاک چیز ہے اور اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ اور جھوٹی اور لغو بات سے بچو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قول الزور سے مراد جھوٹی گواہی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد مشرکین کا وہ قول ہے جو حج میں کہا کرتے تھے۔ لاشریک لک لبیک الاشریکا ھولک الخ پھر اخیر تک تو حید کی تاکید اور شرک کی مذمت بیان فرماتا ہے اور مشرک کو اس بدنصیب سے تشبیہ دیتا ہے جو آسمان سے گرے اور پھر پرندے اس کی نکے بوٹی کر لیں یا ہوا سے کہیں دور جا پڑے مراد یہ کہ اس کا بالکل ستیاناس ہو گیا۔

قربانی کے جانوروں کو عرب اپنے ساتھ کعبہ میں لایا کرتے تھے یا پہلے بھی دیتے تھے اور ایسے جانوروں کو کہ جن میں بیشتر اونٹ ہوتے تھے ہدی کہتے تھے۔ اب ان جانوروں کی نسبت فرماتا ہے لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ کہ تمہارے لیے ان میں فوائد رکھے ہیں ان پر بوقت ضرورت سوار ہو لینا یا بوقتِ حاجت ان کا دودھ پی لینا[1] درست ہے کب تک اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک وقتِ مقرر تک یعنی ذبح ہونے تک ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ پھر وقت ذبح کا ان کے منتہی ہوتا ہے کعبہ تک۔ کعبہ سے مراد حرم ہے یعنی پھر اس کو حرم میں ذبح کرنا چاہیے کیونکہ حرم کی زمین بھی یہی حکم رکھتی ہے (مدارک) اس آیت کی تفسیر میں جبکہ فیہا کی ضمیر بہائم کی طرف رجوع کی جائے دو قول ہیں (۱) یہ کہ تمہارے لیے ان بہائم میں ان کے ہدی مقرر کرنے سے پہلے منافع اور فوائد رکھے ہیں ان سے بچے لو، دودھ پیو ان پر سواری کرو وغیرہ مگر جبکہ ان کو ہدی مقرر کر چکو اور خدا کے نام پاک پر ذبح کرنے کے لیے ان کو کعبہ روانہ کر دو تب یہ منافع حاصل نہ کرنے چاہئیں۔ یہ قول عطاء ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وقتادہ وضحاک کا قول ہے۔ پھر اس میں بعض علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ بوقتِ ضرورت ہدی پر سوار ہو لینے یا اس کا دودھ پی لینے میں کچھ مضائقہ نہیں اور علماء احناف اسی طرف گئے ہیں اور یہی قوی ہے (۲) یہ کہ ہدی بنانے کے بعد بھی تمہارے لیے یہ منافع درست ہیں اور یہ قول مالک وشافعی واحمد واسحاق کا ہے اس حدیث سے کہ جس کو ابوہریرہؓ نے روایت کیا کہ ایک شخص کو آنحضرت ﷺ نے ہدی کو ہانکتے دیکھ کر فرمایا کہ سوار ہو جا۔ اس نے عرض کیا کہ یہ ہدی ہے۔ دو بار آپ نے فرمایا اس نے یہی جواب دیا۔ تیسری بار آپ نے فرمایا کمبخت سوار ہو جا (رواہ مالک) مگر یہ حدیث فریقِ اول پر حجت نہیں ہو سکتی کس لیے کہ غالباً آنحضرت ﷺ نے اس تاکید کے ساتھ اس کی ضرورت سمجھ کر حکم دیا ہو۔

[1] لیکن دودھ کی قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ دینا پڑے گا وان صرفہ الی حاجۃ نفذ تصدق بمثلہ او بعینہ لانہ مضمون علیہ ہدایہ۔ ۱۲ منہ

بعض مفسرین فیہا کی ضمیر شعائر کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے مراد مناسک ومشاہد مکہ مراد لیتے ہیں اور ثم محلہا الی البیت یعنی احرام کھولنے کا موقع بیت اللہ ہے طوافِ زیارت کرنے کے بعد۔ **فائدہ:** اور جب ہدی روانہ کر چکے اور کسی دشمن کے خوف سے یا مرض کی وجہ سے (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خلافاً للشافعی رحمہ اللہ) کعبہ جانے سے رک جاوے تو ہدی کو کعبہ روانہ کر دے اور جب معلوم کر لے کہ آج ہدی کی قربانی ہو گئی ہوگی تو احرام کھول دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فوراً احرام کھول دے ہدی بعد میں ذبح ہو جائے گی کیونکہ رخصت کا یہی مقتضی ہے (ہدایہ)۔

قربانی پر اعتراض اور ان کے جواب: کوتاہ اندیش اعتراضات کیا کرتے تھے جیسا کہ اب بھی ہنود اور عیسائی قربانی پر اعتراض کرتے ہیں کہ کسی جانور کے ذبح کرنے سے کیا خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے ناحق جانوروں کو مارتے ہیں۔ یہ رسم جاہلیت ہے اس کا تحقیقی جواب تو اگلی آیت میں دیتا ہے کہ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ جس کی تشریح اب آگے چل کر ہم کریں گے۔ لیکن الزامی جواب پہلے عنایت فرماتا ہے فقال وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا کہ تم سے بیشتر بھی ہم نے ہر قوم کے لیے رسم قربانی اللہ کا نام یاد کرنے کے لیے جاری کی ہے کچھ نئی بات نہیں۔ حضرت موسیٰ اور یعقوب واسحاق وابراہیم علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی قربانی کا دستور خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا جیسا کہ اب تک اہل کتاب کی کتب میں پایا جاتا ہے اور اس طرح ہنود کے ہاں بھی قربانیاں ہیں قدیم سے بلدان چلا آتا ہے۔ پس تمہارا اے مسلمانو اور ان کا جداجدا خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے جس نے ان کو حکم دیا تھا اس نے تم کو بھی دیا پس اس کا کہا مانو قربانی کرو۔ اور اس پر خاص اللہ ہی کا نام لو اور اس طرح اس کی سب باتوں میں فرمانبرداری کرو اور اس کی پوری فرمانبرداری کرنے والے کو مخبت کہتے ہیں اس لیے اس کے بعد مخبتین کے لیے آنحضرت ﷺ کو مژدہ اور خوشخبری دینے کا حکم دیتا ہے بقولہ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ پھر مخبتین کے اوصاف ذکر کرتا ہے کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں پھر اس کے دو اثر ہیں اول سختیوں پر صبر کرنا خدا کے رستے میں بیماری تنگدستی وديگر مصائب کی برداشت کر کے ثابت قدم رہنا یہ اول سیڑھی ہے اس لیے پہلے اسی کو ذکر کرتا ہے وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ دوم جان اور مال سے اس کی خدمت میں حاضر ہونا جان کی خدمت اہم ہے اس لیے پہلے اس کو ذکر کرتا ہے وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ نماز میں کامل درجہ کی جانی خدمت ہے اس کے بعد مالی اس کو اس جملہ میں ذکر کرتا ہے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کہ وہ ہمارے دیے میں سے اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں تجملہ اس کے قربانی کرنا ہے۔ اس میں فی الجملہ جواب تحقیقی بھی آ گیا کہ قربانی اس لیے ہے اس کے بعد پھر قربانی کا ذکر شروع کرتا ہے بقولہ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ[2] لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ البدن جمع بدنہ کشب وخشبہ اس سے شافعی کے نزدیک مراد وہ اونٹ ہیں کہ جو قربانی کے لیے حرم کی طرف بھیجے جاویں اور ان کے بڑے بدن ہونے کی وجہ سے ان کو بدنہ کہتے ہیں اور امام مالک وابوحنیفہ علیہما رحمہما نے بیل کو بھی بدنہ کہتے ہیں اگرچہ بکری کی بھی حج وعمرہ میں قربانی جائز ہے لیکن اس کے صغر جسم سے اس کو بدنہ نہیں کہتے (کبیر) مگر یہاں بدنہ سے اونٹ ہی مراد ہے کہ یہ جانور تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے بارکش اور عجیب الخلقہ جانور تمہارے لیے کیسا مسخر کر دیا۔ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ تمہارے لیے اس میں بہت کچھ منافع رکھے ہیں۔ پس ایسی پیاری چیز کو کہ جس کو عرب جان کے برابر عزیز رکھتے ہیں اپنی جان قربان کرنے کی عوض اس کی قربانی کر دو فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ کہ اس کو کھڑا کر کے پاؤں باندھ کر اس پر اللہ کا

[2] ان کے نزدیک یہ اجازت مخصوص ہے دشمن سے رکنے میں۔ ۱۲ منہ

[3] شعائر اللہ کہ اعلام الہیہ ان کو اس لیے شعائر کہا کہ ان کے کوہان میں بوقت ہدی بنانے کے زخم کر دیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ ہدی ہے۔ معالم التنزیل ۱۲ منہ

نام لو ذبح کی تکبیر پڑھو بسم اللہ واللہ اکبر اور اس طرح سے قربانی کرنے کو نحر کہتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے وافضل فی البدن النحر وفی البقر والغنم الذبح کہ بدنہ کے لیے نحر افضل ہے اور گائے بکری کے لیے ذبح کرنا افضل ہے لقولہ تعالیٰ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ آنحضرت ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے اگر بٹھا کر بھی ذبح کرلے گا تو جائز ہوگا جب نحر کر چکو اور وہ زمین پر گر پڑے یعنی جان نکل جاوے آپ بھی کھاؤ اور محتاجوں فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا الخ وجبت الجنوب کے معنی زمین پر گر پڑنا کہتے ہیں وجبت الی الارض اذا سقطت علی الارض اطعموا القانع والمعتر قانع سے مراد وہ محتاج ہے کہ جو قناعت کرے اور لوگوں سے مانگتا نہ پھرے اور معتر وہ جو مانگتا پھرے۔ غرض یہ کہ دونوں کو دو اور خود بھی کھاؤ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

قربانی کا تحقیقی جواب: اب اس جواب تحقیقی کو شروع کرتا ہے اور اسی کے ضمن میں ایک رسم جاہلیت پر تعریض کرتا ہے فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ کہ اللہ کے پاس ان قربانیوں کا نہ تو گوشت جاتا ہے نہ خون بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ صاحب معالم التنزیل وغیرہ نے اس آیت کی شان نزول میں یوں لکھا ہے کہ ایام جاہلیت میں عرب قربانی کر کے اس کا گوشت اور خون بتوں کے آگے رکھتے اور خون ان سے مل دیتے تھے اور اسی طرح کعبہ کی دیواروں کو بھی خون لگاتے تھے اس بات کی رد میں یہ آیت نازل ہوئی کہ قربانیوں کا خون اور گوشت اللہ کو مطلوب نہیں یہ اس کے پاس نہیں جاتا ہاں اس قربانی سے تمہارا تقویٰ مطلوب ہے اور وہی اس کے پاس جاتا ہے۔

اس آیت سے جواب تحقیقی یوں نکلتا ہے کہ بندہ کا کمال اور اس کی سعادت یہ ہے کہ اپنے معبود حقیقی اور خالق کی دل سے محبت کرے اور طبائع بشریہ میں محبت کا اخیر مرتبہ اس پر فدا اور قربان ہو جانا ہے اور اس لیے اظہار محبت کے مقامات پر ایسے الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے کہ تیرے قربان تجھ پر فدا اور یہ بات حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ پروانہ کا شمع پر جلنا اظہر من الشمس ہے حقیقی قربانی تو فنافی اللہ ہونا ہے جو خاصان خدا کا حصہ خاص ہے مگر اپنی محبوب ترین چیز کا قربان کرنا بھی اس کے قائم مقام ہے اور اپنے نفس کے بعد انسان کو دو چیز زیادہ محبوب ہیں اولاد اور مال۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نے اپنی قربانی فنافی اللہ کے بعد اپنے پیارے فرزند حضرت اسماعیل کی قربانی کا قصد مصمم کیا اور حج تو سراسر افعال عاشقانہ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اور نفس اور اولاد کا قربان کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ مال میں سے حیوانات اونٹ، بکری، دنبہ، گائے جو مرغوب چیز ہے اور انسان کے ساتھ حیوانیت میں شریک بھی ہیں اس لیے ان کی قربانی جاری کی گئی۔ تقویٰ خدا کے پاس پہنچنے سے یہی مراد ہے اس کے بعد فرماتا ہے كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کہ یہ جانور اس لیے تمہارے بس میں کر دیے گئے کہ تم اس کی رہنمائی کے موافق بوقت نحر یا ذبح اللہ کے نام کی تکبیر بیان کرو پھر اس دلیل کے بعد اس کے حکم ماننے والوں کے لیے آنحضرت ﷺ کو مژدہ دینے کا حکم دیتا ہے وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ خدا تعالیٰ کے ساتھ تقرب حاصل کرنا اعلیٰ درجہ کا احسان یعنی نیکی ہے پہلے ذکر تھا کہ کفار مسجد الحرام سے روکتے ہیں یہاں فضائل حج، قربانی اور ایمانداروں کے اوصاف ذکر کر کے ایمانداروں کی حمایت[2] کا مژدہ سناتا ہے بقولہ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور کافروں سے نفرت ظاہر کرتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ پہلے اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں مسلمانوں کے لیے ان کی حالت مظلومی پر مقابلہ کا اشارہ تھا مگر اس کے بعد

[1] آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انا ابن الذبیحین کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں اس سے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی طرف اشارہ ہو تو بعید نہیں۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی اللہ تعالیٰ تقریر میں بھی اور معاملات میں بھی ایمانداروں کی حمایت کرتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ انجام کار ان کو غالب کرے گا کفار روئے کے قابل نہ رہیں گے۔ ۱۲ منہ

بھی کفار قریش ظلم وستم سے باز نہ آتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس مسلمان زخمی ہو کر اور پٹ کر آیا کرتے تھے اور شکایت کر کے مقابلہ کی اجازت چاہتے تھے مگر آپ فرماتے تھے کہ صبر کرو پھر آپ مدینہ میں گئے تو یہ آیت اُذِنَ لِلَّذِيْنَ الخ نازل ہوئی یہ اجازت جہاد میں اول آیت ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾
الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ
وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ
وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ
اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۙ﴿۴۰﴾ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ
فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۙ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ
لُوْطٍ ۙ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ
اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا
وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ
مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ
اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ
الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ
وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾
وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿٤١﴾

جن (مسلمانوں) سے کافر لڑتے ہیں ان کے لیے (جنگ کی) اجازت دی گئی کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور البتہ اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیے گئے صرف اس کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹواتا تو تکیے اور مدرسے اور عبادت خانہ اور مسجدیں کہ جن میں اللہ کی بہت یاد کی جاتی ہے گرائی جا چکتیں اور بے شک جو اللہ کی مدد کرے گا تو اللہ بھی اس کی مدد کرے گا البتہ اللہ قوی زبردست ہے۔ ان کی مدد کرے گا کہ اگر ہم ان کے پاؤں ملک میں جما دیں حاکم کر دیں تو نماز پڑھا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور نیک باتوں کا حکم کیا کریں اور بری باتوں سے منع کیا کریں۔ اور ہر بات کا انجام تو اللہ کے ہاتھ ہے اور (اے نبی!) اگر وہ آپ کو جھٹلائے تو ان سے پہلے ہی نوح کی قوم اور عاد و ثمود اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین والے اپنے اپنے نبی کو جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ جھٹلائے گئے ہیں۔ پھر ہم نے منکروں کو (چند روز) مہلت دی پھر ان کو پکڑ لیا۔ (سو) دیکھا ہماری کیسی پکڑ تھی۔ (الغرض) کتنی بستیوں کو ہم غارت کر چکے ہیں اور وہ نافرمان تھیں۔ سو وہ اپنی چھتوں سمیت گری پڑی ہیں اور (کتنے ایک) کنوئیں نکمے پڑے ہیں اور بہت سے مستحکم محل جڑے پڑے ہیں۔ پھر کیا وہ ملک میں نہیں پھرے (چل کر دیکھتے) تو ان کے دل ایسے ہوتے کہ جن سے سمجھتے یا ایسے کان ہوتے کہ جن سے وہ سنتے پھر کچھ آنکھیں تو اندھی نہیں ہو جایا کرتیں پر اندھے تو دل ہی ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ اور (اے رسول!) وہ آپ سے عذاب مانگنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اور اللہ تو ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا اور تمہارے رب کے نزدیک (ایک دن) تمہاری گنتی کے ہزار برس کے برابر ہے اور کتنی ایک نافرمان بستیوں کو ہم نے مہلت دی اور وہ نافرمان تھیں پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا اور پھر کر تو ہمارے ہی پاس آنا ہے۔

مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت مکہ ہی میں نازل ہوئی ہے اس میں خاص ان لوگوں کو جہاد کی اجازت ہے جو ان کے ظلم و ستم سے ہجرت کر کے باہر جانا چاہتے تھے اور کفار ان کو زبردستی سے روکتے تھے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت ہے اور سبب اجازت بھی بیان کر دیا۔ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا کہ مسلمانوں پر ظلم کیا گیا اس لیے ان کو اجازت ہے کہ مقابلہ کریں۔ اہل مدینہ و ابن عامر و حفص يُقَاتَلُوْنَ کو بفتح تا پڑھتے ہیں یعنی ان مومنوں کو اجازت ہے کہ جن سے کفار مقاتلہ کرتے ہیں لڑتے مارتے ہیں قتل کرتے ہیں پھر ان کو وعدہ دیتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ اللہ ان کی مدد پر قادر ہے یعنی ان کو غالب کرے گا چنانچہ جب مظلوم مسلمانوں نے جہاد کی تلوار کھینچی تو سب کو زیر کر دیا اس کے بعد ان مسلمانوں کی حالت مظلومی بیان فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ الخ کہ جن کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے وہ مظلوم لوگ ہیں کہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں صرف اس جرم پر کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتے ہیں اور کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اس کے بعد اجازت جہاد کا سبب بیان فرماتا ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ الخ کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے شریروں سرکشوں کے شر اور ان کی سینہ زوری کو دوسرے لوگوں یعنی خدا پرستوں کے ہاتھ سے مٹاتا رہا ہے۔ اگر ایسا نہ کرتا تو نہ اگلے انبیاء کے عبادت خانے باقی رہتے نہ حال کے نبی کے عبادت خانے باقی رہیں نہ نماز و عبادت جاری رہے۔ صوامع جمع صومعہ مجاہد و ضحاک کہتے ہیں صوامع رہبان کے عبادت خانوں کو کہتے ہیں قتادہ کہتے ہیں فرقہ صائبین کے عبادت گاہوں کا نام ہے وبیع جمع بیعۃ نصاریٰ کے گرجے صلوات یہود کی نماز کی جگہ مساجد جمع مسجد اہل اسلام کے عبادت گاہ۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾

(اے نبی!) کہہ دو کہ لوگو! میں جو ہوں تو صرف تم کو صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے تو ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور جنہوں نے ہماری آیتوں کے پست کرنے میں کوشش کی ہے وہی دوزخی ہیں اور ہم نے (اے نبی!) تم سے پہلے کوئی بھی ایسا رسول نہیں بھیجا اور نہ نبی کہ اس نے جب کوئی تمنا کی ہو اور شیطان نے اس کے تمنا میں کچھ آمیزش نہ کی ہو۔ اللہ شیطان کی آمیزش کو دور کر کے اپنی آیتوں کو مستحکم کر دیا کرتا ہے اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔ تاکہ شیطان کی آمیزش کو ان لوگوں کے لیے کہ جن کے دلوں میں مرض (شک) ہو اور جن کے دل سخت ہیں ان کے لیے آزمائش بنا دے اور بے شک ظالم تو بڑے ضد میں پڑے ہوئے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ علم والے اس کو حق اور اپنے رب کی طرف سے جان کر اس پر ایمان لاویں اور ان کے دل اس کے لیے جھک پڑیں اور اللہ ایمانداروں کو سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

ابو العالیہ کہتے ہیں صوامع نصاریٰ کے اور بیع یہود کے اور صلوات صابیوں کے اور مساجد مسلمانوں کے عبادت خانے بعض کہتے ہیں یہ سب مساجد مسلمین کے نام ہیں اوصاف مخصوصہ کے لحاظ سے یہ حسن کا قول ہے۔

یہود و نصاریٰ کے عبادت خانوں کو خدا نے محفوظ رکھنا یا تو اس لیے فرمایا کہ نسخ و تحریف سے بیشتر یہ مقامات متبرکہ تھے بعض کہتے ہیں بعد نسخ تحریف کے بھی ان کی عزت فی الجملہ باقی ہے۔ کس لیے کہ ان میں بھی تو اللہ ہی کی عبادت کی جاتی ہے یہ بت خانہ نہیں ہیں جہاں بتوں کی پرستش ہوتی ہے اور حسن کے قول کے موافق تو اس گفتگو کی ضرورت نہیں کیونکہ مساجد مراد ہیں۔ اس کے بعد مجاہدوں کو اپنی مدد کا بھروسہ دیتا ہے۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ کہ جو اللہ کی یعنی اس کے دین اور انبیاء کی اعانت و حمایت کرے گا خدا ضرور اس کی بھی مدد کرے گا پھر ان ناصرین دین کے چند اوصاف ذکر کرتا ہے کہ اگر اللہ کی مدد سے وہ زمین پر غالب ہو جاویں اور سلطنت و حکومت حاصل کریں تو (۱) نمازیں پڑھا کریں (۲) زکوٰۃ دیا کریں (۳) نیک باتوں کا حکم دیا کریں (۴) بری باتوں سے لوگوں کو منع کیا کریں۔ مطلب یہ کہ جب خدا ملک پر کسی قوم کو وصلہ سمایت دینی قابض و مسلط کرے تو ان کو یہ باتیں عمل میں لانی چاہییں نہ کہ عیاشی اور فسق و فجور میں مبتلا ہونا چاہیے کیونکہ ان کے غالب و مسلط کرنے سے اللہ کا یہی مقصود ہے کہ زمین پر نیکی اور خدا پرستی اور عدل و انصاف قائم رہے اسی لیے اس بات کو بطور پیشین گوئی فرمایا کہ وہ ضرور ایسا کریں گے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اور آپ کے بعد خلفاء اربعہ[1] نے دین الٰہی کی مدد کی جہاد کر کے مخالفوں کو سرنگوں کرتا چاہا خدا نے حسب وعدہ ان کی مدد کی کہ ان کو ملکوں کا مالک کر دیا پس بموجب پیشین گوئی ان میں یہ سب خوبیاں موجود تھیں پھر

[1] خلفائے اربعہ

ان کو ظالم و غاصب کہنا کلام الٰہی کی تکذیب کرنا ہے۔

اور اسی لیے بعد میں فرمادیا وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ کہ اللہ کو ہر بات کا انجام کار معلوم ہے وہ بصلہ حمایت دینی ایسے لوگوں کو ملک پر کیں قابض کرنے لگا جو اقتدار پا کر فساد کریں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اگر یہ مشرکین اپنی دولت وحشمت کے گھمنڈ میں آپ کو جھٹلاتے ہیں تو کچھ رنج کی بات نہیں ہے آپ سے پیشتر قوم نوح اور عاد وثمود اور قوم ابراہیم اور لوط اور مدین کے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے موسیٰ علیہ السلام بھی جھٹلائے گئے ہیں مگر انجام کار ہم نے منکروں کو ہلاک کر دیا ملک میں پھر کر دیکھو کہ ان کے بلند محل اور بڑے عمیق کنوئیں کیسے برباد پڑے ہیں؟

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً
اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۚ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ ع وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ
وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ
اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ
ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ
يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ
وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾

اور منکر تو ہمیشہ اس[1] سے شک میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ یکایک ان پر قیامت آجاوے یا ان کو منحوس دن کا عذاب آلیوے۔ اس روز اللہ ہی کی حکومت ہے وہی ان میں فیصلہ بھی کر دے گا پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے اور جو منکر ہوئے اور انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں سو انہیں کو ذلت کا عذاب ہے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ مارے گئے یا خود مر گئے البتہ ان کو اللہ عمدہ روزی دے گا آخرت میں اور

[1] یعنی قرآن ووحی سے۔ ۱۲ منہ

بے شک اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ البتہ اللہ ہی ان کو ایسی جگہ میں پہنچادے گا کہ جس سے وہ خوش ہو جاویں گے اور اللہ خبردار تحمل والا ہے بات یہ ہے جو کسی نے اسی قدر بدلہ لیا کہ جس قدر اس کو تکلیف دی گئی تھی پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا[1] البتہ اللہ درگزر کرنے والا معاف کرنے والا ہے یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کیا کرتا ہے اور بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے (یعنی قادر اور واقف ہے) یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہی غلط ہے اور بے شک اللہ ہی عالیشان بزرگ ہے۔

اس کو ان کر منکرین عذاب کے خواستگار ہوتے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اللہ ہرگز اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا اور عذاب کے لیے جلدی کرنا اور اس کے انتظار کی مدت کو بہت شمار کرنا عبث ہے۔ ہاں عذاب کے ایام البتہ بڑے سخت ایام ہیں وہاں کا ایک روز بوجہ سختی اور تکلیف کے جو منکروں پر ہوگی جس کی مفصل کیفیت اللہ جانتا ہے وان یوما عند ربك تعدون کی درازی ضرب المثل ہے معالم میں ہے قال مجاہد وعکرمہ یوما من ایام الآخرۃ میں خدا تعالیٰ ایام کی ایسی درازی کرے گا کہ وہاں کا ایک روز یہاں کے ہزار برس کے برابر ہوگا بعض کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ مہلت دینے میں ایک روز اور ہزار برس دونوں برابر ہیں کیونکہ وہ قادر ہے جب چاہے مؤاخذہ کرے تاخیر سے اس کے وقوع میں تردد نہ کرنا چاہیے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے ان سے کہہ دو کہ تم کس لیے جلدی کرتے ہو میں تمہیں مطلع کرنے آیا ہوں کہ جو ایمان لائے گا نیک کام کرے گا مغفرت اور دنیا و آخرت میں عزت پاوے گا اور جو مقابلہ کرے گا جہنم میں جائے گا میں نذیر ہوں بشیر ہوں نہ خدا ہوں نہ خدا کے گھر کا مالک و مختار کہ جو چاہوں تمہاری خواہشوں کے موافق اس کو کر دکھاؤں۔ اس لیے اس بات کی تائید کے لیے یہ کلام بعد میں صادر فرمایا وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ کہ اے محمد (ﷺ)! تم پر کیا موقوف ہے تم سے پیشتر جس قدر رسول اور نبی بھیجے گئے ہیں گو وہ معصوم تھے مگر بشر تھے خواص بشریہ سے خالی نہ تھے جب کبھی کسی نے ان میں سے کوئی تمنا کی ہے یعنی کسی امر مہتم بالشان کی طرف توجہ تام کی ہے تو قوت متوہمہ نے جس کو شیطان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے کچھ نہ کچھ اس میں خلط کر دیا ہے چنانچہ انہیں ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا گیا کہ آپ ہجرت کر کے ایسے ملک میں گئے ہیں جہاں نخلستان ہے پس قوت متوہمہ نے کھجور یمامہ وہجر کی طرف خیال دوڑایا حالانکہ مراد مدینہ تھا۔ اسی طرح خواب میں دیکھا کہ حلق وقصر کر کے مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ وہم نے کہہ دیا کہ اب کے سال میں یہ واقعہ پیش آئے گا حالانکہ کئی سال بعد پیش آیا۔ اسی طرح آیات میں جو مجملاً پیشین گوئیاں ہوتی ہیں ان کی تعیین میں قوت متوہمہ دخل در معقولات کر دیتی ہیں۔ پس ایسی باتیں ضعیف الایمان اور سست اعتقاد اور ناپاک دل والوں کے لیے فتنہ یعنی آزمائش ہو جاتی ہیں وہ ڈگمگا جاتے ہیں شبہ کرنے لگتے ہیں اور اہل علم اور راسخ الاعتقاد اس بات کی حقیقت پر واقف ہو کر اس کو ایک بات من جانب اللہ جان کر اس پر ایمان لاتے اور دل میں خائف ہو جاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۭ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ
لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ
الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ ع

[1] یعنی اس مظلوم کی جس نے بدلہ لیا تھا اور پھر ظالم یا اس کے مددگار نے اس بدلہ لینے والے پر یا درگر ظلم کیا تو خدا اس مظلوم کا مددگار ہے۔ ۱۲ منہ

تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ؕ وَ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا
بِاِذْنِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۵﴾ وَ ھُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاكُمْ ثُمَّ
یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا
مَنْسَكًا ھُمْ نَاسِكُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰی
ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰہُ
یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ
اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴿۷۰﴾ وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَّمَا
لَیْسَ لَھُمْ بِہٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۷۱﴾ وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ
اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ
بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمُ ؕ
اَلنَّارُ ؕ وَعَدَھَا اللّٰہُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۲﴾

ع ۹

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے تو (اس سے) زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ (اپنے بندوں پر) مہربان اور ان کے حال سے واقف ہے، اس کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی وہ بے نیاز اور قابل ستائش ہے اور (اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین کی چیزوں کو مسخر کر دیا اور کشتی کو بھی کہ جو دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور اسی نے آسمان کو تھام رکھا ہے کہ اس کے حکم بغیر زمین پر کہیں گر نہیں پاتا۔ بے شک اللہ آدمیوں کے ساتھ نہایت نرمی کرنے والا مہربان ہے اور وہی تو ہے کہ جس نے تم کو زندہ کیا، پھر وہی تم کو مارے گا پھر وہی تم کو بار دگر زندہ کر دے گا۔ البتہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ہم نے ہر قوم کے لیے ایک دستور مقرر کر دیا ہے کہ جس پر وہ عمل کرتے ہیں پس اس کام میں کوئی تم سے نہ جھگڑے اور آپ اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلائیے کیونکہ آپ سیدھے رستہ پر ہیں اور اگر آپ سے وہ بحثیں بھی تو کہہ دو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اس کو خوب جانتا ہے۔ اللہ قیامت کے دن آپ فیصلہ کر دے گا۔ جس چیز میں کہ تم باہم اختلاف کر رہے ہو (اے مخاطب!) کیا تو نہیں جانتا کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ سب کو جانتا ہے یہ سب کچھ اس کے دفتر میں لکھا ہوا (موجود) ہے یہ اللہ پر آسان بات ہے اور وہ اللہ کے سوا اس کو پوجتے ہیں کہ جس پر نہ اس نے ہی کوئی سند اتاری ہے اور نہ ان کے پاس ہی کوئی اس کا علم ہے اور ان ظالموں کا تو کوئی بھی مددگار نہ ہوگا[1] اور جبکہ ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو ان کے چہروں پر

[1] نہ خدا ہی مددگار ہوتا نہ ان کے وہ خیالی معبود جن کو وہ مددگار سمجھ کر پوج رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

(اے نبی!) تم کو ناراضی معلوم ہوگی (یہاں تک کہ) جو ان کو ہماری آیتیں سناتے ہیں قریب ہے کہ ان پر حملہ کر بیٹھیں کہہ دو کہ تو میں تم کو اس سے بھی سخت تر بات سناؤں (وہ کیا ہے) آگ کہ جس کا خدا نے منکروں سے وعدہ کر لیا ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔

مگر خدا تعالیٰ اس آمیزش کو دور کر کے جو امر حق ہے اس کو قائم رکھتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے فینسخ اللہ مایلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ واللہ علیم حکیم۔ آیات سے مراد وہ احکام حقہ ہیں جو رسولؐ اور انبیاء کو القاء ہوتے ہیں اللہ آمیزش وہمی کو دور کر کے انہیں صاف اور مستحکم کر دیتا ہے باقی مطلب صاف ہے۔

بعض مفسرین کی عادت ہے کہ وہ قرآن مجید کے صاف اور سیدھے مطلب کو الجھاوے میں ڈال دیتے ہیں اور جب کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو اس کے لیے کوئی قصہ گھڑ لیتے ہیں پھر اس کو شان نزول قرار دے لیتے ہیں اور پھر لفظ حدثنا یا اخبرنا دیکھ کر خوش اعتقاد لوگ اس مہمل بات کو حدیث سمجھ لیتے ہیں چنانچہ انہیں آیات کی تفسیر میں ایک قصہ نقل کیا کرتے ہیں کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ نے سورۃ النجم کی اس آیت کے بعد وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی القاء شیطانی سے جو آپ کے دل میں خیال تھا بت پرستوں کے خوش کرنے کو یہ جملہ بھی پڑھ دیا تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی جس سے مشرکین خوش ہو گئے مگر جبرئیل علیہ السلام نے آ کر آپ کو متنبہ کیا اور آپ کو رنج ہوا اس لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

پھر بعض اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ شیطان نے اثناء قرأت میں یہ جملہ ملا دیا تھا بعض کہتے ہیں استفہام انکاری کے طور پر یہ جملہ آپ نے کہا تھا مگر جب سرے سے اس قصہ کی اصل نہیں اور امام بیہقی نے خاص اس کے رد میں ایک رسالہ لکھ دیا اور ثابت کر دیا کہ یہ قصہ زندیقوں کا بنایا ہوا ہے۔ کسی صحیح سند اور معتبر راویوں سے اس کا کچھ بھی پتا نہیں لگتا تو پھر ان توجیہات اور اس کے مقابلہ میں قرآن مجید کے آیات اور دیگر دلائل کی کیا ضرورت ہے؟ امام فخر رازی و صاحب مدارک و بیضاوی وغیرہ محققین نے اس قصہ کا ابطال بڑی دلائل عقلیہ و نقلیہ سے کیا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْھُمُ
الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾
مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾

لوگو ایک مثل بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو (وہ یہ کہ) جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ وہ سب اس کے لیے جمع بھی ہو جاویں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لی جاوے تو اس سے واپس بھی نہیں لے سکتے طالب[1] اور مطلوب (دونوں ہی) بودے ہیں انہوں نے اللہ کی (جیسا کہ چاہیے تھی) کچھ بھی قدر نہ کی بے شک اللہ تو بڑا قوی زبردست ہے۔

مگر اسلام پر عیب لگانے کے لیے پادری صاحب ایسے لغو قصہ کو خواہ مخواہ پیش ہی کر دیا کرتے ہیں حالانکہ ایسی بے اصل باتوں سے اسلام پر عیب لگانا انصاف اور خدا ترسی سے بہت ہی بعید ہے واللہ اعلم اُولٰٓئِكَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ تک اسی بیان کا تتمہ ہے پھر وَالَّذِیْنَ

[1] عابد و معبود۔

هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ تک اصل مطلب کی طرف رجوع ہے کہ خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں اور ظالموں کے ہاتھ سے مارے جانے والوں کو آخرت میں بڑے درجات اور عمدہ مقامات ہیں اور دنیا میں بھی خدا اس گروہ کی مدد کرے گا وہ بات پر قادر ہے پھر اپنی قدرت اور جبروت کا اظہار عالم میں گوناگوں تصرفات سے ظاہر کرتا ہے بقولہ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ الخ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ اور انہیں جملوں میں انسان ناقدرے اور ہٹ دھرم کو اپنی بیشمار نعمتیں بھی یاد دلاتا ہے۔ شبہ ہوتا تھا کہ جب خدا تعالیٰ رحیم، کریم، منعم ہے اور اس کی رحمت اور اس کے فیض سے کوئی خالی نہیں تو پھر بندوں کو محمد ﷺ کی معرفت پابندی شریعت و احکام کی کیوں تکلیف دیتا ہے؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ کہ ہم نے بندوں کی بھلائی کے لیے ہر امت کے لیے ان کے مناسب ان کے انبیاء اور ہادیوں کی معرفت (جیسا کہ فرمایا ہے ولکل قوم هاد، وان من امة الا خلا فیها نذیر) ایک شریعت اور رستہ بتا دیا ہے اور فلاح دارین کے لیے ایک قانون دیا ہے جس کے وہ پابند تھے فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ پھر ان کو تم سے اے نبی! اس امر میں جھگڑا کرنا مناسب نہیں وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِیْمٍ آپ سب لوگوں کو ان کے رب کی طرف بلایئے یہ کہ تم سیدھے رستے پر ہو۔ دلائل میں نظر کر کے ہر عاقل جان سکتا ہے وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اگر اس کے بعد بھی وہ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو کہ اللہ تمہارے کام سے خوب واقف ہے وہ آپ سمجھ لیگا اَللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ اور قیامت کے دن آپ فیصلہ کر دے گا (منسک شریعت اور رستہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے جیسا کہ عطاء نے نقل کیا ہے اور یہی ٹھیک ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا بعض نے ذبح و قربانی بھی مراد لی ہے) اللہ کو ہر بات معلوم ہے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ اے مخاطب! تو خود جانتا ہے کہ آسمان اور زمین کی ہر بات معلوم ہے اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں ہے اور یہ بات اللہ کے نزدیک کچھ مشکل نہیں بلکہ بہت آسان ہے پھر باوجود اس کے ان لوگوں کی عقل کو دیکھئے کہ شریعت و طریقہ انبیاء کو بگاڑ کر ویعبدون من دون الله مالم ینزل به سلطانا الخ ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں کہ جن کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی بھی سند نہیں۔ یعنی یہ جو کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ خدا کے گھر کے مختار ہیں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں یا قیامت میں ہمارے لیے سفارش کریں گے اس بات پر ان کے پاس خدا کے ہاں سے کیا دلیل ہے محض خیالی بات ہے اس سے بڑھ کر وَمَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ان چیزوں کو پوجتے ہیں کہ جنہیں جانتے بھی نہیں۔ علم حقیقی ان کی ماہیت کا نہیں رکھتے جیسا کہ ہزاروں معبودِ خیالی ہنود کے ہیں کالی پری، سبز پری، فلاں دیو، فلاں بھوت۔ یہی حال عرب کی قوموں کا تھا مگر وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ جب ان کو رد شرک کے بارہ میں ہماری کھلی کھلی آیتیں اور دلائل سنائے جاتے ہیں تو ان کو ناگوار بناتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آیتوں کے سنانے والوں پر حملہ کریں وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا الخ فرماتا ہے کہ یہ کیا ناگوار ہے جہنم کی آگ اس سے زیادہ ناگوار ہوگی جو منکروں کے لیے مقرر ہو چکی ہے قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ الخ اس کے بعد ان کے معبودوں کے بطور خاکی ظاہر کرنے کے لیے فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ کہ ایک مثل بیان کرتے ہیں اس کو سنو اور وہ مثل یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا فرمایا کہ جس کو پکارنا اور اس سے مدد چاہنا جائز ہے اس کو قدرت تو ہونی چاہیے اور وہ خالق بھی ہو اور خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ سب حیوانات میں کم مرتبہ بھی ہے۔

اس کو تو بنا ہی نہیں سکتے ولو اجتمعوا له اگر وہ سب بھی جمع ہو کر پیدا کریں تو نہیں کر سکتے پھر دوسری بات اس سے بھی کمتر ہے اور وہ یہ کہ ان یسلبهم الذباب الخ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے اڑے تو اس سے چھین بھی نہیں سکتے پس جب یہ حال ہے تو ضعف الطالب والمطلوب ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد معبود۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں طالب سے مراد مکھی ہے جو بتوں

کی چڑھی ہوئی چیز پر آ بیٹھتی ہے اس کو لیتی ہے اور مطلوب صنم ہے کہ جس سے مکھی طلب کرتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ العکس طالب صنم مطلوب بھی ہیں قدر سب ضعیف و کمزور ہیں جو بت اپنے منہ سے مکھی نہ اڑا سکے بھلا اس کو پوجنا کس عقل کا کام ہے؟ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ بات یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ چاہیے تھا اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ وہ قوی اور ہر بات پر قادر ہے پھر بندوں کو کیا مصیبت ہے جو اس کے سوا اوروں کے پاس جاتے ہیں کیا وہ کافی نہیں یا اور کوئی اس سے زیادہ قادر ہے؟

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾
یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ
عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ
الْمُسْلِمِیْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ
وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ۚۖ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۷۸﴾

الحج ۲۲ — الحجدة

(فرشتوں اور آدمیوں میں سے اللہ ہی (جس کو چاہتا ہے) پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کر لیتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ (اور) وہی سب کا اگلا اور پچھلا حال جانتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب باتیں رجوع کرتی ہیں ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور بھلائی کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ اور اللہ کی راہ میں جیسا کہ چاہیے جہاد بھی کرو اسی لیے تو تم کو انتخاب کیا ہے اور تم پر اس نے دین میں کوئی تنگی بھی نہیں کی ہے۔ تمہارے باپ ابراہیم کا ہی تو دین ہے اس نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا ہے اور اس قرآن میں بھی تا کہ رسول تم پر گواہ بنے اور تم لوگوں پر گواہ بنو۔ پس نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو اور اللہ کو مضبوط پکڑ لو وہی تو تمہارا مولا ہے پھر کیا ہی خوب مولا اور کیا ہی خوب مددگار ہے۔

ان کی حقیقت تو معلوم ہو گئی اب رہے وہ لوگ کہ جو خدا کے برگزیدہ ہیں ملائکہ و انبیاء جن کو کہ اکثر بت پرست یا مشرکین پوجتے ہیں اور مرتبہ حقیقی کے برابر ان کے درجات تسلیم کر کے ان سے حاجات کا سوال کرتے ہیں جیسا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ہنود اپنے بزرگوں کو آج کل کے جاہل مسلمان اولیاء کرام اور بزرگان دین کو پوجتے ہیں اور عرب کے مشرکین اور صابئین ملائکہ کو پوجتے تھے پس ان کی نسبت فرماتا ہے اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ کہ ملائکہ اور لوگوں میں سے جو ممتاز اور رسول ہیں ان کو بھی تو اللہ ہی نے برگزیدہ کیا ہے یعنی ان کے کمالات اپنے گھر کے نہیں ان کی بزرگی اللہ کی عطا کی ہوئی ہے پھر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے بندوں کو پوجنا کیا عقل ہے؟ دوم فقط رسلا میں اشارہ ہے کہ ملائکہ یا انسانوں میں جس قدر محترم اور معزز ہیں وہ رسول ہیں یعنی رسل ملائکہ یا بنی آدم ان کے بھی مصطفیٰ اور برگزیدگی کا باعث رسالت ہے پھر یہ جس کے رسول ہیں اس کے برابر اور اس سے زیادہ کیونکر ہو سکتے ہیں؟ سوم جب رسول

ہیں تو ضرور یہ اللہ کے پیغام بندوں کے پاس لاتے تھے اور سب سے مؤکد پیغام یہی تھا کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ بنانا پھر عجب ہے کہ ان کے پیغام کو بالائے طاق رکھ کر انہیں کو خدائی کا شریک سمجھنے لگے۔ اور اسی کلام میں مکہ کے منکروں کا جواب بھی ہے وہ کہتے تھے کہ کیا اللہ نے ہم سب میں سے محمد (ﷺ) ہی کو رسالت کے لیے خاص کر لیا۔ انزل علیہ الذکر من بیننا کہ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ اللہ فرشتوں میں سے جس فرشتہ کو چاہتا ہے اس کام کے لیے ممتاز کر لیتا ہے اور اسی طرح انسانوں میں سے جس انسان کو چاہتا ہے اس کام کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ وہ ہر ایک بات کی مصلحت سے خوب واقف ہے اور ان بزرگوں کے پوجنے والے جو چیزیں کہ ان کو الوہیت میں شریک کرتے ہیں وہ ان کی باتیں سن رہا ہے اور جو کچھ افعال عبودیت ان بزرگوں کے لیے کر رہے ہیں ان کو دیکھ رہا ہے يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ اللہ کو اگلی پچھلی ہر بات معلوم ہے وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور ہر بات کا انتہا اللہ ہی کی طرف ہے یعنی ہر بات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اگلے جملے سے علم اس سے قدرت کا اثبات مقصود ہے۔

بت پرستی اور شرک کی مذمت اور دنیا میں رسولوں کی بعثت بیان کر کے ایمانداروں کو ان باتوں کی تاکید کرتا ہے جو نجات اور فلاح کا ذریعہ ہیں فقال يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا کہ اے ایماندارو خدا تعالیٰ کو رکوع سجود کرو یعنی نماز پڑھا کرو جس میں رکوع اور سجود ہے اور نماز کے علاوہ اور بھی عبادت کیا کرو اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ تلاوت ذکر روزہ اور وَافْعَلُوا الْخَيْرَ ہر ایک نیکی کرو اس میں صدقہ خیرات، صدقات، مکارم اخلاق دنیا کی سب اچھی باتیں آ گئیں۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تا کہ تمہیں فلاح ہو۔ ابن المبارک واحمد واسحاق وامام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے بعد سجدہ کرنا لازم ہے اور سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک اس جگہ سجدہ تلاوت واجب نہیں قرآن مجید میں چودہ جگہ سجدہ تلاوت واجب ہے امام شافعی سورہ صٓ میں سجدہ واجب نہیں جانتے۔ اس کے بدلہ میں اس جگہ کا سجدہ لے کر چودہ پورے کرتے ہیں ہمارے امام کے نزدیک سورہ صٓ میں سجدہ ہے یہاں نہیں۔ واللہ اعلم

اس کے بعد ایک اور حکم دیتا ہے وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ جہاد سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دشمنان دین سے جنگ کرنا ہے اور حق جہاد سے مراد پورے طور پر اور نہایت سعی وکوشش سے جس کی تفسیر بعض نے یوں کی ہے کہ خالصاً للہ اور بعض کہتے ہیں جس میں مرار اور اللہ کی مخالفت نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں جس میں کسی کی ملامت کا خوف نہ ہو۔ پھر یہ عام ہے خواہ زبان سے ہو خواہ تلوار سے اور اس حکم کا سب کے اخیر میں صادر کرنا اس بات کو جتلاتا ہے کہ نماز وفعل الخیرات سب سے بڑھ کر یہ کام ہے کیونکہ جب تک شر اعداء سے امن قائم نہ ہوگا تو زمین پر خدا تعالیٰ کے بندے نہ بفراغ قلبی نماز پڑھ سکیں گے نہ کوئی اور نیک کام کر سکیں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں جَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ سے عام طور پر ہر دینی بات میں دل سے کوشش کرنا مراد ہے خواہ اعداء دین سے جنگ ہو خواہ علم دین کی ترویج خواہ اور نیکی کی باتیں اس تقدیر پر یہ جملہ گویا کلام سابق کے لیے تاکید ہے۔

بعض اہل عرفان جیسا کہ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں اس سے مراد مجاہدۂ نفس ہے کہ نفس کو ناجائز خواہشوں سے روکو اور اسی کو جہاد اکبر کہتے ہیں اور یہی حق الجہاد ہے۔ پھر فرماتا ہے هُوَ اجْتَبٰىكُمْ کہ اللہ نے تم کو اے امت محمد (ﷺ) اس خدمت کے لیے ممتاز کر لیا ہے تم کسی کے طعن وتشنیع کی پروانہ کرو۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اور تم کو جو شریعت دی گئی ہے اس میں کوئی مشکل اور دقت نہیں رکھی گئی ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ جس سے خلاصی اور جس کی معافی توبہ واستغفار یا کفارہ وقصاص سے نہ مقرر کی گئی ہو اور اسی طرح اوقات عبادت کے لحاظ سے بھی سہولت ہے اور اسی طرح اگر غسل ووضو نہ کر سکے تیمم کی اجازت ہے۔ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے بیٹھ کر پڑھ لے سفر میں قصر ہے بیمار کو افطار کی رخصت ہے یہاں تک کہ جو چیزیں سور مردار وغیرہ حرام ہیں بوقت اضطرار ان کی بھی اجازت ہے۔ یہود کی طرح شریعت اور احکام سخت نہیں نہ ہنود کی طرح کچا مذہب ہے کہ غیر کے ہاتھ لگنے سے دھرم بھرشٹ ہو جاوے۔ اپنے ہاتھ سے چوکا کرے اور

ہزاروں پاک چیزیں حرام وممنوع ان کے ہاں قرار دی گئی ہیں یہاں تک کہ سفر وحضر، موت وحیات معاملات کا دائرہ تنگ کر دیا گیا ہے۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ہے کوئی نئی شریعت نہیں۔ اس میں عرب کی طرف خطاب ہے جو اکثر ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور تمام امت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ کس لیے کہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے جد امجد ہونے کی وجہ سے جو مسلمانوں کے روحانی باپ ہیں سب مسلمانوں کے باپ ہیں قرآن مجید میں حضرت ﷺ کی بیویوں کو مسلمانوں کی ماں کہا ہے وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ پس آپ باپ ہیں اور آنحضرت ﷺ کی شریعت کا مادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ہے نے تو تمہارا نام پہلے سے مسلمان یعنی فرمانبردار کہا ہے جیسا کہ دعا کی تھی وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وفی ہذا اور اس کتاب میں بھی اور اس عہد میں بھی تمہارا نام مسلمان قرار پایا ہے لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ تا کہ رسول قیامت میں تمہارا گواہ بنے اور تم تمام بنی آدم کے لیے گواہ ہو۔ توحید وعبادات کا قیام تمہارے سپرد کیا گیا ہے فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ جانی اور مالی عبادت میں سرگرم رہا کرو وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ اور ہر بات میں اللہ ہی کا بھروسہ رکھو اپنے دشمنوں سے کچھ خوف نہ کرو کیونکہ هُوَ مَوْلٰىكُمْ وہ تمہارا مالک اور کارساز ہے فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ
اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ
حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾
الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

بے شک ایمان والے مراد کو پہنچے (یہ) وہ ہیں جو اپنی نماز میں عاجزی کیا کرتے ہیں اور وہ جو بے ہودہ باتوں سے الگ رہتے ہیں اور وہ جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے ستر کو محفوظ رکھتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں پر اس لیے کہ ان میں کوئی الزام نہیں۔ پھر جو کوئی اس کے سوائے ڈھونڈے تو وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کیا کرتے ہیں وہی وارث ہیں جو جنت الفردوس کا ورثہ پاویں گے (اور) وہ اس میں سدا رہا کریں گے۔

ترکیب: الذین المؤمنون کی صفت یا بدل والذین اس پر معطوف الا علی ازواجهم فی موضع نصب لان المعنی صانوا اعامن کل فرج الامن فروج ازواجهم اور حال بھی ہو سکتا ہے ای الا والین علی ازواجهم اوقوامین علیهن من قولک کان فلان علی فلانة هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ جملہ

حال مقدر ہے فاعل سے یا مفعول سے۔

تفسیر: یہ سورۃ بھی مکہ میں ہجرت سے پیشتر نازل ہوئی ہے۔ احمد و ترمذی و نسائی نے روایت کی ہے جس کا اخیر جملہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے بعد فرمایا کہ مجھ پر دس آیات یعنی اس سورہ کا اول ایسی نازل ہوئی ہیں جو ان پر عمل کریگا جنت میں داخل ہوگا۔ سورہ حج کے آخیر میں تھا کہ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو خدا نے برگزیدہ کیا ہے کہ تم اور لوگوں پر دنیا و آخرت میں نیکی اور بھلائی معاملات میں شہادت ادا کرو جس کام کو بالاتفاق تم اچھا کہو یا جس شخص کو تم بھلا کہو وہی اچھا اور وہی بھلا ہے اور رسول ایسے معاملات میں تمہاری شہادت ادا کرنے والا ہے تمہاری اچھائی اور برائی رسول کی شہادت پر موقوف ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ گواہ جب تک عدل یعنی نیک معتبر نہ ہو تو اس کی گواہی کیا۔ اس لیے اس سورہ میں اصول حسنات کی طرف اس جملہ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ اجمالاً اشارہ تھا۔ اس سورہ میں اس کی تشریح فرمائی گئی اور اصول حسنات جو موجب فلاح و صلاح دارین ہیں بتلائے گئے اور اصول حسنات بیان فرمانے سے پہلے ان پر عمل کرنے والے کو بلفظ قد جس کے معنی تحقیق اور ضرور کے ہیں فلاح کا مژدہ بھی دے دیا کہ اس کی فلاح میں کوئی شک و شبہ نہیں فقال قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کہ ایمانداروں نے فلاح حاصل کر لی۔ آگے اس فلاح کی بھی شرح فرمائے گا مگر اس سے پہلے وہ اوصاف ارشاد فرماتا ہے جن پر فلاح مرتب ہے یہ سات صفت ہیں جو تمام مکارم اخلاق کے اصل اصول ہیں اور جن میں دنیا و آخرت کے متعلق حکمت نظری عملی تہذیب اخلاق سے لے کر تدبیر المنزل تک کوئی بات رہ نہیں گئی ہے (۱) المومنون اس میں ایمان کا ذکر ہے جو سب نیکیوں کی جڑ ہے اس میں اجمالاً اللہ اور اس کے صفات اور ملائکہ اور انبیاء اور ان کی کتب اور دار آخرت کی تصدیق آگئی۔ تمام حکمت نظریہ کا عطر ہے۔ (۲) اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ یہاں سے حکمت عملیہ شروع

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور البتہ انسان کو ہم نے چنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک قرارگاہ (رحم) میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ کو علقہ بنایا پھر علقہ کو مضغہ گوشت بنایا پھر مضغہ گوشت میں ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا پھر اس کو ایک دوسری صورت میں بنا دیا پس تبارک اللہ وہ کیا ہی عمدہ بنانے والا ہے پھر اس کے بعد تم کو مرنا ہے پھر قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

ہوتی ہے اور نماز سب میں اول بات ہے اس جملہ میں نہ صرف نماز پڑھنے ہی کا حکم ہے بلکہ نماز میں عاجزی کرنے کا بھی۔ خشوع کے معنی میں اختلاف ہے بعض اس کو دل کا فعل کہتے ہیں۔ ڈرنا اور دل سے معافی پر لحاظ کر کے خدا تعالیٰ کو حاضر یا اپنے آپ کو اس کے آگے کمزور سمجھ کر عجز و نیاز کرنا اور بعض اس کو ہاتھ پاؤں کا عمل کہتے ہیں سکون سے کھڑا رہنا ادھر ادھر التفات نہ کرنا کپڑے یا ڈاڑھی یا اور چیز سے کھیل نہ کرنا۔ نماز کے اندر اور بعض نے دونوں باتوں کو لیا ہے اور یہی قوی ہے اور صحیح حدیثوں میں دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہے اور یہ کام

ہے۔ کس لیے کہ جب انسان اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے سامنے سمجھے گا اور اس سے عجز و نیاز کرے گا جو روح نماز ہے تو وہ کبھی ادھر ادھر ملتفت نہ ہوگا۔ جب شاہان دنیا کے دربار میں ادھر ادھر ملتفت ہونا سوءِ ادب ہے تو وہاں دربار عالی میں کیونکر ادھر ادھر ملتفت ہو سکتا ہے وہاں جو رسمی نماز پڑھتے ہیں اور دل سے نہ ان کو حضور ہے نہ نیاز وہ ایسی باتیں کرتے ہیں ان کی نماز ان کے منہ پر ماری جاتی ہے۔ (۳) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ سے وہ جو بیہودہ باتوں سے کنارہ کرتے ہیں لغو حرام اور مکروہ اور اس مباح فعل کو بھی کہتے ہیں کہ جس کی طرف انسان کو کوئی حاجت یا ضرورت نہ ہو۔ افسوس کہ آج کل مسلمان اس لغو میں کیسے مبتلا ہیں دنیاوی امور میں صدہا مکانات اور بے ضرورت اسباب فرنیچر اور بناکر تاج ہو جاتے ہیں بیاہ شادی میں اس لغو کا کچھ انتہا نہیں۔ آتشبازی، ناچ رنگ کیا کیا ہوتا ہے اور اسی طرح دینی معاملات میں لغو کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کے مزاراتِ مقدسہ پر کیا کچھ نہیں ہوتا، پھر قبروں پر ناچ ہوتا ہے اور دیگر فضول باتیں ہوتی ہیں اور محرم میں تو کچھ انتہا ہی نہیں رہتا ہزار ہا روپیہ لگا کر تعزیے بنتے ہیں۔ لوگ ریچھ بندر بنتے ہیں شدے اور علم اور ان کے ساتھ دے کر منہیات پھر کہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا فرضی نعل نکلتا ہے۔ جس کو نعل صاحب کہتے ہیں۔ سرکاروں سے لاکھوں روپے عاشور خوانوں کے لیے ملتے ہیں کاش یہ روپیہ قوم کی تعلیم میں صرف ہوتا۔ کہاں گئے ہمارے واعظ! مجالس میں صرف رلانا ہی جانتے ہیں ان باتوں کا ذکر تک بھی نہیں کرتے۔ (۴) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ وہ جو اپنے مال اللہ کے رستہ میں ایک حصہ معین دیا کرتے ہیں اور ایسے حصہ معین کو زکوٰۃ کہتے ہیں اس کے لیے فاعلون کا لفظ لانا نہایت فصاحت ہے۔ (۵) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ الخ وہ جو اپنی بیبیوں اور شرعی لونڈیوں کے سوا اور کسی پر اپنا ستر نہیں کھولتے۔ اس سے لواطت اور سحق اور ہاتھ سے منی نکالنے کی بھی ممانعت ثابت ہوئی اور متعہ کی ممانعت بھی سمجھی گئی۔ کس لیے کہ متاعی عورت حصہ نہ ملنے کی وجہ سے بیوی نہیں اور نہ لونڈی ہے پھر کیوں کر مباح ہو سکتی ہے اور آیت میں بیوی اور لونڈی پر قضاء شہوت کا حصر کر دیا ہے۔ (۶) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ وہ جو امانت اور عہد کی حفاظت رکھنے والے ہیں۔ امانت میں مال اور آبرو اور بات سب کی حفاظت ضرور ہے اسی طرح عہد میں عہدِ الٰہی اور باہمی معاہدہ آگیا۔ (۷) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں یعنی ہمیشہ وقت پر شرائط و مستحبات کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ ان ساتوں باتوں کے عمل میں لانے والے کے لیے اس نے اپنے فضل سے جنت میں آٹھویں درجہ کی اعلیٰ جنت کا وعدہ دیا جس کو جنت الفردوس کہتے ہیں اور اس کا ان کو وارث یعنی مالک بھی قرار دیا اور وہاں ہمیشہ رہنے کا بھی مژدہ دیا۔ یہ ہے فلاح۔ مگر اس کے بعد ہی منکرین حشر و نشر یہ کہتے ہیں کہ مر کر کون زندہ ہوگا اس لیے اس کے بعد دلائل حشر شروع کیے فقال وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ الخ کہ ہم نے انسان کو قطرۂ منی سے پیدا کیا اور وہ قطرہ مٹی سے بنایا تھا کیونکہ غذائیں جن سے منی پیدا ہوتی ہے مٹی سے بنتی ہیں پھر اس قطرہ کو خون بنایا پھر گوشت کا لوتھڑا بنا کر اس کے ہاتھ پاؤں بنائے ہڈیاں اور پٹھے بنائے اور اس کو انسان بنا کر ماں کے پیٹ سے باہر لائے اور پھر وہ ایک روز مرتا ہے پھر جس نے ایسا کر دیا کیا وہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے کما قال ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ یہ دلیل کا نتیجہ ہے یہاں تک دلائل انفس تھے کہ سب سے پہلے انسان کے اپنے ہی اندر اس کی قدرت و کمال کے صدہا شواہد موجود ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا

تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾
وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ
كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

اور البتہ ہم نے ہی تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم بنانے میں بے خبر نہ تھے اور ہم نے ایک اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی اتارا پھر اس کو زمین میں ٹھہرائے رکھا اور ہم اس کو لے جا بھی سکتے ہیں پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لیے کھجور اور انگور کے باغ اگائے جن میں تمہارے لیے بہت سے میوے ہیں جن میں سے تم کھاتے بھی ہو اور ہم نے ہی (زیتون کا) وہ درخت بھی پیدا کیا جو (کوہ) طور میں اکثر پیدا ہوتا ہے جو کھانے والوں کے لیے روغن اور سالن لے کر اگتا ہے اور تمہارے لیے چارپایوں میں بھی عبرت ہے کہ تم کو ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے (جدا کر کے) وہ پلاتے ہیں اور تمہارے لیے ان میں بہت سے اور بھی فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتیوں پر سوار بھی کیے جاتے ہو۔[1]

ان میں غور کر کے فی الفور کہہ سکتا ہے کہ وہ قادر باکمال ضرور مرنے کے بعد بار دگر زندہ کر سکتا ہے اس کے بعد دلائل آفاق یعنی انسان سے جو باہر شواہد ہیں ان کو شروع کرتا ہے اور سب میں آسمان کا پہلے ذکر فرماتا ہے فقال وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ یعنی ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے طرائق جمع طریقہ۔ آسمانوں کو طرائق یا تو اس لیے کہا کہ یہ ملائکہ کے آنے جانے کے رستے ہیں یا تی بہا کی چال کے رستے ہیں اور ممکن ہے کہ ان کو طرائق ان کے تطارق کی وجہ سے کہا ہو۔ جس کے معنی تہ بہ تہ یعنی اوپر تلے ہونے کے ہیں۔ یقال طارق الرجل نعلیہ اذا الطبق نعلا علی نعل و طارق بین الثوبین اذا لبس ثوبا فوق ثوب۔ یہ خلیل اور زجاج اور فرا کا قول ہے۔ (کبیر) پھر فرماتا ہے وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ کہ ہم نے ان آسمانوں کو یا دیگر مخلوق کو بے جوڑ کیف ما اتفق نہیں پیدا کیا بلکہ ہر ایک میں صدہا حکمتیں ملحوظ ہیں۔ ابتداء سے لے کر انتہا تک ان کے مصالح کو نظر رکھا ہے۔ (دوسری دلیل) وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ الخ کہ ہم آسمانوں سے یعنی اوپر بادلوں سے پانی اتارتے ہیں سو وہ بھی بے اندازہ نہیں کہ یوں ہی بادلوں کے دہانے کھول کر بے موقع دنیا کو غرقاب کر دیا جاوے بلکہ بقدر ایک اندازۂ خاص سے پھر اس پانی کو بیہودہ طور پر صرف نہیں کرتے بلکہ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ اس کو زمین رہنے دیتے ہیں اور اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ اس پانی کو لے جاویں سکھا دیں۔ لیکن فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ الخ تمہارے لیے اس سے باغ اگاتے ہیں اور طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اناج وغیرہ پیدا کرتے ہیں۔ منجملہ ان کے کھجور اور انگور ہے جن کو تر اور خشک گرمی اور سردی میں ہر طرح سے کھاتے ہیں۔ ان کے سوا باغوں میں لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ تمہارے لیے اور طرح طرح کے میوے ہیں اور نہ صرف میوے کہ جن سے پیٹ نہ بھرے غذا کا کام نہ چلے بلکہ بعض ان میں سے کھانے کا بھی کام دیتے ہیں۔ صاحب کشاف کہتے ہیں منها تاکلون کے یہ معنی کہ یہی باغ تمہاری معاش اور روزی کا بھی ذریعہ ہیں جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں پیشہ سے کھاتا ہے وَشَجَرَةً معطوف ہے جنات پر۔ ای انشانا لکم شجرۃ اس درخت سے مراد زیتون کا درخت ہے جو عرب کے لیے پیشتر کوہ طور میں پیدا ہوتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ۔ صاحب کشاف کہتے ہیں طور یا تو سینا ء میدان کی طرف مضاف ہے کہ جس کو سنین بھی کہتے ہیں یا طور مضاف اور سینا مضاف الیہ دونوں سے مرکب ہو کر ایک پہاڑ کا نام ہے جیسا کہ امراء القیس وبعلبک پھر بعض اس کو

[1] وما کنا عن الخلق غافلین کی یہ دلیل ہے جس میں بعض چیزوں کے چند فوائد بیان ہوئے ہیں اور اس میں طبیعت کے خالق و فاعل ہونے کا رد ہے جس کے دہریے قائل ہیں۔ ۱۲ منہ

غیر منصرف کہتے ہیں تعریف و عجمی کے سبب یا تعریف و تانیث کے سبب۔ کیونکہ یہ بقعہ ہے اور فعلاء کا الف تانیث کے لیے نہیں جیسا کہ حمراء اور بعض الف کو تانیث کے لیے کہتے ہیں جیسا کہ صحراء۔ یہ پہاڑ قلزم کے اس طرف عرب کے گوشۂ شمال و مغرب کے بیابان میں ہے یہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت ملی تھی۔ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ موضع حال میں ای تنبت وفیھا الدہن کما یقال رکب الامیر بجندہ ای معہ الجند یعنی اس درخت میں تیل ہوتا ہے وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ اور سالن بھی نہ سب کے لیے بلکہ ان کے لیے جو اس میں روٹی لگا کر کھاتے ہیں۔ عرب زیتون کے تیل کو سالن کے کام میں لاتے ہیں الصبغ والمصباغ یستعمل بہ ای یصبغ بہ لہٰذا صبغ عطف علی الدہن اے ادام۔ تیسری دلیل حیوانات کے خلق وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً کہ چارپاؤں میں بھی تمہارے لیے بہت غور کی جائے ہے ان کی پیدائش اور تولد و تناسل اور ان کا شعور و ادراک تو دفتر معرفت ہی ہے مگر تم صرف ان کے انہیں فائدوں کو ہی دیکھو: (۱) نُسْقِيْكُمْ کہ تمہیں ان کا دودھ پلاتے ہیں اور پیٹ کی آلائش اور خون میں سے کس حکمت بالغہ سے جدا کیا اور نکالا جاتا ہے۔ (۲) وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ دودھ کے سوا تمہارے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں ان کی اون اور جلد کو کام میں لاتے ہیں۔ (۳) وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ کہ بعض کو تم کھاتے بھی ہو ان کا گوشت تمہاری عمدہ غذا ہے۔ (۴) وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ کہ ان پر بلکہ کشتیوں پر بھی سوار ہوتے ہو بوجھ لادتے ہو پھر جو قادر باکمال یہ کرتا ہے کیا وہ اپنی حکمت بالغہ سے انسان کو ایک نئی زندگانی نہ دے گا اور اس کی حیات کا سلسلہ اسی چند روزہ حیات پر تمام کر دے گا ہرگز نہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ
يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ
اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ
انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا
فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا
مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾
فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾
فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور البتہ نوح کو ہم نے اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ تب انہوں نے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں تم پھر کیوں نہیں ڈرتے سو کہا قوم کے کافر سرداروں نے (یہ) کہا کہ یہ ہے کیا مگر تمہارے ہی جیسا ایک آدمی۔ تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے ہی نہ بھیج دیتا۔ ہم نے اپنے اگلے باپ دادا سے یہ بات کبھی سنی بھی نہیں۔ یہ تو بس ایک دیوانہ آدمی ہے۔ پس اس کا[1] ایک وقت تک انتظار کرو۔ نوح نے کہا اے رب! انہوں نے جس بات پر مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔ پھر ہم نے اس کی طرف وحی کی ہماری مدد اور حکم سے کشتی تیار کرو پھر جب ہمارا حکم آوے اور تنور یعنی زمین سے پانی ابلنے لگے کشتی میں پھر ایک حیوان کے (نر و مادوں کے) دو دو جوڑے سوار کر لینا اور اپنے کنبے کو بھی مگر ان میں سے جس کے لیے ڈوبنے کا حکم ہو چکا ہے (اس کو نہیں) اور ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات بھی نہ کرنا کیونکہ وہ سب ڈوبنے والے ہیں۔ پھر جب تم اور جو تمہارے ساتھ ہیں کشتی پر سوار ہو لیں تو کہنا حمد ہے اس اللہ کے لیے کہ جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات دی اور دعا کرنا کہ اے رب! مجھ کو کشتی سے برکت کے ساتھ اتاریو اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس قصے میں بڑی بڑی نشانیاں قدرت کی ہیں اور ہم کو تو آزمائش منظور تھی پھر ان کے بعد ہم نے اور دوسرا قرن پیدا کیا۔ پھر ان میں بھی ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا[2] کہ خالی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔

اب یہاں سے چند انبیاءِ گزشتہ کے تذکرے بیان کرتا ہے جن کے ذکر سے یہ چند باتیں ظاہر کرنی مقصود ہیں: (۱) یہ کہ جس طرح اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آج تمہاری قوم تم سے کج بحثیاں اور شبہات رکیکہ کرتی ہے اسی طرح پہلے لوگ انبیاءِ سابقین کے ساتھ کرتے آئے ہیں۔ (۲) یہ کہ خدا تعالیٰ نے ان نبیوں کی معرفت بڑے بڑے معجزے دکھا کر آخر کار ان کو ہلاک و برباد کیا ہے ایسا ہی تمہارے مخالفوں کے ساتھ ہونے والا ہے۔ (۳) یہ کہ سب انبیاء خدا پرستی اور توحید کی تعلیم کرتے آئے ہیں یہ جو بت پرستی کو تقلید آباؤ اجداد سے ایک امرِ جائز قرار دیتے ہیں محض غلط بات ہے۔ (۴) خدا تعالیٰ ہر ایک قرن کو غارت کر کے اس کے بعد دوسرا قرن پیدا کرتا آیا ہے کیا مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا؟ سب سے پہلا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے جس میں بڑی بات کلامِ سابق کے ساتھ موجب ربط یہ ہے کہ وہاں فرمایا تھا ہم آسمان سے پانی ایک اندازۂ خاص کے ساتھ تمہارے فائدے کے لیے نازل کرتے ہیں اور جب بندے سرکشی کرتے ہیں اور انبیاء کے مقابلہ سے باز نہیں آتے تو اسی رحمت کو زحمت کر دیتے ہیں جیسا کہ قومِ نوح کے لیے ہوا کہ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا شرک سے منع کیا۔ ان کی قوم نے کہا (۲) یہ تم جیسا آدمی ہے اس میں فضیلت کی کیا بات ہے؟ (۳) اللہ نے اس کو کیوں بھیجا فرشتے کیوں نہ بھیجے (۴) یہ حکم ہم نے باپ دادا سے نہیں سنا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو (۵) اس کی یہ باتیں خلاف عقل ہیں یہ دیوانہ ہے (۶) یہ کہتا ہے کہ عذاب آئے گا دیکھو آتا ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ شبہات بے بنیاد تھے ان کا جواب ذکر نہ کیا آخر کار نوح علیہ السلام نے دعا کی الٰہی! میری مدد کر اس پر حکم ہوا کہ کشتی تیار کرو اور اس میں اپنے خاندان کو بجز ان کے کہ جن کی تقدیر میں ازل سے ہلاکت لکھی گئی ہے اور ایمانداروں کو اور ہر چیز کے جوڑے کو سوار کر لو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا اور باقی سب لوگ کہ جن میں یہ بدبخت بیٹا بھی تھا غرق ہو گئے۔ اس قصہ کی کامل تشریح پہلے ہو چکی ہے اور فَارَ التَّنُّوْرُ کے معنی بھی ہم بیان کر آئے ہیں قصہ کو تمام کر کے مذکورہ بالا کی طرف اشارہ کرتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ کہ اس میں بڑی نشانیاں قدرت کی ہیں پھر فرماتا ہے ان کے بعد ہم نے اور قرن پیدا کیا۔

[1] یعنی اس کی بات کا جس سے ہم کو ڈراتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] حضرت ہود علیہ السلام یا صالح علیہ السلام۔ ۱۲ منہ

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ
مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ
اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا
تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ
هُوَ اِلَّا رَجُلٌ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ
بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ
فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا
اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا
رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا
وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

ان کی قوم کے منکر سردار جو آخرت کے پیش آنے کو جھٹلا چکے تھے اور ہم نے ان کو زندگی دنیا میں آسودگی بھی دی تھی (یہ) کہنے لگے کہ رسول ہے کیا مگر تم ہی جیسا ایک آدمی۔ وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیا کرتے ہو اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کی تو بے شک تم خسارہ میں پڑ گئے۔ کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو کیا تم پھر زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے بھلا وہ (بہت) دور ہے۔ ہماری صرف یہی دنیا کی زندگی ہے مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو تو مر کر زندہ ہونا نہیں ہے۔ یہ ایسا شخص ہے کہ جس نے اللہ پر جھوٹ بنا لیا ہے اور ہم کو تو یقین نہیں۔ رسول نے دعا کی کہ الٰہی! جس بات پر مجھے جھٹلایا ہے اس پر میری مدد فرما فرمایا تھوڑی دیر کے بعد یہ خود نادم ہوں گے پھر تو وعدۂ برحق پر ان کو ایک ہیبت ناک آواز نے آ پکڑا پھر تو ہم نے ان کو چورا چورا کر دیا۔ پس ظالم لوگوں پر خدا کی پھٹکار ہو۔ پھر ان کے بعد ہم نے اور قرن پیدا کیے کوئی قوم نہ اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے پھر تو لگاتار ہم اپنے رسول بھیجتے رہے جب کوئی رسول اپنی قوم کے پاس آتا رہا وہ اس کو جھٹلاتے ہی رہے پھر ایک قوم کو دوسری کے پیچھے ہلاک کرتے گئے اور اس کے افسانے بنا دیے۔ پس پھٹکار ہو اس قوم پر جو ایمان نہیں لائی۔

حرّ ای متواترین واحدا بعد واحد من الوتر والتاء بدل من الواو کما فی توج والالف للتانیث باعتبار ان الرسل جماعۃ وقرء بالتنوین علی انہ مصدر بمعنی الفاعل فی موضع الحال او المفعول۔ قرا ابن کثیر غیر البزی متواترہ والباقون بغیر تنوین وھو اختیار اکثر اھل اللغۃ لانہ فعلی من المواترہ وھی المتابعۃ وفعلی لا ینون کدعوی۔ ک ۱۲ منہ

حرّ ا بدل من الواو لانہ من المواترۃ وھی المتابعۃ ومن ذلک قولھم جاؤا علی وتیرۃ واحدۃ ای طریقۃ وھو منصوب علی الحال ای متتابعین وفی الاصل انہ مصدر وقیل ھو المصدر محذوف ای ارسلنا متواترۃ وتترا ھو الحاق بجعفر کارطی او بدل من التنوین۔ ۱۲ الحقانی

اور اس میں بھی ایک اور رسول بھیجا یہ دوسرا قصہ ہے۔ اس رسول سے مراد حضرت ہود یا صالح علیہما السلام ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو توحید و خدا پرستی کا حکم دیا تھا اور مر کر زندہ ہونے کا بھی وعدہ کیا تھا جس پر ان کی قوم کے سردار جو آخرت کے منکر اور کافر تھے اور اللہ نے ان کو دنیا میں ثروت و دولت بھی دی تھی (کیونکہ ایسی باتیں دنیا دار دولتمند ہی غرور میں آکر کیا کرتے ہیں) وہی بیہودہ شبہات کرنے لگے کہ رسول ہمارے جیسا ہے، جس طرح ہم کھاتے ہیں پیتے ہیں یہ بھی اسی طرح اور وہی چیزیں کھاتا پیتا ہے۔ پھر ایسے شخص کے حکم پر چلنا جیسا انسان ہے خرابی میں پڑنا ہے۔ (ان حمقاء نے رسول کو یہ سمجھا تھا کہ وہ نوع انسانیت سے علیحدہ کوئی اور ہی طرح کا ہونا چاہیے۔ اسی طرح کہتا ہے کہ مر کر اور پوسیدہ ہو کر بھی لوگ زندہ ہوں گے تو یہ بہت بعید بات ہے صرف دنیا ہی کی موت اور زندگی ہے یہ جھوٹا آدمی ہے اس کی بات پر ہم کو یقین نہیں آتا۔ تب نبی نے دعا کی کہ میری مدد کر۔ حکم ہوا کہ ابھی یہ اپنے کئے پر نادم ہوں گے۔ چنانچہ ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا کہ ایک ہیبت ناک آواز آئی جس سے وہ مر کر رہ گئے۔ اس کی تشریح بھی چوتھی جلد میں ہو چکی۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے خدا نے اور قرن پیدا کئے (قرن زمانہ مگر مراد اہل زمانہ ہیں)۔ یہ تیسرا واقعہ ہے یعنی اور بھی قومیں ہوئی ہیں اور ان میں بھی لگاتار ہم رسول بھیجتے رہے ہر ایک قوم کے ہلاک کا ایک وقت مقرر ہے اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہو سکتا۔ رسول کی تکذیب سے فوراً ہلاک نہیں ہوئے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ کے منکروں کی بربادی کا بھی وقت مقرر ہے ان کی تکلیفیں اس وقت تم کو اٹھانی پڑیں گی۔ ان کے لیے جلدی کرنے سے فوراً ہلاک کر دینا ہمارا دستور نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جب ان قرن والوں کے پاس ان کا رسول آیا یہ بھی تکذیب سے نہ آئے سو ہم نے بھی یکے بعد دیگرے ہر ایک قرن کو ہلاک کیا فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا کے یہ معنی اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ پہلی امتوں کی طرح دوسری امت کا بھی تکذیب میں وہی دستور رہا وہ انہیں کی چال چلے لیکن اول معنی ظاہر ہیں۔ ان کو یہاں تک ہلاک کیا کہ ان کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہا صرف ان کے قصے اور تذکرے باقی رہ گئے وَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثَ سو ان پر پھٹکار ہے۔ اس میں اشارہ ہے سب انبیاء کا تذکرہ ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝ ع

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور کھلی سند کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ ایک قوم سرکش قوم۔ پھر انہوں نے کہا کیا ہم ایسے دو شخصوں پر ایمان لے آویں کہ جن کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہو آخر ان کو جھٹلا ہی دیا پھر تو وہ بھی ہلاک ہی ہو کر رہے۔ البتہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی تاکہ لوگ (اسی سے) ہدایت پاویں اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو (قدرت کا) نشان بنا دیا تھا اور ان کو ایسی بلند (اور) لے جا کر پناہ دی تھی جو ٹھہرنے کے قابل اور جس میں پانی کا چشمہ تھا۔

لہ مکان مرتفع ۱۲ جلالین۔ ذات قرار اے مستویہ یستقر علیہا ساکنوہا۔ ۱۲ منہ

ترکیب: ۔هارون بدل ہے اخاہ سے۔ مثلنا اس کو مفرد لائے تثنیہ نہ لائے حالانکہ یہ تثنیہ و جمع بھی آتا ہے یا تو یہ مصدر ہے جس میں تثنیہ و جمع برابر ہیں یا بشریت میں مماثلت مجانسہ نہ کمیۃ میں۔ وَقَوْمُهُمَا جملہ حال ہے۔ آیۃ مفعول ثانی ہے بجعلنا کا معین یا تو فعیل ہے معنی بمعنی شی قلیل سے اور اس سے ماعون یا غیر اذا ابصرتہ سے ہے ای ماء جاریظاہر تراہ العیون واصلہ معیون۔

تفسیر: یہ چوتھا قصہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ہے کہ ہم نے ان کو معجزات اور سلطان مبین کے ساتھ فرعون مصر اور ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا لیکن وہ سرکش لوگ تھے کہنے لگے جیسے تم آدمی ہو ویسے ہی ہم ہیں اور نیز تمہاری قوم ہماری خدمت کرتی ہے یعنی ذلیل قوم کے ہو پھر تم کو کیونکر مانیں انکار کیا' ہلاک ہوئے۔ سُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ سے مراد یا تو وہی آیات نو معجزے ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور سلطان مبین ان میں سے کوئی خاص معجزہ ہے جیسا کہ عصا اور خاص کا عام پر عطف جائز ہے جیسا کہ ملائکہ کے بعد جبرئیل و میکائیل کا ذکر آیا ہے اور ممکن ہے کہ آیات سے مراد نفس معجزات ہوں اور سلطان مبین ان کی وہ کیفیت جو ان کے صدق پر دلالت کرنے سے متعلق تھی یا ایک ہیبت و وقار جو ان کو عطا ہوا تھا ان کے ہلاک کے بعد جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر شام کو روانہ ہوئے اور بحر قلزم کو عبور کر کے اس میدان میں آئے جس کو تیہ کہتے ہیں۔ تو یہاں ان کو بنی اسرائیل کی ہدایت اور نظام کے لیے ایک کتاب خدا تعالیٰ نے دی جو باتفاق جمہور اہل اسلام توریت[1] تھی۔ پس وہ کتاب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنام توریت تصنیف کی گئی اصلی توریت نہیں۔ ولقد آیتنا موسی الکتاب (ای التوراۃ) جلالین۔ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ کے یہی معنی ہیں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ الخ یہ پانچواں قصہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ہے ان کے تمام قصہ کو چھوڑ کر صرف اس جگہ یہی بات بتلائی گئی کہ ہم نے ان دونوں کو آیت یعنی اپنے ہاں کی ایک نشانی بنایا تھا۔ باتفاق جمہور مفسرین حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کا اللہ کی نشانی ہونا اس لحاظ سے تھا کہ حضرت مریم کو بغیر مرد کے حمل رہا اور اس سے پیشتر عبادت خانہ میں ان کے پاس غیب سے بے موسم کے میوے آتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے اور معجزات دکھانے کی وجہ سے نشانی تھے چونکہ دونوں کا نشانی ہونا ایک عجیب و غریب بات تھی اس لیے دونوں کو بلفظ واحد آیۃ ذکر فرمایا۔ آیتین نہ کہا۔ اس آیت سے حضرت مسیح علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بخوبی ثابت ہو گیا پھر جو تاویل یا انکار کرتے ہیں وحی کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلتے ہیں اس نشانی سے چاہیے تھا کہ بنی اسرائیل فائدہ اٹھاتے' ایمان لاتے' راہ راست پر آتے۔ اس کے برعکس ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔ اس لیے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو بحالت صغر سنی مریم کے چچازاد بھائی یوسف نجار ہیرودیس حاکم کے خوف سے مصر کی طرف[2] لے کر چلے گئے تھے اور سالہا سال وہیں رہے یہاں دریائے نیل کا پانی جاری ہے اور یہ جگہ مرتفع ہے لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مقام[3] رملہ بتایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

[1] چنانچہ توریت سفر استثنا کے اکتیسویں باب کے چوبیس درس میں لکھا ہے قولہ اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ لاویوں کو جو خداوند کے عہد کے صندوق اٹھاتے تھے فرمایا کہ اس شریعت کی کتاب کو لے کے خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کی ایک بغل میں رکھوا لے یہی وہ تورات تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی آخر کار یہ کتاب موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلیمان علیہ السلام کے عہد تک کے زمانے میں بنی اسرائیل پر مصائب آنے کی وجہ سے تلف ہو گئی چنانچہ جب سلیمان علیہ السلام نے یہ صندوق کھولا تو اس میں صرف پتھر کی دو لوح برآمد ہوئیں کتاب نہ ملی جیسا کہ کتاب اول سلاطین کے آٹھ باب نو درس میں ہے۔

[2] انجیل متی کے دوسرے باب تیرہ درس میں اس کی تصریح ہے۔ ۱۲ منہ۔

[3] رملہ ملک مصر میں ایک خاص جگہ ہے۔ ۱۲ منہ

عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ
بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾
اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ
لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ
قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ
وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

(اور ہم نے کہہ دیا تھا) کہ اے رسولو! پاک چیزیں کھایا کرو اور اچھے کام کرتے رہو جو کچھ تم نیک کام کرتے ہو میں ان سے واقف ہوں اور البتہ یہ تمہارا گروہ[1] ایک ہی (خدائی) گروہ ہے اور میں ہی تم سب کا رب ہوں پس مجھی سے ڈرا کرو، پھر لوگوں نے اپنے اپنے دین کو جدا جدا کر لیا جو دین جس کے پاس ہے ہر ایک اس ہی سے خوش ہے۔ (اے نبی!) ایک وقت تک ان کو اپنے نشے میں پڑا رہنے دو۔ کیا وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کو مال اور اولاد میں ترقی دے رہے ہیں کچھ ہم ان کو فائدے پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ سمجھتے ہیں بے شک وہ جو اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر یقین لاتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور وہ جو کچھ دیتے ہیں پڑتا ہے دیتے ہیں اور ان کے دلوں کو اس بات کا خوف لگا رہتا ہے کہ ان کو اپنے رب کے پاس جانا ہے (شاید قبول ہو یا نہ ہو) یہی وہ لوگ ہیں کہ جو نیک کاموں میں دوڑ پڑتے ہیں اور وہی آگے بھی رہتے ہیں۔

ترکیب : :۔ان کو قراء کوفہ نے بکسر الہمزۃ پڑھا ہے تب یہ جملہ مستانفہ ہے ھذا اس کا اسم امتکم خبر اور امۃ واحدۃ منصوب ہے حال لازمہ ہونے کی وجہ سے خبر ان سے دیگر قراء نے ان بالفتح پڑھا ہے یا لام مقدر مان کر جو اتقون سے متعلق ہوگا ای فاتقون لان ھذہ اور موضع ان کا نصب ہے یا جر یا یہ معطوف ہے ما قبل پر۔ زبرا الضمتین جمع زبور ائے کتبا مختلفۃ یعنی جعلوا دینھم ادیانا وزبرا قطعا استعیرت من زبر الحدید (کبیر) تقرر بفتح الباء وھو اجمع زبرۃ وھی القطعۃ والفرقۃ والنصب علی الوجہ الاول علی الحال من امرھم وعلی الوجہ الثانی حال من الفاعل ان بمعنی الذی وخبر ان نسارع۔

تفسیر : :۔رسولوں کا ذکر فرما کر ان کے اس شبہ کے جواب میں (کہ ان رسولوں میں ہم سے کیا فوقیت ہے جو ہم کھاتے پیتے ہیں یہ بھی وہی کھاتے ہیں یعنی ملائکہ یا ان کی مانند کیوں نہیں) فرماتا ہے کہ ہم نے رسولوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ طیب یعنی حلال اور پاک چیزیں کھاؤ تمہارے لیے یہ نعمتیں ہم نے پیدا کیں ہیں۔ ہاں حرام اور گندی چیزیں نہ کھاؤ۔ بزرگی کا مدار پاک اور حلال چیزوں کو ترک کر دینے پر نہیں جیسا کہ بعض سمجھے ہوئے ہیں اور ان نعمتوں کے شکر میں وَعْمَلُوْا صَالِحًا نیک کام کیا کرو میں تمہیں دیکھ رہا ہوں اور یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اے رسولو! تم سب کا ایک ہی طریقہ ہے توحید و عبادت۔ اسی طرح تمہاری سب امتیں بھی باہم الگ الگ مذاہب کے لوگ نہیں۔ اصول شریعت میں سب ایک ہیں اور تم سب کا رب بھی میں ایک ہوں پس مجھ سے ہی ڈر کر بری باتوں سے پرہیز کیا کرو۔ لیکن انبیاء کے بعد ان

[1] سب حضرات انبیاء علیہم السلام بلحاظ اصول دین اور خدا پرستی کے ایک ہی گروہ ہے سب کا ایک ہی خدائے واحد ہے۔ ۱۲ منہ

کے پیروؤں نے باہم افراط و تفریط کر کے جدا جدا فرقے بنا لیے پھر ہر فریق اپنے تراشیدہ خیالات پر خوش ہے۔ یہود اپنے ہی آپ کو راہِ راست پر جانتے ہیں نصاریٰ اپنے تئیں و مشرکین و مجوس اپنے مذہب کو موجب نجات خیال کر رہے ہیں۔ حضرت ﷺ کو فرماتا ہے فذرھم الخ ان سے حجت و تکرار نہ کر ان کو اپنی غفلتوں کے دریا میں ڈوبا رہنے دو ایک وقت تک بعض علماء کہتے ہیں اس وقت سے مراد وہ وقت ہے کہ جب اسلام اپنی پوری شوکت دنیا میں ظاہر کرے گا پھر تحدید کے چابک سے ان کو بیدار و ہوشیار کر دیا جاوے گا۔ بعض کہتے ہیں موت یا عذاب الٰہی کے وقت تک کہ پھر ان کو آپ معلوم ہو جاوے گا۔ وہ دنیا کی ثروت و دولت، کثرت اولاد و مال کو اپنے مذہب کے برحق ہونے کی دلیل جانتے تھے بلکہ اب بھی کہا کرتے ہیں ہم نے فلاں دیوی دیوتا کی نذر بھینٹ کی تو اس نے ہم کو مال و اولاد دیا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ الخ کہ کیا وہ اس افزائش مال و اولاد کو ہماری مہربانی سمجھتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ لَا يَشْعُرُوْنَ ان کو شعور نہیں۔ چارپائے ہیں کیونکہ دنیا فانی کی آسائش کچھ چیز نہیں حیوانات کو بھی نصیب ہے۔ یہاں جن پر ہماری مہربانی ہے اور ان کے لیے ہم بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو شرک نہیں کرتے اور وہ جو اللہ کی راہ میں دیتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہو یہی لوگ نیکی میں دوڑنے اور سبقت کرنے والے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾
بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا
عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا
الْيَوْمَ ۭ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى
اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا
الْقَوْلَ اَمْ جَاۗءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَاۗءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ
فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ
لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاۗءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ
فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ
خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۚ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

الربع

گاڑیاں الٹ جاویں' صدہا آدمی مرجاویں۔ پس ہم ان کو ان کے سمجھنے اور درست ہونے کی چیز ان کو دیتے ہیں۔ پر وہ اس سے اعراض کر رہے ہیں پھر ان کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس وعظ و نصیحت سے رسول کچھ ان سے مزدوری مانگتا ہے؟ کچھ نہیں بلکہ وہ اجر آخرت کا طالب ہے اور اللہ بہتر اجر دینے والا ہے اور اے محمد! (ﷺ) تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلا رہے ہو وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ آخرت پر یقین نہ لانے والے سیدھے رستے سے پھرے جا رہے ہیں افسوس! وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ مفسرین کے کئی قول ہیں ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کی بددعا سے قریش مکہ پر سات برس کا ایسا سخت قحط پڑا کہ جس میں وہ چمڑا اور مردار تک کھانے کی نوبت آگئی اور دہائی دینے لگے۔ جس کے جواب میں ان پر عتاب ہوتا ہے کہ اب دہائی دیتے ہو ہمارے رسول پر کیوں ایمان نہ لائے آخر کار ھون تک عتاب ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ آنے والے عذاب کی خبر ہے جو بوقت مرگ یا آخرت میں پیش آئے گا اور کفار اس وقت چلائیں گے دہائی دیں گے تب ان کے جواب میں یہ عتاب ہوگا۔ قوی تر یہی ہے کہ آنے والی مصیبت کی خبر دی جاتی ہے وہ قحط شدید اور واقعہ بدر تھا جس میں قریش چیخ اٹھے تھے اور ان کے حال پر یہ جواب باعتاب ناطق تھا اور آئندہ مرنے کے بعد اور قیامت میں بھی عذاب شدید پیش آئے گا جہاں ان کی فریاد اور دھاڑنے پر یہی جواب عتاب دیا جائے گا۔ اس لیے فرماتا ہے اور جو ہم اس مصیبت سے جس میں ان کو مبتلا کیا کرتے ہیں نجات بھی دیں تو پھر اسی سرکشی میں اڑ جاویں گے۔ عذاب دفع ہونے کے بعد سرکشی کرنا ان کے نزدیک معمولی بات ہے۔ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ الخ ہم نے ان کو اول ایک عذاب میں گرفتار کیا تو اس وقت بھی ما استکانوا لربھم اپنے رب کی طرف نہ جھکے۔ استکان استفعل من الکون ای انتقل من کون الی کون۔ وبجوز ان یکون انفعل من السکون ای صاروا بحیث یمکن ان یخضعوا والے تھے۔ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ یہاں تک کہ اس مصیبت کا دروازہ کھولا تو بھی نہ جھکے بلکہ رب کی رحمت سے ناامید ہو گئے حالانکہ فتح منعم حقیقی ہے کہ جس نے تم کو کان اور آنکھیں اور دل عطا کئے پھر اس سے ناامیدی کرنا کیسی بری بات ہے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس نے سننے کو کان' دیکھنے کو آنکھ' سمجھنے کو دل عطا کئے پھر خود دلائل الٰہی میں کیوں غور نہیں کرتے تا کہ ان کو خود معلوم ہو جاوے کہ رسول جو کچھ فرماتا ہے سراسر ہمارے فائدہ کے لیے اور برحق بات کہتا ہے اس کے بعد اور بھی اپنی نعمتیں اور اپنی قدرت کی کامل نشانیاں ذکر فرماتا ہے کہ جس سے صاف معلوم ہو جاوے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ یہ نعمت ہے والیہ تحشرون میں وعدہ ہے کہ جس نے تم کو زمین پر پھیلا دیا ہے وہی تم کو قیامت میں سمیٹ بھی لے گا اور وَهُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ میں نعمت بھی ہے اور قدرت کاملہ کی دلیل بھی ہے اسی طرح اختلاف الیل والنھار بھی نعمت اور اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کہ تم پھر بھی نہیں سمجھتے بلکہ وہی بیہودہ بات کہے چلے جاتے ہو جو پہلے حمقا کہہ چکے ہیں کہ مر کر اور ریزہ ریزہ ہو کر کیونکر بار دیگر زندہ ہوں گے۔ یہ صرف ایک جھوٹا وعدہ ہے جو ہم سے اور ہم سے پہلوں سے انبیاء کرتے آئے ہیں اور یہ صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ[2] كُلِّ شَيْءٍ[3] وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ

[1] یعنی یہ سب باتیں جانتے ہیں پھر عقل پر پتھر پڑے ہیں کہ اس کے سوا اور کو پوجتے' حاجت روا جانتے۔ اس کو پکارتے ہیں ۱۲ منہ

[2] ملکوت بمعنی الملک والتاء للمبالغۃ کما فی رحموت ورہبوت۔ ۱۲ منہ

[3] ھو یجیر الخ یقال اجرت فلانا اذا استغاث بک فحمیتہ واجرت علیہ اذا حمیت عنہ والمعنی انہ یحمی ولا یحمی علیہ۔ ۱۲

عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۹۰﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

(اے نبی!) ان سے یہ تو پوچھو کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کا ہے؟ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) وہ جلد کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہہ دو کہ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے ان سے پوچھو کہ ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ وہ جلد کہیں گے کہ یہ سب اللہ کا ہے۔ کہہ دو پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ پوچھو (تو سہی) کہ کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور وہ کون ہے جو سب پر قابو رکھتا ہے اور اس پر کوئی قابو نہیں رکھتا اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) وہ جلد کہہ دیں گے یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ ان سے کہو پھر تم کیسے دیوانے ہو رہے ہو بلکہ ہم نے تو ان کے پاس حق بات پہنچا دی اور یہ بے شک جھوٹے ہیں خدا نے کوئی بھی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہی ہے (اگر) یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی بنائی ہوئی چیز کو الگ الگ لے پھرتا (اس پر قابض ہو جاتا) اور ایک دوسرے پر غالب آتا جو جو باتیں یہ بناتے ہیں اللہ ان سب سے پاک ہے۔ وہ غائب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے وہ ان کے شریک بنانے سے بری ہے۔

ترکیب : ۔للہ قرأۃ جمہور میں لام سے ہے اور یہ لمن کا جواب ہے اور اخیر دونوں سوالوں کے جواب میں اللہ واقع ہے اور للہ بھی۔ بغیر لام میں لفظ کی رعایت ہے اور لام میں معنی کی لان المعنی فی قولہ رب السموات من السموات، ملکوت میں ت مبالغہ کے لیے بمعنی ملک لذا جواب ہے شرط محذوف کا تقدیرہ لو کان معہ آلھۃ۔

تفسیر : ۔مسئلہ حشر اور رسالت کو تمام کر کے پھر مسئلہ توحید شروع ہوتا ہے اور مشرکین کے مسلمات سے ہی ان پر الزام قائم کیا جاتا ہے کما قال قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ اے نبی! ان سے پوچھو کہ زمین اور اس کے رہنے والے کس کے ہیں وہ یہی کہیں گے کہ اللہ کے۔ کس لیے کہ وہ اللہ کے قائل تھے جب کہو کہ تم پھر کیوں نہیں سمجھتے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں یہ سب ہیں اور وہ ان کا خالق ہے تو اور معبودوں کا کیا استحقاق عبادت ہے بلکہ وہ بھی مخلوق اور مملوک ہیں۔ پھر فرماتا ہے قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ الخ کہ ان سے یہ بھی پوچھو کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا کون مالک ہے؟ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ اللہ۔ تب ان سے کہہ دو کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟ اس کے سوا اور کون ہے کہ جس کو اس کے ساتھ حاجت روا سمجھ کر پوجتے ہو تم کو ڈرنا چاہیے۔ ان جملوں میں اثبات حشر بھی ہے کیونکہ وہ جو ان سب کا مالک ہے وہ مر کر زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ مسائل قرآنیہ کا باہم ایسا ارتباط ہے کہ ایک مسئلہ کے دلائل سے دوسرا بھی ثابت ہو جاتا ہے یہ کافی اعجاز ہے پھر فرماتا ہے کہ آسمان و زمین سے یہی تقسیم کر کے یہ سوال کرو کہ ہر ایک چیز پر کس کا قبضہ ہے اور وہ کون ہے کہ جس کو چاہتا ہے پناہ دے سکتا ہے اور اس کے مجرم کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو یہ بات معلوم ہے تو بتلاؤ (یقال اجرت فلانا علی فلان اذا اغثتہ منہ ومنعتہ) اس کے جواب میں بھی وہ اللہ ہی کہیں گے۔ پھر کہو کہ تم پر کسی نے کیا سحر کر دیا کیا افسوں پڑھ کر تم کو احمق بنا دیا ہے کہ اس بات کو جان کر بھی اللہ کے سوا اس کی مخلوق کو پوجتے ہو۔ جو دیدہ دانستہ احمق بن جائے تو محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ کسی نے اس کو منتر پڑھ کر دیوانہ بنا دیا نہ یہ مطلب کہ دراصل اس پر کسی نے سحر کر دیا ہے۔ عرب کے مشرک ہندوؤں کا سا عقیدہ رکھتے تھے جس طرح ہندو یہی کہہ دیتے ہیں کہ ایشر (خدا) جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کے برخلاف نہیں کر سکتا مگر بایں ہمہ سینکڑوں معبود بھی بنا رکھے ہیں کہیں دیوی پوجتی ہے' کوئی ہنومان کو مانتا ہے' کوئی لچھمی کا لنگ پوجتا ہے' کوئی بشن کی مورت پر جل چڑھاتا ہے اور پھر ہر ملک میں ہر ایک قوم کا جدا ہی معبود ہے آگ' پانی' حجر' شجر' آفتاب

ستارے کوئی چیز بھی نہیں چھوڑی کہ جس کو نہ پوجتے ہوں۔ یہی حاجت روا جان کران کو پکارنا' ان کی نذر نیاز کرنا ان کی پرستش ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان میں بھی ایشر کی مایا ہے' یہ بھی بڑی قدرت رکھتے ہیں۔ یہی حال عرب کے مشرکوں کا تھا۔ افسوس ہندوستان کے جاہل مسلمانوں میں بھی ہنود کی صحبت کا اثر آ گیا۔ یہ بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ اس کے قریب قریب برتاؤ کرنے لگے یہ اس کو توسل کہتے ہیں اور غیر قومیں جو اپنے بزرگوں سے ایسے ہی معاملات کریں تو اس کو شرک قرار دیتے ہیں فعل ایک ہی ہے پھر فرماتا ہے بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ الخ کہ ہم نے ان کو حق دین دے دیا ہر بات سچی کھول دی پر یہ جھوٹے منصوبے باندھتے ہیں۔ مشرکین عرب میں سے بعض فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بھی کہتے ہیں عرب میں عیسائی بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے ان کے رد میں فرماتا ہے مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ الخ کہ اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی خدائی میں شریک ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خالق اپنی مخلوق پر قبضہ کرتا اور ایک کا دوسرے سے خلاف ہو کر لامحالہ ایک دوسرے پر غالب ہوتا اور اس جھگڑے میں انتظام عالم بگڑ جاتا اللہ پاک ہے ان کی ان باتوں سے وہ چھپی اور کھلی ہر بات جانتا ہے اور کسی کو یہ بات حاصل نہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا
عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ
اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ
بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾
لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ
وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ
بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

(اے نبی یہ) دعا کیا کرو کہ اے رب جس عذاب کا ان (منکروں) سے وعدہ کیا جا رہا ہے شاید تو اس کو مجھے دیکھا دے۔ سوائے میرے رب مجھے ان ظالم میں شامل نہ کر لینا اور البتہ جس عذاب کا ان سے وعدہ کر رہے ہیں ہم قادر ہیں (کہ وہ آپ کے روبرو آ جائے) (اے نبی!) آپ برائی کا نیکی سے جواب دیا کریں ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ کہ وہ (آپ کے حق میں) بکا کرتے ہیں۔ اور کہا کرو کہ اے رب! میں شیطانی خطرات سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب! میں تیری اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آویں (اور مجھے بھڑکائیں) (وہ تو اسی حال میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آموجود ہوگی تو کہنے لگے گا کہ اے رب! مجھے دنیا میں پھر بھیج دے کہ جو کچھ میں چھوڑ کر آیا ہوں اس میں کوئی نیک کام کروں ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے کہ جس کو وہ صرف زبان سے کہہ رہے ہیں اور ان کے آگے تو قیامت تک ایک پردہ پڑا ہوا ہے (جس لیے وہ دنیا میں نہیں آ سکتے) پھر جب صور پھونکا جاوے گا تو اس روز باہم تعلق نہ ہوگا اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

۱ یعنی اگر دنیا میں ان کفار پر عذاب موعود آ جائے تو خدایا مجھے ان میں شامل نہ کر لینا کیونکہ قہر کی آگ میں سوکھے گیلے ساتھ جلنے لگتے ہیں ہر چند وہ ایسا نہیں کرتا مگر شانِ کبریائی سے ڈرنا مقتضائے عبودیت ہے اس لیے دعا کرتے رہنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

۲ یعنی اگر آپ سے برائی کریں سخت کلامی یا کچھ اور کریں تو آپ بمقتضائے مکارم اخلاق اس کے جواب میں اچھی بات کہئے اور احسان کیجئے ہاں اگر یہ زیادہ مؤثر ہوتا ہے شیطان وعظ و پند کے مواقع میں وسوسہ ڈال کر بھڑکا دیا کرتا ہے اس سے پناہ مانگنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

۳ شرب۔ دنیا کا انجام غفلت بیان فرماتا ہے کہ وہ مرنے تک اس میں پڑے رہتے ہیں جب موت آتی ہے اور دوسرے جہاں کا راز کھلتا ہے تو بار بار دنیا

ترکیب: ..... ما یوعدون جملہ مفعول ہے تُرِيَنِّيْ کا اما اصل میں ان ما تھا ما تاکید ما ان شرطیہ کے لیے آتا ہے فَلَا تَجْعَلْنِيْ اس کا جواب تقارب اہتمام شان کے لیے مقدم ہوا علی متعلق ہے لقادرون سے بالتبی میں ب الصاق کے لیے اور السیئۃ مفعول ہے ادفع کا ارجعون اصل میں رب ارجعنی تھا اور جمع کا لفظ فائدہ تکریمہ کے لیے آیا گویا یوں کہا ارجعنی بعض کہتے ہیں رب کی تعظیم کے لیے صیغہ جمع کا لایا اور بعض کہتے ہیں ملائکہ سے کہہ رہا ہے ارجعونی کہ تم مجھے دنیا میں پھر جانے دو، ہمزات جمع ہمزۃ وھوالدفع والتحریک الشدید و بارد وسواس۔

تفسیر: ..... کفار کی سرکشی پر جو عذاب آنے کے وعدے ہوتے تھے تو سن کر ہنسا کرتے تھے اور بیہودہ باتیں کہتے تھے اور سخت کلامی اور ایذا دہی آتے تھے اس لیے ان آیات میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو اپنے وعدہ کے وثوق پر یہ حکم ارشاد فرمایا ہے (۱) قل رب ان ما یوعدون الخ کہ اے رب اگر تو دنیا میں مجھے ان کا وہ عذاب دکھا دے کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو اس عذاب میں مجھے شامل نہ کر۔ کیونکہ جب بدکاروں کی شرارت سے دنیا پر قہر الٰہی آتا ہے تو اس عام بلا میں نیک بھی کبھی آ جاتے ہیں جیسا کہ قحط اور وبا یا دشمن کا غلبہ پھر فرماتا ہے وانا علی ان نریک کہ منکر ہماری اس بات کو غلط نہ سمجھیں اے نبی! اس عذاب کو ہم تمہیں دکھا بھی سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ عذاب آپ کو دکھا دیا ایسا سخت قحط کئی سال کا پڑا کہ جس میں کتوں اور مردار کے کھانے کی نوبت آئی اور سب چلا اٹھے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر گریہ زاری دعا کے خواستگار ہوئے۔ حضرت ﷺ کی دعا سے وہ بلا دفع ہوئی۔

جب میں مغلوب ہو کر وہ لوگ حضرت ﷺ سے سخت کلامی کرنے لگتے تھے اور ایذائیں میں بھی طرح طرح سے دیتے تھے اس لیے آنحضرت کو بالخصوص اور جملہ حضرت ﷺ کے پیروؤں کو بھی جو ہدایت وارشاد کی گدی پر بیٹھے ہیں یہ حکم دیتا ہے (۲) اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ کہ تم ان کی اس بدکلامی کے عوض بدکلامی نہ کرو۔ ان کی ایذاء کے مقابلہ میں ایذا نہ دو بلکہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی کرو بدکلامی کے جواب میں نرم بات کہو ان کی تکلیفیں اٹھا کر دعا کرو۔ حدیث میں آیا ہے صل من قطعک اعط من منعک کہ جو تجھ سے توڑے تو اس سے بھی محبت کا رشتہ جوڑ اور جو تجھے نہ دے تو اس کو بھی دے۔ کفار کی سخت تکلیفیں اٹھا کر بھی آنحضرت ﷺ یہی دعا کرتے تھے کہ اللھم اھد قومی انھم لایعلمون کہ الٰہی میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ نادان ہیں۔ کہاں ہیں وہ معترض جو اسلام کی اس معاشرت پر اور نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کی بیرحمی کا الزام لگاتے ہیں۔ اسلام نے وہ رحمدلی' عفو' حلم' صلہ رحمی تعلیم کی ہے کہ ایسی کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ جمہور محققین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت آیت سیف سے منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ وہ اور محل پر ہے یہ اور محل پر۔ پھر فرماتا ہے: (۳) وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ کہ شیطان وسواس ڈالا کرتا ہے مبادا وسوسۂ شیطانی سے انسان ان بدکرداروں کے ساتھ تو تو میں میں کرنے پر آمادہ ہو جاوے۔ اس لیے چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے نہ کہ اس کے وسواس دل میں آویں۔ نہ شیاطین پاس آویں جس طرح کسی پر جن بھوت چڑھ کر اس کی دل و دماغ لے لیتا ہے اسی طرح شیطان جو بدی کا بھوت اور جن ہے آدمی پر کبھی مسلط ہو کر برے خیالات دل میں ڈال دیتا ہے لہٰذا پناہ مانگنا ضروری بات ہے۔

* جیسا آگے کی دعا کرتا ہے کہ اگر نیک کام کرے بھلا یہ کب ہو سکتا ہے یہ دعا اس کے منہ کی ان ہونی بات ہے پڑا کہا کرے مرنے کے بعد اس دنیا میں آنے کے لیے تو ایک ہڈا پردہ پڑا ہوا ہے پھر اس پردہ کو اٹھا کے کوئی ادھر نہیں آ سکتا۔ قیامت تک یہی حال رہتا ہے پھر قیامت میں جب صور پھونکا جائے گا تو کسی کی ہوگی نہ شناسائی کا پاس ہوگا نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ یہ عام حکم ہے حضرات انبیاؑ و صلحاء اس سے مستثنیٰ ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ تم شیاطین کے پاس آنے سے پناہ مانگا کرو کیونکہ شیاطین کفار کے پاس موت تک موجود رہتے ہیں پھر جب موت آتی ہے اور اس عالم کا پردہ ان سے اٹھ جاتا ہے۔

اور ملائکہ عذاب اور برے اعمال کی سزائیں سامنے دکھائی دیتی ہیں تو کہنے لگتے ہیں رَبِّ ارْجِعُوْنَ اے رب مجھے پھر دنیا میں بھیج کر جا کے اچھے کام کروں اس وقت اس خوابِ غفلت سے بیدار اور مے لذات وشہوات سے ہوشیار ہوگا اور حسرتوں کا اردگرد ہجوم ہوگا بار بار یہی التجا کرے گا۔ وہاں سے جواب ہوگا کلا ہرگز نہیں۔ یہ ایک بے فائدہ بات ہے جس کو وہ عبث منہ سے نکال رہا ہے ان کے درمیان موت کا حجاب یا پردہ پڑا ہے قیامت تک دنیا میں واپس نہ آئیں گے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ
وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا
ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا
فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ
اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا
حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ
بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

پھر جن کا پلہ بھاری[1] ہوا تو وہی فلاح پائیں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا تو یہی وہ لوگ ہوں گے کہ جنہوں نے خود اپنے آپ کو برباد کیا تھا وہ سدا جہنم میں رہیں گے ان کے مونہوں کو آگ کی لپٹیں جھلستی ہوں گی اور وہاں ان کے منہ بگڑے ہوں گے (کہا جائے گا) کیا تم کو ہماری آیتیں نہیں سنائی جایا کرتی تھیں پھر تم تو ان کو جھٹلا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری شامت سوار تھی اور ہم گمراہی میں پڑے رہے۔ اے ہمارے رب! ہم کو اس میں سے نکال دے اگر پھر کریں تو ہم قصوروار ہیں۔ فرمائے گا دور ہو اس میں پڑے رہو اور ہم سے بات بھی نہ کرو کیونکہ ہمارے بندوں میں سے ایک فریق ایسا بھی تھا جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ پس تم نے ان سے مسخرہ پن کیا یہاں تک کہ ان کے مشغلے تم کو میری یاد بھی بھلا دی۔ اور تم ان سے ہنسی ہی کرتے رہے آج ہم نے ان کے صبر کا بدلہ انہیں دیا کہ وہی مراد کو پہنچ گئے۔

تفسیر..... تناسخ کا ابطال : یہاں سے تناسخ کا صریح ابطال ہو گیا اور یہی مسلک تمام انبیاء کا ہے۔ پھر قیامت کی کیفیت کا ہر فرماتا

[1] نیک اعمال کا پلہ مراد یہ ہے کہ جس کے نیک اعمال بدعملوں سے زیادہ ہوئے تو ان کو نجات ہے ورنہ جہنم۔ ۱۲ منہ

ہے فلا انساب فی الصور کہ جس روز صور پھنکے گا تو اس روز نہ انسان کا نسب کام آوے گا جیسا کہ دنیا میں رشتہ کا لحاظ ہوتا ہے کہ یہ فلاں شخص ہے فلاں کی اولاد ہے فلاں قوم اور قبیلے کا ہے اونچی ذات کا ہے شریف خاندانی ہے یا کم قوم پاجی ہے اور نہ کوئی ان باتوں سے پوچھا جائے گا وہاں تو انسان کے اعمال اور ایمان سے کام پڑے گا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ الخ پھر جس کی نیکیوں کا پلہ بدی کے پلہ سے بھاری ہوگا وہ مراد پاوے گا اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا جہنم میں جاوے گا پھر آگے جہنم کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔

میزان کی بحث : موازین میں چند اقوال ہیں: (۱) یہ کہ عدل وانصاف سے استعارہ ہے۔ (۲) اس سے مراد اعمالِ حسنہ ہیں پھر جس کے اعمال کی قدر ومنزلت ہوئی یعنی پسندِ الٰہی ہوئے وہ کامیاب ہے ورنہ خرابی میں پڑے گا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں موازین جمع موزون اور یہ اعمالِ صالحہ کے موزونات ہیں جیسا کہ آیا ہے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ای قدرا (۳) یہ کہ درحقیقت اعمال کے تولنے کے لیے ترازو قائم ہوگی کہ جس کے دو پلے ہوں گے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے مگر اس سے بھی مراد دنیا کی ترازو نہیں جس پر اعراض کا تولنا محال خیال کیا جاوے (بلکہ اعمال تولنے کے مناسب جس کی حقیقت وہی خوب جانتا ہے)۔ ان کے مونہوں کو آتشِ جہنم جھلس دے گی جلا دے گی۔ اور وہاں ان کے منہ بگڑے ہوں گے کلوح کے معنی دونوں ہونٹوں کا پھول کر دانتوں سے جدا ہو جانا ایک نیچے لٹک پڑے دوسرا اوپر چڑھ جاوے پھر ان کے رونے چلانے پر فرشتے کہیں گے اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ کہ دنیا میں کیا تم کو اللہ کی آیتیں نہ سنائی جایا کرتی تھیں کہ جن کو تم جھٹلایا کرتے تھے وہ کہیں گے ہماری بدبختی تھی اور ہم گمراہ تھے۔ اب ہم کو اس آگ سے نکال دو اور دنیا میں بھیج دو پھر اگر ایسا کریں تو ہم ظالم ہیں۔ وہاں سے جواب ملے گا یہیں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور بات نہ کرو خساء کتے کو دھت دھت کرنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ کتے کی طرح بھونکتے رہو۔ یہ ذلت کا کلمہ ہے کیونکہ دنیا میں میرے بندوں میں سے ایک فریق یعنی ایمان والے دعا کیا کرتے تھے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ تم ان سے ہنسی تمسخر کیا کرتے تھے آج اس کا بدلہ تم کو دیا گیا تم یہاں روٗدانت پیسو وہ ایمان والے کامیاب ہیں جنت میں ہیں تم پر ہنستے ہیں۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ
الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا
خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ
لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ
وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

(جہنم میں ان سے فرشتہ) پوچھے گا کہ تم زمین پر گنتی کے کتنے برس رہے۔ وہ کہیں گے ایک دن اس سے بھی کم۔ پس آپ گنتی کرنے والوں (فرشتوں) سے پوچھ لیجئے۔ فرشتہ کہے گا دنیا میں دراصل بہت ہی کم رہے ہو۔ کاش یہ بات تم نے دنیا میں جانی ہوتی! پھر کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے تم کو نکما پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم کو ہمارے پاس پھر کر نہیں آنا ہے۔ پس اللہ جو بادشاہ برحق ہے وہ بیکار پیدا کرنے سے بری ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عزت کے تخت کا مالک ہے اور جس نے

اللہ کے سوا اور معبود کو پکارا کہ جس کے لیے اس پر کوئی بھی سند نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک کافروں کو فلاح نہ ہوگی۔ اور (اے نبی امت) کرو کہا اے ہمارے رب معاف کر اور رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

ترکیب : قال یقرء علی لفظ الماضی عند اہل الکوفۃ و بلفظ الامر عند اہل الحرمین والبصرۃ والشام کم ظرف ہے لبثتم کا ای کم سنۃ لبثتم فی الدنیا و فی قبورکم۔ عدد بدل ہے کم سے اور سنین اس سے عدد سنین تمیز بھی ہو سکتا ہے۔ عٰدِّیْنَ بالتشدید من العدد ای شمار کرنے والے۔ و بالتخفیف علی معنی العادین ای المتقدمین کقولک حذ ہبّر عادیۃ ای سل من تقدم تالو کا جواب محذوف ای ما اہتم بھذہ المدۃ القلیلۃ مصدر فی موضع الحال او مفعول لہ و انکم معطوف ہے انما پر انہ بالکسر علی الاستیناف۔

تفسیر : منکرین قیامت سے بطور توبیخ کے وہاں یہ بھی سوال ہوگا کہ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ الخ کہ جو تم کہتے تھے مر کر جینا نہیں اور زندگی ہے تو دنیا ہی کی زندگی ہے اور وہاں کی زندگی اور اس کے لذات مال و جاہ پر تم مٹے ہوئے تھے اور اب یہاں اپنے گمان کے برخلاف مر کر زندہ ہونا اور ابدی عذاب میں مبتلا ہونا بھی دیکھ لیا۔ اب بتلاؤ کہ تم دنیا میں کس قدر ٹھہرے تھے۔ وہاں کے عذاب ابدی کے مقابلہ میں اور نیز اس وجہ سے بھی کہ گزری ہوئی عمر بوقت مصیبت بہت ہی کم معلوم ہوا کرتی ہے یوں کہیں گے یوما او بعض یوم ایک روز یا اس سے بھی کم دنیا میں رہے تھے۔ فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ چاہے کہ آپ گنتی کرنے والوں فرشتوں سے دریافت کر لیجئے۔ فرشتہ کہے گا ایک دن یا نصف دن تو غلط ہے مگر یہ صحیح ہے کہ تم دنیا میں بہت کم رہے۔ لَوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ بشرطیکہ تم بھی اس کو جانو کہ دار آخرت اور حیات جاودانی کے مقابلہ میں یہاں کی زندگی خواہ سو برس کی کیوں نہ ہو بہت ہی کم ہے۔ فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ قدیمی لوگوں سے پوچھ دیکھو۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ جو پہلے زمانوں میں بڑی عمروں کے لوگ گزرے ہیں وہ بھی حیات دنیا کو اس قدر قلیل سمجھتے ہیں: یہ حیات دنیا کی حقیقت ہے کہ جس کے لیے انسان ایسی تدبیریں کرتا پھرتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کم لبثتم میں سوال مرنے کے بعد قبر میں رہنے کی مدت سے ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں اس کو بھی بہت ہی قلیل تصور کریں گے۔ یہ بھی ممکن ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اِنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا الخ یہاں سے ایک تحدید آمیز کلام شروع فرماتا ہے اور اس میں قیامت قائم ہونے پر دلائل بھی ذکر کرتا ہے کہ اگر قیامت قائم نہ ہو تو نیک و بد کو کامل سزاء و جزا نہ ملے۔ پھر نہ نیکی مطلوب ہو اور نہ بدی سے نفرت ہو جس سے لازم آوے کہ انسان عبث پیدا کیا گیا ہے اس پر کوئی مطالبہ الٰہی نہیں اس لیے فرماتا ہے کہ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم پھر ہمارے پاس نہ آؤ گے فَتَعٰلَی اللّٰہُ الخ اللہ اس بات سے پاک ہے کہ وہ عبث پیدا کرے مگر اس سے یہ بھی نہ سمجھ لو کہ وہ ہمارا حاجت مند ہے کیونکہ اَلْمَلِکُ الْحَقُّ وہ بادشاہ بے نیاز ہے اس کی بادشاہی ثابت اور قائم ہے کبھی زائل نہ ہوگی۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وہ اکیلا ہے اور وہ بادشاہ عرش یعنی تخت کریم ذی عزت کا مالک ہے۔ عرش سے مراد بعض کے نزدیک ساتوں آسمان ہیں بعض کے نزدیک حقیقۃً عرش لَآ اِلٰہَ کے بعد یہ فرماتا ہے کہ من یدع جس نے اللہ معبود کو پکارا بغیر دلیل (اور دلیل تو ہے نہیں) تو اس کا حساب خاص ہم لیں گے۔ ابدی عذاب کی سزا دیں گے کافروں کو فلاح نہ ہوگی۔ سورہ کا ابتدا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے اور خاتمہ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ سے کرنا عجب لطف کلام میں پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو دعاء و ثناء کی تعلیم کر کے کلام کو کس خوبی سے تمام کرتا ہے قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَفَرَضْنٰھَا وَاَنْزَلْنَا فِیْھَآ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ① اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ

دِیْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ② اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۚ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ③

یہ سورۃ ہے کہ جس کو ہم نے ہی نازل کیا اور اس کے احکام ہم نے ہی فرض کیے ہیں اور ہم نے ہی اس میں کھلی کھلی آیتیں نازل کیں ہیں تا کہ تم سمجھو۔ عورت زنا کرے اور مرد زنا کرے تو ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور تم کو اللہ کے حکم میں ان پر کچھ بھی ترس نہ کرنا چاہیے اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو اور چاہیے کہ ان کے عذاب کو مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھے (اکثر) زنا کرنے والا تو بجز بدکار عورت یا مشرک عورت کے نکاح نہیں کرتا ہے اور بدکار عورت سے (اکثر) زانی یا مشرک ہی نکاح کیا کرتے ہیں اور مومنوں پر تو یہ (زنا) حرام کر دیا گیا ہے۔

ترکیب : سورۃ مبتداء محذوف کی خبر ای ھذہ انزلناھا سورۃ کی صفت فاجلدوا الزانیۃ و الزانی کی خبر مائۃ منصوب ہے مفعول مطلق کی صفت ہو کر و کذا ثمانین۔

تفسیر : ابن مردویہ نے روایت ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے۔ سورہ مومنون کے خاتمہ میں اس دعا کرنے کا حکم دیا تھا کہ اے رب! ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر کیونکہ تو بڑا رحم والا ہے۔ رحمت الٰہی اس کی مخلوق بالخصوص انسان پر ہمہ وقت سایہ افگن ہے مگر اس رحمت سے محروم کرنے والی یا یوں کہو اس نور کا حجاب دو ہی چیزیں ہیں: اول خالق سے سرکشی اس سے غفلت' دوسرے معبودوں کی طرف التفات۔ اس کا تدارک تو سورۂ مومنون میں بخوبی کر دیا فلاح کے کام ارشاد فرمائے۔ دوم حقوق العباد میں ظلم اور کسی کو ناحق ایذا دینا مجملہ ان کے زنا ہے اور اسی طرح کسی پارسا پر زنا کی تہمت لگانا بھی بمنزلہ زنا ہے۔ آوارہ بازی اور فتنہ فسادات اور تمدن اور معاشرت کے اصول کے خلاف اور بڑا ہی ظلم اور مردم آزادی ہے اس لیے اس سورہ میں اس کا تدارک کرنا بھی ضروری تھا اور نہ نصاب تعلیم میں قصور متصور ہوتا اس لیے اس سورہ میں زنا اور تہمت اور زنا کے اسباب' عورتوں کی بے حجابی' عورتوں کو اپنے محاسن کا دکھانا اور کسی کے گھر میں بے اجازت چلا جانا یا اپنے ہی گھر میں بے دھڑک ننگے کھولوں میں چلا آنا' سب کو کس عمدہ ڈھب سے حرام و ممنوع فرمایا ہے اور انسانی تہذیب اور معاشرت کا دستور العمل بنا دیا گیا ہے۔ اس لیے سب سے اول اس سورہ کے فضائل اور اس کے احکام کا وجوب اجمالاً ارشاد فرمایا ہے فقال سورۃ انزلناھا کہ یہ سورہ ہم نے نازل کی ہے پیغمبر علیہ السلام نے اپنی طرف سے نہیں گھڑلی ہے ہم نے فرضناھا اس کے احکام فرض واجب کیے ہیں نہ کسی غیر نے وانزلنا فیھا آیاتٍ بیّناتٍ اور ہم نے ہی اس سورہ میں آیات بینات نازل کیے ہیں یعنی احکام مفیدہ جن کے مفید ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں اس لیے وہ آیات اللہ یعنی اس کی نشانیاں ہیں بشرطیکہ ان پڑھ اور اس ملک کا جس میں تہذیب شایستگی مفقود پھر نہ اس کی معین کوئی قانونی جماعت ایسے احکام بیان کرے نبوت کی دلیل ہے اور دلیل بھی کیسی روشن اور آیات بینات کیوں نازل کیے لعلکم تذکرون تا کہ تم سمجھو عقل پکڑو اس تمہید کے بعد احکام شروع ہوتے ہیں:

زنا کا مسئلہ : (۱) الزانیۃ الخ کہ مرد یا عورت جو کوئی زنا کرے اس کو سو درے مارو لوگوں کے سامنے تا کہ لوگوں کو عبرت و نصیحت ہو اور اس حکم کی تعمیل میں کسی پر رحم نہ کھاؤ۔ شریف و وضیع اپنے و بیگانے کا کچھ لحاظ نہ کرو اگر تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ سخت تاکید

۱ یعنی اس کے احکام فرض اور واجب التعمیل ہیں ۱۲۔ منہ۔

تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ
اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ
بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ۝۷ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۹ وَلَوْلَا
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع

وہ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت (زنا) لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی کبھی گواہی قبول نہ کرو اور خود یہی لوگ فاسق ہیں مگر وہ جو اس کے بعد توبہ کرے اور درست ہو جاوے تو بے شک اللہ بھی غفور رحیم ہے اور جو اپنی بیبیوں پر تہمت لگاتے ہیں اور ان کے لیے بجز اپنے اور کوئی گواہ نہیں تو اس کی یہی شہادت ہے کہ ہر ایک چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک وہ (میں) سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر (یعنی مجھ) اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اور اس کے بعد عورت کی سزا کو بھی یہ بات دور کر دے گی کہ وہ بھی چار بار اللہ کو گواہ کر کے یہ کہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ شک اس پر (یعنی مجھ پر) اللہ ہی کا غضب پڑے اور اگر وہ سچا ہو اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے (تو کچھ نہ ہو جاتا)۔

ترکیب : وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ مبتداء فاجلدوهم بالتاویل اس کی خبر واولئك الخ جملہ مستانفہ، الا الذین ایک جماعت کے نزدیک پہلے جملوں سے استثناء ہے اور ایک جماعت کے نزدیک صرف الفاسقون سے اور موضع اس کا نصب ہے علی الاصل، الا انفسهم تقدیر شهداء کی ہے یا اس سے بدل۔ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ مصدر مضاف فاعل کی طرف مبتداء والخبر فالواجب شهادة احدهم اربع منصوب ہے۔ مصدر ہونے کی وجہ سے۔ ای ان یشهد احدهم اربع الخ باللہ۔

تفسیر.....تہمت زنا کا حکم : بصریوں کے نزدیک شہادت سے اور کوفیوں کے نزدیک شہادۃ سے متعلق ہے یہ دوسرا حکم تہمت زنا کی بابت ہے جبکہ زنا کی قباحت اور اس کی سزا مقرر ہوئی تو کسی کو اس کے ساتھ متہم کرنے کی بھی ممانعت اور اس کی سزا مقرر ہونی چاہیے تھی وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصِنٰتِ رمی پھینکنا یہ استعارہ ہے تہمت زنا سے کیونکہ تہمت لگانے والا گویا پتھر پھینک رہا ہے اور اس کو تذف کر رہا ہے۔ اس آیت کا صاف حکم یہ ہے کہ جو کوئی کسی پارسا عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور پھر اپنے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اس کو اسی درے مارو اور کبھی اس کی گواہی نہ قبول کرو وہ فاسق ہے مگر جب توبہ کرے اور نیک ہو جاوے تو خیر کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے۔ یہاں چند باتیں قابل غور ہیں: (۱) محصنات سے کیا مراد ہے؟ احصان پاک دامنی کو کہتے ہیں خواہ عورت بیاہی ہو خواہ کنواری اگر پاکدامن ہے تو محمد ہے۔ اسی طرح آیت کا عموم چاہتا ہے خواہ کافرہ ہو خواہ مومنہ خواہ آزاد ہو خواہ لونڈی غریب ہو یا امیر شریف القوم ہو یا نہ ہو مگر فقہاء احادیث یا دیگر مقامات میں غور و فکر کرے احصان میں چند شرطیں لگائی ہیں اسلام، عقل، بلوغ، حریت، عفت۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ اگر عورت کو تہمت لگانے سے یہ سزا نہ ہوگی بلکہ تعزیر مگر امام زہری و سعید بن المسیب و ابن ابی لیلی کافرہ کو بھی شامل کرتے ہیں اس پر تہمت

لگانے والوں کو بھی یہی سزا دینا فرماتے ہیں۔ اور اسی طرح دیوانی یا نابالغ یا لونڈی یا زنا کار عورت کو (خواہ بالفعل وہ زنا سے تائب ہو گئی ہو) تہمت لگانے پر صرف تعزیر کا حکم دیتے ہیں نہ یہ حد۔ گرچہ آیت میں پارسا عورتوں پر تہمت لگانے میں سزا مذکور ہے مگر تمام امت محمد یہ اس بات پر متفق ہے کہ یہی سزا پارسا مرد پر تہمت لگانے میں بھی ہے۔ (۲) والذین یرمون سے کون مراد ہیں؟ آیت کا عموم چاہتا ہے کہ کوئی کیوں نہ ہو خواہ عورت ہو خواہ مرد ہو مسلمان ہو خواہ آزاد ہو جو تہمت لگائے اس کو بھی سزا دی جائے گی مگر یہاں بھی علماء نے لڑکے یا دیوانے کو بحکم حدیث رفع القلم عن ثلاث الخ مستثنیٰ کیا ہے کہ ان پر حد نہ قائم ہوگی ہاں اگر حاکم مناسب جانے تو کچھ گوشمالی کر دے۔ (۳) جن پر کہ جرم تہمت قائم ہو پھر کیا سب کو یہی سزا ہونی چاہیے؟ آیت کا عموم بھی چاہتا ہے مگر امام شافعی و ابو حنیفہ و مالک و ابو یوسف و محمد و زفر وغیرہم ﷺ غلام یا لونڈی پر نصف سزا یعنی چالیس درے مارنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس آیت سے فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ کیونکہ اس آیت میں لونڈیوں کی سزا زنا نصف قرار دی ہے جس میں غلام بھی شامل ہیں پھر جب زنا کی نصف سزا ہے تو تہمت کی بھی نصف ہونی چاہئے۔ امام جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ عبداللہ بن عمر ﷺ کہتے ہیں کہ ابوبکر و عثمان ﷺ اور ان کے بعد سب کو میں نے غلام لونڈیوں کو اس جرم میں یہی سزا دیتے دیکھا ہے۔ امام اوزاعی پوری سزا کا حکم لگاتے ہیں اور عبداللہ بن مسعود ﷺ سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے پوری سزا دی تھی مسئلہ اختلافیہ ہے۔ (۴) اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا الخ کس سے استثناء ہے؟ شعبی کہتے ہیں کہ یہ استثناء سب پہلے جملوں کی طرف رجوع کرتا ہے فَاجْلِدُوْهُمْ اور لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً واولئك الخ یعنی توبہ کرنے کے بعد نہ اس کو اسی درے مارو نہ اس کی گواہی رد کرو نہ وہ فاسق ہے۔ ابن عباس و عمر ﷺ و سعید بن جبیر و مجاہد و عطاء و امام مالک و شافعی ﷺ کہتے ہیں صرف پچھلے دونوں جملوں سے استثناء ہے یعنی توبہ کرنے کے بعد اس کی گواہی قبول ہے اور فاسق نہیں توبہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبول ہوگی خواہ اس پر حد قائم ہوئی ہو یا نہیں فحنی و شریح و امام ابوحنیفہ ﷺ فرماتے ہیں صرف اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے استثناء ہے یعنی توبہ کرنے کے بعد وہ فاسق نہیں رہتا ہاں اس پر حد بھی قائم ہوگی اور ابداً اس کی گواہی بھی مقبول نہ ہوگی جس طرح کہ چوری یا دیگر جرائم میں توبہ کرنے سے عند اللہ اس کا فسق تو دفع ہو جاتا ہے لیکن سزا دینا نہیں اٹھتی اور گواہی قبول نہ کرنا بھی سزا دینا ہے اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے۔ باقی ہر ایک کے دلائل ان کی کتابوں میں مذکور ہیں جس کو شوق ہو وہاں دیکھ لے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: زنا کے ثبوت میں چار گواہوں کا ہونا محض بنظر پردہ پوشی شرط کیا گیا ہے ورنہ دو گواہوں سے قتل ثابت ہو جاتا ہے اور ایسا ہی ہونا عین حکمت ہے کیونکہ ہر فعل کے ثبوت میں دو شخصوں کی گواہی پیش ہوتی ہے اور یہ فعل دو گنا ہے اس لیے دو گواہ عورت کے لیے دو مرد کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہوئی

لعان کا بیان : وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ تیسرا حکم اپنی بیوی کی بابت تہمت لگانے کا ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور اس کو چار گواہ نہ ملیں (گرچہ قیاس بھی چاہتا تھا کہ ایسی صورت میں اس پر بھی اسی درے مارنے چاہئیں مگر عادتاً غیر عورت پر تو تہمت لگانا عداوت یا رسوائی کے لیے ایک معمولی بات ہے لیکن اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں اس کی بھی بے عزتی ہے اس لیے بغیر سبب قوی اور اپنے معائنہ کی کوئی سلیم الفطرۃ اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا ہے اور ایسے موقعوں پر چار گواہوں کا بہم پہنچانا بڑی مشکل بات ہے۔ اس لیے اس بارہ میں دونوں کی رعایت رکھ کر یہ حکم جداگانہ دیا گیا) تو خاوند چار بار اللہ کی قسم کھا کر حاکم کے روبرو یہ کہے کہ میں سچا ہوں یہ چار قسمیں بمنزلہ چار گواہوں کے ہیں اور پانچویں بار یہ کہے اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ پس اس قسم کے بعد مرد پر بالزام تہمت اسی درے نہ مارے جائیں گے۔ اب رہی بیوی اگر اس نے زنا کا اقرار کر لیا تو وہ سنگسار کی جائے گی اور اگر وہ اس حد سے بری ہونا

چاہے تو اس کو بھی چار بار اللہ کا نام لے کر یہ قسم کھانی پڑے گی کہ باللہ یا بخدا یا اللہ کی قسم! وہ یعنی شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اللہ کا غضب نازل ہو جو وہ سچا ہو۔ اس کو شرع میں لعان کہتے ہیں۔ لعان کے بعد دونوں میں نکاح باقی نہ رہے گا اور پھر کبھی اس مرد کی عورت سے نکاح درست نہ ہوگا اور جو اس حمل سے بچہ پیدا ہوگا وہ اس مرد کا نہ کہلائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ طلاق بائن غیر ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ اس کو فسخ نکاح کہتے ہیں مالک رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ وغیرہما کہتے ہیں اس لعان میں حر عبد مسلمان ذمی سب شریک ہیں زہری اوزاعی ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ خاص مسلمان حر غیر محدود میں جاری ہو سکتا ہے یعنی جو اہل الشہادۃ ہو اور عورت کے قاذف پر حد قائم ہو۔ بخاری و مسلم نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ عویمر رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کہ اگر کوئی بیوی کے پاس کسی کو پاوے تو کیا کرے مار ڈالے۔ عاصم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے یہ سوال مکروہ جانا تب عویمر نے کہا تو میں خود جا کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں گا۔ تب آپ نے فرمایا کہ تمہارے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں ائمہ کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں عویمر کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی بعض کہتے ہیں ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض کہتے ہیں اول تو ہلال کا معاملہ پیش آیا پھر جب ہی عویمر کا بھی دونوں اس میں شریک ہو گئے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ

جو لوگ طوفان[1] بنا کر لائے ہیں وہ تمہارے ہی میں کا تو ایک گروہ ہے۔ اس کو اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے بقدر عمل گناہ ہے۔ اور ان میں سے جس نے کہ اس کا بیڑا اٹھایا ہے اس کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔ (مسلمانو!) جب تم نے اس کو سنا تھا تو کس لیے ایسا نہ مردوں اور ایماندار عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔ وہ کس لیے اس بہتان پر چار گواہ نہ لائے پھر جب وہ نہ لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی دنیا اور آخرت میں رحمت نہ ہوتی تو جس کام تم نے چرچا کیا تھا اس میں تم پر کوئی بڑی آفت پڑ گئی ہوتی جبکہ تم (بے دھڑک) اس کو اپنی زبانوں سے نکالنے لگے۔

[1] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جبکہ وہ اپنا گلوبند تلاش کرتی ہوئیں ایک سفر میں پیچھے رہ گئیں اور قافلہ کے اخیر میں صفوان رضی اللہ عنہ تھے ان کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے لائے اس بات سے چند لوگوں نے جو بظاہر مسلمان تھے طوفان باندھ لیا اور زنا کی تہمت لگا کر اس کا عام چرچا کر دیا اس قصہ کی طرف جا بجا اس سورۃ میں اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب: عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ خبران و منکم اس کی نعت کبر بالکسر معظمہ و بالضم، من قولھم الولا الکبرای اکبر ولد الرجل۔ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ کا بدل منکم۔ بہتان کے متعلق۔

تفسیر: ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو ایک عبرت کا واقعہ ہے۔ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ افک یعنی بہتان کہ جس کا ان آیات میں ذکر ہے حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین پر باندھا گیا تھا جس کی تفصیل میں امام بخاری و مسلم وغیرہما محدثین نے یوں روایت کی ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر جاتے تو جس بیوی کا نام قرعہ میں نکلتا تھا اس کو ساتھ لے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ایک جہاد میں چلے اور میرا قرعہ میں نام نکلا تو مجھے ساتھ لے گئے۔ آیت حجاب نازل ہو چکی تھی۔ اونٹ پر ہودہ میں پردہ میں میں چلتی تھی جب اس سفر سے واپس آئے شب کو مدینہ کے قریب قیام ہوا۔ رات سے کوچ پکارا گیا میں اس عرصہ میں قضاء حاجت کو گئی لوٹ کر آئی تو گلے کا گلوبند نہ پایا اس کو لینے گئی اتنے میں لوگوں نے میرا ہودہ اس طرح سے اونٹ پر کس دیا اور بوجھ کا تفاوت خیال نہ کیا کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں بہت ہلکی پھلکی تھیں۔ وہ سمجھے کہ میں ہودہ میں ہوں قافلہ چل دیا میں لوٹ کر آئی تو کسی کو نہ پایا۔ یہ سمجھ کر کہ آخر میری تلاش کرتے ہوئے لوگ یہیں آئیں گے اسی جگہ بیٹھ گئی اس میں نیند آ گئی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ لشکر کے بعد اس لیے چھوڑا گیا تھا کہ پیچھے سے گری پڑی چیز یا بھولے بھٹکے آدمی کا خیال رکھے۔ جب وہ میرے قریب آیا اور صبح ہو گئی تھی تو اس نے مجھے پہچان کر انا للہ کہا اس کی آواز سے میں بیدار ہو گئی اس نے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر مجھے اپنے اونٹ پر چڑھا لیا۔ اور نہ میں نے اس سے بات کی اور نہ اس نے سنی۔ وہ پہر کے قریب تک مجھے فرودگاہ لشکر میں لے آیا۔ عبداللہ بن ابی منافق نے جو بظاہر مسلمان تھا یہ طوفان اٹھایا اور مجھ پر تہمت لگائی اور حسان بن ثابت اور مسطح و حمنہ بنت جحش اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے اور اس بات کو مشہور کرنے والے ہو گئے جب یہ خبر مسطح کی والدہ کے ذریعہ سے مجھے پہنچی تو میری آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے مہینے بھر تک یہی حال رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس التفات سابق سے پیش نہ آتے جو کہ میری برأت میں یہ آیات نازل ہوئیں اور مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ تھا کہ وہ ضرور میرے معاملہ میں کچھ نازل فرما کر مجھے سچا کرے گا۔

ضحاک کہتے ہیں اس کا بیڑہ حسان و مسطح نے اٹھایا تھا اس لیے ان پر اور ایک قریشی عورت پر حد ماری گئی یعنی حمنہ پر۔ جمہور کے نزدیک بیڑا اٹھانے والا عبداللہ بن ابی منافق تھا جس کے لیے عذاب عظیم جہنم میں ہوا اور حسان کا ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے روبرو ذکر آیا فرمایا جھی ہے کی نے کہا اس نے بیڑہ اٹھایا تھا فرمایا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یہ کہا ہے۔

فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

کسی دنیا میں سزا پائی کہ اندھا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس بہتان کو اپنے حق میں بہتر سمجھو کس لیے کہ اس کے سبب سے قرآن مجید میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل ہوئی اس لیے قیامت تک کو ثابت ہو گئی آئندہ لوگوں کو بزرگوں کی بیویوں کی نسبت ایسی باتیں کرنے سے عبرت ہو گئی بعض لوگ اس واقعہ کو سن کر ہنسی کرتے تھے بعض ہاں میں ہاں ملاتے تھے بعض صریح رد کرتے تھے ان میں صریح رد کرنے والوں کی۔

إِذْ جَاءُوكُم بِالْإِفْكِ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ

بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ
وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ
الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

الرکوع النصف

اپنے مونہوں سے وہ بات کہنی شروع کر دی کہ جس کا تم کو علم بھی نہ تھا اور اس کو تم نے ہلکی بات سمجھ لیا تھا حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے اور جب تم نے اس کو سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں تو اس کا منہ سے نکالنا بھی لائق نہیں۔ سبحان اللہ! یہ تو بڑا بہتان ہے۔ (اے ایمان والو!) اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر ایمانہ کرنا اگر تم ایمان رکھتے ہو اور تمہارے لیے اللہ آیتیں بیان کرتا ہے۔ اور اللہ خبردار حکمت والا ہے جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ بدکاری کا چرچا ایمان والوں میں پھیلے تو ان کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عذاب الیم ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ درگزر کرنے والا مہربان ہے (تو دیکھتے کیا ہوتا)۔

ترکیب : لولا بمعنی ہلا اذ حین ما یکون لنا بمعنی ماینبغی لنا سبحانک، ھو للتعجب ان تعودوا ای کراھۃ تعودوا فھو مفعول لہ اور یعظکم کہ مفعول بہ ہو یعظکم کا بمعنی ینھکم، لھم عذاب الیم خبر ان الذین ان تشیع مفعول یحبون فی الدنیا عذاب الیم سے حتم ہے ورحمتہ معطوف ہے۔ فضل اللہ پر پھر وان اللہ اس پر معطوف جواب لو لا محذوف ای لعاجلکم بالعقوبۃ۔

تفسیر : مدح اور باقی سکوت کرنے والوں پر اور اس بات کو مشہور کرنے والوں پر ناراضی ظاہر فرمائی۔ منجملہ ناراضیوں کے ایک یہ ہے بطور زجر کے ہے وتقولون الخ کہ جس بات کا تم کو علم نہیں اس کو ہلکا جان کر مونہوں سے نکالنے لگے یہاں تک کہ کوئی گھر اور کوئی مجلس نہ رہی جہاں یہ چرچا نہ پھیلا ہو۔ فرماتا ہے یہ بڑی بھاری بات ہے ولو لا اذ سمعتموہ بلکہ تمہیں یہ مناسب تھا کہ جب اس کو سنا تھا تو یہ کہہ دیتا کہ ہم کو یہ بات منہ پر لانی زیبا نہیں سبحانک یہ بہتان عظیم ہے۔

سبحانک عرب میں تعجب اور استبعاد دونوں موقع پر بولا جاتا ہے مگر ہمارے محاورہ میں استبعاد کے موقع پر معاذ اللہ وغیرہ کلمات آتے جاتے ہیں۔ سنتے ہی بہتان عظیم کہہ دینا اس لیے ضرور تھا کہ یہ قصہ پیغمبر علیہ السلام سے تعلق رکھتا تھا عقل سے بھی آدمی کو کام لینا چاہیے باخدا اور اس کے برگزیدہ لوگوں کی شان میں اور نیز ان کی عفت ازواج کے حق میں جو کوئی احمق کچھ بکے تو یہ نہیں کہ سنتے ہی اس پر ایمان لے آئے اور جا بجا ذکر کرتا پھرے جیسا کہ بعض سادہ لوحوں کی عادت ہوتی ہے۔ اول تو ایسے لوگوں پر نیک گمان رکھنا لازم ہے۔ دوم اس بات کے جھوٹے ہونے کی صورت میں بزرگوں کو اپنے اوپر چڑھنے پر خدا تعالیٰ کی کس قدر ناراضی ہوگی؟ سوم اگر سچ بھی ہو تو کسی کی پردہ دری کرنے سے پردہ پوشی کرنی بہر حال بہتر ہے۔ چہارم ایسی باتوں کے پھیلانے سے بجز اس کے کہ ایمانداروں میں فحش کا چرچا ہوا اور کوئی نتیجہ نہیں الخ۔ فرماتا ہے يَعِظُكُمُ اللّٰهُ کہ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے آئندہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اور اللہ تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان فرماتا ہے ادب اور اخلاق حمیدہ اور تہذیب سکھاتا ہے وہ علیم ہے ایسی باتوں میں جو کچھ خرابیاں پیش آتی ہیں باہمی نفاق و رنجش وغیرہ وہی خوب جانتا ہے اور وہ حکیم ہے انہیں حکمتوں کو ملحوظ رکھ کر تم کو ایسی نکوہیدہ باتوں سے منع کرتا ہے۔

بعض بیہودہ لوگوں کی جبلت ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہ ایسی گندہ اور ناپاک باتیں مشہور کیا کرتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ ان کے دلوں میں یہی ولولہ ہوا کرتا ہے کہ فلاں نے یوں کہا اور فلاں کی جورو نے ایسا کیا اور وہ ایسی اور ایسی۔ سولھم عذاب الیم ان پر دنیا میں بھی خدا کی طرف سے عذاب دردناک نازل ہوتا ہے حد قذف ماری جاتی ہے مردود الشہادۃ اور لوگوں کی نظروں میں خفیف غیر قابل الاعتبار ہو جاتے ہیں اور نیز طرح طرح کی مصائب میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی عذاب الٰہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ فرماتا ہے صرف اس کا فضل اور رحمت تھی جس کے سبب دنیا میں ان لوگوں پر سخت قہر الٰہی نہیں اترا ورنہ بات تو بڑی تھی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ
فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى
مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا
يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ
وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۡ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ
وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ
الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ
لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا
يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾

الرکوع ۳ ع ۹

اے ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلا کرو اور جو کوئی شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو یہ تو اس کو بے حیائی کی اور بری باتیں ہی بتاوے گا۔ اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی نہ سدھرتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے سنوارتا ہے اور اللہ ہی سننے والا خبردار ہے۔ اور تم میں سے بزرگی اور مقدور والوں کو اس بات پر قسم نہ کھانا چاہیے کہ قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ یاد کریں گے ان کو معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے اور اللہ ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے جو لوگ پاکدامن بے خبر ایمان والی عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر پھٹکار ہوئی اور آخرت میں اور ان کو بڑا عذاب ہے جس دن کہ ان پر ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اس پر گواہی دیں گے۔ اس روز اللہ ان کا واجبی بدلہ پورا پورا دے گا وہ جانیں گے کہ اللہ ہی برحق ہر بات ظاہر کرنے والا ہے۔ ناپاک عورتیں تو ناپاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں۔ اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔ جو کچھ یہ بکتے پھرتے ہیں یہ لوگ اس سے پاک

ہیں۔ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

ترکیب : :ولایائتل حویفتعل من الالیۃ یقال اٰلی یالی کاتھی یتھی اذا حلف ومنہ قولہ تعالی و للذین یؤلون من نسائھم وقیل ھومن الوت ای کذا اذا قصرت ومنہ قولہ تعالی لایالونکم خبالا والاول اولی ان لایؤتوا ای علی ان لایؤتوا الجملۃ بیان حلف یوم عامل ظرف میں استقرار جو لھم میں ہے۔

تفسیر : :یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، یہاں پھر صاف صاف مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی باتیں نہ کریں یہ باتیں شیطانی وسواس ہیں۔ فرماتا ہے اس کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ بے حیائی اور بری باتیں سکھایا کرتا ہے۔ شیطان خون کی طرح انسان کے رگوں میں دوڑتا ہے اور جا کر دل میں گھر کر لیتا ہے پھر بھلا اس موذی کے زہر سے کوئی بچ سکتا ہے؟ مگر فضل الٰہی اور اس کی رحمت ہی ہے کہ جو اس سے پناہ میں رکھ کر راہ راست کی طرف لاتی ہے چنانچہ فرماتا ہے وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ الخ کہ اس کے فضل نے تم کو ستھرا کر دیا وَلَا یَاْتَلِ جس طرح بہتان باندھنے والوں پر عتاب ہوا اس طرح توبہ کرنے کے بعد بھی ان لوگوں سے تشدد کرنے سے ممانعت فرمائی۔ طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسطح کے ساتھ بھانجا ہونے کی وجہ سے سلوک کیا کرتے تھے۔ اس واقعہ میں قسم کھا بیٹھے تھے کہ آیندہ میں اس کو کچھ نہ دیا کروں گا۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ اہل وسعت و کرم کو قسم نہ کھانا چاہیے کہ وہ اپنے دست کرم کو بند رکھیں گے ان کو معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے۔ اس کے بعد پھر اسی طرح سے دینے لینے لگے۔ مسطح ابوبکر کے اہل قرابت بھی تھے اور نیز مسکین بھی تھے اور مہاجر بھی اس لیے رحم دلانے کے لیے وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْمَسٰکِیْنَ اُولِی الْقُرْبٰی عموم کے صیغوں سے تعبیر کیا۔ اس آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اہل کرم میں شمار کیا اور مدح کے ساتھ یاد فرمایا۔[1] اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اس کے بعد پھر تہمت لگانے والوں پر تحدید کر کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی مدلل کر کے اس بحث کو تمام کرتا ہے۔ فرماتا ہے جو کوئی پاکدامن بے خبر ایمان دار عورتوں کو تہمت لگاتا ہے اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور قیامت کے روز جبکہ اس کے اعمال پر اس کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے وہ اپنے اعمال بد کا پورا بدلہ پالے گا بے خبر یعنی اس بدکام کا کرنا تو درکنار اس بیچاری کو اس کی خبر بھی نہیں وہ اس کو جانتی بھی نہیں۔ یہ پاکدامنی کے لیے کامل مدح ہے۔ الخبیثات الخ یہاں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اور بھی پاک دامنی ثابت کرتا ہے کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے پاس رہتی ہیں اور پاکبازوں کے لیے پاکباز عورتیں ہیں اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کون زیادہ پاکباز ہوگا پس ان کی بیویاں بھی پاکباز ہیں۔ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت تطہیر عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے نص قاطع ہے خصوصاً لفظ اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ اور بھی تاکید کر رہا ہے اس لیے جو شخص پیغمبر علیہ السلام کی بیوی خصوصاً حضرت عائشہ کی جناب میں اس کے بعد بھی بدگمانی کرے کافر[2] ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ ۚ وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ھُوَ

[1] یہاں سے حضرت ابوبکر و عائشہ رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔۱۲

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدگمانی کرنے والا کافر ہے۔۱۲

اَزْکٰی لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۲۸﴾ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور کسی کے گھروں میں (بے دھڑک) نہ گھس جایا کرو جب تک کہ اجازت نہ مانگو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم سمجھو پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو اندر نہ جاؤ جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے اور اگر تم کو کہا جاوے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کیا کرتے ہو۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ (بغیر اجازت) کسی ایسے گھر میں جاؤ کہ جہاں کوئی نہیں بستا۔ اس میں تمہارا اسباب ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم (دل میں) مخفی رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔

ترکیب : غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ استثنا ہے بیوتا سے تستانسوا تستاذنوا من الاستیناس بمعنی الاستعلام۔ آنس الشیء ابصرہ وعلمہ واحسن بہ (قاموس) کیونکہ مستاذن اس بات کا علم چاہتا ہے کہ اس کو اجازت ملتی ہے کہ نہیں۔ اومن الاستیناس الذی ھوخلاف الاستیحاش۔ فانہ مستوحش ان لایؤذن لہ فاذا اذن لہ فاذا استانس۔ بیضاوی

تفسیر.....بغیر اطلاع کسی کے گھر میں جانے کی ممانعت : جبکہ خدا تعالیٰ نے زنا کو بند کیا اور تہمت اور بدگمانی کی بھی سخت ممانعت فرمائی تو جو چیزیں بدگمانی اور زنا کے اسباب ہیں ان کو بھی روکتا ہے منجملہ ان اسباب کے کسی کے گھر میں بغیر اذن و اطلاع کے چلا جانا بھی ہے کیونکہ نہ معلوم گھر میں عورت ننگی ہو یا سوتی ہو پھر وہاں سے ان سے خلوت اور ہمکلامی کا ہونا اور بھی محل تہمت ہے۔ خصوصاً اس گھر والے کے لیے بڑے رنج کا باعث ہے اس لیے اس بارہ میں بھی ادب سکھانے کے لیے یہ فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا الخ یہ چوتھا حکم ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت اور سلام دیے نہ جایا کرو پہلے دروازہ پر جا کر السلام علیکم کہہ کر کہہ لے کہ میں آؤں؟ احادیث سے ثابت ہے کہ تین بار اجازت لے۔ جب تیسری بار بھی آنے کی اجازت نہ ملے یا کچھ جواب نہ آوے تو یہ نہیں کہ وہیں جم جاوے بلکہ الٹا چلا آوے۔ جیسا کہ عبداللہ بن قیس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اور یہ حکم عام ہے خواہ اس گھر میں زنانہ ہو یا صرف مردانہ ہو کیونکہ نہ معلوم کہ مرد کس حال میں ہے اور کیا کر رہا ہے اور اسی طرح جس گھر میں اس کی محرم عورتیں ہوں وہاں بھی اطلاع کر کے آنا چاہیے کیونکہ محرم عورت کا بھی ننگی کھلی دیکھنا درست نہیں بلکہ جس گھر میں خاص اس کی بیوی اور لونڈی رہتی ہوں کہ جن کی برہنگی اس پر ظاہر ہے وہاں بھی بہتر ہے کہ اطلاع کر کے آوے کیونکہ عورتوں کو بعض باتیں نہانے دھونے میں خاوند کے روبرو کرنی بری معلوم ہوتی ہیں اور اس کے لیے بھی باعث نفرت ہونے کا ہے۔

فرماتا ہے یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ اس میں سینکڑوں آفات سے نجات ہے۔ اس لیے فرمایا تاکہ تم سمجھو۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اس گھر میں تم کو کوئی نہ ملے یعنی آواز نہ آوے جس سے معلوم کر سکو کہ کوئی نہیں تب بھی اندر نہ جاؤ اور جو اندر سے آواز آوے کہ چلے جاؤ تو بھی چلے آؤ کیونکہ دروازہ پر ٹھہرا رہنا بھی بعض اوقات کسی رازداری کے سبب ناگوار گزرتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اس کی مصلحت اللہ جانتا ہے اور تمہارے حالات بھی اس کو معلوم ہیں۔ احادیث صحیحہ میں گھر میں جھانکنے کی بھی سخت ممانعت آئی ہے۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا یہ اسی حکم کا تتمہ ہے فرماتا ہے کہ جن گھروں میں کوئی بستا نہ ہو صرف اسباب رکھنے کے مکان ہوں وہاں بغیر اطلاع جانے میں کچھ مضائقہ نہیں بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ کی تفسیر میں علماء کے چند اقوال ہیں بعض کہتے ہیں مسافر خانہ، بعض کہتے ہیں خریدوفروخت کے مکانات، بعض کہتے ہیں کہ آباد مکانات، بعض کہتے ہیں حمامات۔ مگر آیت میں حکم عام ہے سب کو شامل ہے لیکن جو

ہیں۔ ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

ترکیب : :ولایاتل ھو یفتعل من الالیۃ یقال آلی یالی کاتھی یتھی اذا حلف ومنہ قولہ تعالی و للذین یؤلون من نسائھم وقیل ھو من الوت یلوت کذا اذا قصرت ومنہ قولہ تعالی لا یالونکم خبالا والاول اولی ان یؤتوا الی علی ان لا یؤتوا الجملۃ بیان حلف یوم عامل ظرف میں استقرار جو لھم میں ہے۔

تفسیر : :یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، یہاں پھر صاف صاف مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی باتیں نہ کریں یہ باتیں شیطانی وسواس ہیں۔ فرماتا ہے اس کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ بے حیائی اور بری باتیں سکھایا کرتا ہے۔ شیطان خون کی طرح انسان کے رگوں میں دوڑتا ہے اور جا کر دل میں گھر کر لیتا ہے پھر بھلا اس موذی کے زہر سے کوئی بچ سکتا ہے؟ مگر فضل الٰہی اور اس کی رحمت ہی ہے کہ جو اس سے پناہ میں رکھ کر راہ راست کی طرف لاتی ہے چنانچہ فرماتا ہے وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ الخ کہ اس کے فضل نے تم کو متھرا کر دیا وَلَا یَاْتَلِ جس طرح بہتان باندھنے والوں پر عتاب ہوا اس طرح توبہ کرنے کے بعد بھی ان لوگوں سے تشدد کرنے سے ممانعت فرمائی۔ طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسطح کے ساتھ بھانجا ہونے کی وجہ سے سلوک کیا کرتے تھے۔ اس واقعہ میں قسم کھا بیٹھے تھے کہ آئندہ میں اس کو کچھ نہ دیا کروں گا۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ اہل وسعت و کرم کو قسم نہ کھانا چاہیے کہ وہ اپنے دستِ کرم کو بند رکھیں گے ان کو معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے۔ اس کے بعد پھر اسی طرح سے دینے لینے لگے۔ مسطح ابوبکر کے اہل قرابت بھی تھے اور نیز مسکین بھی تھے اور مہاجر بھی اس لیے رحم دلانے کے لیے وَاُولُوا الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ عموم کے صیغوں سے تعبیر کیا۔ اس آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اہل کرم میں شمار کیا اور مدح کے ساتھ یاد فرمایا۔[1] اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اس کے بعد پھر تہمت لگانے والوں پر تہدید کر کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی مدلل کر کے اس بحث کو تمام کرتا ہے۔ فرماتا ہے جو کوئی پاکدامن بے خبر ایمان دار عورتوں کو تہمت لگاتا ہے اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور قیامت کے روز جبکہ اس کے اعمال پر اس کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے وہ اپنے اعمال بد کا پورا بدلہ پالے گا بے خبر یعنی اس بدکار کا کرتا تو درکنار اس بیچاری کو اس کی خبر بھی نہیں وہ اس کو جانتی بھی نہیں۔ یہ پاکدامنی کے لیے کامل مدح ہے۔ الخبیثات الخ یہاں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اور بھی پاک دامنی ثابت کرتا ہے کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے پاس رہتی ہیں اور پاکباز عورتوں کے لیے پاکباز عورتیں ہیں اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کون زیادہ پاکباز ہوگا پس ان کی بیویاں بھی پاکباز ہیں۔ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت تطہیر عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے نص قاطع ہے خصوصاً لفظ اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ اور بھی تاکید کر رہا ہے اس لیے جو شخص پیغمبر علیہ السلام کی بیوی خصوصاً حضرت عائشہ کی جناب میں اس کے بعد بھی بدگمانی کرے کافر ہے۔[2]

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ ۚ وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ھُوَ

[1] یہاں سے حضرت ابوبکر و عائشہ رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ۱۲

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدگمانی کرنے والا کافر ہے۔ ۱۲

اَزْکٰی لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۲۸﴾ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور کسی کے گھروں میں (بے دھڑک) نہ گھس جایا کرو جب تک کہ اجازت نہ مانگو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم سمجھو پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو اندر نہ جاؤ جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے اور اگر تم کو کہا جاوے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کیا کرتے ہو۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ (بغیر اجازت) کسی ایسے گھر میں جاؤ کہ جہاں کوئی نہیں بستا۔ اس میں تمہارا اسباب ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم اول میں مخفی رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔

ترکیب : غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ استثنا ہے بیوتا سے تستانسوا تستاذنوا من الاستیناس بمعنی الاستعلام۔ آنس الشیء ابصرہ وعلمہ واحسن بہ (قاموس) کیونکہ مستاذن اس بات کا علم چاہتا ہے کہ اس کو اجازت ملتی ہے کہ نہیں۔ او من الاستیناس الذی ھو خلاف الاستیحاش۔ فانہ مستوحش ان لا یؤذن لہ فاذا اذن استانس۔ بیضاوی

تفسیر..... بغیر اطلاع کسی کے گھر میں جانے کی ممانعت : جبکہ خدا تعالیٰ نے زنا کو بند کیا اور تہمت اور بدگمانی کی بھی سخت ممانعت فرمائی تو جو چیزیں بدگمانی اور زنا کے اسباب ہیں ان کو بھی روکتا ہے منجملہ ان اسباب کے کسی کے گھر میں بغیر اذن و اطلاع کے چلا جانا بھی ہے کیونکہ نہ معلوم گھر میں عورت ننگی ہو یا سوتی ہو پھر وہاں سے ان سے خلوت اور ہمکلامی کا ہونا اور بھی محل تہمت ہے۔ خصوصاً اس گھر والے کے لیے بڑے رنج کا باعث ہے اس لیے اس بارہ میں بھی ادب سکھانے کے لیے یہ فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا الخ پہ چوتھا حکم ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت اور سلام دیے نہ جایا کرو پہلے دروازہ پر جا کر السلام علیکم کہہ کر کہہ لے کہ میں آؤں؟ احادیث سے ثابت ہے کہ تین بار اجازت لے۔ جب تیسری بار بھی آنے کی اجازت نہ ملے یا کچھ جواب نہ آوے تو یہ نہیں کہ وہیں جم جاوے بلکہ الٹا چلا آوے۔ جیسا کہ عبداللہ بن قیس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اور یہ حکم عام ہے خواہ اس گھر میں زنانہ ہو یا صرف مردانہ ہو کیونکہ نہ معلوم کہ مرد کس حال میں ہے اور کیا کر رہا ہے اور اسی طرح جس گھر میں اس کی محرم عورتیں ہوں وہاں بھی اطلاع کر کے آنا چاہیے کیونکہ محرم عورت کا بھی ننگی کھلی دیکھنا درست نہیں بلکہ جس گھر میں خاص اس کی بیوی اور لونڈی رہتی ہوں کہ جن کی برہنگی اس پر ظاہر ہے وہاں بھی بہتر ہے کہ اطلاع کر کے آوے کیونکہ عورتوں کو بعض باتیں نہانے دھونے میں خاوند کے روبرو کرنی بری معلوم ہوتی ہیں اور اس کے لیے بھی باعث نفرت ہونے کا ہے۔

فرمایا ہے یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ اس میں سینکڑوں آفات سے نجات ہے۔ اس لیے فرمایا تاکہ تم سمجھو۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اس گھر میں تم کو کوئی نہ ملے یعنی آواز نہ آوے جس سے معلوم کر سکو کہ کوئی نہیں تب بھی اندر نہ جاؤ اور جو اندر سے آواز آوے کہ چلے جاؤ تو بھی چلے آؤ کیونکہ دروازہ پر ٹھہرا رہنا بھی بعض اوقات کسی رازداری کے سبب ناگوار گزرتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اس کی مصلحت اللہ جانتا ہے اور تمہارے حالات بھی اس کو معلوم ہیں۔ احادیث صحیحہ میں گھر میں جھانکنے کی بھی سخت ممانعت آئی ہے۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا یہ اسی حکم کا تتمہ ہے فرماتا ہے کہ جن گھروں میں کوئی بستا نہ ہو صرف اسباب رکھنے کے مکان ہوں وہاں بغیر اطلاع جانے میں کچھ مضائقہ نہیں بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ کی تفسیر میں علماء کے چند اقوال ہیں بعض کہتے ہیں مسافر خانہ، بعض کہتے ہیں خرید و فروخت کے مکانات، بعض کہتے ہیں کہ آباد مکانات، بعض کہتے ہیں حمامات۔ مگر آیت میں حکم عام ہے سب کو شامل ہے لیکن جو

کانات اسباب کے ہوں اور وہاں تجارتی مال ہو وہاں بغیر اجازت کے جانے کے یہ معنی نہیں کہ ہر کوئی چلا جایا کرے جس میں چوری اور یگانہ ملک میں تصرف کا مظنہ ہے بلکہ جن کو وہاں جانے کی اجازت ہو یا جو مجاز ہیں ان کو وہاں دستک دینے اور اطلاع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں احتمال نہیں کہ کوئی ننگا کھلا ہوگا۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(اے نبی!) ایمانداروں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کو بھی محفوظ رکھیں۔ یہ ان کے حق میں ستھرائی ہے بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ وہ کیا کرتے ہیں اور ایماندار عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی بھی محافظت رکھیں اور وہ اپنی آرائش کی جگہ نہ دکھایا کریں مگر وہ جو بضرورت ظاہر ہوتی ہے اور اپنے سینوں پر اپنے دوپٹے ڈالے رکھا کریں اور اپنی آرائش ظاہر نہ کیا کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا خاوند کے باپ یا اپنے بیٹوں یا خاوند کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں پر یا عورتوں پر یا اپنے مملوک (لونڈی غلاموں) پر یا ان خدمت گاروں پر کہ جن کو عورتوں کی حاجت نہیں یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ کی چیزوں سے واقف نہیں اور اپنے پاؤں ٹھوکر مار کر نہ چلیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور (اے مسلمانو!) تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرتے رہا کرو تا کہ تمہیں فلاح ہو۔

ترکیب: مِنْ اَبْصَارِهِنَّ من ھھنا للتبعیض لانہ لایلزم غض البصر بالکلیۃ وقلیل زائدۃ وقیل لبیان الجنس، غیر اولی الاربۃ ای الحاجۃ بالجر علی الصفۃ او البدل۔

---

۱ الاربۃ الضاموالاراب کالجلسۃ من الاراب والارب الحاجۃ والنخل منہ والاریب والمراد ھھنا الحاجۃ الی النساء۔ ۱۲ منہ

۲ پاؤں کو زمین پر اس طرح سے نہ مارنا چاہیے جس سے پازیب وغیرہ زیور کی آواز سنائی دے اور اسی طرح آواز بھی بلند نہ کرے۔ ۱۲ منہ

۳ کیونکہ ان میں سے شوہر کو تو دکھانا مقصود ہی ہے اور باقی اور لوگ گھر میں ملے جلے رہا کرتے ہیں ہر وقت ان سے اختفاء میں حرج تھا اور نیز ان سے بے پردگی کی توقع بھی عادتاً نہیں ہے کیونکہ محارم ہیں یا العجز عادۃ ہی نہیں۔ ۱۲ منہ

تفسیر: منجملہ اسباب زنا کے مرد کا عورت کو اور عورت کا مرد کو دیکھنا بھی ہے۔ یہ نظر زنا کا بڑا سبب ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ ع برق نگاہ یار میرا کام کر گئی۔ اس لیے ایمانداروں کو ادب سکھاتا ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ الخ یہ پانچواں حکم ہے کہ اے نبی ایمانداروں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ کو بند رکھیں جس کا دیکھنا انہیں حلال نہیں اس کو نہ دیکھیں اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا اجنبی عورت کا بضرورت منہ اور ہاتھ دیکھنا تو درست ہے اور باقی چیزوں پر نظر کرنا حرام ہے اور بغیر ضرورت اجنبیہ کا چہرہ دیکھنا بھی درست نہیں خصوصاً جبکہ محل فتنہ ہو اور جو اچانک نظر پڑ جائے تو باردگر نہ دیکھے اور اجنبیہ اگر اور کی لونڈی ہے تو بعض کہتے ہیں ناف سے گھٹنے تک پر نظر نہ کرے باقی کا مضائقہ نہیں بعض کہتے ہیں وہ سر وغیرہ جو عضو کام میں کھولے رہتے ہیں ان کا دیکھنا ممنوع نہیں باقی ممنوع ہے۔ اور عورت اگر محرم ہے خواہ نسب سے خواہ رضاع سے خواہ بیوی کے رشتہ سے تو اس کے ناف سے لے کر گھٹنے تک نظر ممنوع ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صرف وہی اعضاء دیکھنا درست ہیں جو کام میں کھل جاتے ہیں ہاتھ بازو وغیرہ اور مرد کی بابت بھی یہ حکم ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک نہ دیکھے۔ اس طرح عورت کو دوسری عورت کا ناف سے گھٹنے تک دیکھنا منع ہے۔ عرفا کہتے ہیں جس طرح نظر کو محارم کے دیکھنے سے بند کرے اسی طرح دل کو غیر اللہ کے دیکھنے سے روکے۔ پھر فرماتا ہے وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ کہ اپنے ستر کو محفوظ رکھیں یعنی حرام کاری نہ کریں یہ تمہارے لیے دین و دنیا میں بہتر ہے اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ میں تنبیہ ہے کہ اللہ کو غافل نہ سمجھو وہ تمہارے ہر کام سے واقف ہے۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ الخ اسی طرح ایماندار عورتوں کو بھی نظر بند رکھنے اور حرام سے محفوظ رہنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی (چھٹا) حکم دیا کہ اپنی زینت کو بجز ان اشخاص مذکورہ ذیل کے اور کسی کو نہ دکھائیں۔ اور اوڑھنی اوڑھے رہو جس سے سر اور سینہ اور کان اور گردن نہ دکھائی دے۔ یہ جو فرمایا اپنی زینت نہ دکھائیں مگر وہ جو ظاہر ہے۔ زینت کہتے ہیں خوبصورتی کو قدرتی ہو یا بناوٹی۔ لباس فاخرہ یا زیور یا مہندی کاجل وغیرہ ان میں سے صرف ظاہر زینت کے ظاہر کرنے کی اجازت دی۔ ظاہر زینت بناوٹی میں سے تو انگوٹھی کپڑا جس کے ظاہر کرنے کی ضرورت پڑے اور خلقی میں سے ہاتھ منہ جو بضرورت ظاہر کرنا پڑے بعض علماء کہتے ہیں زینت سے مراد وہ اعضاء ہیں جن پر زیور پہنا جاتا ہے۔ اور وہ یہ اشخاص ہیں شوہر' عورت کا باپ' دادا، نانا' شوہر کے باپ' دادا' نانا' عورتوں کے بیٹے' پوتے' نواسے' خاوند کی دوسری بیوی کے بیٹے' پوتے' نواسے' عورت کے بھائی' عینی' علاتی، اخیافی، رضائی عورت کے بھتیجے، بھائیوں کی اولاد' عورت کے بھانجے' بہن کی اولاد' گھر کی عورتیں' عورت کی مملوکہ لونڈی' غلام' گھر کے وہ خادم جن کو عورتوں کی طرف رغبت نہ ہو' بوڑھے اور خواجہ سرا' نابالغ لڑکے' ان لوگوں کے سامنے اگر عورت اپنی زینت ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں یعنی زینت ظاہرہ کے سوا اور زینت کیونکہ بضرورت اس کا تو ہر ایک پر ظاہر کرنا درست تھا۔ وہ زینت ظاہرہ جس کی بضرورت اظہار کے ہر ایک کے لیے رخصت تھی باتفاق علماء چہرہ اور دونوں ہاتھ یا بالائی کپڑے مراد ہیں اور اس جگہ جس زینت کے ظاہر کرنے کی ان مذکورہ اشخاص کے سامنے اجازت ہے وہ بازو' گلے' کانوں سر کے زیور کی ہے اور ان اعضاء کا کھولنا بھی ان کے سامنے جائز ہے ونسائھن اپنی عورتیں کیونکہ کافر عورتیں بمنزلہ اجانب کے ہیں بعض کہتے ہیں کافرہ عورتوں کے سامنے ان چیزوں کا کھولنا درست ہے۔ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ میں غلام لونڈی سب آ گئے مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں صرف لونڈیاں مراد ہیں کیونکہ غلام اجنبی ہے اس میں مارو شہوت بھی موجود ہے آزاد ہو کر اس سے نکاح بھی کر سکتا ہے۔ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں عورت کی بالکل خواہش نہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ بیوقوف عنین مراد ہیں جو کھانے میں ساتھ ہو لیتے ہیں ان کا صرف یہی مقصود ہوتا ہے مخنث اور نپجڑے مراد نہیں۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَاۗىِٕكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ

يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ
نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ
الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۗ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور جو تم میں مجرد ہوں ان کے نکاح کرا دو اور جو تمہارے غلام اور لونڈیاں نیک ہوں ان کے بھی اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ گنجائش والا خبردار ہے اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہیے کہ پارسائی سے رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اور جو تمہارے غلام لونڈیوں میں سے لکھت[1] چاہیں تو ان کو لکھ دو بشرطیکہ ان میں بہتری معلوم ہوتی ہو۔ اور ان کو اللہ کے اس مال میں سے بھی دیا کرو جو اس نے تم کو دے رکھا ہو۔ اور اپنی چھوکریوں[2] کو حرام کاری کے لیے مجبور نہ کیا کرو۔ اگر وہ پاکدامنی چاہتی ہوں (ایسا کام اس لیے کرتے ہو) کہ دنیا کے فوائد حاصل کرو اور جو ان کو اس کام پر مجبور کرے گا تو ان کی مجبوری کے بعد اللہ غفور رحیم ہے اور البتہ ہم نے تمہارے پاس آیتیں بھیج دی ہیں جو روشن ہیں اور جن میں تم سے پہلوں کے حالات ہیں اور جو پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہیں۔

ترکیب : الأیامٰی جمع ایم وھوالضرب ذکراً کان اوانثی بکراً کان اوثیباً و ایامی مقلوب ایائم کیتامیٰ۔ والصالحین معطوف ہے ایامیٰ پر مفعول انکحوا کا و الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مبتداء فکاتبوھم خبر۔ ان علمتم جملہ شرطیہ الگا جملہ فکاتبوھم دال برجزاء۔

تفسیر : جبکہ ہر طرح سے زنا اور اس کے دواعی کی ممانعت کی تو نکاح کرنے کی بھی رغبت دلائی کس لیے کہ مجرد رہنے میں بڑا خطرہ ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے نکاح کرنے کی تاکید فرمائی یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء (متفق علیہ) اور فرمایا کہ میرے بعد مردوں کے لیے سخت فتنہ عورتوں سے زیادہ کوئی نہیں (متفق علیہ) اس لیے جن قوموں میں مجرد رہنا ہنر ہے ان کے ہاں حرامکاری کا بھی کچھ حساب نہیں۔

فرماتا ہے وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (یہ ساتواں حکم ہے) کہ اے مسلمانو! جو تم میں مجرد ہیں خواہ عورت ہو خواہ مرد خواہ بیوہ خواہ نا کتخدا ان کے نکاح کر دو لفظ ایامی سب کو شامل ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سے وہ شخص کہ جس کے دین اور خلق سے تم خوش ہو نکاح کی درخواست کرے تو نکاح کر دو ورنہ زمین پر بڑا فتنہ اور فساد سخت ہوگا (رواہ النسائی وابن ماجہ) علماء کے نزدیک یہ امر مندوب واستحباب کے

[1] جو غلام یا لونڈی یہ چاہیں کہ اگر ہم اس قدر روپیہ ادا کر دیں تو ہم کو آزادی لکھ دو تو لکھ دیا کرو بشرطیکہ تم کو اس میں بہتری معلوم ہو اس عقد کو شرع میں مکاتبت کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] عرب غلام کو فتیٰ اور لونڈی کو فتاۃ کہتے تھے جس کی جمع فتیات ہے۔ ۱۲ منہ

لیے ہے بعض کہتے ہیں وجوب کے لیے فیصلہ یہ ہے کہ جہاں زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو اور نکاح کرنے پر قادر بھی ہو تو نکاح کرنا واجب ہے ورنہ مستحب ہے۔ پھر فرماتا ہے وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ کہ اپنے غلام لونڈیوں میں سے بھی جن کو نیک دیکھو ان کے بھی نکاح کر دو کیونکہ نیک ہی نکاح اور خدمت مولیٰ کو محفوظ رکھ سکتے ہیں یا صالحین سے مراد وہ کہ جن کو نکاح کی صلاحیت ہو۔ لفظ فانکحوا سے علماء شافعیہ نے یہ بات نکالی ہے کہ نکاح بغیر ولی کے درست نہیں وفیہ مافیہ۔ فرماتا ہے نکاح کرنے میں فقر و فاقہ سے نہ ڈریں اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بلاشک جو نیک نیتی سے نکاح کرتے ہیں خدا ان کو فراخی دیتا ہے اور جن کو نکاح کا مقدور نہ ہو تو ان کو پاکدامنی اختیار کرنی چاہیے۔ یہ نہیں کہ اس عذر سے مرتکب فواحش ہو جائے۔ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ چونکہ فراغ دستی اور فضل الٰہی ہونے کا ذکر تھا اس لیے جو غلام خدا کے فضل پر توکل کر کے اپنے مولیٰ سے مکاتبت چاہیں ان کے لیے بھی حکم دیا کہ اگر ان میں خیر دیکھو کہ یہ بدل کتابت ادا کر سکیں گے اور ان کا رویہ بھی اچھا ہے تو ان کو لکھ دو یعنی مکاتب بنا دو۔ (یہ آٹھواں حکم ہے) اس کو بھی گونہ پارسائی سے تعلق ہے کس لیے کہ جب غلام کو مولیٰ کی طرف سے خرید و فروخت کا مجاز ہوتا ہے تو اس کے ہاتھ میں روپیہ پیسہ رہتا ہے جس سے حرام کاری کا اندیشہ ہے اس سے کوئی رقم لینی مقرر کر کے آزادی لکھ دو کہ اپنا نکاح کرے گھر آباد کرے۔ اسلام میں بھی یہی دستور باقی رہا اور جاہلیت میں بھی تھا کہ جو کوئی غلام اپنے آقا سے یہ معاملہ کر لیا کرتا تھا کہ میں آپ کو اس قدر روپیہ دوں تو آزاد ہو جاؤں آقا اس کو منظور کر لیتا تھا اور لکھ دیتا تھا اس معاملہ کو مکاتبت کہتے تھے۔ وہ غلام آزادانہ خرید و فروخت کر کے وہ مقدار ادا کر دیتا تھا۔ کتب فقہ میں اس مسئلہ کی بڑی تشریح ہے۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ اس بدل کتابت کے ادا کرنے میں مدد کرو خدا کے دیے ہوئے مال میں سے ان کو بھی دو بموجب زکوٰۃ و خیرات یا اس بدلے میں سے کچھ حصہ چھوڑ دو لاتکرھوا (یہ نواں حکم ہے) عرب میں دستور تھا کہ اپنی چھوکریوں سے زنا کرا کے کماتے تھے چنانچہ مدینہ میں عبداللہ بن ابی منافق بھی ایسا ہی کیا کرتا تھا اسلام نے اس کی بھی ممانعت کر دی ان اردن تحصنا میں ان شرطیہ علی سبیل الغالب واقع ہوا جس کا مفہوم مخالف نہیں۔ **فائدہ:** ان آیات میں توبہ کرنے اور مکاتبوں کو دینے کا بھی حکم ہے۔ مگر بظاہر ان کا تعلق حقوق العباد سے کم تھا اس لیے ان کے عدد شمار میں ہم نے نہیں لیا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۗ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ
زُجَاجَةٍ ۗ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا
شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۗ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ۗ
يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی ایسی مثال ہے کہ جیسا کسی طاق میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ (کی قندیل) میں (اور) شیشہ گویا کہ چمکتا ہوا تارا روشن کیا گیا ہو زیتون کے ایک مبارک درخت سے جو نہ شرقی ہو اور نہ غربی ہو کہ جس کا تیل خود بخود روشن ہونے کو ہو اور گو اس کو ابھی آگ نہ لگی ہو۔ نور پر نور۔ اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے سے واقف ہے۔

ترکیب : الله مبتداء نُوْرُ السَّمٰوٰتِ الخ خبر، مَثَلُ نُوْرِهٖ صفۃ نورہ مبتداء كَمِشْكٰوةٍ موصوف فِيْهَا مِصْبَاحٌ صفت سب محذوف سے

متعلق ہوکر خبر ہوئی تمام جملہ بیان ہو اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ کَاَلْمِصْبَاحُ مبتدا فی زُجَاجَۃٍ خبر ثانی علی ھذا۔ دری منسوب الی الدر او فعیل کرئ من الدر۔ یوقد صفت ہے مصباح کی۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ اللہ نے تمہارے لیے آیاتِ بینات نازل کیں تم کو جہل کی اندھیریوں سے نکال کر علم کی روشنی میں لایا۔ اب یہاں اپنے اوصافِ نورانی اور نورِ ہدایت کی تمثیل بیان فرماتا ہے کہ وہ اللہ جس نے تم کو جہل کی ظلمات سے نکالا آسمانوں اور زمین کا نور ہے پھر اپنے نور کو اس شمع سے تشبیہ دے کر جو شیشہ کی قندیل میں ہو یہ فرماتا ہے اللہ اپنے اس نور سے جس کو چاہتا ہے مداہت کرتا ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بحث اول : نور عرف میں روشنی کو کہتے ہیں وہ ایک عرض قائم بالغیر ہے جو اجسام کو عارض ہوتا ہے جیسا کہ آفتاب و ستارے اور آگ اس معنی سے اس لفظ کا اطلاق اللہ پر حقیقۃً جائز نہیں کس لیے کہ نور بمعنی مذکور ایک عرض ہے وہ حادث اور قابلِ تقسیم اور قائم بالغیر ہونے کی وجہ سے الٰہ نہیں ہوسکتا اس سے فرقہ مانویہ کا بھی قول رد ہوگیا جو نور اعظم کو اللہ کہتے ہیں۔ اس لیے علماءِ اسلام اس جگہ تاویل کرتے ہیں۔ کہ نور بمعنی منور ہے کہ اس نے آسمانوں الارزمین کو آفتاب و مہتاب کو اکب اور انبیاء و صلحاء و ملائکہ سے منور کر دیا اور یہ قول ابی بن کعب رضی اللہ عنہ و حسن و ابوالعالیہ کا ہے بعض کہتے ہیں بمعنی مُدَبِّرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہے جیسا کہ باخبر رئیس کو کہتے ہیں کہ وہ شہر کا نور ہے یعنی مدبر بتدبیر حسن جیسا کہ جریر شاعر کہتا ہے ع وانت لنا نور وغیث وعصمۃ۔ یہ زجاج اور اصم کا قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نور بمعنی ہادی ہے کیونکہ نور سببِ ہدایت ہے کہ وہ آسمان اور زمین والوں کا ہادی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نور کا اطلاق اس پر مبالغہ ہو جیسا کہ عادل کو عدل کہہ دیا کرتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مشکوٰۃ الانوار رکھا ہے اس میں امام صاحب نے ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقۃً آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس پر اس الفاظ کا اطلاق حقیقۃً ہے نہ مجازاً بہت سے مقدمات بیان فرما کر یہ کہا ہے کہ ادراکِ عقلی اور ادراکِ بصری سے اشرف ہے اور دونوں کا مقتضی ظہور ہے اور خواصِ نور میں سے ظہور ہی اشرف ہے اس لیے ادراکِ عقلی ادراکِ بصری سے بدرجہا اولیٰ انور ہے۔ پھر انوارِ عقلیہ کی دو قسم ہیں ایک وہ جو سلامۃ الاحوال کے وقت واجبۃ الحصول ہیں یعنی تعقلات فطریہ۔ دوسرے مکتسبہ اور قسم ثانی میں کبھی غلطی بھی واقع ہوجاتی ہے اس لیے اس کے واسطے ہادی و مرشد کی ضرورت ہوتی ہے اور اس امر میں کلام الٰہی اور کلامِ انبیاء سے زیادہ اور کوئی ہادی و مرشد نہیں اس لیے یہ بھی نور ہیں۔ اس وجہ سے قرآن اور نبی کو بھی نور کہا گیا ہے اور اسی طرح ملائکہ بھی نور ہیں پھر ملائکہ بھی درجہ میں متفاوت ہیں یہاں تک کہ سب سے بڑھ کر نورِ اعظم وہ روح جو سب ارواح سے اعلیٰ ہے معدنِ نور ہے۔ پھر یہ سب انوارِ حسیہ ہوں خواہ سفلیہ جیسا کہ آگ کا نور یا علویہ جیسا کہ آفتاب و ماہتاب' کواکب کے انوار یا انوارِ عقلیہ سفلیہ ہوں جیسا کہ ارواحِ انبیاء و اولیاء یا علویہ ہوں جیسا کہ ملائکہ۔ یہ سب کے سب فی حد ذاتہا ممکن ہیں اور ممکن فی حد ذاتہ معدوم ہیں ان کو وجود غیر کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور وجود نور اور عدم ظلمت ہے۔ پس کل ممکنات اپنی ذات میں مظلم ہیں نور فی حد ذاتہ وہی ہے جس کا وجود ذاتی ہے ممکنات کا وجود اور ان کے صفات اور ان کے سب معارف اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ اب ظاہر ہوگیا کہ نورِ مطلق وہ اللہ سبحانہ ہی ہے اور غیر پر جو اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے تو مجازاً کیونکہ اس کے سوا جو کچھ ہے من حیث ہو ظلمت محضہ ہے کس لیے کہ وہ من حیث ہو عدم محض ہے بلکہ یہ انوار بھی من حیث ہی ظلمت ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہی نورِ حقیقی ہے اور جس قدر انوار ہیں اسی کے نور کے پرتوے ہیں واللہ اعلم۔

بحث دوم : نور کو السمٰوٰت و الارض کی طرف کیوں مضاف کیا؟ اس لیے کہ سب آسمان اور زمین انوارِ مجردہ اور مادیہ سے بھرے ہوئے ہیں انوارِ مادیہ جیسا کہ چاند اور سورج اور ستاروں کی روشنی یہ سب آسمانوں میں ہیں اور زمین پر بھی انوار منعکس ہوتے ہیں

کہ جس سے الوانِ مختلفہ دکھائی دیتے ہیں اور انوارِ مجردہ سے عالم بالا[1] پُر ہے اور وہ انوارِ مجردہ ملائکہ ہیں عالم سفلی میں بھی انوارِ عقلیہ بہت سے ہیں اور وہ قوائے نباتیہ اور حیوانیہ اور انسانیہ ہیں اور نورِ انسانی سے جس کے سبب یہ خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا گیا عالم اسفل کا نظام ہو رہا ہے جیسا کہ نورِ ملکی سے عالم علوی کا نظام قائم ہے اور یہ جملہ انوار باہمی دیگر مرتبط و مسلسل ہیں اور سب کا انتہیٰ نور الانوار کی طرف ہے اور وہ اللہ سبحانہ ہے اس لیے اللہ کو نور السموت والارض کہا۔

بحث سوم : مثل نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ الخ اپنے نور کو ایسے چراغ[2] سے تشبیہ دی جو شیشہ میں ہو اور شیشہ کسی طاق میں ہو اور چراغ زیتون کے تیل سے روشن کیا گیا ہو اور وہ ایسا صاف ہو کہ جو آگ دکھاتے ہی جل اٹھے اور زیتون بھی ایسا ہو کہ نہ شرقی ہو کہ صبح ہی کے وقت اس پر آفتاب کی شعاع پڑتی ہوں پھر نہ پڑیں اور نہ غربی ہو کہ شام کے وقت ہی اس پر دھوپ پڑتی ہو کیونکہ ایسا درخت کچا ہوتا ہے اس کا تیل بھی عمدہ نہیں۔ بخلاف اس کے کہ جو نہ شرقی ہو نہ غربی بلکہ میدان میں یا پہاڑ کی بلندی پر ہو وہ خوب تناور اور پختہ ہوتا ہے اس کا تیل بھی عمدہ ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی وہ تو یہ چیزیں ہیں بحیثیت مجموعی اور جس کو تشبیہ دی گئی ہے وہ اللہ کا نور ہے مگر کلام اس میں ہے کہ اللہ کے نور سے کیا مراد ہے؟ جمہور متکلمین کے نزدیک ہدایت مراد ہے یہ معنی کہ اللہ کی ہدایت ظہور میں ایسی ہے کہ جیسا کوئی چراغ ہو جس کی یہ صفت ہوں کہ جس کی ہر صفت روشنی چراغ کو ترقی دیتی ہے۔ **سوال**: آفتاب کے ساتھ کیوں تشبیہ نہ دی۔ **جواب** مقصد اس روشنی کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جو اندھیریوں میں سے ظاہر ہو البتہ ہدایت ایک ایسی روشنی ہے جو شبہات کی اندھیریوں میں سے ظاہر ہوتی ہے سو یہ بات چراغ کے ساتھ تشبیہ دینے سے حاصل ہوتی ہے کہ جس کے ہر طرف اندھیری محیط ہوتی ہے برخلاف آفتاب کے کہ وہ جب جلوہ گر ہوتا ہے تو تمام عالم اس کے نور سے بھر جاتا ہے ظلمت باقی نہیں رہتی۔ بعض کہتے ہیں نور سے مراد قرآن ہے جیسا کہ فرمایا ہے قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نور حسن و سفیان بن عیینہ و زید بن اسلم کا قول ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی صفت میں سراجاً منیراً آیا ہے۔ یہ عطاء کا قول ہے بعض کہتے ہیں کہ اس نور سے مراد وہ نور ہے کہ جو مومن کے دل میں ایمان و معرفت کا نور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نور اور کفر کو ظلمت سے تعبیر کیا ہے یہ ابی و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انسان کے قوائے مدرکہ پانچ ہیں قوۃ حسیہ جو حواسِ خمسہ کو شامل ہے' قوتِ خیالیہ' قوۃ عقلیہ جو حقائقِ کلیہ کا ادراک کرتی ہے' قوۃ فکریہ جو معارفِ عقلیہ میں ترکیب دے کر نامعلوم بات کو دریافت کرتی ہے قوۃ قدسیہ جو انبیاء و اولیاء کو حاصل ہے جس سے اسرارِ غیب و لوائح ملکوت ظاہر ہوتے ہیں جس کی نسبت اللہ فرماتا ہے۔ لٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ یہ پانچوں نور ہیں ہر ایک کو ان پانچوں میں سے ایک ایک کے ساتھ تشبیہ ہے روحِ حساس کو مشکوٰۃ سے۔ الخ

---

[1] عالم بالا آسمانوں سے بھی اوپر ہے وہ عالم حیات نہیں بلکہ عالم مجردات۔ ۱۲ منہ

[2] کعب احبار کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ سے مراد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک اور زجاجہ قلب اور اس میں مصباح جو ہے وہ نبوت ہے وہ شجرۂ مبارک سے روشن کیا گیا ہے یعنی شجرۂ ابراہیمیہ سے کہ جو نہ شرقی ہے نہ غربی بلکہ سب کے لیے اس کا فیضانِ نبوت برابر ہے۔ یکا دو گو آپ مونہوں سے کچھ اظہار نہ کریں مگر وہ نور نبوت خود بخود کہے دیتا ہے صدہا لوگ آپ کو دیکھتے ہی کہہ دیتے تھے کہ آپ نبی برحق ہیں جیسا کہ زیتون کے تیلِ صافی میں سنگ اضحے کا مادہ تیار ہے نور پر نور ہے ایک نور ابراہیمی جوان کی دعا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی (سفر استثنیٰ باب ۱۸) کے مطابق پشت در پشت چلا آتا تھا دوسرا خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ محمدی جو تمام انوارِ حسیہ و عقلیہ کا منتہی اور مظہرِ اول اور منبع ہے۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق

[3] سراج وغیرہ ۱۲ منہ

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ
وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ
وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ
اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

ان گھروں میں کہ جن کی تعظیم کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان میں اس کا نام یاد کیا جاتا ہے اس میں صبح وشام اس کی تسبیح وتقدیس کی جاتی ہے۔ ایسے لوگ تسبیح کیا کرتے ہیں کہ جن کو نہ تجارت اور بیچنا ذکر الٰہی سے روک سکتا ہے۔ اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ دینے سے وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں کہ جس میں دل اور آنکھیں الٹ جاویں گی تا کہ اللہ ان کو ان کے عمل کا اچھا بدلہ دے اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی دے (یعنی ڈرتے بھی ہیں اور امید بھی رکھتے ہیں) اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

ترکیب : فی بیوت یا تو صفت ہے زجاجۃ کی المصباح زجاجۃ وبیوت۔ یا یوقد سے متعلق ہے ای توقد فی المساجد یا یسبح سے متعلق ہے وھو القوی، رجال یسبح کا فاعل یا مفعول مالم یسم فاعلہ لَا تُلْهِيْهِمْ رجال کی صفت یخافون صفت ثانیہ لِيَجْزِيَهُمُ یسبح سے متعلق۔

تفسیر : فی بیوت کو جمہور مفسرین نے کلام سابق کا تتمہ قرار دیکر تشبیہ میں شامل کیا ہے یعنی وہ چراغ جو آئینہ میں ہو اور صاف تیل سے روشن کیا ہو کسی گندہ اور ناپاک مکان میں نہ ہو کہ جس کی روشنی صاف باطنوں کی آنکھوں میں بے قدر معلوم ہوتی ہو بلکہ ان مکانوں میں ہو کہ جن کے بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی مساجد خانہ کعبہ، مسجد نبوی، بیت المقدس مسجد قبا یا عام مساجد اور ان کے بلند کرنے سے مراد یا ظاہر بلند کرنا ہے یا تعظیم کرنا۔ ان مقامات خصوصاً بیت المقدس کے قندیلوں کی روشنی جو زیتون کے عمدہ تیل سے روشن ہوتی تھیں ضرب المثل تھی۔ پھر ان گھروں کی صفت میں فرماتا ہے کہ ان میں ایسے لوگ صبح وشام خدا کی تسبیح وتقدیس کیا کرتے ہیں اور اس کا نام لیا کرتے ہیں (یہ عام ہے خواہ نماز فرائض ونوافل کے ذریعہ سے ہو خواہ بغیر اس کے صرف ذکر وتسبیح ہو) کہ جن کو ذکر الٰہی اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت روک سکتی ہے نہ بیع کرنا۔ تجارت عام ہے خرید اور فروخت دونوں کو شامل ہے مگر فروخت میں نقد حاصل کیا جاتا ہے اس میں اور بھی لالچ ہے جو انسان کو ذکر الٰہی سے روک دیتا ہے۔ اس لیے اس کو جداگانہ بھی بیان کیا کہ ان کو فروخت بھی نہیں روک سکتی۔ اور باوجود اس قدر یاد الٰہی میں مشغول ہونے اور زکوٰۃ وخیرات دینے کے وہ لوگ اپنی عبادت پر نازاں نہیں بلکہ قیامت کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں کہ جس دن دل اور آنکھوں کا عجیب حال ہوگا دل صدمات کے مارے ہوا ہوگا اور آنکھیں اوپر کو ٹنگی باندھے ہوئے ہوں گی کہ کیا حکم آتا ہے؟ یہ سب باتیں ان کی اس بات کا سبب ہیں کہ اللہ ان کے عمدہ اعمال کا عمدہ بدلہ دے گا اور نہ صرف بدلہ بلکہ اعمال کے سوا اپنے فضل سے اور بڑھتی بھی عطا کرے گا کیونکہ وہ بے نیاز، بے پروا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں فی بیوت یسبح سے متعلق ہے اور یہ ایک جداگانہ کلام ہے جس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ نور کہ جس کو تشبیہ دی گئی ہے کہاں اور کس جگہ پایا جاتا ہے؟ پھر آپ ہی بتلاتا ہے کہ ایسے گھروں میں پایا جاتا ہے کہ جن کے بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا اور جن میں اس کی یاد کی جاتی ہے اور وہاں ایسے پاکباز لوگ اس کی تسبیح وتقدیس کیا کرتے ہیں کہ جن کو کوئی شغل دنیاوی ان کے کار سے نہیں روکتا۔ دست بکار دل بہ یار ان کا شیوہ خاص ہے اور انہیں کے دلوں اور

سینوں میں نور الٰہی کا وہ چراغ روشن ہے کہ جس سے ان کو اللہ نے اس راہ راست اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی ہے واللہ اعلم باسرار کلامہ۔ رجال کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد میں حاضر ہونا مردوں کے لیے ہے جمعہ اور جماعت انہیں پر ہے نہ عورتوں پر اور یہ بھی اشارہ ہے کہ دراصل رجال یعنی مرد ایسے ہی لوگ ہیں کیونکہ دنیا مردار کے طالب کتے ہیں اور مولیٰ کے طالب مرد ہیں۔ بڑی مردانگی یہی ہے نہ کھانا، سونا، جماع کرنا، کسی کو مارڈالنا، نفس کا مارڈالنا اور نفسانی خواہشوں کو اس چراغ ہدایت سے جلا دینا بڑی مردی ہے۔ اس کلام پاک کی شرح کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى
اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ
سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ
وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

اور وہ جو کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں کہ جیسے جنگل میں چمکتی ہوئی ریت جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اللہ ہی کو اپنے پاس پایا۔ اور تڑپ تڑپ کر مر گیا اور اللہ نے اس کا حساب پورا پورا چکا دیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے یا ایسی مثال ہے کہ جیسی موجزن دریا میں ان کی طغیانیاں ہوتی ہیں کہ جس کو ایک موج۔ دوسری موج[1] کو اور اس پر بادل نے ڈھانک رکھا ہو۔ اندھیریاں ہیں ایک کے اوپر ایک۔ (انسان وہاں) جب اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو کچھ بھی دیکھ نہ سکے اور جس کو اللہ ہی نے نور نہ دیا ہو تو اس کے لیے کوئی بھی نور نہیں۔

ترکیب : بقیعۃ موضع جر میں سراب کی صفت یحسبہ بھی سراب کی صفت قیعۃ جمع قاع ای فی فلاۃ والیاء فی قیعۃ بدل من واو اسکو نھا واکسار ماقبلھا لانھم قالوا فی قاع اقوع او کظلمات معطوف ہے سراب پر تقدیر او کاعمال ذی ظلمات فیقدر ذی لیعود الضمیر من قولہ اذا اخرج یدہ الیہ ویمکن ان یقال لا حذف فیہ والمعنی انہ شبہ اعمال الکفار بالظلمۃ فی حیاتھا بین القلب وبین ماتھتدی الیہ، فی بحر صفت، لظلمات لُّجِّيٍّ نسبۃ الی اللج ای ذی لجۃ یغشاہ صفۃ اخری۔

تفسیر : اس نور اور نورانی لوگوں کے بعد ظلمت اور ظلمانی لوگوں کا حال بھی تشبیہ میں بیان فرمایا جاتا ہے۔

فقال وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا الخ کہ کافروں کے اعمال جن کو وہ نیک اور وسیلۂ آخرت سمجھ کر کرتے ہیں سراب کی مانند ہیں جس کو جنگل میں دوپہر کے وقت پیاسا دور سے پانی سمجھ کر بڑی بیقراری سے اس کے پاس آتا ہے اور وہاں جا کر کچھ بھی نہیں پاتا یہی حال ان کا ہے کہ بوقت مرگ جن اعمال پر ان کو سہارا تھا ان کو کچھ بھی نہ پاویں گے اور اللہ ہی سے ان کو وہاں معاملہ پڑے گا سو وہ ان کا حساب پورا کر دے گا۔ ازہری کہتے ہیں سراب وہ ہے جو ٹھیک دوپہر میں دور سے پانی سا موجیں مارتے ہوئے دکھائی دیا کرتا ہے یعنی پانی چلتا ہوا دکھائی دیا کرتا ہے یقال سراب الماء یسرب سربا اذا جری فھو سارب۔ قولہ تعالیٰ ووجد اللہ عندہ ای وجد عقاب اللہ الذی یوعد بہ الکافر عند ذلک۔ یہ ان

[1] من فوقہ صفۃ الموج والموج الثانی مرفوع بالظرف لانہ قد اعتمد ویجوز ان یکون مبتدأ الظرف خبرہ ومن فوقہ سحاب لغت للموج الثانی ظلمات بالرفع خبر مبتدا محذوف ای ھذہ ظلمات۔ ۱۲ منہ

کے بقیہ احوال کا بیان ہے جو اس کے بعد ان پر عارض ہوگا بطور تکملہ کے تا کہ یہ نہ سمجھا جاوے کہ ان کے حال کا اسی پر حصر ہے بلکہ اس کے بعد اور بھی برا حال ہوگا بس یہ لم یجدہ شیئاً پر معطوف نہیں (ابوالمسعود) اَوْ كَظُلُمٰتٍ یہ دوسری مثال ہے کفار کے حال کی پہلی مثال میں یہ بتلایا گیا کہ ان کے اعمال اگر اچھے بھی ہیں تو عقائد صحیحہ نہ ہونے کی وجہ سراب کی مانند ہیں آخرت میں ان سے کوئی نفع نہ ہوگا اور اگر برے ہیں تو وہ ظلمات ہیں۔ یا یوں کہو کہ پہلی مثال میں ان کے اعمال کا بیان تھا کہ وہ کچھ بھی فائدہ مند نہیں اور دوسری مثال میں ان کے عقائد کا بیان ہے کہ وہ ظلمات سے مشابہ ہیں جیسا کہ فرمایا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ای من الکفر الی الایمان اگلا جملہ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ اس پر دلالت کرتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دریاءِ لجی (اے ذو اللجۃ التی ھی معظم الماء الغمر البعید القعر یعنی بڑے گہرے اور بہت عمیق کی نہر میں اندھیرا ہوتا ہے پھر جب اس پر امواج کا تلاطم ہوتا ہے تو اور بھی اندھیرا زیادہ ہو جاتا ہے اور جبکہ امواج پر بادل اور گھٹا گھنگھور ہوتی ہے تو انتہا درجہ کی اندھیری ہو جاتی ہے تو ایسی حالت میں ہاتھ بھی نہیں دکھائی دیتا حالانکہ پاس کی چیزوں میں سے جو کوئی دیا کرتے ہیں عادتاً ہاتھ ہی بہت قریب سمجھا جایا کرتا ہے۔ اس طرح کافر تین اندھیریوں میں مبتلا ہیں اول اعتقاد بد کی ظلمت جو بحر عمیق کے مشابہ ہے اور عقائد کا محل دل ہے جس کو مختلف موجیں مارنے میں اور خطرات وشہوات کے تلاطم میں بڑی مناسبت اور کامل تشبیہ ہے۔ دوم قول بد کی ظلمت جو ان کی زبان سے نکل کر دریا کی طرح موجیں مارتی ہے۔ سوم عمل بد کی ظلمت جو بادل کی طرح محیط ہے یا اس کے قلب اور سمع وبصر کی اندھیریاں مراد ہیں یا اپنے کفر پر جو اس کو اصرار ہے اس کی ظلمات متراکمۃ کو دریا اور امواج اور سحاب کی ظلمات متراکمہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پس وہ کافر ان اندھیریوں میں مبتلا ہے اب اگر اس کو اللہ ہی اندھیریوں سے نہ نکالے اور نور میں نہ لائے تو کون نکال سکتا ہے اور نور میں لا سکتا اس لیے فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ

اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اور پرند جو پر پھیلائے اڑتے ہیں وہ سب اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں ہر ایک نے اپنی اپنی نماز اور تسبیح معلوم کر رکھی ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ کہ وہ کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کو سزاوار ہے اور اللہ ہی کے پاس پھر کر جانا بھی ہے۔ کیا (اے مخاطب!) تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر وہی ان کو گھنگھور گھٹا بناتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ ان میں سے مینہ برساتا ہے اور وہی آسمانی پہاڑوں سے جو بادلوں میں ہیں اولے برساتا ہے۔ پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک ہے کہ آنکھوں (کے نور) کو اچکے لیے جا رہی ہے (اور) اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے۔ بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لیے ایک بڑی عبرت ہے اور اللہ ہی نے تمام زمین پر چلنے والے جانوروں کو پانی سے پیدا کیا ہے پھر بعض تو ان میں وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ہیں کہ اپنے دو پاؤں سے چلتے ہیں۔ اور بعض ہیں کہ چار پاؤں سے چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ البتہ ہم نے کھلی کھلی آیتیں نازل کر دی ہیں۔ اور اللہ ہی جس کو چاہتا ہے سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

ترکیب : الطیر معطوف علی من جمع طائر صافات حال من الطیر ای باسطات اجنحتین۔ علم کی ضمیر راجع ہے کل کی طرف وھو الاقوی لان الاخر اٰ برفع کل علی الابتداء ویجوز ان یکون کل معطوفا علی من الاولی ویسوغ برفع۔ بینہ انما جاز دخول بین علی المفرد لان المعنی بین اجزاء السحاب۔ رکاما متراکما بعضہ فوق بعض۔ الودق المطر من خلالہ ای مخارجہ جمع خلل کجبال فی جبل من السماء من الابتداء الغایۃ من جبال کامن یا زائدہ ہے اور ممکن ہے کہ پہلے من سے بدل ہو علی عادۃ الجار والمجرور یتقدر یرزل من جبال السماء ای من جبال فی السماء من برد بیان للجبال والمفعول محذوف ای ینزل مبتدءا من جبال فیھا من برد برداً۔

تفسیر : انوار قلوب المومنین وظلمات قلوب الکافرین کے بعد چند وہ دلائل توحید بیان کرتا ہے جن میں نظر کرنے سے حق سبحانہ اور اس کی توحید کا نور متجلی ہو کر نور پر نور کی کیفیت حاصل ہو جاوے۔ فقال الم تر ان اللہ یسبح الخ یہ اول دلیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ہی پر کیا موقوف ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے ملائکہ اور روحانیات اور جو کچھ کہ زمین پر ہے انسان اور حیوان حجر اور شجر بلکہ جو ان کے درمیان ہے پرند جو ہوا میں پر کھولے معلق دوڑتے پھرتے ہیں سب اس کی تسبیح کیا کرتے ہیں۔ الم تر سے مراد الم تعلم ہے کیونکہ ان چیزوں کی تسبیح آنکھوں سے نہیں نظر آتی ہاں دل کی آنکھوں سے دکھلائی دیتی ہے یعنی عقل سے معلوم ہو سکتی ہے۔ تسبیح کرنے سے متکلمین کے نزدیک ان چیزوں کا اس پر دلالت کرنا مراد ہے کہ ان کا خالق صفات نقصان سے منزہ اور بری اور صفات کمال اور نعوت جلال سے موصوف ہے یعنی تسبیح بدلالۃ الحال ہے نہ بالمقال۔ بعض کہتے ہیں بعض چیزیں زبان سے بھی تسبیح کرتی ہیں عقلاً انسان ملائک جن وغیرہ اور بعض بدلالۃ الحال۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر چیز اپنی ایک خاص زبان سے جو اس کو عطا کی گئی ہے اس کی تسبیح وتقدیس کرتی ہے جمادات اپنی زبان جمادی سے کرتے ہیں کبھی جمادات کی تسبیح بعض روشن ضمیروں کو بھی سنائی دی جاتی ہے چنانچہ ایک بار آنحضرت ﷺ کی مجلس میں کنکروں کی تسبیح سنائی دی گئی اور نیز عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ولقد کنا نسمع تسبیح الطعام وھو یؤکل (رواہ البخاری) کہ ہم کھاتے ہوئے کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ اور نبات اپنی زبان نباتی سے تسبیح کرتے ہیں۔

چنانچہ مسجد نبوی میں کھجور کا ٹھنڈ جو مسجد کا ستون تھا جس پر آپ سہارا لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے حضرت ﷺ کے فراق میں رویا اور اس کا رونا سب کو سنائی دیا (رواہ البخاری) رہے حیوانات پرند اور غیر پرند سو ان کے عجائب افعال اس بات کی صریح دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو ایک قسم کی گویائی اور ادراک عطا کی ہے اور وہ اللہ کی تسبیح وتقدیس کیا کرتے ہیں اور اللہ نے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح فطری طور پر تعلیم فرمائی

ہے۔ کل قد علم صلوٰته و تسبیحه اور اسی لیے بعد میں فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۔ اس کے بعد مبدأ و معاد کا مسئلہ ظاہر کرتا ہے وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ ہر چیز کو وجود اس کی طرف سے ہے اور اسی کے قبضہ میں ہے اسی لیے اس کو تسبیح و تقدیس کا استحقاق ہے والی اللہ المصیر اور پھر اس کے پاس جانا بھی ہے اس لیے اس کی تسبیح و تقدیس ضرور ہے آخر اسی سے کام پڑے گا۔ حاصل یہ کہ یہ سب عالم مسخر ہے صغریٰ بدیہی الثبوت ہے اس لیے اس کو الم تری سے تعبیر کیا اور جو چیز مسخر اور منقاد ہے وہ خدا نہیں۔ ثابت ہوا کہ عالم میں سے کوئی چیز بھی قابل پرستش نہیں پھر جو ان کو پوجتے ہیں وہ ظلمات متراکمہ میں جو ان کے تخیلات باطلہ میں گرفتار ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا یہ دوسری دلیل ہے کہ اللہ بادل پیدا کرتا ہے پھر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جمع کر کے ان کو گھنگور گھٹا بناتا ہے اور ان بادلوں میں سے کبھی لطف کے ساتھ مینہ برساتا ہے یہ نہیں ہونے دیتا کہ مشک کے دہانہ کھلنے میں جس طرح بے تحاشا پانی گر پڑتا ہے۔ اسی طرح گرے یہ بھی حکم و تدبیر کی عجیب قدرت ہے۔ پھر اس پر اور حکمت دیکھو وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ کہ انہیں بادلوں میں سے جو پہاڑ کی مانند ہیں جس طرح مینہ برساتا ہے اس طرح جسم جامد اولے بھی برسا دیتا ہے جن کو پتھر کہنا بمناسبت من جبال نہایت مناسب ہے۔ اس پر اور بھی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ قابل غور ہے يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ کہ اس سرد اور تر جگہ سے کہ جہاں سے اولے اور برف برستے ہیں بجلی بھی ظاہر کرتا ہے جو سخت آتش بلکہ آتش کی روح ہے پھر وہ اس طرح سے کوندتی ہے کہ دیکھنے والے بھی آنکھ بند کر لیتے ہیں آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ اس کے دیکھنے کی تاب نہیں لاتیں پھر عاقل بصیر ان سب چیزوں سے اس قادر حکیم کا جلوہ دیکھ سکتا ہے کہ جس سے عقل کی آنکھیں نہیں چندھیاتیں بلکہ اور بھی اس نور عقلی سے روشن ہو جاتی ہیں۔ کلام میں بلاغت بھی کس درجہ کی ہے کہ مینہ کا سارا سماں باندھ دیا۔ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ یہ تیسری دلیل ہے کہ اللہ ہی رات دن کو بدلتا ہے۔ رات کے بعد دن دن کے بعد رات لاتا ہے اور پھر ہر ایک کو چھوٹا بڑا بھی کرتا ہے گو یہ آفتاب یا زمین کی حرکت سے ہو مگر ان کی حرکت بھی تو اسی کے ید قدرت میں ہے۔ تمام اسباب کا سلسلہ انجام کار اس کی طرف منتہی ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ کہ ان میں انہیں کے لیے عبرت ہے جو چشم بصیرت رکھتے ہیں۔ وہی ان دلائل سے بانی عالم کا وجود باکمال سمجھ سکتے ہیں اور اس کے صفات کاملہ سمجھنے کے بعد یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا میں جس قدر نعمتیں ہیں اس کے ہاں سے آئی ہیں وہی مینہ برسا کر دنیا کو آباد کرتا ہے اور سب کے اسباب وہی مہیا کر دیتا ہے اور نیز یہ بھی کہ رحمت ناشکری کے وقت زحمت بھی ہو جاتی ہے بادلوں میں سے پانی بھی برساتا ہے مگر وہیں بجلی اور اولے بربادی کے بھی سامان مہیا کر رکھے ہیں اور نیز دولت کے بعد افلاس اور زوال کے بعد اقبال، صحت کے بعد تندرستی یہ سب باتیں رات دن کی الٹا پلٹی کی طرح روز ہی الٹا پلٹتا ہے۔ اگر عقل ہے تو پھر غیر کی پرستش کبھی نہ کرے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ الخ یہ چوتھی دلیل ہے کہ اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا پھر کسی کو پیٹ کے بل کسی کو دو پاؤں پر کسی کو چار پاؤں پر چلایا یہ اختلاف اور یہ پیدائش بھی اسی صانع حکیم کا فعل ہے نہ طبیعت کا نہ مادہ کا نہ کسی اور کا۔

سوال: بہت سے جاندار پانی سے نہیں پیدا ہوئے جن آگ سے ملائکہ نور سے آدم خاک سے اور نیز مواد ارضیہ سے بھی حیوانات کو پیدا ہوتے دیکھا ہے۔

جواب: من ماء صلۂ کل دابۃ کا ہے نہ خلق کا یعنی جو جانور پانی سے بنتے ہیں ان کو اللہ نے ایسا بنایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل مخلوقات کی پانی ہے پھر اس پانی سے اور عناصر پیدا ہوئے جیسا کہ جلد ثانی میں ہم نے بیان کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دابۃ سے مراد زمین پر چلنے والے جانور ہیں جن کی پیدائش پانی سے ہے پس جن اور ملائکہ ان میں داخل نہیں من ماء کو نکرہ لا کر یہ بتا دیا کہ ہر نوع دابۃ کو اس پانی سے پیدا کیا جس کے ساتھ وہ مخصوص ہے۔ بعض جانور پیٹ کے بل چلتے ہیں سانپ وغیرہ بعض دو پاؤں سے انسان وغیرہ بعض چار سے گائے بھینس گھوڑا

وغیرہ اور بھی عجائب مخلوقات ہیں یا کسی کے چار سے زیادہ پاؤں ہیں کقطیر او غیرہ تو ان سب کی طرف یخلق اللہ مایشاء ان اللہ علی کل شیء قدیر میں اشارہ کر دیا۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ
بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ
مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ
اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا
تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ
مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

الثلثة ۳۰

اور (اے رسول!) منافق یہ تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور فرمانبردار بھی ہو گئے مگر اس کے بعد بھی ان میں سے ایک فریق پھر جاتا ہے اور وہ تو سرے سے ایمان ہی نہیں لائے تھے اور جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف باہم فیصلہ کے لیے بلائے جاتے ہیں تو بھی ایک فریق ان میں سے منہ موڑ لیتا ہے اور اگر ان کے لیے حق پہنچتا ہو تو رسول کے پاس گردن جھکائے چلے آتے ہیں کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک میں پڑے ہیں یا ان سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کر دے گا (وہ تو ایسا نہیں کریں گے) بلکہ خود وہی ظالم ہیں۔ مومنوں کی بات تو یہی تھی کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس لیے بلایا گیا تھا کہ ان میں فیصلہ کر دیا جاتا (تو بھی) کہتے کہ حکم سن لیا اور مان لیا اور وہی لوگ فلاح پانے والے بھی ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے حذر کرتا ہے سو وہی کامیاب ہوتا ہے اور وہ اللہ کی پکی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل پڑیں۔ کہہ دو قسمیں تو نہ کھاؤ دستور کے موافق حکم برداری چاہیے۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ کہو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو۔ پھر اگر اس پر بھی پھر جاویں تو پیغمبر پر تو وہی ہے جس کا وہ ذمہ دار ہے اور تم پر وہ ہے جو تمہارے ذمہ پر لازم کیا گیا ہے (کہہ دو) اور اگر اس کا کہا مانو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور رسول پر تو بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ کھول کر (صاف صاف) پہنچا دے۔

تفسیر : ان دلائل کے بعد جو انسان کے دل میں نور ابدی اور سرور سرمدی پیدا کرتی ہیں چند گمراہ ازلیوں کا تذکرہ کرتا ہے جو ظلمات میں مبتلا ہیں اور ان ظلمات کے سبب ذرا ذرا سی باتوں میں بھی رسول کریم ﷺ کے اتباع کرنے سے دل چرا جاتے اور حیلہ بہانہ بناتے ہیں۔ یہ چند منافق جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے انہی کی طرف ان آیات میں روئے سخن ہے کہ یہ لوگ منہ سے تو ایمان و فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں اور موقع پر آ کر منہ موڑ جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ مومن نہیں اور جب کسی باہمی فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تو انکار کر جاتے ہیں اور اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا تو رسول کے پاس دوڑے چلے آتے ہیں پھر کیا ان کے دل میں مرض نفاق ہے یا شک میں پڑے ہوئے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا؟ بلکہ وہی ظالم ہیں جو ایسی بدگمانی رسول اور اللہ کی طرف جائز رکھتے ہیں۔ ایمانداروں کی یہ شان نہیں بلکہ ان کی یہ شان ہے کہ جب ان کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف بلایا جاوے یعنی کوئی حکم دیا جاوے تو سمعنا واطعنا کے سوا اور کچھ نہ کہیں یعنی یہی کہیں کہ ہم حکم بردار ہیں۔ اس سرزنش کے بعد وہ منافق قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر آپ ہمیں وطن سے نکل جانے کا بھی حکم دیں گے تو ہم تعمیل کریں گے یعنی ہم دل سے مطیع ہیں۔ فرمایا کہہ دو کیوں جھوٹی قسمیں کھاتے ہو وطن سے نکلنے کا کوئی حکم نہیں دیتا۔ دستور کے موافق طاعت کا اللہ اور رسول حکم دیتا ہے اسی پر قائم رہو اور اس پر بھی قائم نہ رہو گے تو رسول پر کچھ نہیں وہ پہنچا چکا اس کا بار تمہیں پر ہے۔

اب اس میں مختلف روایات ہیں کہ ان آیات میں کون منافق مراد ہیں اور کس خاص معاملہ کی طرف اشارہ ہے؟ مقاتل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بشر منافق مراد ہے اس کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا جس میں وہ حق پر نہ تھا اس لیے کہتا تھا کہ اس کا فیصلہ کعب بن اشرف سردار یہود کرے گا۔ یہودی جانتا تھا کہ وہ دغا باز ہے اس لیے وہ کہتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف چلو۔ خناک کہتے ہیں مغیرہ بن وائل منافق اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں ایک زمین کی بابت نزاع تھی علی رضی اللہ عنہ نے کہا آنحضرت ﷺ سے فیصلہ کراؤ اس نے انکار کیا واللہ اعلم۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع ۷

اللہ نے تم میں سے ایمانداروں اور اچھے کام کرنے والوں کے لیے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کو ضرور ملک کی خلافت (حکومت) عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور جس دین کو ان کے لیے اسی نے پسند کیا ہے ان کے لیے اس کو ضرور مستحکم کر دے گا اور البتہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا وہ (باطمینان) میری عبادت کیا کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد بھی ناشکری کرے سو وہی فاسق ہیں۔ اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (اے نبی! یہ) خیال بھی نہ کرنا کہ منکر ملک میں اپنی تدابیر سے ہم کو ہرا دیں گے اور ان کا ٹھکانا تو آگ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

ترکیب : يَسْتَخْلِفَنَّهُمْ ہو جواب قسم مضمرای وعدهم واقسم ليستخلفنهم بعهد ونی حال من الذین او استیناف، لایشرکون حال من الواو ای بعبدونی غیر مشرکین۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں وہی فلاح پاویں گے وہی کامیاب ہوں گے۔ آخرت کی کامیابی تو متعدد مقامات پر بیان ہو چکی تھی اب یہاں دنیا کی کامیابی بیان فرماتا ہے بقولہ وعد اللہ الخ اور اس وعدہ کے بعد پھر ان مسلمانوں کو کہ جن کے لیے خلافت و امامت اور زمین پر حکومت و شوکت کا وعدہ کیا ہے واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ الخ کا حکم دیتا ہے کہ زمین پر اقتدار پا کر اور سلطنت و شوکت حاصل کر کے بنی اسرائیل کی طرح خدا اور اس کے رسول سے برگشتہ نہ ہو جانا بلکہ نماز و روزہ اور جمیع امور میں اس کے احکام کی پابندی کرنا جن کی طرف واطیعوا الرسول میں اجمالاً اشارہ ہے تا کہ تم پر رحم کیا جاوے ورنہ قہر الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے شوکت و سلطنت چھین لے جائے گی اور جو دنیا میں اقتدار پا کر خدا سے سرتابی کرتے ہیں اور تکبر میں آ کر دین کی پروا نہیں کرتے ان کو نہ یہ سمجھو کہ وہ خدا کے قبضے میں نہیں رہے۔ دنیا میں بھی وہ رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور نیز اس فقرہ لاتحسبن الخ میں مسلمانوں کو تسلی دیتا اور اپنے وعدۂ خلافت کا وثوق ظاہر کرتا ہے کہ اے مسلمانو! آج جو تم کفار سے دبے ہوئے ہو اور تمہارے مقابلہ میں روم و ایران وغیرہ بڑی بڑی سلطنتیں ہیں یہ سب ہمارے بس میں ہیں ان کو ہم مغلوب و مقہور کرنے پر قادر ہیں۔

پیشین گوئی : حاکم نے بسند صحیح نیز طبرانی نے بھی ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے (اس آیت کے شان نزول میں) یوں روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو تمام تر عرب دشمن ہو گیا۔ مسلمان ہر وقت خوف کی حالت میں ہتھیار بند رہا کرتے تھے اور آرزو کیا کرتے تھے کہ کبھی ایسے بھی دن آئیں گے کہ ہم بھی امن سے رات کو سویا کریں گے کہ بجز خوف خدا اور کسی کا خوف نہ ہو کا ایسی حالت میں ان کی تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ خصوصاً جنگ احزاب میں تو مسلمانوں پر از حد تکلیف اور سخت خوف و ہراس تھا۔ ابوالعالیہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی ایسا ہی کچھ نقل کیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس وقت کے مسلمانوں سے جو نیک تھے بطور پیشین گوئی یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہم ان کو زمین پر اس طرح سے خلیفہ کریں گے یعنی سلطنت و حکومت دیں گے کہ جس طرح تم سے پہلوں کو دی تھی۔ حضرت سلیمان و داؤد علیہما السلام وغیرہ کو اور ان کے حق پسند دین پر ان کو قادر کر دیں گے کہ آزادی سے وہ اپنے مذہب کی پابندی کریں گے کسی کی روک ٹوک نہ ہوگی ہر طرح سے اس مذہب کے پھیلانے پر قادر ہوں گے اور خوف جو ان کو دشمنوں کا رہتا ہے اس کو دور کر کے اس کے بدلہ میں دیں گے۔ کسی سے نہ ڈریں گے کہ دین کو نہ چھپی کریں۔ یعبدوننی میری عبادت کیا کریں گے اور میرا کسی کو شریک نہ کریں گے یعنی بے کھٹک عبادت و توحید کو بجا لائیں گے اور نیک ہوں گے اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا وہ فاسق ہے اس پر حمایت الٰہی کا ہاتھ نہ رہے گا۔ صدق اللہ العلی العظیم۔ اس نے یہ وعدہ پورا کیا آنحضرت ﷺ کو جنگ احزاب کے بعد غلبہ دیا اور پھر آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں تنہا عرب بلکہ روم و ایران وغیرہ سرسبز سلطنتیں بھی ان کے ہاتھ میں دیں اور نہایت امن کے ساتھ ان کے زمانوں میں دین اسلام کی اشاعت و ترقی ہوئی۔

خلافتِ خلفاءِ اربعہ کا ثبوت : اس آیت سے خلفاء اربعہ کی خلافت کا برحق ہونا صاف صاف ثابت ہوتا ہے۔ خوارج کا قول باطل ہے جو وہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کو خارج کرتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ کا قول بھی غلط ہے جو وہ خلفاءِ ثلثہ کو خارج سمجھتے ہیں کیونکہ فتوحات اسلام تو انہیں حضرات کے عہد میں ظہور میں آئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے عقیدہ کے موافق تقیہ کرتے تھے ان کو امن حاصل نہ ہوا وہ اس آیت کے مصداق ہو نہیں سکتے اور اسی طرح باقی آئمہ اطہار کو تو سرے سے حکومت ہی نہیں ملی اور وہ بھی خوف سے تقیہ کرتے رہے ان کے مہدی تو آج تک ڈر کے مارے کسی غار میں چھپے بیٹھے ہیں۔ افسوس بعد میں مسلمانوں نے فسق و فجور اختیار کیا وہ شوکت و قوت بھی ان کی نہ رہی

اور اب بھی باز نہیں آتے۔ مسلمانوں کی ترقی اور قومی شوکت کا یہی سبب ہے جس سے آج کل کے ریفارمر غافل ہو کر اور اسباب ترقی تلاش کر رہے ہیں۔ اللھم ارحم المسلمین واھدھم وسائھم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا
الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ
مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا
عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ
الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ
نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ
وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

ایمان والو چاہیے کہ تمہارے غلام اور تمہارے وہ لڑکے جو حد بلوغ تک نہیں پہنچے تم سے ان تینوں وقتوں میں اجازت لے کر آیا جایا کریں صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین وقت تمہاری برہنگی کے ہیں ان کے بعد نہ تم پر کچھ گناہ ہے نہ ان پر کہ آپس میں ایک دوسرے کے پاس آیا جایا کریں۔ اللہ اپنے احکام اس طرح کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور اللہ خبردار حکمت والا ہے اور جب تمہارے لڑکے حد بلوغ کو پہنچ جاویں تو ان کو بھی اجازت لے کر آنا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے (یعنی بڑی عمر) کے اجازت لے کر آتے ہیں۔ اللہ اس طرح کھول کر تمہارے لیے احکام بیان کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اور وہ بڑی بوڑھی عورتیں کہ جو نکاح کی رغبت نہیں رکھتیں۔ ان پر بھی کچھ گناہ نہیں کہ وہ (اپنے گھروں میں) کپڑے اتار دیا کریں بشرطیکہ زینت کی جگہ نہ کھول دیا کریں[1] اور اگر اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہت بہتر ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

ترکیب : ثلث مرات فی الاصل مصدر وقد استعملت ظرفا فعلی ھذا نصبھا علی الظرفیۃ والعامل لیستاذنکم والقواعد جمع قاعد عن النکاح وامن القعود فقاعدۃ۔

تفسیر : منجملہ اطاعت اللہ اور اس کے رسول کے ایک استیذان و اجازت کا مسئلہ بھی ہے۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو ادب سکھاتا ہے جو تدبیر المنزل کے متعلق ایک بڑا اہم مسئلہ تھا جس سے آج تک تمام کتب الہامیہ خالی تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار

[1] وھین معطوف علی موضع من قبل۔ ۱۲ النعمان

[2] یعنی بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کے قابل نہ رہی ہوں اپنے گھروں میں اپنے بالائی کپڑے اتار کر بیٹھا کریں بشرطیکہ زینت یعنی وہ اعضاء جو عورتوں کی زینت ہے اور سینہ اور رانیں نہ کھول دیا کریں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ۱۲ منہ

آنحضرت ﷺ نے ایک انصاری کے لڑکے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بلانے بھیجا۔ دوپہر کا وقت تھا عمر رضی اللہ عنہ سوتے تھے گھر میں گھس گیا اور عمر رضی اللہ عنہ کو بیدار کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کا کپڑا کچھ کھل گیا تھا دل میں خیال آیا کہ ان کے آنے جانے کی بابت بھی کاش خدا تعالیٰ کوئی حکم نازل کرے۔ حضرت ﷺ کے پاس آئے تو آتے ہی حضرت ﷺ نے یہ آیت سنائی۔ شاید اس آیت کے سنانے کے لیے بلایا ہو۔ مقاتل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

اسماء بنت مرثد کا ایک بڑا لڑکا تھا وہ گھر میں ایک بار ایسے وقت آیا جو ان کو ناگوار معلوم ہوا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تب یہ آیت نازل ہوئی (معالم)۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مرد اور اجانب جوان یا بالغوں کو تو اجازت لے کر آنے کا پہلے حکم ہو چکا تھا بقولہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا الآیۃ اب رہے تھے لڑکے بالے جو حد بلوغ تک نہیں پہنچے جن سے عادتاً پردہ نہیں کیا جاتا وہ اپنے گھر کے ہوں یا بیگانے اور اسی طرح اپنے غلام اور لونڈی سے بھی آنے جانے میں پردہ نہیں ہوا کرتا۔ یہ خادم ہیں ہر وقت آقا کے پاس آتے جاتے ہیں۔ اس بارہ میں کوئی حکم نہیں آیا تھا لیکن مسلمانوں کو بے وقت آنا ان کا بھی ناگوار معلوم ہوتا تھا اور ہونا بھی چاہیے۔ بھلا کس کا دل چاہتا ہے کہ سونے کے وقت جبکہ کپڑے اتار دیے ہوں کوئی ہوشیار لڑکا گو بالغ نہ ہو خواہ وہ اپنا عزیز ہی کیوں نہ ہو یا اپنا غلام ہو بے محابا چلا آوے؟ اس لیے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! چاہیے کہ تمہارے غلام اور نابالغ لڑکے تین وقتوں میں تم سے اجازت لے کر آیا کریں۔ صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کے وقت جبکہ کپڑے اتار دیے جاتے ہیں (یہ گرمی میں گرم ملکوں میں عام عادت ہے) اور نماز عشاء کے بعد ان اوقات کے بعد پھر اور وقتوں میں بے اجازت اور بے اطلاع آنے جانے کی کچھ ممانعت نہیں اور وہ لڑکے جب بالغ ہو جاویں تب ان کو ہمہ وقت اس طرح سے اذن لے کر آنا چاہیے کہ جس طرح ان سے بڑے اور بالغ لوگ اذن لے کر آیا کرتے ہیں كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے یہی مراد ہیں نہ کہ پہلی امتوں کے لوگ۔ ان خاص وقتوں کے علاوہ جبکہ اذن و بے اطلاع آنے کی غلاموں اور لڑکوں کو اجازت دی گئی تو اس کے ساتھ گھر میں عورتوں کو کس حال میں رہنا چاہیے؟ اس کی بھی تشریح کر دی۔ یہ نہیں کہ جوان عورت گھر میں تنگ دھڑنگ رہا کرے یا ستر غلیظ ڈھانکنے کے لیے کوئی کپڑا باندھ کر باقی برہنہ رہا کرے جیسا کہ بعض قوموں میں دستور ہے بلکہ گھر میں بھی ستر پردہ کے کپڑے پہنے رہے وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الخ ہاں بڑی بوڑھی عورتوں کو اوڑھنیا چادر اتار دینا کچھ مضائقہ نہیں اس طرح پر کہ چھپانے کے اعضاء نہ کھلیں اور اگر یہ بھی گھر میں سر کی اوڑھنی وغیرہ نہ اتارا کریں تو بہتر ہے عواقب امور کو اللہ جانتا ہے۔ یہ پہلے حکم کا تکملہ ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ
وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ
مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ
اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

نہ تو اندھے ہی پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر اور خود تم پر اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے کہ جن کی کنجیاں تمہارے قبضہ میں ہوں یا اپنے دوست کے گھروں سے تم پر کچھ گناہ نہیں کہ مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ پھر جب گھروں میں داخل ہونا چاہو تو اپنے لوگوں پر سلام کر لیا کرو جو مبارک اور عمدہ دعا اللہ کی طرف سے ہے۔ اس طرح سے (کھول کھول کر) سلام فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

ترکیب : تحیۃً مصدر من معنی سلموا لان سلم وحیا بمعنی من عند اللہ ظرف مستقر صفۃ التحیۃ۔

تفسیر : اجازت اور گھروں میں جانے کا ذکر آیا تھا اس لیے اس کے بعد باہم مواکلت اور مشاربت کے مسئلہ کو بھی طے فرما دیا یقول تعالیٰ لیس علی الاعمیٰ حرج الخ عبدالرزاق نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں یہ دستور تھا کہ کسی اندھے یا لنگڑے یا بیمار کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے باپ وغیرہ اقارب مذکورہ فی الآیت کے گھر لے جا کر کھانا کھلا دیا کرتے تھے مگر وہ لوگ اپنے تقویٰ و دیانت سے اس میں تردد کرتے تھے کہ ہم کو بیگانہ گھروں میں لے جا کر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ آیت نازل ہوئی کہ اس کا کچھ مضائقہ نہیں یعنی درست ہے اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ لوگ اندھے اور بیمار اور لنگڑے کے ساتھ مل کر کھانا کھانے میں تامل کرتے تھے اور نیز ان گھروں سے بھی کھانے میں تامل تھا۔ پھر اس کی چند وجہ بیان کی ہیں۔ اندھوں کے ساتھ اس لیے کہ اس کو کھانے میں امتیاز نہیں رہتا اور لنگڑے کے ساتھ اس لیے کہ مجلس طعام میں اس کی نشست جرح انداز خیال کی جاتی تھی اور بیمار سے تو تنافر طبعی ہوا ہی کرتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے رخصت دی۔ صاف معنی یہ ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً الخ تو تقویٰ و پرہیز گاری کی وجہ سے لوگوں میں یہ بات پیدا ہو گئی کہ اپنے ہی گھروں سے کھانا کھانا درست جانتے تھے۔ رشتہ داروں دوستوں کے گھروں سے کھانا ان کا ناحق مال کھانا سمجھتے تھے اور اسی احتیاط سے اندھے کے ساتھ اور بیمار اور لنگڑے کے ساتھ مشترک کر کے نہ کھاتے تھے کہ اندھے کو اچھا لقمہ نہ سوجھے اور میں کھا جاؤں اور بیمار اپنا پورا حصہ نہ کھا سکے گا اور لنگڑے کے آنے میں دیر ہوتا معمولی بات ہے مبادا اس سے پیشتر کھا جاوے اور نیز وہ اچھی طرح بیٹھ بھی نہیں سکتا کہ پورا حصہ برابر کھاوے اور نیز چند آدمی باہم مل کر بھی اس خیال سے نہ کھاتے تھے کہ مبادا حصہ سے زیادہ کھایا جاوے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ حرج و دقت کی بات ہے شرع نے تم کو تنگ نہیں کیا ہے اس لیے اندھے اور بیمار اور لنگڑے کو اور خود تم کو اجازت ہے کہ حسب دستور قوم اپنے گھروں سے اور اپنے رشتہ داروں کے گھروں سے اور اپنے دوستوں کے گھروں سے اور نیز اس کے گھر سے کہ جس نے تم کو اپنی کنجیاں دے کر مختار کر دیا ہے باہم مل کر کھاؤ یا جدا جدا۔ کس لیے کہ عرب میں عادت اور دستور ہے کہ وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے کھانے سے خوش ہوا کرتے ہیں۔ سو یہ اجازت ہے اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جہاں دستور نہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ ہمارے کھانے سے یہ ناخوش ہوگا تو ہرگز جائز نہیں کہ اس کی اجازت بغیر اس کے گھر سے کھائے۔ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اپنے گھروں سے کھانے کی جو اجازت دی حالانکہ اجازت کی کوئی بھی ضرورت نہیں تو اس لیے کہ اپنے گھروں سے مراد اپنی بیویوں کے گھر میں یا اپنی اولاد کے گھر اور اس لیے بیویوں اور اولاد کے گھروں کا ذکر آیت میں نہیں آیا فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا الخ پھر جب تم ان گھروں میں کھانا کھانے جاؤ تو اول سلام کہہ لیا کرو گویہ اجازت مانگنا ہے۔ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ سے مراد اپنے لوگ ہیں کیونکہ احباب رشتہ دار بمنزلہ ایک جان کے ہیں اور جو وہاں کوئی نہ ہو تو خود اپنے اوپر سلام کہو السلام علینا من قبل ربنا کیونکہ فرشتے جواب دیتے ہیں اور یہ سلام کہنا جن میں سلامتی کی طرف اشارہ ہے اور نیز یہ اللہ کا

نام ہے اور مذہب اسلام سے بھی خبر دیتا ہے تمہارے رب کی طرف سے مبارک دعا اور سلام ہے نہ کہ بندگی و کورنش وغیرہ۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع

مومن تو وہی ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی ایسے کام میں ہوتے ہیں کہ جس میں ہونے کی ضرورت ہے تو جب تک رسول سے اجازت نہیں لے لیتے تو اٹھ کر نہیں جاتے۔ اے رسول! جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں وہی دراصل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ (اے نبی!) پھر جو وہ اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو ان میں سے جس کو آپ چاہیں اجازت بھی دے دیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا بھی کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (مسلمانو!) رسول کے بلانے کو آپس کے ایک دوسرے کے بلانے جیسا نہ سمجھو۔ اللہ ان کو بھی جانتا ہے کہ جو موقع پا کر سرک جاتے ہیں پس جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کیا کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی آفت آ جائے یا ان پر اور کوئی عذاب دردناک نازل ہو۔ دیکھو اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے البتہ اللہ خوب جانتا ہے جس حال پر کہ تم ہو اور جس دن کہ وہ لوگ اس کے پاس پھرائے جائیں گے تو وہ ان کو بتلائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے اور اللہ کو ہر بات معلوم ہے۔

ترکیب : دُعَاءَ الرَّسُوْلِ مصدر مضاف الی المفعول۔ ای دعائکم الرسول لو اذا مصدر فی موضع الحال ویجوز ان یکون منصوبا بیتسللون۔

تفسیر : یہاں سے رسول کی اطاعت کے بارہ میں مدینہ کے منافقوں کی مذمت بیان ہے جو وہ اس سے پہلوتہی کرتے تھے۔ اس مناسبت کے لیے سورہ کا تتمہ اسی قسم کے آداب پر کرتا ان کے دل میں کیفیت نورانی کا پیدا کر دینا ہے اور ان سب امور کے مصالح اور حکمتوں کی طرف اللہ بکل شیء علیم میں اشارہ کر دیا اور علم چونکہ نور ہے اس لیے کلام کو اس کے ساتھ ختم کیا۔ ابن اسحاق اور بیہقی نے دلائل میں عروہ محمد بن کعب قرظی وغیرہما سے روایت کی ہے کہ غزوۂ احزاب کے ایام میں ابوسفیان قریش کو لے کر چڑھ آیا اور دومۃ الجندل کنوئیں کے پاس آ اترا ادھر قبیلہ غطفان نے آ کر احد پہاڑ کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے حضرت ﷺ نے خبر پا کر مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خود بنفس نفیس اور مسلمان بھی اس میں شریک ہوئے مگر منافقوں نے پہلوتہی کی۔ ذرا سی بات کا بہانہ کر کے بغیر

اجازت واذنِ رسول کریم ﷺ کے چلے جایا کرتے تھے اور جو کسی مسلمان کو کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو آپ سے اجازت لے کر جاتا اور کام سے فارغ ہو کر پھر شریک ہو جاتا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کی مدح میں آیت نازل فرمائی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ الخ اور اس میں منافقوں کی مذمت ہے کہ وہ جو اس کا خلاف کرتے ہیں حقیقی مومن نہیں ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ میں اس طرف اشارہ بھی کر دیا کہ ان کو ضروری کام میں اذن لے کر جانا گو جائز ہے مگر تب بھی معافی مانگنا چاہیے۔ اَمْرٍ جَامِعٍ یعنی وہ کام جو اجتماع کو واجب کرے اسی کو جامع علی سبیل المجاز کہا گیا پھر اس امر جامع کی تفسیریوں کی گئی ہے کہ ایسا کام جس میں مسلمانوں کا مجمع ضروری سمجھا جاوے جیسا کہ جہاد سے لڑائی یا کوئی تعمیر وعمل کے متعلق ایسا کام کہ جس میں عام منفعت ہو یا کوئی مشورہ اس میں جمعہ اور عیدین بھی شامل ہیں۔ جب امر جامع میں سردار کی اطاعت کا حکم دیا اور مخالفت سے منع کیا تو سردار کے متعلق آداب کا بیان کرنا بھی مناسب ہوا کیونکہ سردار کی عظمت بغیر کسی امر جامع کا انتظام نہ ہوگا۔ فقال لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ الخ یہ گیارہواں حکم ہے اس آیت کے معنی میں تین قول ہیں: اول یہ کہ رسول جو تم کو پکارے بلائے تو ان کے بلانے کو آپس کے ایک دوسرے کے بلانے کی طرح سرسری نہ سمجھا کرو بلکہ فی الفور حاضر ہوا کرو اور قبیل تعظیم کیا کرو۔ دوم یہ کہ رسول کی دعا کو آپس کی دعاؤں کی طرح نہ سمجھا کرو رسول جس کام کے صلہ میں دعا دیں تو وہ دعا مستجاب ہے اور جس کو بددعا دیں تو وہ بھی مقبول ہے۔ برخلاف عام لوگوں کی دعائیں بددعاؤں کے۔ سوم وہ معنی ہیں جن کو ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بطریق ضحاک نقل کیا ہے کہ لوگ آنحضرت ﷺ کو یا محمد یا ابوالقاسم نام لے کر پکارا کرتے تھے کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو اس کا نام لے کر پکارا کرتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس طرح نہ پکارو بلکہ یارسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارو اور اسی طرح اور بزرگانِ دین کے ساتھ بھی ادب ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الخ یہاں تعلیم ادب ومومنوں کی مدح کے بعد منافقوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ آنکھ بچا کر نکل جانے والے ہم سے بھی نہیں رہ سکتے۔ رسول کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ دنیا میں ان پر کوئی بلا نہ آپڑے۔ بیماری' تنگدستی' دشمن سے مقہور ہونا' مرگِ جانکاہ' زلزلہ وغیرہ اور آخرت میں دردناک عذاب میں نہ مبتلا ہو جاویں۔ اللہ کو تمہارا سب حال معلوم ہے مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ اس کے قبضۂ قدرت میں آسمان وزمین سے عذاب بھیجنے پر بھی قادر ہے۔ اب تم زبان سے جو چاہو لاف زنی کرو مگر جس روز مر کر اس کے پاس جاؤ گے تم کو تمہاری سب کرتوت بتلاوے گا۔ واللہ بکل شیء علیم۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ
وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً
لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا
نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

اس کی بڑی بابرکت ذات کہ جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ تمام جہان کو ڈر سنایا کرے (وہ ذات) کہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور اس

نے نہ کسی کو بیٹا بنایا اور نہ کوئی اس کی سلطنت میں اس کا شریک رہا ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کر کے ایک اندازہ پر قائم کر دیا اور لوگوں نے تو اس کے سوا اور معبود مقرر کر لیے ہیں وہ کہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ نہ خود اپنی ذات کے لیے ضرر کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نفع کا اور نہ موت کا اور نہ زندگی کا اور نہ مر کر زندہ ہونے کا۔

ترکیب: لیکون کا اسم ضمیر جو عبد کی طرف راجع ہے یا فرقان کی طرف یا اللہ کی طرف پھرتی ہے لیکون کا لام نزل سے متعلق ہے الذین یا تو اول الذی سے بدل ہے یا خبر ہے مبتداء محذوف کی ولم یتخذ جملہ کلام سابق پر معطوف وواتخذوا جملہ مستانفہ۔

تفسیر: یہ سورہ مکہ میں ہجرت سے پہلے اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ مشرکین مکہ کا آنحضرت ﷺ پر ہجوم تھا اور وہ حضرت کی رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر طرح طرح کے شبہات کیا کرتے تھے اور بت پرستی کے دریا میں غرق تھے اور خدا تعالیٰ کو اور اس کی صفات کو بالکل طور پر اپنے اوہامِ باطلہ کے موافق سمجھ رکھا تھا۔ اس سورۃ میں ان سب باتوں کا جواب ہے۔ سورہ نور کے آخیر میں یہ جملہ تھا قَدْ یَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ الخ کہ اللہ کو معلوم ہے کہ جس حال میں تم ہو جس دن دنیا سے لوٹ کر تم اس کے پاس آؤ گے تو وہ تمہیں بتلائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ اس کلام میں اول تو عرب کے ان اعمالِ فاسدہ کی طرف تنبیہ تھی جن میں وہ شب وروز غرق تھے اور ظلمات میں مبتلا تھے۔ اس کا تدارک تو اس سورہ کے آخر میں بیان فرمایا اور نیز سورۂ نور میں بھی حکمت عملیہ کے متعلق بہت کچھ ارشاد ہو چکا تھا مگر ان کاموں میں سے ہر ایک سے بدتر بت پرستی تھی۔ دوم اس جملہ میں مر کر خدا کے پاس جانے اور نیک وبد کی جزاء وسزا پانے کا اشارہ تھا مگر یہ دو باتیں عرب کے مشرکوں کے بالکل خلاف تھیں پھر جو ان باتوں کو رد کرنے والی چیز تھی تو وہ نبوت تھی کہ دنیا میں ایک شخص دعویٰ کرے کہ میں خدا کی طرف سے تمہیں ان باتوں سے منع کرنے کو آیا ہوں یہ اور بھی ان کے نزدیک حیرت انگیز بات تھی اس لیے ان تینوں مسائل کا جو اصولِ مذہب ہیں اس سورہ کے اول میں ثابت کرنا ضروری ہوا۔ سب سے اول مسئلۂ نبوت شروع کیا کس لیے کہ اسی پر زیادہ تو حید ومعاد کے مسئلہ کی بنیاد ہے مشرکین کے مسئلۂ نبوت میں یہ شبہات تھے۔ اول شبہ ان کا یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کو کیا غرض ہے جو اس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی؟ دوم اگر نازل ہی کرنا تھا تو اپنے کسی اس بابرکت شخص پر نازل کرنا تھا جس کو اس نے اپنی سلطنت کے اختیارات دے رکھے ہیں جیسا کہ ہمارے معبودلات' منات یا ملائکہ وغیرہ۔ سوم پھر اس قرآن سے کیا فائدہ ہے۔ پس ان سب باتوں کا جواب ان آیات میں کس لطف وخوبی کے ساتھ دیا جاتا ہے فقال تبارک الذی الخ یہ اول شبہ کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا برکت والا ہے (قال الزجاج تبارک تفاعل من البرکۃ والبرکۃ کثرۃ الخیر وزیادہ) بندوں کو خیر اور بھلائی پہنچانا اس کا کام ہے پس اس نے بندوں کو بھلائی پہنچانے اور سعادتِ دارین تک لے جانے کے لیے اپنے ایک بندے پر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب کیسی کتاب فرقان یعنی حق وباطل میں فرق کرنے والی نازل کی اس میں ضرورتِ نزولِ قرآن کی طرف بھی اجمالی اشارہ کیا گیا کہ لوگوں کے عقائد اور افعالِ سیلمہ اور غیر سیلمہ میں تو ہماتِ باطلہ سے امتیاز نہیں رہا تھا یہی کتاب ہے جو ان میں فرق کرتی ہے۔ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا میں تیسرے شبہ کا تفصیلاً جواب ہے کہ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ عالمین یعنی سب جہان کے لوگوں کو تنبیہ کر دے کہ تمہارے ان عقائد اور ان افعال پر دنیا وآخرت میں یہ سب مصائب پیش آنے والے ہیں ان سے پرحذر رہو اس عہد میں عرب ہند روم شام سب ملکوں میں کفر وشرک وفسق کا دریا طغیانی پر تھا اس لیے سب کا نذیر آنحضرت ﷺ کو قرار دیا گیا۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کل عالم کے نبی ہیں۔ انسانوں کے علاوہ جنوں کے بھی۔ الذی لہ ملک السموت الخ میں دوسرے شبہ کا جواب اور ان کے عقائد باطلہ کا رد ہے کہ اس کے قبضہ میں آسمان وزمین ہیں اس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ اس کی سلطنت میں کسی کو کچھ حصہ ہے بلکہ ہر ایک شے اس کے ایک خاص اندازہ سے پیدا ہوئی ہے سب مخلوق کو اس سے رشتۂ عبدیت کے سوا اور کوئی رشتہ نہیں پھر کیا وجہ کہ وہ اپنے ایک بندہ پر اپنا کلام نازل نہ کرے۔ اس میں ضمناً مسئلہ توحید کی طرف بھی اشارہ ہے

وَاتَّخَذُوْا الخ یہاں سے مسئلہ توحید شروع ہوتا ہے کہ لوگوں نے غلط توہمات سے خدا کے سوا اور معبود بنائے ہیں کہ جو کچھ بھی نہیں پیدا کرتے بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور خدا کے لیے یہ بات ضرور ہے کہ وہ پیدا کرتا ہے اس کو کسی نے پیدا نہ کیا اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ خاص اپنے بھی نقصان کا بھی تو انہیں اقتدار نہیں اور نہ کسی کو مار سکتے ہیں نہ جلا سکتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ
قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۞ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ
اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۞ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ
السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ وَقَالُوْا مَالِ
هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ
مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۞ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ
جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۞
اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۞
تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۞

اور کافروں نے کہہ دیا کہ یہ قرآن کچھ نہیں مگر جھوٹ کہ جس کو خود گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے۔ پس وہ منکر تو بڑے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ (قرآن) اگلوں کی کہانیاں ہیں کہ جن کو اس نے کسی سے لکھوا لیا ہے۔ سو یہی اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں (سوائے نبی! آپ) کہہ دو کہ اس کو اس نے نازل کیا ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کی مخفی باتیں جانتا ہے بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے (جو فوراً سزا نہیں دیتا) اور منکر یہ بھی کہتے ہیں اس رسول کو کیا ہوا جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا گیا کہ اس کے ساتھ وہ بھی ڈرسنایا کرتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ آپڑتا یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا کہ جس میں سے وہ کھایا کرتا اور ظالموں نے (یہ بھی) کہہ دیا کہ تم تو بس ایک ایسے شخص کے تابع ہو گئے ہو کہ جس پر جادو کیا گیا ہے۔ (اے نبی!) دیکھو تو تمہارے لیے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ پس وہ تو ایسے گمراہ ہوئے رستہ بھی نہیں پا سکتے اس کی بڑی بابرکت ذات ہے اگر چاہے تو (دنیا میں) آپ کے لیے اس سے بھی بہتر ایسے باغ پیدا کر دے کہ جن میں پڑی نہریں بہا کریں اور آپ کے لیے محل بھی تیار کر دے۔

ترکیب : افتریٰ کا فاعل ضمیر جو عبد کی طرف راجع ضمیر فرقان کی طرف راجع اعانہ کی عبد کی طرف علیہ کی ضمیر افترا کی طرف فقد اخرون اعان کا فاعل ظلما و زورا مفعول جاءو کا یا مصدر موضع حال میں ان شاء شرط جعل جوابہ وھولکونہ ماضیا یجوز ان یکون فی محل الرفع والجزم فما عطف علیہ یجوز ان یکون مرفوعا او مجزوما کما قرء الجمہور ۔۱۲ منہ

تفسیر : ان آیات میں ان کے اور چند شبہات کا جواب ہے جو رسالت کی بابت تھے کہ محمد ﷺ نے قرآن کو از خود بنا لیا ہے اور دیگر لوگ (جس سے ان کا اشارہ اہل کتاب کی طرف تھا) اس کے اس کام میں مددگار بن گئے ہیں۔ وہی لوگ انبیاء سابقین کے حالات اور ان کی شریعتوں کے احکام اس کو بتاتے ہیں۔ یہ اپنی فصیح عبارت میں جمع کر لیتے ہیں۔ آج کل بھی متعصب لوگ یہی کیا کرتے ہیں اس شبہ کو قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے شروع کیا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا میں اشارہ کر دیا کہ ایسی بے ہودہ باتیں کافر ہی بنایا کرتے ہیں۔ پہلے انبیاء کی نسبت بھی اس سے بڑھ بڑھ کر شبہات کیا کرتے تھے چونکہ یہ شبہ محض لچر، پوچ بدگمانی پر مبنی تھا اس لیے اس کے جواب میں یہی کہہ دینا کافی تھا کہ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا کہ یہ بڑی بے انصافی اور مکر کی بات ہے کونسا اہل کتاب ہے جو آپ کو تعلیم کرتا ہے؟ اور آپ قبل نبوت عرب بھر میں صداقت اور راستی سے موصوف تھے دنیا کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہ بولا بھلا خدا کے معاملہ میں جھوٹ بول کر دنیا کو دشمن بناتے۔ وَقَالُوْا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ الخ یہ ایک دوسرا شبہ ہے جو فی الحقیقت پہلے شبہ کا تتمہ ہے کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون عاد و ثمود وغیرہم لوگوں کے تذکروں کی طرف ان کا ایماء ہے جو قرآن مجید میں نصیحت و عبرت کے لیے ذکر ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ الخ کہ اس کو اس نے نازل کیا ہے کہ جو آسمانوں زمین کے اسرار اور مخفی باتوں سے واقف ہے یعنی جبکہ محمد ﷺ نہ پڑھے لکھے ہیں نہ کسی کے شاگرد ہیں نہ کہیں باہر کے ملکوں میں پھر کر آئے ہیں۔ پھر پہلے لوگوں کے حالات صحیح طور پر کہ جن کو اہل کتاب اور اہل تاریخ بھی اس کیفیت سے نہیں بیان کر سکتے کہاں سے معلوم ہو گئے اور تم کو معلوم نہ ہوئے۔ نہیں بلکہ اسی عالم الغیب نے حضرت ﷺ کو بتلائے ہیں وہ غفور رحیم ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ غفور رحیم ہے ورنہ اس انکار کا مزا دنیا ہی میں معلوم کرا دیتا (۲) شبہ یہ تھا کہ رسول فرشتہ خصال ہونا چاہیے کہ جو نہ کھاوے نہ دنیا کے کاروبار کے لیے بازاروں میں آوے جاوے یا شاہ مرفہ الحال سا ہو کہ جو ہمارے جیسا کھانا نہ کھاوے بلکہ اس کے پاس کوئی آسمانی خزانہ ہونا چاہیے۔ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ الخ کہ جس کی وجہ سے عمدہ کھانا کھاوے اور اس کے نوکر چاکر بازاروں میں خرید و فروخت کیا کریں یا اس کے پاس کوئی ایسا باغ ہو کہ ہر طرح کے میوے وہاں سے کھایا کرے یہ شبہ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ سے يَاْكُلُ مِنْهَا تک ہے وَلَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ الخ اسی شبہ کی تائید میں ایک تیسرا شبہ تھا کہ اس کی تصدیق کے لیے کوئی فرشتہ کیوں نہ بھیجا گیا کہ اس کے ساتھ وہ بھی پیغام پہنچاتا لوگوں کو یقین آ جاتا وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ الخ یہ ان کا ایک اور طعن تھا کہ جب اس کے پاس نہ خزانہ غیبی ہے نہ باغ تو دیوانہ ہے اس پر کسی نے سحر کر دیا۔ اس جادو کے مارے ہوئے دیوانہ کے لوگ تابع ہو گئے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ حضرت کی تسلی کرتا ہے کہ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا۔ دیکھو یہ بدبخت آپ کو کیا کیا کہتے ہیں گمراہ ہیں راہ راست نہیں پا سکتے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۞
اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ۞
وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۞ لَا تَدْعُوا
الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۞ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ
الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا ۞ لَهُمْ فِيْهَا

مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ
وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ
هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ
اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ
حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ
فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا
كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ
لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ
لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع

بلکہ انہوں نے تو قیامت کو جھوٹ سمجھ لیا ہے اور ہم نے بھی قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے دوزخ ہی تیار کر رکھی ہے۔ جب وہ ان منکروں کو دور سے دیکھے گی (تو جوش میں آ ئے گی) یا اس کے جوش وخروش کی آواز سنیں گے اور جبکہ وہ اس کے کسی تنگ مکان میں (ہاتھ پاؤں) جکڑ کر ڈال دیے جائیں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔ (کہا جاوے گا) ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ (اے نبی! ان سے) پوچھو کیا یہ بہتر ہے یا وہ جنت کہ جس کا پرہیزگاروں کے لیے وعدہ کیا گیا ہے جو ان کا بدلہ اور ٹھکانا ہوگی؟ وہاں ان کو جو چاہیں گے ملے گا وہ اس میں سدا رہیں گے۔ (اے نبی یا) اس کا تمہارے رب نے ایسا وعدہ کرایا ہے کہ جو پوچھا جا سکتا ہے اور جس دن کہ اللہ ان کو اور ان کے ان معبودوں کو جمع کرے گا کہ جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے تو ان سے فرمائے گا کہ کیا تمہیں نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود راہ بھول گئے تھے؟ (تو ان کے معبود) کہیں گے تو پاک ذات ہے ہمیں یہ کب لائق تھا کہ تیرے سوا کسی اور کو کارساز بناتے[1] لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا میں یہاں تک آسودگی دی تھی کہ وہ تجھے یاد کرنا بھول گئے تھے اور وہ تھی بھی غارت ہونے والی قوم۔ (اللہ فرمائے گا) سو تمہارے معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا پس (اب تم پر سزا ثابت ہو چکی) جس کو نہ تم ٹال سکتے ہو اور نہ کسی سے مدد لے سکتے ہو اور جس نے تم میں سے ایسا ظلم کیا ہوگا اس کو ہم بڑا عذاب چکھائیں گے اور (اے نبی!) تم سے پہلے ہم نے ایسا کوئی بھی رسول نہیں بھیجا کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور بازاروں میں نہ پھرتے ہوں اور ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کے لیے آزمائش بنا دیا ہے مسلمانو! کیا اب بھی صبر کرتے ہو اور آپ کا رب تو دیکھ ہی رہا ہے۔

یعنی یہودہ بکتے ہیں آپ کچھ خیال نہ کریں۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ الخ وہ بڑی برکت والا ہے اگر چاہے تو اے نبی! دنیا میں تمہارے لیے اس سے بھی بہتر باغ بنا دے کہ جس کے نیچے نہریں چلا کریں اور آپ کے لیے عمدہ محل رہنے کے لیے تیار کر دیں۔ مگر دنیا چند روزہ ہے۔ مصنف میں ابن ابی شیبہ نے اور جریر و ابن ابی حاتم نے حلیمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کہا گیا تھا اگر آپ کی خوشی ہو تو آپ کے ہاتھ میں زمین بھر کے خزانوں کی کنجیاں دی جاویں اور اس سے آخرت میں آپ کا کچھ بھی نقصان نہ ہو اور مرضی ہو تو یہ سب کچھ آخرت میں

[1] جب ہم نے تیرے سوا اور کسی کو کارساز نہ بنایا تو ہم اوروں کے کیونکر کارساز بنتے۔ ۱۲ منہ

دیا جاوے۔ آپ نے فرمایا آخرت ہی میں چاہتا ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بہت جگہ اسی قسم کا مضمون احادیث صحیحہ میں آیا ہے چونکہ آپ کی نظر آخرت پر تھی اور ہونی بھی چاہیے اور کفار آخرت کے منکر تھے ان کے نزدیک جو کچھ انعام و افضال ہوں یہیں ہوں تو ہوں نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ کہ وہ آخرت کے منکر ہیں۔ پھر وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا سے لے کر هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ایک مسلمہ معاد اور وہاں کی سزا و جزا کا بیان ہے اور ان کے معبودوں کا ان بت پرستوں سے الگ ہونا بھی ظاہر کرتا ہے کہ جن کو وہاں کا ذریعہ سمجھ کر ان کی عبادت کیا کرتے ہیں وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہاں سے ان کے شبہ کا جواب شافی دیتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ سے پیشتر جس قدر دنیا میں رسول آئے ابراہیم و اسحاق و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کسی کے پاس بھی نہ خزانہ تھا نہ ایسا باغ نہ ان کی تصدیق کے لیے ان کے ہمراہ فرشتہ رہتا تھا وہ دنیا میں کھانا بھی کھاتے تھے بازاروں میں خرید و فروخت کے لیے بھی جاتے تھے یعنی بشر اور غریب لوگ تھے۔ رہے دنیا کے تجملات اور امارت سو یہ ایک فتنہ ہے یعنی آزمائش کہ دیکھیں امیر دولتمند شکر کرتا ہے یا کافر ان نعمت اور غریب مفلس دنیا کی مصائب پر برداشت کرتا ہے کہ نہیں لہٰذا کسی کو کچھ دیا کسی کو کچھ عطا کیا۔ اس لیے مسلمانوں سے فرماتا ہے اَتَصْبِرُوْنَ کیا صبر کرتے ہو یعنی صبر کرنا چاہیے اور تمہارا رب دیکھ رہا ہے اور آخرت میں جزا دے گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ
لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى
يَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ
فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾
وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذِ ِۨ
الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى
يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ
فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ
لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

اور ان لوگوں نے جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہہ دیا (یہی) کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہ بھیجے گئے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے (تب یقین آتا) البتہ انہوں نے تو اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا اور بہت ہی بڑی سرکشی کی ہے جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے تو اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشی نہ ہوگی اور کہیں گے دور دور جو کچھ عمل انہوں نے کیا ہوگا ہم اس کی طرف توجہ کریں گے تو اس کو خاک بھول کر ڈالیں گے۔ جنت والوں ہی کا اس روز ٹھکانا بہتر ہوگا اور خواب گاہ بھی عمدہ

ہوگی۔ اور جس روز کہ بادلوں سے آسمان کھل[1] جاویں گے اور جوق در جوق فرشتے اترنے لگیں تو اس دن (حقیقی) سلطنت رحمٰن ہی کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر بہت ہی سخت ہوگا اور اس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹنے کھائے گا اور کہے گا اے کاش میں بھی رسول کے ساتھ راہ چلا ہوتا۔ ہائے میری خرابی کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا اس نے تو نصیحت کے آئے بعد ہی مجھے بہکا دیا۔ اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہی تھا اور رسول کہے گا اے میرے رب! البتہ میری قوم نے تو اس قرآن کو متروک سمجھ رکھا تھا۔

ترکیب : لَوْلَا اُنْزِلَ الخ مقولہ ہے قَالَ الَّذِیْنَ کا مستقرا تمیز خیر الحق الملک کی صفت۔ یومئذ کا نصب اذکر محذوف سے۔

تفسیر : منکروں کا یہ ایک اور بھی شبہ تھا جس کو وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا سے شروع کرتا ہے کہ جن کو ہم سے ملنے کی امید نہیں یہ نہیں سمجھتے کہ مر کر اللہ کے سامنے جانا ہے وہ کہتے ہیں (کیونکہ ایسی باتیں وہی کہا کرتے ہیں ایمانداروں کی تو کیا مجال) کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہ آئے محمد (ﷺ) کے پاس کیوں آتے ہیں یا ایسا ہوتا کہ ہم خدا کو دیکھ لیتے پھر اس سے آپ پوچھ لیتے کہ یہ تیرا بھیجا ہوا نبی ہے کہ نہیں؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ الخ کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس لائق سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس فرشتے آویں یا دنیا میں خدا تعالیٰ کو دیکھیں یعنی یہ بڑی تکبر اور سرکشی کی بات ہے۔ ملائکہ مخصوص لوگوں کے پاس آتے ہیں جن کی روحانیت ان کے قریب قریب ہی پہنچی ہوتی ہے سو وہ انبیاء ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ لطیف الخبیر کو دنیا میں ہر ایک کب دیکھ سکتا ہے۔ خفاش کو تاب ہے کہ آفتاب کو دیکھے ہاں قیامت میں سب لوگ ملائکہ کو دیکھیں گے پھر اس روز کہ وہ ملائکہ کو دیکھیں گے ان کے لیے کوئی خوشی نہ ہوگی عذاب کے فرشتہ سامنے آئیں گے جن کو دیکھ کر الحذر مانگیں گے۔ وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ سے اخیر تک اسی مناسبت کے سبب قیامت کا حال اور ان منکروں کا وبال و نکال بیان شروع کر دیا جو ملائکہ کے دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں اور وہ بھی تکبر کی راہ سے کہ رسول کا کہنا ہم نہیں مانتے ہمارے پاس خود فرشتے آنے چاہییں قَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا یعنی وہ جو دنیا میں بارادۂ ثواب یہ کفار کچھ عمل بھی کرتے ہیں ایمان و اعتقاد صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس دن هَبَاءً مَّنْثُوْرًا یعنی نیست و نابود ہو جائیں گے کچھ کام نہ آویں گے ہاں ایماندار نیکوکار اس روز اچھے مقام میں ہوں گے۔

اس کے بعد اس دن کے چند اور حالات ہیبتناک بیان فرماتا ہے: (۱) یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ ایک جگہ اور آیا ہے هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ ابر سفید اس ابر سے کیا مراد ہے؟ غالباً ملائکہ اور دیگر روحانیات کے انوار ہوں گے بصورت ابر سفید دکھائی دیں گے آسمان کھل کر اس ابر میں سے قیامت کو ملائکہ نمودار ہوں گے (۲) الملک الخ اس روز حقیقی بادشاہت اللہ کی ہوگی اگرچہ آج بھی اس کی حقیقی بادشاہت ہے مگر دنیا میں مجازی بادشاہتیں بھی ہیں اور اس روز کسی کی نہ ہوگی اس لیے ظہور کامل اس روز ہوگا۔ (۳) یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ قرینہ عبارت تعمیم پر دلالت کرتا ہے یعنی ہر ظالم اس روز ہاتھ دانتوں سے کاٹے گا افسوس کرے گا کہ اے کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ اس سے مراد اس کی وہ شخص ہوگا کہ جس نے اس کو دنیا میں ہدایت پانے کے بعد ہدایت سے دور کرنے کے پیرایہ میں باز رکھا تھا اور ایسا بہت ہوتا ہے۔

لیکن بعض مفسرین کہتے ہیں ان عام الفاظ میں کسی شخص خاص کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ ہو سکتا ہے پھر اس شخص خاص سے مراد وہ کیے

[1] یہ قیامت برپا ہونے کے بعد حشر کے دربار عدالت کی کیفیت بیان ہو رہی ہے اس کے بعد کی آیتیں یہی کہہ رہی ہیں تو اس وقت آسمان نہ پھٹے گا بلکہ اس سے پہلے پھٹ چکے گا اور نیا آسمان نئی زمین قائم ہوگی لیکن ہنوز اس پہلے حادثہ کے اثار میں سے دھواں اور بادل محیط ہوں یوم تشقق السماء بالغمام اور بادل اور بخارات آسمان سے دور کیے جائیں گے اور ملائکہ جوق در جوق اترنے شروع ہوں گے کیونکہ حساب و کتاب کے دربار کی اور کارکن ضرور آنے لگے گی تشقق بمعنی باعداد بمعنی انکشف بالغمام ای عن الغمام۔ واللہ علم۔ ۱۲ منہ

ہیں جیسا ابن ابی معیط ہے کہ جب وہ سفر سے آتا تھا تو دعوت دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک بار اس نے آنحضرت ﷺ کو بلایا آپ نے اس کے کفر کی وجہ سے انکار کیا۔ اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا تب آپ تشریف لے گئے۔ اس کی خبر ابی بن خلف کو بھی ہوئی وہ اس کا بڑا دوست تھا اس نے اس کو بڑی ملامت کر کے اسلام سے برگشتہ کرا دیا اور حضرت ﷺ کی گستاخی پر آمادہ کیا (اس قصہ کو معالم التنزیل وجلالین وغیرہ کتابوں میں نقل کیا ہے اور ابن جریر نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی نقل کیا ہے) اس تقدیر پر ظالم سے مراد عقبہ اور فلاں سے مراد ابی بن خلف کافر ہے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ الخ جب کفار نے آنحضرت ﷺ کو طرح طرح سے ستایا تو آپ نے بددعا تو نہ کی کیونکہ رحمۃ للعالمین تھے مگر خدا تعالیٰ سے شکایت کی جس کو ان آیات میں اللہ تعالیٰ نقل کرتا ہے ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں یہاں قال بمعنی یقول ہے یعنی قیامت میں آنحضرت ﷺ ان لوگوں کی یوں شکایت کریں گے جیسا کہ آیا ہے فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید جئنا بك علی هؤلاء شهیدا مہجورا بمعنی متروک اور ہجر بمعنی ہذیان بھی ہو سکتا ہے کہ اس قرآن کی بابت انہوں نے بے ہودہ اور لغو باتیں بنائیں کبھی وہ اس کو سحر کہتے تھے کبھی از خود بنایا ہوا کبھی اگلے لوگوں کی کہانیاں۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت کو آپ کی شکایت پر تسلی دیتا ہے اور صبر اور برداشت پر آمادہ کرتا ہے کہ یہ کچھ نئی بات نہیں ہمیشہ سے ہر ایک نبی کے کافر خفت دشمن ہوتے آئے ہیں آپ اطمینان رکھیں اللہ آپ کی مدد کرنے کے لیے اور آپ کی قوم کو ہدایت کرنے کو کافی ہے وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ
بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ
تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا
وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾

اور ہم یونہی مجرموں کو ہر ایک نبی کا دشمن بناتے رہے ہیں۔ اور (لوگوں کی) رہنمائی کرنے کو (انبیاء) مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے اور کافروں نے (یہ بھی) کہہ دیا کہ اس پر یک بارگی[1] قرآن کیوں نہ نازل کیا گیا۔ یوں ہی نازل ہونا چاہیے تھا تا کہ اس سے تمہارے دل کو ہم تسکین دیتے ہیں اس لیے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا۔ اور (اے نبی!) جو سوال یہ لوگ آپ پر پیش کریں گے ہم بھی تم کو اس کا بہت ٹھیک جواب اور بہت عمدہ توجیہ بتا دیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو منہ کے بل گھسٹوا کر جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بہت ہی برا مقام ہے اور وہ بہت ہی بڑے گمراہ ہیں۔

ترکیب : جُمْلَةً وَّاحِدَةً حال من القرآن ای مجتمعا۔ کذلك ای انزل کذلك فالکاف فی موضع نصب علی الحال لِنُثَبِّتَ اللام تتعلق بالفعل المحذوف۔

قرآن دفعۃً نازل نہ ہونے کے اسباب : وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ یہ ان کا قرآن مجید پر ایک اور شبہ تھا کہ یہ تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً کیوں نازل ہوتا ہے ایک ہی بار مجتمع ہو کر کیوں نہ نازل ہوا؟ پس معلوم ہوا کہ محمد ﷺ از خود سوچ سوچ کر تصنیف کرتے ہیں۔ اس کا

[1] یعنی رسول پر۔ ۱۲ منہ

جواب دیتا ہے كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا کہ اس کے اس طرح نازل کرنے میں چند حکمتیں ہیں جن کی طرف اجمالاً اس جملہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (۱) آنحضرت ﷺ اور اکثر صحابہ لکھے پڑھے نہ تھے اگر یک بارگی اتنی بڑی کتاب نازل ہوتی تو حفظ نہ رہتی اس لکھے پر اعتماد رہتا۔ سوا اگلی کتابوں کی طرح سے اس میں بھی تحریف وتبدیل ہوتی یا کسی حادثہ میں معدوم ہو جاتی پھر جب تھوڑا تھوڑا نازل ہوا تو دلوں میں جمتا گیا لوح حافظہ پر ثابت ہوتا گیا۔ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ کے یہی معنی ہیں۔ اس لیے اس میں ایک نقطہ کا بھی فرق نہ آیا۔ (۲) یہ کہ تمام احکام جو یکبارگی نازل ہوتے قوم کو ان پر ثابت وقایم رہنا شاق ہو جاتا۔ (۳) وقتاً فوقتاً نئے نئے حوادث پیش آتے تھے اور جاہل قوم کی تربیت وتعلیم میں ایسی باتیں پیش آیا بھی کرتی ہیں پس ہر حادثہ میں جبرئیل کا کلام الٰہی لے کر آنا آپ کے لیے تقویت قلبی کا باعث تھا۔ (۴) یکبارگی قرآن نازل ہوتا تو کفار مقابلہ میں کہہ سکتے تھے کہ اتنی بڑی کتاب ہم کیونکر لا سکتے ہیں لیکن جب تھوڑا تھوڑا نازل ہوا اور کسی ٹکڑے کا بھی جواب نہ بن سکا تو حضرت کا دل قوی ہو گیا ان کا عذر جاتا رہا۔ (۵) حالت الہامی ایک عجیب حالت ہے تھوڑے نازل ہونے میں اخیر عمر تک حضرت ﷺ کو حاصل رہی جو قلبی تقویت کا باعث ہوا۔ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ سب اعتراضات کے جواب کے بعد خاتمہ کے طور پر فرماتا ہے کہ آپ کے پاس وہ جو کوئی مثل لاتے ہیں یعنی اعتراض کرتے ہیں تو ہم اس کے جواب میں آپ کو حق بات کھلی ہوئی بتلا دیتے ہیں اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ فرماتا ہے ایسے لوگ اوندھے منہ ہنکا کر جہنم میں ڈالے جائیں گے یہ لوگ بڑے شریر وگمراہ ہیں یہ ان کے اوندھے اعتراضات کا نتیجہ ہے جس کی سزا جہنم میں اوندھا گرنا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا
اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ
لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا
اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا
ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ
مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ
اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا
عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ
مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾
اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ ۭ بَلْ هُمْ اَضَلُّ
سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو بھی وزیر بنا کر بھیجا تھا۔ سو اس نے کہہ دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ کہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں۔ (وہ گئے انہوں نے نہ مانا) تو ہم نے ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور قوم نوح کو بھی (ہلاک کیا) جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو بھی غرق کر دیا اور ان کو لوگوں کے لیے عبرت کی نشانی بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے اور عاد وثمود اور کنوئیں والوں کو بھی (ہلاک کیا) اور بہت سے قرنوں کو بھی جو اس کے درمیان تھے اور اس میں سے ہر ایک کو مثالیں دے دے کر سمجھا دیا تھا (آخر) ہر ایک کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ اور بے شک (اہل مکہ) اس بستی پر سے بھی گزرے ہیں کہ جس پر بہت بری طرح سے (پتھر) برسائے گئے تھے۔ پھر کیا انہوں نے اس کو دیکھا نہ ہوگا بلکہ وہ مر کر زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے تھے (اس لیے ایمان نہیں لائے) اور (اے نبی!) یہ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو ایسے تمسخر ہی کرتے ہیں کہ کیا یہ وہی ہے کہ جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے منحرف کر ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے اور ان کو جبکہ عذاب دیکھیں گے تو آپ معلوم ہو جائے گا کہ کون راہ راست سے دور تھا (اے نبی!) تم نے اس کو بھی دیکھا کہ جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے پھر کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ (اے نبی!) کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہوں گے۔ وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے مگر جیسا کہ چارپائے بلکہ وہ (تو ان سے بھی زیادہ) راہ بھولے ہوئے ہیں۔

ترکیب: هارون بدل من اخاه وزیرا مفعول ثان بجعلنا وقوم یجوز ان یکون معطوفا علی ضمیر نا یا مفعول اذکر محذوف۔ علی ہذا القیاس عادا وثمودا الخ۔

تفسیر: جبکہ توحید ونفی انداد واثبات نبوت میں کلام ہو چکا اور منکرین کے شبہات رد کر دیے گئے اور قیامت کا حال اور منکرین کا وبال بھی بیان ہو چکا تو مجملاً انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ ان کے دشمنوں پر آخر کار کیا کیا بلائیں نازل ہوئیں کیونکہ آپ کی تسلی کے لیے پہلے فرمایا تھا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا اور قرآن کا یہی طریقہ ہے کہ ایسے موقعوں پر قصص انبیاء بیان ہوتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کے تذکرہ بار بار آتے ہیں۔ فقال وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الخ سب سے پہلے موسیٰ کا ذکر کیا کیونکہ ان کی نبوت اور کتاب اہل کتاب میں بہت مشہور تھی کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا تھا اور ان کو کس قدر معجزات دیے گئے اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام ان کے وزیر بھی تھے۔ آخر فرعونیوں نے نہ مانا ہلاک ہوئے اور ان سے پیشتر قوم نوح کو دیکھو کہ انہوں نے نہ صرف نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی بلکہ عموماً رسولوں کے منکر تھے آخر غرق ہوئے۔ پھر قوم عاد وثمود کو دیکھو کہ حضرت ہود وصالح علیہما السلام کے انکار اور مقابلہ سے ان پر کیا ماجرا گزرا۔ پھر اصحاب الرس کو غور کرو۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں رس کنوئیں کو کہتے ہیں۔ اس کے معنی لغت میں دفن کے ہیں۔ یقال رس المیت اذا دفن (کبیر) ابو مسلم کہتے ہیں ایک ملک کا نام رس ہے اصحاب الرس اس ملک یا وادی کے رہنے والے یا کنوئیں والے اس وادی میں کنواں ہونا ان کے لیے اس عہد میں اس نام کے ساتھ منسوب ہونے کا سبب ہو گیا۔ مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کس نبی کی امت تھی؟ اکثر یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک بت پرست قوم تھی جن کے بہت سے کنوئیں تھے ان سے زراعت کرتے اور مواشی کو پانی پلایا کرتے تھے ان کی ہدایت کو حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے انہوں نے ان سے بہت سرکشی کی اور ایذائیں دیں آخر قہر آسمان سے ہلاک ہوئے۔ اس تقدیر پر یہ جگہ عرب کے شمال ومغرب میں شام سے ملحق ہے اور دیگر روایات بھی ہیں واللہ اعلم عند اللہ اس کے درمیان اور بہت سے قرن یعنی زمانہ گزر گئے ہیں جن میں انبیاء آئے اور لوگوں نے انکار کیا' بلا میں مبتلا ہوئے۔ پھر فرماتا ہے ولقد اتوا کہ یہ قریش مکہ اس گاؤں پر سفر شام میں گزر چکے ہیں جن میں پتھر برسے تھے یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں جھیل مردار کے کنارہ جو الٹی پڑی ہیں جن کو سفر شام میں آتے جاتے یہ لوگ دیکھتے ہیں اور عبرت نہیں کرتے۔ جب کفار ان سب باتوں سے عاجز آ جاتے تھے تو آنحضرت ﷺ سے تمسخر اور ٹھٹھا کرتے تھے کہ کیا اس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی کسی سردار دولت مند کو بنانا تھا اس نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے روک ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے۔ فرماتا

ہے ان کو عذاب الٰہی کے وقت معلوم ہو جائے گا کہ وہ گمراہ تھے یا راہ پر۔ پھر فرماتا ہے ان کمبختوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے جو خواہش کہتی ہے اس پر چلتے ہیں۔ پھر ان کے آپ ذمہ دار نہیں آپ جانتے ہیں کہ یہ سنتے سمجھتے ہیں؟ گو ظاہر میں یہ ہے مگر حسن باطن نہیں یہ تو چارپایوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وہ مکلف نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۞ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۞ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۞ وَهُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۞ لِّنُحْيِىَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِىَّ كَثِيْرًا ۞ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۞ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۞ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۞

(اے مخاطب) کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ کیونکر سایہ کو بڑھاتا اور اگر چاہتا تو اس کو ٹھیرا رکھتا پھر اس کے آفتاب کو رہبر بنا دیا پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹتے ہیں اور اسی نے تو تمہارے لیے رات کو لباس اور نیند کو راحت بنا دیا اور دن چلنے پھرنے کے لیے (بنایا) اور وہی تو ہے کہ جو ابی رحمت (بارش) سے پیشتر خوشخبری لانے والی ہوائیں چلایا کرتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا تا کہ اس سے مرے ہوئے خشک شہر کو زندہ کریں اور اس کو اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں چارپایوں اور بہت سے آدمیوں کو پلائیں اور ہم نے اس کو ان میں بانٹ دیا تا کہ سمجھیں پس بہت سے آدمی تو ناشکری کیے بغیر نہ رہے اور اگر ہم چاہتے تو ہر گاؤں میں ایک ڈرسنانے والا کھڑا کر دیتے پس (اے نبی) کافروں کا کہنا مانو اور قرآن سے ان کا مقابلہ بڑے زور سے کرتے رہو۔

ترکیب : اناسی اصلہ اناسین جمع انسان کسرحان وسراحین ابدلت النون فیہ یاء وادغمت وقیل جمع انسی علی القیاس صرفناہ الضمیر للماء۔

تفسیر : ان کے شبہات رد کر کے اور اس کجروی کا نتیجہ امم گزشتہ کے حالات میں بیان فرما کر اب یہ چند دلائل توحید اور کمال قدرت پر بیان فرماتا ہے: فقال اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ الخ یہ (۱) دلیل ہے کہ اپنے خدا کی قدرت دیکھو کہ اس نے اس عالم حسی میں نورانی اجسام پیدا کیے۔ چاند' سورج' ستارے' آگ وغیرہ جن کی روشنی دوسری اشیاء مظلمہ پر پڑ کر ان کو بھی روشن کر دیتی ہے یہ ایک بات ہوئی جس میں قدرت کا کامل نمونہ ہے کس لیے کہ اگر صانع عالم کوئی قادر مختار نہیں اور طبائع یا مادہ ہی سب کچھ کرتا ہے تو پھر یہ ترجیح بلا مرجح کیسی کہ بعض اجسام منور اور منور بھی ایسے کہ جن کے نور کا انعکاس دوسرے اجسام پر پڑتا ہے اور یہ ان کا ظل ہے اور بعض غیر منور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کفار مکہ یا دیگر حسادِ نبوت پر یا آنحضرت ﷺ کی نبوت پر کلام کرتے ہیں کہ ان میں کیا خصوصیت تھی کہ ان کو نبی بنایا گیا اور پھر باغ یا دولت ثروت یا ملائکہ ساتھ رہنے کی ظاہری خصوصیت بھی نہیں دکھائی گئی ان کا یہ اعتراض بیجا ہے جب اجسام میں اس نے

ایسی ایسی خصوصیات ممیزہ پیدا کر دی ہیں تو نفوسِ بشریہ میں نورانی وظلمانی خصوصیات پیدا کرنے سے اس کو کون مانع ہے اور کون پوچھنے والا ہے۔ پھر اس ظل کو بھی ایک حالت پر نہیں رہنے دیا کما قال وَلَوْشَاءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا بلکہ اول مَدَّ الظِّلَّ اس کو پھیلاتا دراز کرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہوئی ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا اگرچہ اور چیزوں کے بھی سائے اور ظل ہیں کیونکہ اس عالم میں اور بھی نورانی تیرات وجواہر ہیں مگر آفتاب سے سب کم ہیں سایہ کے بڑھنے گھٹنے کا نمونہ آفتاب ہے اس کے ظل میں یہ بات سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ یہ تیسری بات ہوئی پھر بھی اس کی قدرت کمال کا پورا نمونہ اور بڑی علامت ہے ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا پھر انبساط کے بعد جہاں تک اس کا بسط مقدر کر رکھا تھا اس ظل کو ہم تھوڑا تھوڑا کر کے نیست ونابود بھی کر دیتے ہیں۔ اس کو اس کی حد مقرر تک جو انتہا کی حد ہے پہنچا دیتے ہیں۔ جس طرح ہر شے کے وجود کا انبساط اس کی طرف سے ہے اس طرح انحنی اور زوال کا بھی وہی مرجع ہے۔ اس بات کے بتلانے کے لیے قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا فرمایا۔ یہ چوتھی بات بھی بڑی نشانی اس کے کمال وقدرت کی ہے جو عالم کے حدوث اور زوال پر دال ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام اشیاء کے وجود اور ان کے حقائق یہ سب اس کے وجود حقیقی کے ظل یعنی پرتو ہے پھر ان کا دراز کرنا عالم عدم سے فضاء وجود میں لانا ہے۔ سو یہ اسی کا فعل ہے اگر وہ چاہتا ہے تو ٹھہرا دیتا فضاء وجود خارجی میں نہ آنے دیتا یا آنے کے بعد ترقی اور کمال تک نہ پہنچنے دیتا۔ اس بات پر ہم نے آفتاب عقل کو دلیل بنا دیا ہے وہی کہتی ہے کہ یہ اس کے اظلال ہیں۔ پھر ہر ایک کو رفتہ رفتہ فنا کرتے ہیں اور وہ دراصل معدوم محض نہیں ہوتے بلکہ سایہ کی طرح سمٹ کر ہمارے پاس آتے ہیں جس طرح کہ سایہ سمٹ کر جس کا سایہ ہوتا ہے اس کے پاس آجاتا ہے لیکن اس مشاہدۂ ذات میں دو مرتبہ ہیں عارفین مقام مشاہدہ ونور عقل سے چل کر مشاہدۂ صفت کی طرف آتے ہیں پھر وہاں سے مشاہدۂ نورِ ذات کا کرتے ہیں یہ ایک مرتبہ ہے دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اول ہی مرتبہ میں مشاہدۂ نورِ ذات کا حاصل ہو پھر اس کے بعد صفات کا پھر فعل کا مشاہدہ امت کے نفع کے لیے کیا جاوے سو یہ مرتبہ خاص خاتم النبیین کا ہے اس لیے حضرت ﷺ کو اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ میں مشاہدۂ ذات کی طرف پھر كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ سے مشاہدۂ افعال کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ (۲) خدا نے تمہاری راحت کے لیے رات اور کام کاج کے لیے دن بنایا والسبات الراحۃ ومنہ یوم السبت ای یوم الراحۃ لفراغہ فیہ من الاشغال۔ صاحب کشاف کہتے ہیں السبات الموت والمسبوت المیت۔ رات آتی ہے تو گویا قیامت آگئی سب سو جاتے ہیں گویا مر جاتے ہیں' کوچہ وبازاروں میں سناٹا ہوتا ہے پھر صبح ہوتی ہے تو گویا حشر کا دن برپا ہو جاتا ہے۔ بستروں سے کیا اٹھتے ہیں گویا قبروں سے اٹھتے ہیں۔ اس لیے جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا فرمایا۔ (۳) وَهُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا جمع بشیر رحمت سے مراد بارش یعنی اللہ وہ قدیر ومدبر ہے کہ بارش آنے سے پہلے ایک ایسی ہوا چلاتا ہے جو بارش کی خوشخبری دیا کرتی ہے وہ بادلوں کے آنے کا سبب ہوتی ہے پھر بادلوں سے پاک اور ستھرا پانی ہم اتارتے ہیں جس سے خشک زمین کو جو بمنزلہ مردہ کے ہوتی ہے شادابی سے حیات بخشتے ہیں اور اس پانی کو چارپائے اور انسان پیتے ہیں۔ یہ بھی ہمارا ہی فعل ہے ورنہ یہ باتیں الاخود ہو نہیں سکتیں اور کوئی کر نہیں سکتا وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ پھر اس پانی کو ہم میں تقسیم کر دیتے ہیں ایک کے قبضے میں نہیں رکھتے تا کہ تم سمجھو لیکن اکثر لوگ ناشکری کیے بغیر نہیں رہتے وَلَوْ شِئْنَا الخ یعنی جس طرح ہم نے بارانِ رحمت کو عام کر دیا ہر جگہ برساتے ہیں اسی طرح نبوت کو بھی جو بارشِ روحانی ہے عام کر سکتے تھے ہمارے ہاں کچھ بات نہ تھی۔ ہر گاؤں میں رسول بھیج دیتے جیسا کہ منکرین نبوت اس کی استدعا کرتے ہیں مگر حکمت الٰہی کے خلاف تھا۔ انتظام عالم میں خلل آجاتا۔ پس اے نبی! ان کے کہنے پر التفات نہ کرو۔ جاهدهم به جهادًا كبيرًا جہاں تک ہو سکے ان کے سمجھانے میں کوشش کرو۔

وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۖ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

---

۱ یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ ظل سے مراد سایۂ الٰہی ہو وہ کسی قوم اور کسی شخص کے لیے خدا نے کیسا دراز کیا ہوا؟ مگر بقاء اسی کو ہے اس کو ٹھہرا نہیں رکھتا وہ پھر ڈھلتا ہے اور آفتاب عنایت واقبال اس کی دلیل ہوتا ہے انسان کی عمر بھی ایک سایہ ہے باوجود درازی کے کس طرح سے ڈھلتی ہے اور یہ بے خبر غافل ہے۔ ۱۲ منہ

وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ
رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ
عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ
مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ
لَا یَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰی بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرَا ﴿۵۸﴾ ۚ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ
بِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا
تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ السجدة

ع ۶

اور وہی تو ہے کہ جس نے دو دریاؤں کو باہم ملایا یہ ایک تو (ان میں سے) شیریں خوشگوار ہے اور یہ ایک کھاری کڑوا اور ان دونوں میں ایک پردہ اور مستحکم آڑ بنا دی جو باہم ملنے نہیں دیتی اور اسی نے انسان کو پانی میں سے پیدا کیا پھر اس کے لیے رشتہ نسب و دامادی قائم کیا اور آپ کا رب تو ہر چیز پر قادر ہے اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان معبودوں کو پوجتے ہیں کہ جو ان کو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ضرر اور کافر تو رب کے مقابلہ میں کمر باندھے ہوئے ہیں اور (اے نبی!) آپ کو تو ہم نے محض خوشخبری اور ڈر سنانے کے لیے بھیجا ہے۔ (ان سے) کہہ دو میں اس پر تم سے کوئی اجرت تو نہیں مانگتا مگر یہی کہ جو چاہے اپنے رب کی طرف کا رستہ اختیار کر لے۔ اور (اے نبی!) تم اپنے اس زندہ خدا پر بھروسہ رکھو کہ جس کو کبھی موت نہیں اور اس کی ستایش کے ساتھ تسبیح کرتے رہو اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہونا بس کرتا ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو چھ دن میں بنا دیا پھر تخت (حکومت) پر قائم ہوا وہ رحمٰن ہے پس اس کی شان تو کسی خبردار سے پوچھئے اور جب ان (منکرین) سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ[1] کرو تو کہتے ہیں کیا ہے رحمٰن کیا تو جس کو کہے گا اس کو ہم سجدہ کریں گے اور یہ بات تو ان کو اور بھی بدکا دیتی ہے۔

ترکیب : بینهما ظرف لجعل علی ربه متعلق ہے ظهیرًا سے خبر کان، الامن شاء استثنی من غیر الجنس الرحمٰن مبتداء فسئل به خبر۔

تفسیر : وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ الخ (۴) یہ دلیل ہے کہ اس نے دو قسم کے دریا رواں کئے۔ یا یوں کہو دو دریاؤں کو باہم ملایا۔ ایک ان میں سے نہایت شیریں خوشگوار اور دوسرا کھاری تلخ اور باہم ملتے نہیں پاتے ان میں قدرتی حد فاصل رکھی ہوئی ہے۔ زمین کے دریا رواں جب سمندر میں گرتے ہیں اور یہ دریا شیریں ہوتے ہیں تو دور تک دونوں کی دو دو دھاریں نظر آتی ہیں باہم اختلاط پر امتیاز معلوم ہوتا ہے ان

[1] بعض کہتے ہیں کفار نہیں جانتے تھے کہ رحمٰن اللہ کا نام ہے مگر یہ ٹھیک نہیں کیونکہ لفظ صوتی ہے بلکہ تکبر الٰہ سے انکار کرتے تھے اور اس کے لیے سجدہ کرنے سے نفرت کرتے تھے کیونکہ بت پرستی کی عادت تھی۔ ۱۲ منہ۔ اس مقام پر سجدہ واجب ہے۔

[2] ضحاک کہتے ہیں اس موقع پر آنحضرت ﷺ اور خلفاء اربعہ عثمان بن مظعون و عمر بن عبسہ رضی اللہ عنہم نے جو سجدہ کیا تو مشرکین مسجد کے کنارے جا کر ہنسنے لگے پس زادهم نفورا سے یہ مراد ہے۔ (ک) ۱۲ منہ

میں سمندر کی دھار کھاری اور زمین کے دریاء رواں کی دھار شیریں ہوتی ہے سمندر میں پڑنے سے دونوں سمندر ہو گئے اور سمندر کو عرب بحر کہتے ہیں۔ اصل المرج الارسال والخلط ومنه قوله تعالیٰ فَهُمْ فِیْ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ان دونوں دریاؤں سے اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ انسان مجمع البحرین ہے اس کے اندر دو دریا ایسے ہیں ایک قوائے ملکوتیہ کا دریا جو درحقیقت نہایت شیریں اور خوشگوار اور دوسرا قوائے حیوانیہ کا دریا جو تلخ ہے۔ ان دونوں کے درمیان حد فاصل عقل کامل ہے۔ (۵) وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا کہ اس نے ایک پانی سے یعنی منی سے بشر پیدا کر دیا وہی مرد کی ایک منی ہے کہ اسی سے مرد پیدا کرتا ہے اور اسی سے عورتیں اور رب قادر ہے۔ نسبا اے ذو نسب والمراد والذکور بسبب الجمع فیقال فلان بن فلان ذوات صبرا ای انا ثا یصا ہرون۔ یا یوں کہو انسان کو بنا کر اس کی قرابت و مودت کے دو طریقہ رکھے۔ ایک نسب دوسرا صہر یعنی دامادی فجعله ای فجعل له نسبا وصہرا۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ دلائل توحید کے بعد کفار کے اس طریقہ کی مذمت کرتا ہے جو بت پرستی کے لیے ان میں جاری تھا کہ ایسی نکمی چیزوں کو پوجتے ہیں کہ جو ان کو نہ کچھ نفع دے سکتی ہیں نہ ضرر اور (کافر جس سے مراد اکثر کے نزدیک ابوجہل ہے) اپنے رب سے پیٹھ پھیرے ہوئے ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے۔ ابو مسلم کہتے ہیں ظہیرا اس گمان کے اس قول سے ماخوذ ہے ظهر فلان بحاجتی اذا نبذها وراء ظهره و مومن قوله تعالیٰ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا یعنی اس کے معنی پیٹھ پیچھے ڈالنے اور پیٹھ پھیرنے کے ہیں گرچہ ظہیر بمعنی معاون بھی ہو سکتا ہے جس کے یہ معنی ہوں گے کہ کافر اپنے اس رب کا جس کو خدا کے سوا پوجتا ہے مددگار ہے خود اس کو گھڑ کر ہاتھ سے یا خیالات سے بناتا ہے ایسا خدا بھی کوئی خدا ہے جس کا مددگار اس کا عابد ہو۔ پھر فرماتا ہے وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ الخ یعنی اے نبی! اگر یہ ہدایت پر نہ آئیں تو آپ کا کچھ بھی ذمہ نہیں کیونکہ آپ کا کام خوشخبری اور خوف دلانا ہے سو آپ کر چکے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان حمقاء سے کہہ دو کہ میں تم سے اس بات میں کچھ مانگتا تو نہیں یہی چاہتا ہوں کہ تم کو راہ راست نصیب ہو یعنی بے غرض خیر خواہ ہوں پھر ایسے شخص سے سرتابی کرنا کس عقل کا مقتضی ہے؟ اس لیے آپ کو تسلی دیتا ہے کہ آپ خدا حی لایزال پر توکل کریں اور اس کی ثناء وصفت کیا کریں۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے واقف ہے آپ سمجھ لے گا وہ کہ جس نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بنا دیا پھر تخت حکومت پر قائم ہوا یعنی مخلوقات کو پیدا کر کے ان پر حکمرانی شروع کی اور وہ کون ہے؟ رحمان خبیر یعنی بے خبردار سے پوچھو یا یوں کہو رحمٰن خبردار ہے اس سے پوچھو ان جملوں میں خدا تعالیٰ کی صفات اس طرز پر ثابت کئے کہ جس سے ضمناً ان کے بتوں کی خدائی بھی باطل ہو گئی کہ وہ نہ حی ہیں نہ موت سے بری ہیں نہ وہ بندوں کے گناہوں سے واقف ہیں نہ انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے اور چھ روز سے یہ بھی بتلا دیا کہ آپ جلدی نہ کریں خدا نے باوجود قدرت کے چھ روز میں مخلوق پیدا کی آپ کا دین بھی بتدریج جاری ہوگا۔ واذا قیل لهم یعنی آپ سے کیا برگشتہ ہیں وہ رحمان سے بھی برگشتہ ہیں جو سجدہ نہیں کرتے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ
الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ
الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا
سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا

وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ
قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ
اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا فَاُولٰٓئِكَ صَالِحًا
يُّبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا
كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً
وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا
دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

اس کی ذات بڑی بابرکت ہے کہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور ان میں چراغ (آفتاب) اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔ اور وہی تو ہے کہ جس نے رات اور دن بنائے جو ایک دوسرے کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ یہ اس کے لیے جو آیات پر غور کر کے سمجھنا یا شکر کرنے کا ارادہ کرے۔ اور رحمان کے (خاص) بندے تو وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل مٹ بھیڑ ہو جاتے ہیں تو سلام کہتے (اور الگ ہو جاتے ہیں) اور وہ جو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام میں رات گزارتے ہیں اور وہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھیو کیونکہ دوزخ کا عذاب بڑی سخت آفت ہے۔ وہ تو بہت ہی ٹھکانا اور بہت برا مقام ہے اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگدلی اور ان کا خرچ کرنا اعتدال پر ہوتا ہے۔ اور وہ جو اللہ کے سوائی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں کہ جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے مگر حق سے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسا کرتا بھی ہے تو سزا کا مستحق ٹھہرے ہے۔ اس کے لیے قیامت میں دوچند عذاب ہوگا اور اس میں وہ سدا خوار ہو کر پڑا رہے گا۔ مگر جو توبہ کرے اور ایمان لاوے اور اچھے کام بھی کرے سو اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا کرتا ہے اور اللہ غفور الرحیم ہے اور جس نے توبہ کر لی اور نیک کام بھی کرنے لگا تو وہ (دراصل) اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اور وہ جو کبھی بیہودہ جگہ پر گزر ہو جائے تو سنجیدہ پھیر کر گزر جائیں اور وہ جب ان کو ان کے رب کی آیات سے سمجھایا جاتا ہے تو ان پر بہرے اندھے بن کر نہیں گر پڑتے (بلکہ غور کرتے ہیں) اور وہ جو دعا کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو ان کے صبر کے بدلہ میں جنت کے بالا خانے دے دیے جائیں گے اور ان کا وہاں دعا و سلام کے

دو جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے۔

ساتھ استقبال کیا جائے گا وہ وہاں سدا رہا کریں گے (جنت میں وہ) بہت عمدہ ٹھہرنے کی جگہ اور خوب ہی مقام ہے (اے نبی) کہہ دے میرے رب کو بھی تمہاری کچھ پروا نہیں اگر تم اس کو نہ پکارو البتہ تم جھٹلا تو چکے ہو (پھر دیکھو) ابھی سزا ہوتی ہے۔

تفسیر: تَبٰرَكَ الَّذِيْ الخ یہ جواب ہے ان کے اس قول کا وما الرحمٰن کہ کیا ہے رحمٰن! وہ بابرکت ہے کہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں سراج یعنی آفتاب بنایا ہے جو تمام دنیا کا چراغ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اندھیرا ہو جاتا اور رات کے لیے بھی اس نے چاند چمکتا بنایا ہے۔ مطلب یہ کہ رحمان وہ ہے کہ جس نے دنیا کا گھر بنایا اور اس گھر میں آفتاب و ماہتاب کی قندیلیں روشن کیں اور اس گھر میں تمہارے لیے ہر ایک قسم کا سامان معیشت بہم پہنچایا۔ پھر کہتے ہو کہ رحمان کون ہے اور اس کے سجدہ کرنے سے نفرت کرتے ہو؟ اور اس پر بس نہ کیا بلکہ اس نے رات دن بنائے جو ایک کے بعد دوسرا آتا ہے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات یا یوں کہو ایک دوسرے کے مخالف ہے یہ مجاہد وقتادہ و کسائی کا قول ہے۔ یقال لکل شیء اختلفا هما خلفان فقوله خلفة ای مختلفین هذا اسود وهذا ابیض وهذا طویل وهذا قصیر اگر ہمیشہ رات یا دن ہوتا تو نظام عالم نہ رہتا۔ فرماتا ہے یہ شکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لیے ہے جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا آسمان میں تاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہو گئیں کہیں شیر کی، کہیں ترازو کی کہیں بیل کی، کہیں مچھلی کی وغیرہ اور آسمان کو حکماء نے بارہ حصوں میں خیالی طور پر اس طرح سے تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں اور ہر ایک حصہ کا نام برج رکھا ہے اور جن برج میں صورتِ مذکورہ میں سے جو کسی کی صورت آ گئی ہے اس کو اس کے نام سے نامزد کر دیا ہے۔ جس میں شیر کی صورت ہے اس کو برج اسد کہتے ہیں جس میں مچھلی کی اس کو برج حوت علی ہذا القیاس اور یہ بات عرب میں ہمیشہ سے مسلم چلی آتی تھی وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الخ یہاں سے ان پر تعریض کرتا ہے کہ تم رحمان کو کیا جانتے ہو تم تو شیطان کے بندے بنے ہوئے ہو۔ دیکھو رحمان کے بندے یہ لوگ ہیں جن میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں یہاں سے پھر احکام اور وقت عملیہ کی تکمیل کا مسئلہ اس خوبی اور مناسبت سے شروع کرتا ہے۔

عباد الرحمٰن کے چند اوصاف حمیدہ ذکر کرتا ہے جس سے عام مسلمانوں کو بھی ان اوصاف کو حاصل کرنے کی ترغیب دلانی مقصود ہے کہ خالی باتیں بنانے سے رحمان کا بندہ خاص نہیں بنتا جب تک کہ ان باتوں کو اپنے میں پیدا نہ کرے اور یوں تو رحمان کے سبھی بندے ہیں مگر مراد خاص اور اچھے اور مقبول بندے ہیں۔ صفت اول (۱) الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ الخ کہ جو زمین پر اکڑتے اور اتراتے ہوئے نہیں چلتے بلکہ تواضع اور فروتنی سے۔ (۲) وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ جب جاہلوں سے ہمکلامی کا اتفاق پڑتا ہے تو سلام کہتے ہیں یعنی تسلیم اختیار کرتے ہیں۔ یا یہ کہ سلامتی اور سکوت طلب کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں معاف کیجیے ان سے الجھتے جھگڑتے نہیں۔ کس لیے کہ سفہاء کی باتوں سے درگزر کرنا اور مقابلہ نہ کرنا عقلاً و شرعاً بہتر ہے اور اس میں سلامتی اور حفظِ آبرو بھی ہے۔ یا یہ کہ سلام توبیخ کہتے ہیں یعنی سلام کر کے رخصت اور الگ ہو جاتے ہیں سب سے مطلب یہ ہے کہ جہل و فساد کے مقابلہ میں حلم اختیار کرتے ہیں۔ (۳) یہ کہ یہ تو ان کا دن کا اور باطنی تمون کا برتاؤ تھا۔ اب خدا سے معاملہ اور شب کی کیفیت یہ ہے يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ الخ کہ تمام رات یا اس کا بڑا حصہ خدا کی یاد میں صرف کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں جس میں سجدہ اور قیام بھی ہے۔ حسن کہتے ہیں اللہ کے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور نیاز کے ساتھ اس کے آگے سر رکھ دیتے ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں یہ نماز تہجد کی طرف اشارہ ہے جو اسلام کا شیوہ خاص ہے۔ (۴) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ الخ یعنی اس عبادت پر ان کو غرور نہیں بلکہ عذاب جہنم سے ڈرتے اور یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے عذاب جہنم کو دور رکھیو کیونکہ وہ دردناک عذاب ہے اور جہنم بری جگہ ہے۔ (۵) وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا الخ کہ خرچ کرنے میں درمیانہ روی کرتے ہیں نہ اسراف ہے نہ اقتار کھانے پینے لباس مکان سب میں درمیانہ روی مستحسن ہے بعض کہتے ہیں گناہ کے کام میں صرف کرنا

اسراف ہے اور حق اللہ میں دست کشی کرنا اقرار یعنی تنگدلی ہے۔ (۶) وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ الخ کہ وہ ہر حال میں شرک سے بچتے ہیں خدا کا کسی کو شریک نہیں سمجھتے اور کسی کو ناحق قتل بھی نہیں کرتے۔ جن مواقع میں قتل کی رخصت ہے جیسا کہ خون کے بدلہ میں خونی کا خون کرنا یا عین جنگ میں دشمن کا قتل کرنا وہاں تو وہ ہاتھ نہیں روکتے باقی دیگر مواضع میں جن کا خدا نے حکم نہیں دیا اور جان کا مارنا حرام کیا ہے وہاں ہاتھ روکتے ہیں یہ نہیں کہ آپس کی خانہ جنگیوں میں یا راہزنی اور چوری وغیرہ امور میں مار ڈالتے ہوں۔ رحم اور عدل دونوں کی رعایت رکھتے ہیں۔ (۷) اور نہ وہ زنا کرتے ہیں پھر فرماتا ہے وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا کہ جو ایسے کام کرے گا وہ اس کا برا بدلہ بھی پائے گا ان الاثام والاثم واحد و المراد ههنا جزاء الاثام۔ يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ان کو قیامت میں دو چند عذاب دیا جائے گا ایک شرک کا دوسرا ان گناہوں کا وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا اور اس عذاب میں ہمیشہ خوار و ذلیل ہو کر رہے گا۔

بخاری و مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا گناہ بڑھ کر ہے فرمایا کہ تو کسی کو اللہ کا شریک بناوے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ میں نے کہا پھر کونسا ہے؟ فرمایا پھر یہ کہ تو اپنے لڑکے کو اس خوف سے مار ڈالے کہ تجھے اس کو اپنے ساتھ کھلانا پڑے گا (عرب میں ایسا بھی ہوتا تھا) پھر عرض کیا پھر کونسا؟ فرمایا ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا اس کی تصدیق میں خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ الآیہ یعنی یہ آیات حدیث کی تائید کرتی ہیں اور مواقع تائید میں آیات کا پیش کرنا متقدمین میں نزول سے تعبیر ہوتا ہے بخاری وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے بعد مشرکین نے کہا ہم نے تو اور معبودوں کو بھی پوجا اور ناحق قتل بھی کیا اور حرام کاری بھی کی ہے پس ہمارے لیے مغفرت کا کیا طریق؟ تب یہ آیت نازل ہوئی اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا کہ جس نے توبہ کی اور ایمان لا کر عمل صالح کئے فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ اللہ ان کے گناہان سابقہ کو منا کر یہ نیک کام ان کے نامہ اعمال میں لکھ دے گا اور ممکن ہے کہ اپنے فضل سے ان کی حقیقت بدل دے۔ ؎ ہر کہ در سایۂ حمایت اوست، گوش طاعت است دشمن دوست۔ (۷) وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ الخ زور کے معنی ہیں جھوٹی گواہی یعنی جھوٹی گواہی کے پاس بھی نہیں جاتے اور مواضع کذب بھی مراد ہو سکتی ہیں اور ہر نازیبا مجلس بھی مراد ہو سکتی ہے جو خلاف شرع شریف ہے جیسا کہ ناچ رنگ کی مجلسیں اور کھیل اور تماشوں کے مجامع۔ اس طرح کفار و مشرکین و مبتدعین کے میلے اور تیوہار ان سب سے اجتناب کرنا عباد الرحمٰن کی شان ہے، وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا اور جو کہیں ایسے بیہودہ مواقع کے پاس سے گزرنے کا اتفاق بھی ہو تو اعراض کر کے گزر جاتے ہیں منہ ڈھانک کر آنکھ بند کر کے گزرنا ان کی طرف متوجہ نہ ہونا بزرگانہ گزرنا ہے۔ (۹) وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا الخ کہ جب ان کو آیات الٰہی سنائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے جیسا کہ منافقین دکھانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ بلکہ بصیرت اور سمجھنے اور سننے کی حالت میں ان پر گر پڑتے ہیں ان سے اعراض نہیں کرتے۔ (۹) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ الخ کہ اپنی اولاد اور ازواج کے لیے بھی دعا کیا کرتے ہیں کہ ان کو اصلاح و دینداری میں ایسا کر کہ ان سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوویں اور اپنے خاندان اور کنبے کے ہم بزرگ و رہبر بن جاویں۔ یہ بڑی نعمت ہے کہ انسان کے زن و فرزند اس کے موافق ہوں اور دین میں معین یا یہ معنی کہ مر کر یہ ہم سے ملیں اور ہماری آنکھیں وہاں آخرت میں ان سے ٹھنڈی ہوں۔ اب عباد الرحمٰن کی جزا فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ الخ کہ یہ لوگ جنت میں بلند محلوں کی کھڑکیوں میں بیٹھیں گے اور اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ وہ جو رحمان کے سجدہ کرنے سے نفرت کرتے ہیں ان سے عتاب کیا جاتا ہے کہ کہہ دو کہ میرے رب کو بھی تمہاری کچھ پروا نہیں جو تم اس کو نہیں پکارتے تم تو جھٹلا چکے عنقریب تم پر عذاب آتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③
اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَمَا
يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا
فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا
فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحیم والا مہربان ہے

یہ آیتیں روشن کتاب کی۔ نبی شاید (اے نبی!) آپ اپنی جان کو گھونٹ کر ماردیں گے اس پر کہ وہ کیوں ایمان نہیں لاتے اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر ایک ایسی نشانی نازل کردیں کہ اس کے آگے ان کی گردنیں جھک پڑیں اور ان کے پاس رحمان کی طرف سے کوئی نئی بات نصیحت کی ایسی نہیں آئی کہ وہ اس سے منہ نہ موڑ لیتے ہوں۔ معلوم ہوئے جاوی گی کہ جس سے وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ بھلا کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ اس میں کس قدر ہم نے قسم قسم کی عمدہ چیزیں اگائی ہیں البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے بہت تو مانتے ہی نہیں۔ اور البتہ آپ کا رب زبردست (اور) رحم کرنے والا ہے (جو ان کے کفر پر جلد سزا نہیں دیتا)۔

ترکیب: اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مفعول لہ اے لئلا خاضعین والقیاس خاضعات انما جاء جمع المذکر لان المراد اصحاب الاعناق ولیس المراد الرقاب کم اجتماعی موضع نصب بانتہا من ذکر ای قرآن من الرحمن صلۃ ذکر محدث صلۃ اخری۔

تفسیر: یہ سورہ بھی مکہ میں اسی وقت نازل ہوئی ہے جبکہ کافروں کا حضرت ﷺ پر اور مسلمانوں پر ہر طرف سے سخت ہجوم تھا اور اسلام کی روح افزا باتیں ان کو عجیب و غریب معلوم ہوتی تھیں۔ حضرت ﷺ کی نبوت پر وہ طرح طرح سے لغو شبہات وارد کیا کرتے تھے اور جب جواب سے عاجز آجاتے تھے تو اپنی خواہش کے موافق ہر شخص ایک عجیب و غریب معجزے کا طالب ہوتا تھا۔ کوئی کہتا تھا اس پہاڑ کو یہاں سے ہٹا دو تو جانوں، کوئی کہتا تھا کہ اس خشک اور پہاڑی جگہ میں نہر جاری کردو تو مانوں، علی ہذا القیاس حضرت ﷺ کے دل میں قوم کی خراب حالت کی اصلاح کا جوش تھا اور دردمندی حد سے بڑھی ہوئی تھی ان کے نہ ماننے اور کج بحثیاں کرنے سے نہایت رنج ہوتا تھا اس سورہ میں آپ کو تسلی دی گئی کہ اگر یہ ایمان نہ لائیں گے تو کیا آپ غم میں گھٹ کر اپنے آپ کو ہلاک کردیں گے۔ اور پھر اس کے بعد چند انبیاء اولوالعزم اور ان کی سرکش امتوں کا تذکرہ کر کے یہ بتلا دیا کہ پہلے لوگ بھی اپنے انبیاء کے ساتھ ایسا ہی کرتے آئے ہیں اور چونکہ عرب میں شاعری کا بڑا زور شور تھا اور عاجز ہو کر قرآن کو شعر کہہ دیا کرتے تھے اس لیے اخیر سورہ میں شعراء کی حقیقت بھی بیان کردی کہ وہ واہی تباہی باتیں اشعار میں بیچ کیا کرتے ہیں ہر وادی سخن میں حیران و پریشان پھرا کرتے ہیں برخلاف قرآن مجید کے کہ جس میں سراسر راستی اور مکارم اخلاق اور توحید وغیرہ کے مضامین عالیہ ہیں۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام سورۂ شعراء ہوا اور نیز ان کو روحانی بلاغت کا اس میں ایک جداگانہ لطف دکھا کر

ان پر کوڑا سا مار دیا۔ سورہ فرقان کے اخیر میں یہ جملہ تھا کہ تم جھٹلا چکے اب دیکھو کیسی سزا ملتی ہے چندان کی تکذیب کے مقابلہ میں بہت سے مواقع پر شہادتیں پیش کی گئیں تھیں کہ ان میں غور کرنے کے بعد عاقل کو تکذیب کی گنجائش نہیں رہتی مگر اس کے بعد دلائل اثبات نبوت بیان کرنا اور ساتھ ہی گزشتہ انبیاء اور ان کی نافرمان اور سرکش قوموں کے واقعات بیان کرنا اتمام حجت اور اپنے محبوب رسول کے دل کی تشفی اور دفع ملال مقصود تھا جو آپ کو اس بدنصیب قوم کی بے نصیبی اور آنے والی مصیبت سے تھا۔ اس لیے سورہ فرقان کے بعد اس سورہ کا آنا مناسب ہوا۔ طسم الم کی تفسیر میں حروف مقطعات کی بابت ہم بہت کچھ کہہ آئے ہیں۔ یہاں ط سے مراد طرب اور س سے سرور دائمی اور میم سے محمد (ﷺ) ہیں یعنی محمد (ﷺ) کو طرب و سرور ابدی مبارک ہو یہ غم چند روزہ ہے۔ واللہ اعلم تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ یہ آیتیں جو اے لوگو! تم کو سنائی جاتی ہیں روشن اور کھلی ہوئی کتاب یعنی قرآن کی ہیں جن میں عقل سلیم کو کچھ بھی تردد نہیں ہاں جو کور ازلی اور بدنصیب اصلی ہیں ان کو ان پر طرح طرح کے شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مضمون الہامی ان کے دل میں نہیں اترتا اس لیے وہ ایمان نہیں لاتے پھر جب وہ ایسے کور باطن ہیں تو اے نبی! آپ کو ان کے ایمان نہ لانے سے کچھ رنج نہ کرنا چاہیے۔ پھر آپ کیوں جی میں گھٹتے ہیں۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ الخ اب رہا ان کا یہ عذر کہ ہمارے سوال کے مطابق حضرت کیوں کوئی نشانی نہیں دکھاتے سو یہ بھی غلط ہے ان کو اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا ورنہ ہم قادر ہیں اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ آیتہ الخ کہ آسمان سے ان پر کوئی ایسی نشانی اتاریں جس کے آگے ان کی گردنیں جھک جاویں مگر ان کا تو یہ حال ہے کہ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الخ کہ جب کوئی نئی بات نصیحت کی ان کے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے تو اس سے انکار ہی کرتے ہیں فَقَدْ كَذَّبُوْا الخ یہ جھٹلا چکے نہ مانے ہیں نہ مانیں گے۔ اب عنقریب اس کی حقیقت ان کو معلوم ہو جائے گی۔ اور نشانی دیکھتے ہیں تو ہر وقت دیکھ سکتے ہیں۔ زمین کی جڑی بوٹیوں کو دیکھیں کہ کس صناع نے کس حکمت سے پیدا کیں ہیں؟ اس جڑی بوٹیوں کے اگانے میں چند نمونہ قدرت ہیں اول یہ کہ جس طرح ہر سال جڑی بوٹیاں برسات میں پیدا ہو جاتی ہیں اور موسم خزاں میں ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ دوسرے سال پھر وہی اسی طرح سے برآمد ہوتی ہیں اس میں حشر اور قیامت اور انسانی بقاء کا پورا نمونہ ہے۔ دوم جب عالم حسی میں اس کا ایک بار نہیں بلکہ بار بار یہ فضل ہے کہ وہ آسمانی پانی سے حیوانات بالخصوص انسان کے لیے کیا کیا مفید چیزیں پیدا کرتا ہے تو پھر وہ رحیم و کریم اس کی دوسری حیات کے لیے ابر رحمت یعنی نبوت کے فیض سے کیوں محروم کرتا مگر اکثر جاہل ان باتوں پر ایمان نہیں لانے والے۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾
قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ
فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ
فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا
وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ
فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ
اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا
تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ
اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ
اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى
عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور جبکہ آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ تم ظالم قوم کے پاس جاؤ۔ فرعون کی قوم پاس ڈرتے وہ کیوں نہیں۔ موسیٰ نے عرض کیا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں اور میرا سینہ تنگ ہو جائے اور میری زبان نہ چلے پس ہارون کو پیغام دو اور مجھ پر ان کا ایک گناہ بھی ہے سو مجھے ڈر ہے کہ مار نہ ڈالیں۔ فرمایا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ پس تم دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ فرعون نے کہا کیا تھے کو ہم نے اپنے گھر میں بچہ سے نہیں پالا اور تو نے ہم میں اپنی عمر برسوں بھی گزاری ہے۔ اور تو اپنی وہ حرکت کہ جو تو نے کی تھی کر چکا ہے۔ حالانکہ تو ان کا برسوں بس سے ہے۔ موسیٰ نے کہا جبکہ میں نے وہ کام کیا تھا تو میں بے خبر تھا پس میں تم سے تمہارے ڈر کے مارے بھاگ نکلا۔ تب مجھ کو میرے رب نے دانائی عطا کی اور مجھ کو رسول بنایا۔ اور کیا یہ بھی کوئی احسان ہے کہ جس کو تو مجھ پر جتلاتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ فرعون نے کہا رب العالمین کیا چیز ہے؟ موسیٰ نے کہا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی سب چیزوں کا رب ہے۔ اگر تم کو یقین آوے۔ فرعون نے ان (درباریوں) سے جو اس کے ارد گرد تھے کہا کہ تم موسیٰ کی باتیں سنتے ہو۔ موسیٰ نے کہا وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے۔ فرعون نے کہا بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے کہا مشرق و مغرب کا رب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔ فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا اور کوئی معبود قرار دیا تو تجھے قید ہی میں تو ڈال دوں گا۔ موسیٰ نے کہا اور جو تیرے پاس کھلی ہوئی بات لایا ہوں۔ (تو بھی) فرعون نے کہا اگر تو سچا ہے تو اس کو پیش کر۔ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ فوراً ایک بڑا اژدہا بن کر ظاہر ہو گیا اور اپنا ہاتھ نکالا تو فوراً وہ ناظرین کو چمکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰى الخ اب یہاں سے انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ عبرت انگیز شروع ہوتے ہیں (۱) یہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جس میں ان کا فرعون کے پاس جانا اور خدا کا پیغام پہنچانا اور طرح طرح کے معجزات دکھانا اور اس کا نہ ماننا اور انجام کار دریائے قلزم میں مع لشکر غرق ہونا مذکور ہے۔

تفسیر: وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فرعون کے گھر جب موسیٰ علیہ السلام تھے اور ان کے فرزندوں کی طرح پرورش پاتے تھے ایک بار فرعون کی ڈاڑھی پکڑ لی۔

جس پر خفا ہو کر اس نے قتل کا حکم دیا اس کی بیوی نے سفارش کی کہ نادان بچہ ہے اس کے نزدیک آگ اور جواہرات برابر ہیں دونوں لا کر سامنے رکھے گئے تو آگ موتیہ تمیز ڈال لی تھی جنب سے لکنت زبان پر تھی۔ بعض کہتے ہیں یوں ہی قدرتی طور پر لکنت تھی۔ بعض کہتے ہیں اس جملہ سے لکنت ثابت کرنا بے فائدہ ہے کس لیے کہ مراد یہ ہے کہ میں گویا نہیں ہوں مزاج میں غصہ زیادہ تھا عذر کر دیا کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے میرا سینہ تنگ ہوگا زبان نہ چلے گی۔ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ یہ گناہ قبطی کو مکا مار کر مار ڈالنا ہے۔ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا کیا تو ہم میں لڑکپن سے ایک عمر تک نہیں پلا رہا۔ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ اور تو نے وہ کام کیا جو کیا یعنی قبطی کو جو ہماری قوم کا تھا مار ڈالا۔ یہ فرعون نے بطور طعن کے کہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کر لیا کہ بے شک ایسا کام نادانستگی سے سرزد ہو گیا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ کے یہی معنی کہ مجھے طریقہ فہمایش اس وقت نہ معلوم تھا نہ یہ کہ میں دراصل گمراہ بت پرست تھا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہ ہم دونوں بھائی رب العالمین کے رسول ہیں۔ مصر کے لوگ اور فرعون بھی بت پرست تھے ستاروں اور دیگر علویات کے بت بنا کر پوجا کرتے تھے اور نیز وہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو رب یعنی لوگوں کا پرورش کرنے والا سمجھتا تھا جیسا کہ ہندو راجہ کو ان داتا یعنی رزق دہندہ کہا کرتے ہیں۔ اس لفظ سے چونکا جیسا کہ مشرکین کہ رحمان کے لفظ سے چونکے تھے۔ اس لیے پوچھا مَا رَبُّ الْعَالَمِينَ کہ کیا ہے رب العالمین؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے سب کا رب فرعون نے تعجب سے درباریوں سے کہا سنتے ہو یہ کیا کہتا ہے یعنی ایک شخص ایسا ہو سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کا رب ہو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر تھا موسیٰ علیہ السلام نے کہا بلکہ تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب۔ اس پر اس کو تاب نہ رہی کہہ دیا یہ دیوانہ ہے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اور ترقی کی کہ مشرق اور مغرب کے لوگوں کا رب تمہارے باپ دادا کی کیا خصوصیت ہے اگر تمہیں عقل ہے سمجھو یعنی میں دیوانہ نہیں ہوں تم احمق ہو۔ اس پر فرعون نے کہہ دیا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو رب بنایا تو مقرر تجھے قید خانہ میں ڈال دوں گا۔ فرعون کا قید خانہ بھی معاذ اللہ براقید خانہ تھا کسی کنوئیں میں قیدیوں کو ڈال دیا کرتے تھے اوپر سے منہ بند کر دیتے تھے جیسا کہ ہندو راجاؤں کے عہد میں دستور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر میں تجھے کوئی نشانی اپنی صداقت کی دکھاؤں تب بھی تو مجھے قید میں ڈالے گا۔ اس نے کہا وہ نشانی دکھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ کو بغل میں سے نکالا تو آفتاب کی طرح چمکتا ہوا نکلا۔ ید بیضا پھر عصا یعنی اپنے ہاتھ کی لکڑی کو ڈالا تو اس کے دربار میں سانپ بن کر لہرانے لگا۔ فرعون اور درباری ڈر کے مارے بھاگ اٹھے اس کی خدائی کی قلعی تو وہیں کھل گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا پھر وہی لکڑی ہو گئی۔ بدنصیب یہ معجزے دیکھ کر ایمان تو نہ لایا کہہ دیا کہ یہ بڑا جادوگر ہے اس کے زور سے تمہارا ملک لینا چاہتا ہے۔ فرعونیوں کے عہد میں جادو اور طلسم کا بڑا زور تھا چنانچہ اس عہد کے یادگار مسلمانوں کے ابتداءِ عہد تک موجود تھے جن کو اہل اسلام کے مؤرخین نے نقل کیا ہے دیکھو تاریخ مصر۔

قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُم
بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٣٦﴾
يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٣٨﴾
وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ

الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ
الْغَالِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم
تُلْقُونَ ﴿٤٣﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ
الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ
سَاجِدِينَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٤٨﴾ قَالَ
آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ
فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ
أَجْمَعِينَ ﴿٤٩﴾ قَالُوا لَا ضَيْرَ ۖ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا
رَبُّنَا خَطَايَانَا أَن كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾

فرعون نے اپنے درباریوں سے جو اس کے پاس تھے کہا کہ بے شک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے تم کو اپنے جادو کے زور سے تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے پھر تم کیا رائے دیتے ہو؟ وہ بولے اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ آپ پاس بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو حاضر کریں۔ پس سب جادوگر ایک دن معین پر جمع کیے گئے اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم بھی اکٹھے ہوتے ہو۔ شاید کہ ہم جادوگروں کے متبع ہو جاویں اگر وہی غالب رہے۔ پھر جب جادوگر آئے تو فرعون سے کہا بھلا ہم کو کچھ انعام بھی ہے اگر ہم ہی غالب آجاویں۔ اس نے کہا ہاں بے شک جب تو تم مقربوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ ان سے موسیٰ نے کہا کہ ڈالو کیا ڈالتے ہو۔ پھر انہوں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں ڈال دیں اور کہنے لگے فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے بھی اپنا عصا ڈال دیا پھر تو وہ فوراً (ان کے ان شعبدوں کو جو بنا رہے تھے) لقمہ کرنے لگا۔ پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لائے موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔ فرعون نے کہا کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے؟ بے شک یہ تمہارا استاد ہے کہ جس نے تم کو جادو سکھایا ہے تم کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ میں تمہارا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹوائے ڈالتا ہوں اور تم سب کو سولی پر چڑھائے دیتا ہوں۔ وہ بولے کچھ مضائقہ نہیں ہم کو تو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو معاف کر دے گا اس سبب سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے۔

درباریوں نے صلاح دی کہ آپ بھی اپنے ملک میں سے نامور جادوگر ایک روز معین میں جمع کر کے اس کو عاجز کر دیجئے اور عید یا کوئی فرعونیوں کا میلہ ہوتا تھا جس میں سب لوگ شریک ہوتے تھے وہ روز قرار پایا تا کہ سب لوگ موسیٰ علیہ السلام کا عجز ملاحظہ کریں۔ چنانچہ اس روز وہ سب جادوگر اور طلسم کار آئے اور ایک میدان میں فرعون اور اس کے امراء اور عام لوگ جمع ہوئے۔ وہاں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام بھی تشریف لائے مقابلہ کی ٹھیری۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ڈالو کیا ڈالتے ہو یعنی پہلے تم کچھ دکھاؤ انہوں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں زمین پر ڈالیں۔ لوگوں کو سانپ بن کر پھرتی ہوئیں نظر آنے لگیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا وہ اژدہا بن گیا سب کو کھا گیا۔ فرعون کے جادوگروں کو معلوم ہو گیا کہ یہ کام سحر کی طاقت سے باہر

ہے یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا نشان ہے فوراً ایمان لائے اور وہیں سجدے میں گر پڑے۔ فرعون بڑا خفا ہوا اور کہا میرے حکم سے پیشتر تم کیوں ایمان لائے۔ یہ موسیٰ تمہارا استاد معلوم ہوتا ہے تمہاری باہم سازش پائی جاتی ہے تم کو اب سزا دیتا ہوں کہ ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں کٹوا کر دار پر چڑھاتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں دنیا کی تکلیف چند ساعت کی ہے گزر جاوے گی آخر ہم اپنے اللہ کے پاس جائیں گے ہم کو امید ہے کہ وہ ہمیں بخش دے گا کس لیے کہ سب سے پہلے ہم موسیٰ پر اور اس کے رب پر ایمان لائے۔ چنانچہ فرعون نے ایسا ہی کیا۔ رب العالمین کے بعد رب موسیٰ و ہارون اس لیے کہا کہ فرعون بھی اپنے آپ کو رب سمجھتا تھا لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اس وقت تک فرعونی جادوگروں کو بھی مذہبی امور میں قابلِ اتباع نہ جانتے تھے اگر وہ غالب آ گئے تو ہمیشہ ان کے کہنے پر چلا کریں گے سحرہ سے موسیٰ اور ہارون مراد نہیں ہو سکتے اول تو سحرہ جمع ساحر ہے جس سے مراد بہت سے دوم لفظ لعل یہ آرزو کرنا ان کی حالت کے خلاف ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي
الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾
وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ
وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ
مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ
مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ
فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَ اَنْجَيْنَا
مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

اور موسیٰ کو ہم نے حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے نکل جاؤ کیونکہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ سو وہ نکلے پھر فرعون نے بھی شہروں میں ہرکارے دوڑوائے کہ یہ ایک تھوڑی سی جماعت ہے اور یہ ہمارے بڑے دشمن ہیں اور ہم سب ان سے خطرہ رکھتے ہیں۔ پس ہم نے فرعونیوں کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مقام سے نکال باہر کر دیا۔ یوں کیا اور ان چیزوں کا بنی اسرائیل کو وارث[1] کر دیا۔ پھر فرعونیوں نے ان کو دن نکلتے ہی آ لیا۔ پھر جب دونوں جماعتیں مقابل

[1] ان چیزوں کا یعنی باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں کا شام میں لا کر بنی اسرائیل کو مالک کر دیا ان چیزوں کے مالک کرنے سے یہ مراد نہیں کہ انہیں فرعونیوں کے باغوں کا مالک بنا دیا کس لیے کہ بنی اسرائیل کے بعد بھی فرعونیوں کی سلطنت ملکِ مصر پر قائم رہی ہے۔ کوئی بنی اسرائیل مصر کا بادشاہ نہیں ہوا خصوصاً وہ اسرائیل جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے وہ تو برسوں تیہ میں ٹکراتے پھرے ہیں جہاں من وسلویٰ اترا اور کیا کیا احکام فرض ہوئے اور کیا کیا واقعات گزرے جس نے خاص وہی فرعونی باغ سمجھ کر قرآن پر دروغ بیانی اور تاریخی واقعات کے خلاف ہونے کا الزام لگایا ہے یہ اس کی غلط فہمی ہے اور جو کوئی ہمارا مفسر اس طرف گیا ہے تو یہ اس کی ناواقفیت۔ حقانی

ہوئیں تو موسیٰ کے لوگ کہنے لگے ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے۔ وہ مجھے ابھی راہ بتلائے دیتا ہے۔ پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو دریا پر مار (موسیٰ نے عصا مارا) سو دریا پھٹ گیا۔ اور پانی کا ہر ایک ٹکڑا ایسا ہو گیا جیسا کہ اونچا ٹیلا اور اس مقام پر ہم دوسروں (فرعونیوں) کو لے آئے (اور لا کر ڈبو دیا) اور ہم نے موسیٰ اور اس کے سب ساتھیوں کو بچا لیا۔ اور ان دوسروں کو غرق کر دیا۔ البتہ اس میں ایک (بڑی) نشانی ہے اور ان میں سے اکثر تو مانتے بھی نہ تھے۔ اور البتہ آپ کا رب تو زبردست[1] رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى باقی تمام قصہ کو حذف کر کے جو موسیٰ کی سرگزشت مصر سے تعلق رکھتا تھا صرف بنی اسرائیل کے مصر سے جانے کا تذکرہ شروع فرمایا کیونکہ نشانی قدرت کاملہ اور ان کے کفر و انکار کا نتیجہ ظاہر کرنا مقصود مقام تھا۔ موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میرے بندوں کو یعنی بنی اسرائیل کو رات میں لے نکل۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مع زن و فرزند کسی عید کے بہانہ سے باجازت فرعون لے نکلے اور اسرائیلیوں نے فرعونیوں سے عید کے بہانہ سے زیورات بھی مستعار لیے تھے جب یہ سب نکل گئے تو فرعون کو خبر ملی کہ وہ نکل کر ملک شام میں جاتے ہیں۔ فرعون نے جا بجا ہرکارے بھیج دیے کہ لوگ کمک کو آویں اور کچھ خوف نہ کریں کیونکہ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ یہ تھوڑے لوگ ہیں اور انہوں نے ہم کو ناخوش کیا ہے ایک تو ہماری حکومت سے نکلے جاتے ہیں دوسرے ہمارے زیورات لے گئے۔ محض بطور احتیاط ہم کو بلا بھیجا ہے کہ مدد کو آؤ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ کہ ہم کو ان سے خطرہ ہے۔

پس فرعون اور اس کے ساتھ بہت سے لوگ ان کے تعاقب میں نکلے اور صبح دن نکلتے ہوئے اسرائیلیوں کو دریائے قلزم کے قریب آ لیا۔ بنی اسرائیل ان کو دیکھ کر ڈر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ دریا پر اپنا عصا مار اس کے مارنے سے دریا پھٹ گیا اور پانی کی باڑ پہاڑ کی طرح سے دونوں طرف کھڑی ہو گئی۔ بنی اسرائیل خشک زمین پر سلامت نکل گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے ہی راستہ سے جب وہ یہاں آئے تو دریا باہم مل گیا وہ سب ڈوب کر مر گئے۔ یہ ایک اللہ کی طرف کی بڑی نشانی ہے لیکن وہ اکثر نہیں مانتے۔ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اس مقام پر اکثر لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے کہ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ہا کی ضمیر کو فرعونیوں کے خاص جنات وعیون و کنوز و مقام کریم کی طرف پھرایا ہے اور اس کی تفسیر میں کہہ دیا ہے کہ فرعونیوں کے غرق ہونے کے بعد ان کے باغوں اور عمدہ مقامات کے بنی اسرائیل پھر لوٹ کر آ کر مالک ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہوئی کس لیے کہ تمام اہل تاریخ اس پر متفق ہیں کہ دریائے قلزم کو عبور کر کے بنی اسرائیل چالیس برس تک تیہ میں ٹکراتے پھرے مصر میں واپس نہ آئے اور نیز اس فرعون کے بعد دوسرا فرعون تختِ مصر پر بیٹھا ہے۔ ان کی سلطنت کا خاتمہ بابل کے بادشاہ کے ہاتھ سے سینکڑوں برس بعد ہوا۔ صحیح توجیہ جیسا کہ بیضاوی فرماتے ہیں یہ ہے او مثل ذلک المقام الذی کان لھم علی انہ صفۃ مقام اس تقدیر پر معنی صاف ہو گئے کہ ایسے مقامات کا ہم نے بنی اسرائیل کو وارث یعنی مالک کر دیا یعنی ملک شام اور فلسطین میں ان کو بھی ہم نے ویسے ہی عمدہ مقامات اور باغ اور چشمے اور خزانے نخلستان کے جیسا کہ فرعونیوں کے پاس تھے اور ان سے نکال کر ہم نے ان کو دریائے قلزم میں غرق کیا۔ خلاصہ یہ کہ ان عمدہ مقامات سے ان کو نکالا اور ایسے عمدہ مقامات بنی اسرائیل کو عطا کیے اور سورہ دخان میں بھی ایسا ہی آیا ہے كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا

[1] زبردست ایسا کہ فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا رحیم ایسا کہ بچارے بنی اسرائیل کو بچا لیا یا یہ کہ زبردست ہے سزا دینے پر آئے تو کوئی بچ نہیں سکتا مگر رحیم بھی ہے کہ فی الفور سزا نہیں دیتا درگزر کر جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

فَتَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾
قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾
اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ
خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ
يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ
يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ
صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ
اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا
بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾
وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ
يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ
اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾
اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ
شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

اور ان کو ابراہیم کا حال بھی پڑھ سناؤ جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کو پوجا کرتے ہو۔ انہوں نے یہ کہا بتوں کو پوجتے ہیں۔ سو انہی کے گرد رہا کرتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں جبکہ تم پکارتے ہو یا تم کو کچھ نفع یا نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا (کچھ نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے ابراہیم نے کہا تم کو خبر کچھ بھی ہے کہ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا جس کو تم پوجتے تھے وہ تو سب میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین (کہ وہ بڑا زبردست ہے) وہ کہ جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر مجھ کو رہنمائی کیا کرتا ہے اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو مجھے شفا

دیتا ہے اور وہ جو مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔ اور وہ کہ جس سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے گناہ معاف کرے گا۔ اے رب! مجھے حکمت عطا کر اور مجھے نیکوں میں ملا دے اور آئندہ آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھیو۔ اور مجھ کو جنت النعیم کے وارثوں میں سے کر دے اور میرے باپ کو بھی بخش دے کیونکہ وہ گمراہوں میں سے تھا اور مجھ کو جی اٹھنے کے دن رسوا نہ کرنا جس دن کہ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد مگر اس کو کہ جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا اور اس دن پرہیزگاروں کے لیے جنت قریب لائی جائے گی اور جہنم سرکشوں کے لیے ظاہر کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے۔ (اب) کیا تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا بدلہ لے سکتے ہیں۔ پھر وہ بھی[1] اور گمراہ لوگ بھی اور سب شیطانی لشکر جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے وہ وہاں باہم جھگڑتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ کی قسم! ضرور ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ (اے جھوٹے معبودو!) تم کو ہم رب العالمین کے برابر کیا کرتے تھے اور ہم کو کسی نے گمراہ نہیں کیا تھا مگر ان بدکاروں نے پھر نہ ہمارا کوئی شفاعت کرنے والا ہے اور نہ کوئی دوست غمگسار ہے۔ کاش ایک بار پھر ہمیں دنیا میں جانا ملے۔ تو ہم ضرور ایمان والوں میں شامل ہو جاویں البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں اور بے شک آپ کا رب زبردست اور رحم کرنے والا ہے۔

ترکیب : کذالك منصوب بہ یفعلون فانهم عدو لی انما افرد والقیاس اعداء لانا العدو جنس یطلق علی الواحد والکثیر ، المراد وعداوۃ الا رب العلمین استثناء جنس اور غیر جنس دونوں سے ہوسکتا ہے الذی مبتدا فھو مبتدا ، خان یھدین اس کی خبر اور جملہ الذی کی خبر اور بعد کے فعل پہلے کی صفات ہیں اور صفات میں واؤ کا داخل کرنا جائز ہے یوم لاینفع بدل ہے اول یوم سے الامن استثناء متصل اور غیر متصل بھی ہوسکتا ہے۔

تفسیر : وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ الخ (۲) قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس میں حضرت ﷺ کو کامل تسلی دی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ اور ان کی تمام قوم بھی گمراہی میں مبتلا تھی بت پرست تھے پھر ابراہیم علیہ السلام کو اپنے باپ کے جہنمی ہونے کا کیا کچھ کم غم تھا مگر یہ دعا کرنے کے اور کچھ نہ کر سکے۔ پھر آپ کیوں اے نبی! اس قدر غم کرتے ہیں؟ اور جب ابراہیم کے ساتھ ان بت پرستوں نے نہ صرف مقابلہ ہی کیا بلکہ آگ میں ڈالا اور وہاں سے سلامت آنے پر بھی دیس چھوڑنا پڑا۔ پس آپ پر یہ مصائب کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں جنت النعیم میں جانا اور قیامت کی رسوائی سے پناہ میں رہنا ذکر کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ اور مرنے کے بعد دوسری زندگانی کے اے قریش مکہ تمہارے جد امجد ابراہیم علیہ السلام بھی معتقد تھے اس میں میں نے کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد اس مناسبت سے مسئلہ معاد یعنی حشر کی کیفیت بھی بیان فرمائی کہ اس روز جہنم بدکاروں کے جنت ابرار کے سامنے لائی جائے گی اس کا مال اور زر اولاد کام نہ آئے گی مگر ان کے کہ جو خدا کے پاس کفر و معصیت حب شہوات سے پاک دل لے کر آیا ہوگا اس کی اولاد نیک کے اعمال صالحہ جو اس کی ہدایت کا نتیجہ ہیں اور اس طرح جو مال اس نے اللہ کی راہ میں صرف کیا ہے اس کے کام آئے گا اور اس روز بت پرستوں سے پوچھا جائے گا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ پھر کیا آج وہ تمہارے معبود کچھ تم کو نفع یا نقصان دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد دوزخی اور ان کے وہ معبود خبیث یہی ارواح خبیثہ و شیاطین سب کے سب جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔

اور جہنم میں آپس میں لڑیں گے اور مشرکین کہیں گے ہم بڑے سخت گمراہ تھے جو تم کو رب العالمین کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ ہائے آج ہمارا کوئی سفارشی ہے نہ حمایتی' کاش دوبارہ دنیا میں جانے کی اجازت ملے تو ہم بھی ایمان لائیں۔ ایمان کے نتائج کا مشاہدہ ہو گیا۔

واتل علیھم نبا ابراھیم اذ قال لابیہ وقومہ ما تعبدون گو حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ بتوں کو پوجتے ہیں لیکن سوال اس غرض سے کیا تھا کہ ان کے بتوں کی کمزوری ثابت کریں تاکہ ان کو شرمندگی حاصل ہو اور پھر یہ ان کی پرستش چھوڑ دیں مگر وہ تو ایسے پختہ تھے کہ نعبد اصناما کہنے پر بس نہ کیا

---

[1] یعنی معبود اور ان کے پوجنے والے گمراہ لوگ اور ان کو بہکانے والے شیاطین سب کے سب جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔ ۱۲ منہ

بلکہ فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ بھی کہہ دیا کہ ہم نہ صرف ان کی پرستش ہی کیا کرتے ہیں بلکہ ہم دن بھر ان کے گرد رہا کرتے ہیں (والمعکوف الاقامة علی الشیء وانما قالوا نظل لانهم کانوا یعبدونها بالنهار دون اللیل۔ کبیر) ان کو بت پرستی پر تفاخر تھا اور اس کی وہ مسرت ظاہر کرنا چاہتے تھے (اللہ رے گمراہی!)

ابراہیم علیہ السلام کی قوم بابل اور اس کے اطراف میں تھی وہ لوگ مذہب صابی رکھتے تھے جو ستاروں اور دیگر نورانی اور آسمانی چیزوں کی پرستش کیا کرتے تھے پھر ان معبودوں کے نام سے طرح طرح کی مورتیں بنا رکھی تھیں۔ تخمیناً پچاس سال ہوئے ہوں گے کہ شہر نینوی کے بعض تودوں کو فرانس کی ایک جماعت نے بحکم حضرت سلطان عجائب قدیمہ دریافت کرنے کی غرض سے کھدوایا تو بہت نیچے سے سنگ مرمر کی ایک عجیب وغریب مکان برآمد ہوا جس کی دیواروں پر ہر طرف عجائب مورتیں ترشی ہوئی تھیں اور پھر اس کے صدر مقام میں ایک بہت بڑا بیل سنگ مرمر کا تھا جس کے پاؤں ہاتھی کے اور بازوؤں پر عقاب کے سے پر اور اس کی صورت انسان کی تھی دو قد آدم اونچا تھا جس کو اکابر فرانس کے عجائب خانہ میں رکھا گیا اور دیواروں پر کچھ کتبہ بھی تھا جو آج تک کسی سے پڑھا نہیں گیا۔ غالباً یہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا بت تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر ان سے دریافت کیا هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ کہ بھلا جب تم ان کو پکارتے ہو کچھ تمہاری بات بھی سنتے ہیں یا تم کو کچھ نفع ونقصان بھی دیتے ہیں؟ اس کا وہ کیا جواب دیتے بجز اس کہنے کے کہ بل وجدنا اٰباءنا کذٰلک یَفْعَلُوْنَ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے ان کی تقلید ہم کرتے ہیں ایسی تقلید حرام ہے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ۔ اب تم کو معلوم ہو گیا کہ تم اور تمہارے باپ دادا کس بے حقیقت چیز کی عبادت کیا کرتے تھے۔ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ یہ سب میرے دشمن ہیں یعنی مجھے ان سے نفرت اور عداوت ہے مگر رب العالمین سے نہیں۔ اس کے بعد رب العالمین کے چند اوصاف ذکر کرتے ہیں جن سے ان کو اس کی طرف رغبت پیدا ہو۔ پس فرمایا الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ وہ کہ جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھ کو راہِ راست کی طرف رہنمائی کیا کرتا ہے وَالَّذِیْ هُوَ يُطْعِمُنِیْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ کہ صرف یہی نہیں کہ پیدا کر کے ہی اس نے چھوڑ دیا پھر اس سے کچھ کام نہیں پڑتا بلکہ جس طرح ابتداء میں اس کی طرف حاجت تھی حال میں بھی ادنیٰ اور اعلیٰ حاجت اسی سے وابستہ ہے يُطْعِمُنِیْ وَيَسْقِيْنِ سے چھوٹی باتوں کی طرف وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ سے امورِ عظام کی طرف ایماء گیا۔ وَالَّذِیْ يُمِيْتُنِیْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِیْ خَطِيْٓـَٔتِیْ يَوْمَ الدِّيْنِ زندگی دنیا کے بعد بھی اس سے تعلق ہے وہی موت دے گا پھر قیامت کو دوبارہ وہی زندہ کرے گا۔ اسی سے مجھے گناہوں کی معافی کی امید ہے (ہر چند حضرت ابراہیم علیہ السلام گنہگار نہ تھے مگر خاصانِ خدا بمقام عبدیت اپنی ذرا ذرا سی فروگذاشت کو بھی بہت بڑا گناہ سمجھا کرتے ہیں) یعنی تمہارے بت بیکار اور میرا معبود یہ یہ کیا کرتا ہے اب دیکھو کون قابلِ پرستش ہے یہ سب ان پر تعریض ہے اس کے بعد جو دار آخرت اور دنیا کی بہبودی کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی اس کو نقل کرتا ہے رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِيْنَ حکم سے مراد کمال قوتِ مدرکہ کا کہ جس سے ادراکِ حق حاصل ہو وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِيْنَ سے مراد کمال قوتِ عملیہ کا کہ جس سے خیر کو عمل میں لاوے۔ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِيْنَ اور مرنے کے بعد دنیا میں میرا سچائی اور ذکرِ خیر کے ساتھ تذکرہ باقی رہے یعنی توحید کا طریقہ جو مجھے نصیب ہوا ہے میرے بعد میں بھی رہے کہ وہ اس سبب سے مجھے ذکرِ خیر سے یاد کیا کریں جو اوروں کے لیے توحید کی طرف رغبت کا باعث ہو وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ اور مجھ کو جنتِ نعیم کا وارث کیجیو یہ سعادتِ آخرت کی دعا تھی جب سعادتِ دنیا و آخرت کے سوال سے فارغ ہوئے تو باپ کے لیے بھی دعا کی کیونکہ وعدہ کر چکے تھے اور نیز اپنے حقداروں کو نعمت میں شریک کرنا عالی حوصلوں کا کام ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب دعائیں قبول ہوئیں مگر باپ کے حق میں نہ قبول ہوئی۔ عبرت کا مقام ہے خدا کی بے نیازی سے ڈرنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کہ قیامت کے روز مجھ سے کوئی باز پرس بھی نہ کرنا پھر اس کے بعد قیامت کا حال شروع کر دیا کہ اس روز نہ مال کام آئے گا نہ اولاد نفع دے گی مگر قلبِ سلیم کہ جس میں توحید و اخلاص ہو پھر۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّیْ
لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ
اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ
لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ
حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ النصف
رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِیْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ
الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾

نوح کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے۔ میں تو تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت بھی تو نہیں مانگتا۔ میری مزدوری تو اللہ ہی پر ہے جو تمام جہان کا رب ہے۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ قوم نے کہا کیا ہم تجھے مانیں اور تیرے تابع تو کمینے لوگ ہو گئے ہیں۔ نوح نے کہا اور مجھے کیا خبر کہ وہ کیا کرتے تھے ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے اے کاش! تمہیں اس کا شعور ہوتا۔ میں تو ایمان داروں کو اپنے پاس سے کھدیڑنے کا نہیں۔ میں تو بس کھول کر ڈرسنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور سنگسار کیا جائے گا۔ نوح نے دعا کی اے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا پس تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ ہی کر دے اور مجھ کو اور میرے ساتھ جو ایماندار ہیں ان کو نجات دے۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو بھی جو بھری کشتی میں تھے بچا لیا۔ پھر بعد میں اور باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ماننے والے ہی نہ تھے اور البتہ آپ کا رب زبردست مہربان ہے۔

ترکیب: اَتَّبَعَكَ جملہ حال ہے ضمیر نؤمن سے اَرْذَلُوْنَ جمع ارذل بمعنی ذلیل مَا عِلْمِیْ ظاہر میں ما استفہامیہ سے محل رفع میں بسبب مبتدا ہونے کے وعلمی اس کی خبر اور ممکن ہے کہ نافیہ ہو ہما کی ب دونوں تقدیر پر علمی سے متعلق ہے دوسری تقدیر پر خبر کو مضمر ماننا پڑے گا بعد بل بعد انجالہ۔

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا عبرتناک قصہ بیان فرماتا ہے۔ اگرچہ سورہ اعراف وسورہ

ہود میں یہ قصہ مشرحاً بیان ہو چکا ہے لیکن چونکہ اسلوب قرآن مؤرخانہ نہیں کہ جن کے نزدیک مکرر بیان کرنا عیب ہے بلکہ واعظانہ کہ جن کے نزدیک عبرتناک قصوں کو بمقتضائے مقام وحالات قوم مکرر بیان فرمانا عین حکمت ہے۔ خصوصاً نئے نئے اسلوب سے اس لیے اس کا یہاں اعادہ کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو برس تک ان میں وعظ و پند فرمانا اور پھر ان کا ہدایت پر نہ آنا آنحضرت ﷺ کے لیے کامل تسلی اور ان کے اخیر نتیجہ غرق ہونے سے حضرت ﷺ کے ہم وطنوں سرکش قریش کو کامل تہدید ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ الْمُرْسَلِينَ اگرچہ قوم نوح کے صرف نوح علیہ السلام رسول تھے مگر جبکہ ان کو جھٹلایا تو سب نبیوں کو جھٹلایا کیونکہ دین کی باتوں میں سب ایک زبان تھے ایک کی تکذیب سب کی تکذیب۔ اس لیے المرسلین جمع کا صیغہ آیا کہ ان کے فعل بد کی پوری شناعت اور کامل قباحت ظاہر ہو جائے اور اس لیے بعد کے قصوں میں یہی صیغہ استعمال ہوا ہے اخوھم نوح ان کے بھائی تھے کیونکہ ایک قوم کے تھے۔ نوح علیہ السلام نے اولاً یہی فرمایا الا تتقون کہ کیوں نہیں خدا سے ڈرتے جو بت پرستی کرتے ہو قوم نوح میں بھی بت پرستی کا رواج تھا۔ یہ ان کا وصف تھا اب اپنی حالت ذکر کرتا ہے انی لکم رسول کہ میں تمہارے لیے خدا کی طرف سے پیغام لے کر آیا ہوں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اور میں امانت دار بھی ہوں یعنی اس پیغام رسالتی میں کچھ کمی زیادتی نہیں کرتا ہوں جب یہ ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ اللہ سے ڈرو کہ اس کے احکام کی مخالفت کرنا اور میرا کہا نہ ماننا وَمَا اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ میں تم سے اس پر کچھ مانگتا نہیں یعنی بے غرض ہوں کیونکہ غرض مند کی بات میں دغدغہ ہوتا ہے۔ البتہ مزدوری تو میری ہے مگر تم پر نہیں رب العالمین پر ہے۔ پھر اسی کلمہ کا اعادہ کیا تاکید کے لیے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ ان سب باتوں کے بعد ان بدبختوں نے یہ عذر کیا اَنُؤْمِنُ لَكَ الخ کہ ہم تجھ پر کیونکر ایمان لائیں تجھ پر تو پاجی لوگ ایمان لائے ہیں جو احمق اور بدعقل ہوتے ہیں اور کوئی دنیاوی لالچ ان کا مقصود ہوتا ہے یعنی دل سے نہیں۔ نوح علیہ السلام پر غریب غربا لوگ ایمان لے آئے تھے اور ہمیشہ ہر کار میں یہی پیشقدمی کیا کرتے ہیں کیونکہ راہ حق میں مانع جاہ و حشم دنیاوی ہے۔ سو یہ ان کے ہاں نہیں ہوتا اس لیے نوح نے فرمایا وما علمی الخ کہ ان کی حقیقت حال سے اللہ آگاہ ہے مجھے ان کے باطن سے کیا کام بظاہر مومن ہیں مومنوں کو دور نہ کروں گا آخر کار نہ مانا غرق ہوئے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ هُودٌ اَلَا تَتَّقُونَ ۝ اِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ ۝ وَمَا اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ اَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ اٰيَةً تَعْبَثُونَ ۝ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِي اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَعُيُونٍ ۝ اِنِّي اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوٰعِظِينَ ۝ اِنْ هٰذَا اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِينَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۗ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

مُؤْمِنِينَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ ع

(اسی طرح) قوم عاد نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کہ تم (اللہ سے) کیوں نہیں ڈرتے۔ البتہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول (ہو کر) آیا پس اللہ ہی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ مزدوری بھی تو نہیں مانگتا۔ میری مزدوری تو رب العالمین پر ہے۔ کیا تم ہر ایک نیلے پر کھیلنے کے لیے بلند عمارت بناتے ہو اور صنعت کے محل تیار کرتے ہو؟ (اس خیال سے کہ) تم ہمیشہ رہو گے اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو جبار بن کر پنجہ مارتے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور اس خدا سے ڈرو کہ جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی ہے کہ جن کو تم بھی جانتے ہو۔ تمہاری چارپایوں اور اولاد اور باغوں اور چشموں سے مدد کی ہے۔ میں تم پر ایک بڑے سخت روز کے عذاب (آجانے) کا اندیشہ کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا تو نصیحت کریا نہ کر ہم کو تو سب برابر ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں مگر اگلوں کی عادت[1] ہے اور ہم کو تو عذاب ہونا نہیں سو وہ (ہود کو) جھٹلا کر رہے پھر تو ہم نے بھی ان کو ہلاک ہی کر دیا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے بہت سے تو ایمان لانے والے بھی نہ تھے۔ اور البتہ آپ کا رب زبردست مہربان ہے۔

تفسیر : یہ حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ ہے اس کے شروع میں بھی وہی الفاظ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے ابتداء میں تھے اس لیے ان کی تفسیر کی بار دیگر ہم کوئی ضرورت نہیں سمجھتے۔ صرف ان کلمات کی تفسیر کی جاتی ہے جو حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے دعوت میں فرمائے تھے اور پھر قوم نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟

قوم ہود کی عادت : (۱) اَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ اٰيَةً تَعْبَثُونَ ریع بلند جگہ آیہ نشان[2]۔ قوم عاد عرب میں ایک بڑی مالدار قوم تھی ان میں سلطنت بھی تھی ایک زمانہ تو ان کی سلطنت و شوکت کا ایسا گزرا ہے کہ مصر سے لے کر ترکستان اور ہندتک ایشیاء کے اکثر ملکوں میں انہیں کا بھریرہ ہوا میں اڑتا تھا جب مال و اقبال حد کو پہنچا تو اس کے ساتھ حرام کاری وغیرہ افعال زشت بھی حد کو پہنچے جس لیے خدا نے ان میں ہود علیہ السلام مبعوث کیے۔ منجملہ ان بے فائدہ اور نکمی باتوں کے ایک بات یہ بھی تھی کہ ان کو نام آوری اور اپنے یادگار چھوڑ کر مرنے کا از حد شوق تھا جیسا کہ مالداروں کو ہوا کرتا ہے اس لیے وہ ایک بلند پہاڑی یا ٹیلے پر اپنی یادگار کے لیے بلند منارے بناتے تھے جو ان کے متمبرے خیال کیے جاتے تھے چنانچہ مصر کے بلند منار اب تک ان کے مناروں کی نظیر دنیا میں باقی ہیں[3] چونکہ یہ عبث کام ہے اس سے دین دنیا کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے سب سے اول ہود علیہ السلام نے اسی پر اعتراض کیا کہ کیا تم ایسا کرتے ہو؟ یعنی ایسا کرنا نہ چاہیے مفسرین نے گرچہ اس کی تفسیر میں اور اور توجیہیں بھی لکھی ہیں مگر سیاق و سباق اور تاریخ کے بھی یہ توجیہ موافق ہے۔

(۲) وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ۔ مصانع پانی کے حوض۔ اور بلند محل جب مقبروں کی تعمیر میں ان کا یہ حال تھا تو مکانات کی تعمیر میں کیا کچھ اسراف نہ ہوگا؟ چنانچہ وہ عجائب غرائب بلند اور مضبوط محل بنواتے تھے اور ان کی تعمیر میں بیشمار روپیہ صرف کرتے تھے اس کو بھی بیجا خرچ اور دنیا فانی کو مقام جاودانی سمجھنے کے خیال سے منع فرمایا یعنی تم جو ایسے استحکام کرتے ہو کیا یہاں ہمیشہ رہو گے؟ دنیا چند روزہ کے لیے بقدر ضرورت مکان کافی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا یہ پہلا کام ہے کہ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا ثبوت دکھاویں۔ (۳) وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ یعنی باوجود اس حب دنیا اور حب جاہ اور علو کے غیروں سے تمہارا جابرانہ معاملہ ہے عدل و انصاف کا نہیں جیسا کہ جبار قوم کی عادت ہوتی ہے جس کو چاہا بیکار میں پکڑ لیا ذرا سا انکار کیا پیٹ ڈالا مار ڈالا کسی کا کچھ دینا ہو دھمکا دیا یا مار کر نکال دیا یا کسی کی عورت یا عمدہ چیز

---

[1] خلق الفتراء خلق عادت۔ ۱۲ منہ

[2] چنانچہ قصر عمدان جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں گرایا گیا اور دیگر آثار باقیہ اب تک ملک یمن میں اس قوم کی یادگار ہیں۔

[3] الریع بالکسر والفتح المرتفع من الارض قاموس مصانع المصنعة کالحوض تجمع فیہ ماء المطر والمصانع الجمع والقری والابانی من المقصور والحصون قاموس ۱۲

کو زبردستی چھین لیا۔ یہ باتیں بھی بربادی کا سبب ہوتی ہیں اس لیے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ اللہ سے ڈرو میرا کہنا مانو مگر پھر ان کو خواب غفلت سے مجملاً تفصیلاً بیدار کر کے عذاب الٰہی سے ڈرایا مجملاً وَاتَّقُوا الَّذِيْ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ میں پھر اس کی تفصیل کی امدکم بالعلم الخ مگر وہ کب مانتے تھے کہہ دیا آپ وعظ کریں یا نہ کریں ہم پر کچھ اثر نہ ہوگا۔ یہ پہلوں کی عادت ہے وہ ہمیشہ یوں ہی وعظ کرتے آئے ہیں پس تکذیب کی تو تمام قوم عذاب الٰہی سے غارت ہوئی۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ جَنّٰتٍ
وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ
يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾
مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ
لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

(اسی طرح) قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے امانتدار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت تو نہیں مانگتا ہوں۔ میری مزدوری تو رب العالمین پر ہے کیا تم یہاں کی نعمتوں میں امن سے چھوڑ دیے جاؤ گے؟ باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور ایسی کھجوروں میں کہ جن کے خوشہ (بوجھ کے مارے) ٹوٹے پڑتے ہیں اور کیا تم پہاڑوں میں خوشی خوشی سے گھر تراشا کرتے ہو؟ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور ان بیہودہ لوگوں کی بات پر نہ چلو۔ وہ جو ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ وہ بولے تو تو جادو کا مارا ہے۔ تو ہے کیا مگر ہم سا ہی ایک آدمی پس کوئی نشانی لے آ اگر تو سچا ہے۔ صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے اس کے پینے کا ایک دن ہے۔ اور ایک دن معین تمہارے پینے کے لیے ہے اور اس کو برائی سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم کو بڑے دن کی آفت پکڑے گی۔ سو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر تو وہ بھی پشیمان ہو کر رہ گئے۔ پس ان کو ایک آفت نے آلیا البتہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر تو ماننے والے بھی نہ تھے اور البتہ آپ کا رب تو بڑا زبردست اور مہربان ہے۔

ترکیب : اٰمِنِيْنَ حال من ضمیر تترکون فی جنات الخ بدل من فیما ھھنا باعادۃ الجار ھضیم لطیف لین تَنْحِتُوْنَ محت تراشیدن

فرہین حال۔

قوم ثمود کے عادات : یہ پانچواں قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے یہ قوم عاد کے بعد عرب کے شمالی کنارہ میں تھی۔ ان کے ہاں باغ اور کھیتی اور پانی کے جاری چشمے اور عمدہ کھجوریں پیدا ہوتی تھیں یہ ملک نہایت سرسبز اور شاداب تھا اس قوم کو بڑی فارغ البالی حاصل تھی باغوں اور کھیتوں میں عیش کیا کرتے تھے مگر بدبخت بت پرست تھے رہزنی اور غارتگری اور چوری اور دیگر فواحش میں سخت مبتلا تھے قیامت اور روز جزا کے منکر اور ان میں بیہودہ لوگ ان کے پیر تھے جن کی نسبت فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ انہیں کے کہنے پر چلتے تھے اس قوم میں خدا تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا۔ حضرت نے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ کا ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈرو میں تم میں رسول ہوں میرے کہنے پر چلو۔ آخر مرنا ہے خدا سے کام پڑے گا اس لیے فرماتے ہیں (۱) اتترکون فیما ھھنا آمنین الخ کہ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ یہاں کی ان نعمتوں باغوں کھیتوں چشموں کھجوروں میں بحالت امن رہنے پاؤ گے ہمیشہ یہیں رہو گے امن سے مزے اڑاتے رہو گے؟ آدمی جب لذات دنیا میں مستغرق ہو جاتا ہے گو وہ زبان سے نہ کہے کہ میں سدا یہاں رہوں گا مگر اس کا برتاؤ اور زبان حال یہی کہا کرتی ہے جس لیے حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو اس کام کے ساتھ مخاطب فرمایا۔ (۲) وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ کہ تم کس امنگ کے ساتھ پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو گویا ہمیشہ یہیں رہنے کا سامان کر لیا ہے اس سے مراد دنیا سے محبت اور دار القرار کی طرف رغبت دلانا تھا کس لیے کہ تمام گناہوں کی جڑ دنیا سے محبت ہے۔ (۳) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ اللہ سے ڈرو بری باتوں کو چھوڑو جو میں تم کو ارشاد کروں اس پر عمل کرو نہ کہ بدمعاشوں مفسدوں کے کہنے پر چلو۔ قوم نے جواب میں تین باتیں کہیں (۱) اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے یعنی تو دیوانہ ہے بھلا دنیا کی لذتوں کو چھوڑنا اور ایک موہوم گھر کی طرف مونہہ موڑنا کس عاقل کا کام ہے؟ (۲) اگر یہی خدا کا حکم ہے تو تجھے کس طرح سے معلوم ہو گیا اگر تو نبی ہے تو تجھ میں اور ہم میں کیا فرق ہے جیسے ہم ویسا تو۔ (۳) اگر تو سچا ہے تو کوئی معجزہ دکھا۔ چنانچہ حضرت علیہ السلام کی دعا سے معجزہ کے طور پر ایک ناقہ یعنی اونٹنی پیدا ہوئی جس کے لیے پانی پینے کا ایک دن مقرر ہوا اور کہہ دیا کہ اس پر قصد بد بھی نہ کرنا آخر ایک نے اس کو زخمی کر دیا اور ذبح کر ڈالا تب ان پر آثار عذاب نمودار ہوئے۔ ندامت کرنے لگے مگر اس وقت کی ندامت سے کیا فائدہ تھا سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾
وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا
لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾
رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي
الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ

الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۶﴾ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ
شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۸۰﴾
وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ
وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۳﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا
بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۸﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ
عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۹۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۲﴾

(اسی طرح) قوم لوط نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا ہوں اس لیے کہ میری مزدوری تو رب العالمین ہی پر ہے۔ کیا تم دنیا میں لڑکوں ہی پر پلے پڑتے ہو۔ اور وہ جو تمہارے لیے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔ انہوں نے کہا کہ اے لوط! اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو ضرور تو نکال دیا جائے گا۔ لوط نے کہا میں تو تمہارے کام سے سخت بیزار ہوں (اور دعا کی) کہ اے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو جو کچھ وہ کیا کرتے ہیں اس کے وبال سے نجات دیجیے پھر ہم نے اس کو اور سب اُن کے کنبہ کو بچا لیا مگر ایک بوڑھیا کہ جو پیچھے رہ گئی تھی پھر اور سب کو ہلاک کر دیا اور ان پر (پتھروں کا) مینہ برسا دیا۔ سو کیا ہی بری بارش تھی جو خوف دلائے گی ان پر برسی۔ البتہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر تو ماننے والے ہی نہ تھے اور البتہ آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے۔ بن والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے شعیب نے کہا تھا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت تو نہیں مانگتا۔ میری اجرت تو رب العالمین پر ہے۔ ناپا کرو دیا کرو اور کسی کو نقصان نہ پہنچایا کرو اور پوری ڈنڈی سے تولا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور نہ ملک میں فساد مچاتے پھرو اور اس سے ڈرو کہ جس نے تم

۱ ایکہ بن یا درختوں کا جھنڈ جو پانی اور نرم زمین پر ہوتا ہے اس سے وہ بن یا درختوں کے جھنڈ مراد ہیں جو مدین کے پاس تھے اور وہاں ایک بستی تھی جن کے رسول شعیب علیہ السلام تھے۔ ۱۲

۲ یوم الظلۃ ابر کے نمودار ہونے کے دن کو کہتے ہیں۔ ۱۲

کو اور اگلی خلقت کو بنایا (در جواب اس کے) انہوں نے کہا تو تو جادو کے مارے ہوؤں میں سے ہے اور تو ہے کیا مگر ہم جیسا ایک آدمی اور ہم تو تجھ کو جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں۔ پھر تو ہم پر آسمان سے سلیں برسا دے اگر تو سچا ہے۔ رسول نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو سو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا۔ پس ان کو سایہ کے ان کے عذاب نے آلیا بے شک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔ بے شک اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور وہ تو اکثر ماننے والے نہیں تھے اور البتہ آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے۔

تفسیر: چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور ان کے حکم سے اس سرزمین پر بھیجے گئے تھے جو شام کے جنوب و مشرق میں ہے۔ جھیل مردار کے قریب سدوم عمورہ وغیرہ اس جھیل کے قریب چند شہر تھے وہاں کے لوگ علاوہ بت پرست ہونے کے لونڈے باز بھی تھے' عورتوں سے رغبت نہ رکھتے' تھے لڑکوں پر مرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اس فعل بد سے منع کیا۔ اس کے جواب میں کہنے لگے کہ اگر تو اس وعظ سے باز نہ آئے گا تو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا میں تو منع ہی کروں گا کس لیے کہ میں اس ناپاک کام سے بیزار ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور میرے گھر کے لوگوں کو اس کی شامت سے بچائیو۔ مراد یہ کہ اس پر عذاب آنے والا ہے میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ پس ایک روز ان پر عذاب آیا حضرت لوط اور ان کے گھر والوں کو حکم ہوا کہ بڑے تڑکے سے تم شہر چھوڑ کر چل دو پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا صبح کو یہ غارت ہوں گے۔ حضرت کی بیوی انہیں لوگوں میں کی تھیں ان کو اہل وطن سے تعلق تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ بھی ہلاک ہوئیں تمام شہروں پر پتھر برسے الٹ دیے گئے جن کے آثار حضرت نبی آخر الزماں علیہ السلام کے عہد تک باقی تھے۔ اب بھی کچھ کچھ سیاحوں کو معلوم ہوتے ہیں۔ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ یہ ساتواں قصہ بن والوں کا ہے مدین کے قریب کچھ کنوئیں آبپاشی کے لیے تھے وہاں درخت تھے وہاں کے لوگوں کو اصحاب الایکہ کہتے ہیں ان کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے یہ کمبخت بت پرست تھے اس پر کم تولتے تھے' لین دین میں فریب کرتے تھے' راہزن ڈاکو چور بدکار بھی تھے۔ حضرت نے ان سب باتوں سے منع کیا نہ مانے بلکہ کہنے لگے ہم پر کوئی آسمان کا ٹکڑا گرا دے یا یہ معنی کہ سلیں برسا دے اگر تو سچا ہے۔ چنانچہ انجام کار ایسا ہی ہوا اور آسمان سے ایک سخت دھوئیں کا بادل سایہ کی طرح نمودار ہوا اور پہاڑ نے آتش فشانی کی جس کے صدمے سے سب مر گئے یہ ابر اس پہاڑ کا ٹکڑا تھا۔ واللہ اعلم۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ
لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ
نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾
كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ
نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ

سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾

مع

اور یہ قرآن تو رب العالمین کا اتارا ہوا ہے اس کو روح الامین صاف عربی زبان میں آپ کے دل پر لے کر آئے ہیں آپ یہی ڈر سنایا کریں۔ اور البتہ اس کی خبر پہلوں کی کتابوں میں بھی ہے۔ کیا ان کے لیے (یہ) نشانی کافی نہیں کہ اس (قرآن کی حقانیت) کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر نازل کرتے پھر وہ اس کو ان کے سامنے پڑھتا تو اس پر وہ بھی کبھی ایمان نہ لاتے۔ اس طرح ہم نے یہ انکار گناہگاروں کے دل میں بٹھا دیا تھا کہ وہ اس پر عذاب الیم دیکھے بغیر ایمان نہ لاویں گے۔ پھر وہ ان پر دفعتاً آجائے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہو تو (اس وقت) کہنے لگیں کہ بھلا ہم کو کچھ مہلت بھی مل سکتی ہے۔ پھر کیا وہ ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔ دیکھو تو سہی اگر ہم ان کو چند برس (دنیا کے) فائدے اٹھانے بھی دیں۔ پھر ان کے پاس وہ عذاب آجائے کہ جس کا ان کو خوف دلایا جاتا ہے تو جو کچھ انہوں نے فائدے اٹھائے ہیں ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ اور ہم نے ایسی کوئی بھی بستی ہلاک نہیں کی کہ جس کے لیے آگاہی دینے والے نہ آئے ہیں۔ یہ (قرآن) نصیحت ہے یاد دلانے کے لیے اور ہم نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔

ترکیب : بِلِسَانٍ نزل سے متعلق اور منذرین سے بھی ہوسکتا ہے۔ لم یکن کان تامہ ہے تو فاعل اٰیۃ ان یعلمہ بدل اور ناقصہ ہے تو آیۃ خبر مقدم ان یعلمہ الخ اسم۔

تفسیر : ان ساتوں قصوں کے بعد چند باتیں ثبوتِ نبوت ورد منکرین کے لیے ذکر فرماتا ہے۔ (۱) وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ لفظ رب العالمین دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے فرمایا اول یہ کہ جس طرح ہم تمہاری جسمانی پرورش کرتے ہیں رزق روزی دیتے ہیں اسی طرح روحانی تربیت بھی ہمارا کام ہے اور روحانی تربیت کا ذریعہ وحی اور پیغمبر پر کتاب نازل کرنا ہے۔ دوم یہ کہ تم جو اس نعمت آسمانی کا مقابلہ کرتے ہو اور پھر اب تک تم عذاب سے بچے ہوئے ہو یہی سبب ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جس کا شیوہ رحمت عام ہے ورنہ دیکھتے کیا ہوتا اور اس لیے قصص مذکورہ میں ہر ایک کا مقطع وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ پڑھا جس سے آنحضرت ﷺ کے مخاطبوں کو یہ جتلایا جاتا ہے کہ ہم زبردست ہیں۔ دم بھر میں ہلاک کر سکتے ہیں لیکن رحیم بھی ہیں اور رب ہیں پرورش کرنے والے تم پر ترس کھانے والے۔

کیفِ نزولِ قرآن : (۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ الی عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ وہ جو فرمایا تھا کہ یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اس پر یہ شبہ باقی رہتا تھا کہ رب العالمین نے اس کو کس طرح سے نازل کیا ہے۔ کیا لکھی لکھائی کتاب آسمان سے فرشتہ لے کر آیا ہے کیا حضرت کو غیب سے آواز آتی ہے یا آپ سے ہر وقت خدا تعالیٰ باتیں کرتا ہے کیا صورت ہے؟ اس کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس کو روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر لے کر آیا ہے صاف عربی زبان میں۔ انکشافِ غیبی انسان کے دل پر لے کر آیا ہے صاف عربی زبان میں۔ انکشافِ غیبی انسان کے دل پر ہوا کرتے ہیں اور جبرئیل چونکہ روح ہیں ان کی سرایت دل تک بخوبی ہوتی ہے اور ایسی روحانی اور لطیف چیزیں اپنے الفاظ سے جو مضمون چاہتے ہیں بشر کے دل پر القاء کر دیتے ہیں۔ جن لوگوں پر جن یا کسی روح ناپاک کا گزر ہوتا ہے باوجودیکہ وہ جس زبان سے واقف بھی نہیں ہوتے اس زبان میں ان کو وہ دور دراز کی باتیں اور دیگر مطالب القاء کر جاتے ہیں جس کا لوگوں کو

۱ العجم بالضم والتحرک خلاف العرب ۱۲۔ قاموس یہ اعجمی جمع اعجمیں علی التخفیف ولذلک جمع جمع السلامۃ ۱۲ بیضاوی ای لیس جمع اعجم لانہ علی وزن افعل وافعل اذا کان اتاناً فعلاء کحمراء یکون من الصفات لا یجمع جمع السلامۃ۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق

بارہا مشاہدہ ہوا ہے۔ چہ جائیکہ روحانیتِ مقدسہ اور ان میں سے خاص حضرت جبرئیل امین جس کے اوپر القاء کریں۔ حواریوں پر بعد مسیح کے روح القدس اترا تھا جس سے وہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے (کتاب اعمال)۔ معلوم ہوا کہ حضرت روح الامین نہ صرف معانی بلکہ الفاظ کے ساتھ قرآن کا القاء حضرت کے دل پر کرتے تھے پھر اس کو حضرت جمع کرا دیتے تھے۔ یہ ہے نزول قرآن کی کیفیت۔ (۳) وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ نیز اس قرآن اور نبی علیہ السلام کا پہلوں کی کتاب میں بھی ذکر ہے۔ یہ بھی بڑی دلیل حقانیت کی ہے گرچہ کتب سابقہ بالفعل بعینہا موجود نہیں۔ ان میں بہت کچھ تحریف وتبدیل ہوگئی اور ہوتی ہے مگر تاہم جس قدر پیشین گوئیاں آنحضرت ﷺ کی بابت ان میں اب تک پائی جاتی ہیں اور کسی کے لیے اتنی نہیں پائی جاتیں (۴) اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ علماءِ بنی اسرائیل میں بہت سے دینداروں نے آنحضرت ﷺ اور قرآن کی تصدیق کی اقرار کیا کہ ہماری کتب میں ان کا ذکر ہے اور وہ آپ کے منتظر تھے یہ بھی ایک بڑی علامت حق ہونے کی ہے عبداللہ بن سلام وغیرہ علماء یہود نے اقرار کیا۔ (۵) وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ الخ قرآن مجید پر ان کا یہ بھی شبہ تھا کہ یہ تو ہماری زبان میں ہے جس کو محمد (ﷺ) بخوبی جانتے ہیں اگر کسی اور زبان میں بنا کے لاتے تو جانتے اس کا جواب دیتا ہے اگر غیر عربی زبان میں آتا تو تم ہرگز نہ مانتے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ
السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾
وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى
الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ
عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ
يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ
مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا
وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع

اور قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے اور نہ یہ ان کا کام ہے اور نہ وہ اس کو کر سکتے ہیں۔ وہ تو سننے کی جگہ سے بھی دور کر دیے گئے ہیں۔ پس (اے نبی!) اللہ کے ساتھ اور کسی معبود کو نہ پکارنا ورنہ آپ بھی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور اپنے نزدیکی قرابت داروں کو بھی ڈراؤ اور جو ایمان والے آپ کے تابع ہیں ان کے لیے اپنا بازو جھکائے رکھو (یعنی تواضع پیش آیا کرو) پھر مشرک نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے افعال سے بری الذمہ ہوں اور (اے نبی!) خدائے

زبردست مہربان پر بھروسہ رکھو جو آپ کو نماز کے وقت اٹھے دیکھا کرتا ہے اور آپ کا نمازیوں کی صف میں پھرنا بھی دیکھتا ہے۔ بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔ میں (کہہ دو) تم کو بتلاؤں کہ کس پر شیاطین اترا کرتے ہیں۔ وہ ہر جھوٹے بدکردار پر اترا کرتے ہیں۔ جن پر کہ شیاطین بے اصل باتیں لا کر ڈالا کرتے ہیں اور یہ لوگ ان میں سے سرکشی جھوٹی بھی ہوا کرتی ہیں اور شاعروں کی بات پر تو بدراہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ (اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر میدان (سخن) میں حیران پھرا کرتے ہیں اور وہ ایسی (باتیں) کہا کرتے ہیں جو کرتے نہیں مگر وہ شاعر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے اور (اپنے کلام میں) انہوں نے اللہ کا بہت ذکر کیا اور اپنے اوپر زیادتی ہونے کے بدلہ لیا کرتے ہیں (تو وہ مستثنیٰ ہیں) اور ظالموں کو تو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس کروٹ پر پڑتے ہیں۔

ترکیب : یُلْقُوْنَ خبر ان کی اور حال بھی ہو سکتا ہے تب خبر فی کل واد ہوگی۔ منقلب صفت ہے مصدر محذوف کی والعامل ینقلبون ای ینقلبون انقلاب ای منقلب۔

تفسیر: قرآن پر شبہات کا جواب : مگر اس پر بھی وہ یہ شبہ کرتے تھے کہ جبرائیل نہیں بلکہ شیاطین آنحضرت ﷺ پر القاء کرتے ہیں اور ہر مخالف کہہ سکتا ہے کہ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ القا کرنے والے جبرئیل امین ہیں کوئی شیطان نہیں۔ اس کا کیا ہی تسلی بخش جواب عطا فرمایا وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِيْنُ کہ شیاطین نے تو اس کو نازل نہیں کیا ہے کیونکہ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ یہ ان کے قبضۂ قدرت سے باہر ہے۔ کس لیے کہ شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کو مضامینِ خبیثہ سے دلی رغبت ہے ناپاک باتیں ان کی خوراک ہیں۔ روحانی مضامین اور توحید و معرفت اور ترکِ حبِ دنیا اور آخرت سے محبت اور خدا تعالیٰ سے دلی رغبت اور شہواتِ لذاتِ فانیہ سے نفرت وغیرہ مضامینِ عالیہ قرآن مجید میں ہیں ان سے ان کو دلی نفرت ہے پھر یہ مطلب شیاطین کو اول تو معلوم ہی نہیں ان کو تو وہی شہوات و لذات کی باتیں معلوم ہیں کہ جن سے نفس خوش ہو اور روح پر تاریکی آتی ہے اور جو معلوم بھی ہوں تو وہ کاہے کو ایسی باتیں تعلیم و القاء کرنے لگیں جن سے ان کو دلی نفرت ہو بلکہ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ان کو اس کی قدرت بھی نہیں کہ وہ کسی مقدس اور پاکباز وں کے دل تک پہنچیں اور پھر ایسی باتیں القاء کریں۔ گوہ کے کیڑے کو پھول تک کہاں رسائی، خفاش کو آفتاب تک کہاں دسترس اور بالفرض وہاں تک دسترس بھی ہو تو پھر ملاءِ اعلیٰ اور خطیرۃ القدس تک کہاں رسائی کہ جہاں سے یہ مضامینِ عالیہ آتے ہیں؟ اس لیے فرماتا ہے اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ترمذی نے سورۂ جن کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ پہلے جن آسمان تک چڑھ جایا کرتے تھے وہاں سے کوئی بات سن آتے تھے تو ساحروں کاہنوں کو اس میں سو جھوٹ ملا کر کہہ دیا کرتے تھے مگر جب سے آنحضرت ﷺ نبی کیے گئے ان کو وہاں تک جانے سے روک دیا گیا۔

جب ان کے تمام شبہات کا پورا پورا جواب دے دیا گیا اور قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا ثابت کر دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ان بت پرستوں کو شرک سے منع کرتا اور توحید کا حکم دیتا ہے۔ فقال فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ کہ اللہ کے ساتھ اور کسی کو خدا بنا کر نہ پکارنا اور جو ایسا کرے گا تو عذاب دیا جائے گا۔ قوم عرب بلکہ اس عہد کے تمام بنی آدم ہند و روم ایران و ترکستان والے عیسائی یہودی ایسی بلا میں مبتلا تھے اس لیے اس اصلی مقصد کا بیان کرنا مقدم ٹھہرا۔ اور اس کے بعد خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (۱) کہ اپنے قرابت داروں کو ڈرا کہ تمہارے ان برے افعال پر یہ آفت آنے والی ہے۔ امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ جبل صفا پر چڑھ کر پکارے اور بعید کے قبائل سے شروع کیا اے بنی عدی یہاں تک کہ قریش کے تمام قبائل کا نام لیا اور وہ سب جمع ہوئے اور جو کوئی خود نہ آ سکا تو اس نے اپنے کسی آدمی کو بھیج دیا پس قریش کے لوگ اور ابولہب سب آئے۔ آپ نے فرمایا اگر میں تم کو خبر دوں کہ کسی وادی میں تم پر چھاپہ مارنے کو کوئی لشکر جمع ہو رہا ہے تو

۱ یعنی جب ان کی کسی نے ہجو کر کے ستایا تب وہ کسی کو ستاتے ہجو کرتے بدلہ لیتے ہیں ابتدا نہیں کرتے جیسا کہ حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ ۱۲ منہ

۲ یعنی ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ بے شک کس لیے کہ ہم نے بارہا تجربہ کر لیا ہے کہ آپ نے کبھی کوئی بات جھوٹی نہیں کہی۔ تب آپ نے فرمایا میں تمہیں مطلع کرتا ہوں کہ ایک سخت عذاب آنے والا ہے تب ابولہب نے کہا! تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا اس لیے ہم کو جمع کیا تھا۔ بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی امر میں یہ بھی روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اے قریش! تم اپنا بندوبست آپ کر لو میں تمہارے اوپر سے خدا کا عذاب دور نہیں کر سکوں گا اے عبد مناف میں خدا کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں تیرے لیے اللہ کے مقابلے میں کچھ کارآمد نہ ہوں گا۔ اے صفیہ (رسول اللہ کی پھوپھی) میں تیرے لیے اللہ کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد تو جو چاہے میرے پاس سے مال مانگ لے لیکن خدا کے مقابلہ میں میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا (افسوس آج ہم کو خاندانوں پر ناز ہے اس کو آخرت کا سرمایہ سمجھے بیٹھے ہیں۔) جس طرح نافرمان اقارب کو ڈرانے کا حکم ہوا اسی طرح اس کے مقابلہ میں ایمانداروں کے آگے جھکنے اور تواضع اور مدارات کرنے کا حکم دیا بقولہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ دوسرا حکم تھا ایمان و اطاعت رسول کا مرتبہ کہاں تک بلند ہے کہ اپنے رسول پاک کو ان کی تواضع کا حکم دیا اسی لیے ایمانداروں سے آپ بہ تواضع پیش آتے تھے پھر فرماتا ہے اگر ڈرسنانے پر بھی اے نبی آپ کا حکم نہ مانیں تو کہہ دو کہ میں تم سے بری ہوں فان عصوك الخ اور ان کی اس مخالفت سے کچھ خوف نہ کیجئے بلکہ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ اللہ زبردست مہربان پر توکل کرو وہ زبردست ہے۔ اس کے آگے ان کا زور نہیں چلے گا اور مہربان بھی ہے اپنی مہربانی سے ہر وقت محفوظ رکھے گا الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ وہ اللہ جو آپ کو دیکھتا ہے جبکہ آپ نماز تہجد کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور نیز نمازیوں میں آپ کا پھرنا بھی دیکھتا ہے کہ صفیں قائم کرتے ہو۔

تقلب فی الساجدین کے معنی : تقلب اٹھنا بیٹھنا بھی ہے کبھی رکوع کرتے ہو کبھی قیام کبھی سجود سب کو خدا دیکھتا ہے مقاتل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حین تقوم سے مراد تنہا نماز کے لیے اٹھنا اور تقلب سے مراد جماعت میں نماز پڑھنا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ساجدین سے مراد مصلین ہے، مجاہد کہتے ہیں تقلبک سے مراد آنحضرت ﷺ کا نماز میں پیچھے سے نمازیوں کو دیکھنا ای تقلب بصرك فی المصلین کیونکہ موطا میں امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں پیچھے سے بھی دیکھا کرتا ہوں مجھ پر تمہارا رکوع اور خشوع مخفی نہیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ شیعہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباء مومنین تھے کیونکہ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے حضرت کی روح پاک کو ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف نقل کیا۔ اس بات کو امام صاحب نے رد کر دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ کے ان افعال حمیدہ کو وہ دیکھتا ہے جو تم پر مہربانی اور محافظتِ الٰہی کا سبب ہیں یعنی آپ نیکوکار ہیں اور نیکوں کی حفاظت ہم ہمیشہ سے کرتے چلے آئے ہیں واللہ اعلم۔ پھر ان کے شبہ کا رد کرتا ہے بقولہ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِيْنُ کفار کہتے تھے کیا عجب ہے کہ محمد پر شیاطین نازل ہو کر اس کو قرآن کی تعلیم کرتے ہیں جیسا کہ کاہنوں کو غیب کی باتیں بتایا کرتے ہیں اور شاعروں کو شعر کا مضمون القاء کرتے ہیں پس خدا تعالیٰ دونوں میں فرق بتلاتا ہے کہ کاہنوں اور شاعروں کی اور حالت ہے و ہم کی اور۔ پہلے کاہنوں کا حال بیان کرتا ہے۔ بقولہ تعالیٰ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ کہ شیاطین تو بڑے جھوٹے بدکاروں پر نازل ہوا کرتے ہیں اور وہ کاہن ہیں جو يُلْقُوْنَ السَّمْعَ جن پر شیاطین کوئی بات لا ڈالتے ہیں۔ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ اور اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں۔ سفلی عملیات کے عامل اکثر ناپاک اور گندے رہا کرتے ہیں تا کہ شیاطین ان کے پاس خوشی خوشی آویں۔ اب رہے شاعر ان کا یہ حال ہے وَالشُّعَرَآءُ الخ کہ ان کے پیچھے تو بدراہوں کی جماعت ہوا کرتی ہے یہ کوئی مضمون نظم کرتے وہ اس کو نقل کرتے پھرتے ہیں مگر اس سے مراد وہ شاعر ہیں کہ جو آنحضرت ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے جیسا کہ ہبیرہ بن وہب وامیہ بن ابی الصلت اور لوگوں کو جمع کر کے سناتے تھے

۱ یہ عرب کا محاورہ ہے بددعا کے لیے کہتے ہیں تبت یدا ای یعنی تو خراب ہو جائے اس لیے قرآن مجید میں ابولہب کو یہی جواب ملا جو اس نے حضرت سے کہا تھا۔ تبت یدا ابی لهب وتب۔ ۱۲ منہ

اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى
مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝
اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاَدْخِلْ
يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ؕ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا
سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ع

(یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے، ابھی میں تمہارے پاس وہاں کی خبر لاتا ہوں یا کوئی انگارا سلگا کر لاتا ہوں جس سے تم تاپو۔ پھر جب موسیٰ اُس کے پاس آئے تو آواز آئی کہ جو آگ میں اور اس کے پاس ہے، وہ بابرکت ہے اور پاک ہے، اللہ جو تمام جہان کا رب ہے اے موسیٰ میں جو ہوں تو اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہوں اور اپنی لاٹھی ڈال دو پھر جب اُس کو دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح چل رہی ہے تو موسیٰ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے (کر بھی نہ دیکھا۔ (ہم نے کہا) اے موسیٰ! ڈرو مت کیونکہ میرے حضور میں رسول ڈرا نہیں کرتے لیکن جس نے ظلم کیا ہو پھر برائی کے بعد اُس نے نیکی سے بدل دیا تو میں غفور و رحیم ہوں اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو (پھر نکالو تو) وہ سفید نکلے گا، بے عیب یہ ایک نشانی ہے۔ منجملہ نو نشانیوں کے جو فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجی جاتی ہیں، کیونکہ وہ ایک بدکار قوم ہے۔ پھر جب اُن کے پاس آنکھیں کھول دینے والی نشانیاں آئیں تو کہنے لگے کہ یہ تو صاف جادو ہے اور ان نشانوں کا ظلم و تکبر سے انکار کر دیا، حالانکہ دل میں مان چکے تھے پھر دیکھو مفسدوں کا برا انجام ہوا۔

ترکیب: اذ کا عامل اذکر محذوف اور میم سے بھی متعلق ہو سکتا ہے نودی کا مفعول مالم یسم فاعلہ یا تو ضمیر ہے جو موسیٰ کی طرف راجع ہے یا ان بورک علی الاول ان بمعنی ای تفسیر کے لیے من مرفوع ہے، بورک سے انہ ضمیر شان انا مبتدا اللہ خبر تھتز حال ہے ضمیر تھتز سے الامن ظلم استثناء منقطع موضع نصب میں اور ممکن ہے کہ محل رفع میں ہو فاعل سے بدل ہو کر بیضاء، من غیر سوء فی تسع تینوں حال ہیں، الی محذوف سے متعلق تقدیر یہ مرسلا الی فرعون مبصرۃ حال ہے، مبصرۃ بھی پڑھا ہے تب یہ مفعول لہ ہے ظلمًا و علوًا حال ہیں ضمیر جحدوا سے مفعول لہ بھی ہو سکتے ہیں۔

تفسیر: اذ قال موسیٰ الخ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہاں سے قصہ ہے کہ جب وہ اپنے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر میں سے دس برس کے بعد اپنی بیوی کو لے کر پھر مصر میں جا رہے ہیں سردی کا موسم تھا رات کو رستہ میں دور سے آگ کی چمک نظر آئی، بیوی سے کہا تم ٹھہرو میں جا کر تمہارے تاپنے کے لیے آگ لاتا ہوں، ورنہ وہاں جو کوئی ہوگا اس سے رستہ کی خبر پوچھوں گا، کیونکہ رستہ بھی بھول گئے تھے پھر جب وہاں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سبز درخت آگ کا شعلہ ہو رہا ہے، یعنی منور ہے۔ وہ تجلی حق کی روشنی تھی جس کو حکیمانہ خیال کے لوگ گیاس کہتے ہیں کہ وہ ایک مادہ ہے جو رات کو چمکتا ہوا نظر آیا کرتا ہے، وہ گھاس میں بھی ہوتا ہے، جانوروں میں بھی ہوتا ہے، کرم شب تاب جس کو جگنو یا پٹ بیجنا کہتے ہیں، اسی مادہ سے چمکتا ہے، سمندر میں بھی رات کو آگ کی چنگاریاں نظر آیا کرتی ہیں، یہ کیا ضرور ہے کہ ہر جگہ وہی مادہ مان لیا جایا کرے، بغیر اس کے تجلی حق کی روشنی کیا محال بات ہے؟ الغرض اس کو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے، تب وہاں سے آواز آئی کہ حیرت نہ

کرو اس آگ میں جو ہیں یعنی فرشتے اور جو اس کے اردگرد ہیں (وہ بھی فرشتے) بابرکت الٰہی کا یہ نور ہے اور اس کو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ اللہ جو رب العالمین ہے جس کے تربیت یافتوں میں سے یہ نورانی ملائکہ بھی ہیں، وہ آگ میں نظر آنے سے پاک ہے، یعنی اس آگ یا روشنی کو اور اس کے آس پاس والوں کو اللہ نہ سمجھ لینا بلکہ یہ مقام اللہ کی تجلی گاہ ہے اور یہ ملائک اس کے جلو میں ہیں، خدا نہیں۔ یٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ خدا جو ہوں تو میں زبردست حکمت والا ہوں۔ پھر موسیٰ سے خدا تعالیٰ کا کلام شروع ہوا، یہ آواز کچھ معمولی آواز نہ تھی جس کے لیے حروف اور جہت تجویز کرنی پڑے بلکہ ایک روحانی ندا تھی جس کی حقیقت ہم نہیں جان سکتے اور وہی اس کی ذات پاک کے لائق ہے۔ واللہ اعلم پھر خدا نے فرمایا، اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دیا تو وہ سانپ بن کر لہرانے لگا، موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگے فرمایا ڈرو مت میرے حضور میں انبیاء ڈرا نہیں کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اُن کے ہاتھ سے قبطی کے مارے جانے سے گناہ کا کھٹکا بھی تھا، اس کی صفائی کے لیے یہ بھی اطمینان دلایا کہ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ الخ لیکن جو کوئی گناہ کے بعد نیکوکاری کرتا ہے میں اس کے لیے غفور و رحیم بھی ہوں، یہ ایک معجزہ دیا دوسرے کے لیے فرمایا، وَاَدْخِلْ يَدَكَ کہ اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالو وہ بغیر اس کے کہ اس میں کوئی برص کی سفیدی پیدا ہو، چمکتا ہوا نکلے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر فرمایا کہ منجملہ نو نشانیوں یعنی معجزات کے یہ دو نشانیاں ہیں، ان کو لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ وہ بدکردار لوگ ہیں، حسب الحکم حضرت موسیٰ اُن کے پاس گئے معجزات دکھائے وہ دل میں تو قائل ہو گئے مگر اپنی سرکشی اور فرد سے انکار کیا۔ پھر دیکھو ان کا کیا انجام ہوا غرق ہوئے قصہ کو یہاں مختصر کر دیا، یہاں اسی قدر کافی تھا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى
كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا
النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ
الْمُبِيْنُ ۝ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ
يُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا
النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ
نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ
وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور البتہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا تھا اور ان دونوں نے (خوش ہو کر) کہا سب تعریف اُس اللہ ہی کو ہے کہ جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر فضیلت عطا کی اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے کہ لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی بھی سکھائی گئی اور ہم کو ہر ایک قسم کے ساز و سامان عطاء کئے گئے ہیں۔ بیشک یہ اس کا صریح فضل ہے اور سلیمان کے لیے اُس کا لشکر (ملاحظہ کے لیے) جمع کیا گیا جن اور آدمیوں اور پرندوں کے لشکر صف بستہ (بالترتیب) کھڑے

کئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ لشکر چیونٹیوں کے جنگل میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تم کو سلیمان اور اُن کا لشکر روند ڈالے اور اُن کو خبر بھی نہ ہو، پھر سلیمان چیونٹی کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں کہ جو تو نے مجھے اور میرے باپ کو عطا کی تھیں اور ایسا اچھا کام کروں کہ جس کو تو پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے نیک بندوں میں داخل کرے۔

ترکیب: ضاحکا حال موکدۃ وقیل مقدرۃ لان التبسم مبداء الضحک ویقرء ضحکا علی انہ مصدر والعامل فیہ تبسم لانہ بمعنی ضحک حشر کا مفعول مالم یسم فاعلہ جنودہ۔

تفسیر..... سلیمان علیہ السلام کا قصہ : یہ دوسرا قصہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ہے جو اس تفصیل سے یہود و نصاریٰ کو بھی معلوم نہ تھا، اسی حکیم و علیم نے حضرت ﷺ کو بتلایا ہے، فرماتا ہے ہم نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو علم دیا، ان کا علم اور دانش مشہور اور ضرب المثل ہے جس کے شکریہ میں وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ کہتے تھے۔ یہ مجمل تھا، پھر اس علم کی آگے تفصیل فرماتا ہے، بقولہ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ اس وراثت میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، کوئی علم و دانش و نبوت کی وراثت کہتا ہے۔ یہ چیزیں ورثہ میں نہیں آتیں، مبداءِ غیب سے عطا ہوا کرتی ہیں۔ پھر سلیمان علیہ السلام کے وارث ہونے کے یہ معنی کہ جو کمالات اُن کے باپ کو عطا ہوئے تھے وہی اس فرزند رشید کو بھی یعنی سلیمان کے کمالات نئے نہیں کہ اُنہی کو عطا ہوئے ہوں بلکہ خاندانی ہیں، خاندانی اہل کمال کی نسبت ان کے کمالات کا اپنے بزرگوں سے ورثہ پانا محاورہ میں آتا ہے اور بھی قول جمہور پسند ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ملک و سلطنت کا ورثہ ہے۔ وقیل غیر ذلک وقال ای سلیمان یہ اس علم اور ورثہ کی تفصیل شروع ہوتی ہے کہ سلیمانؑ نے کہا کہ ہم کو جانوروں کی بولی بھی خدا تعالیٰ نے سکھائی اور ہم کو ہر نعمت عطا کی ہے پھر ہر ایک نعمت کے مجموعہ میں سے بعض بعض خاص نعمتوں کا خدا تعالیٰ ذکر کرتا ہے۔ (۱) وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ الخ کہ سلیمان کے پاس تین قسم کا لشکر جمع تھا جنوں کا، آدمیوں کا، پرندوں کا جو تخت سلیمان کے اُوپر سایہ کرتے تھے، یہ کبوتر وغیرہ ہوں گے جو خطوط اور فرامین پہنچانے کا کام دیتے ہوں گے، جیسا کہ آگے ہدہد کا ذکر آتا ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لے کر بلقیس شاہزادی کے پاس گیا تھا۔ (۲) حَتّٰۤی اِذَاۤ الخ ایک بار سلیمان علیہ السلام کا لشکر کسی ایسے مقام پر سے گزرا کہ جہاں چیونٹیوں کے بل تھے اور وہ زمین پر چل رہی تھیں، ان میں سے ایک چیونٹی نے کہا کہ اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں بے خبری میں اُن کے پاؤں کی روندن میں نہ آجاؤ۔ یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوگئی، کیونکہ خدا نے ان کو بہت سے علوم عطاء کئے تھے، اس پر آپ ہنسے اس لیے کہ چیونٹی سلیمان علیہ السلام کو بے خبری کا الزام لگاتی ہے، دوم اس لیے کہ اس کو یہ معلوم نہیں کہ حضرت علیہ السلام کو کیا کیا علم دیے گئے ہیں۔ سوم خدا تعالیٰ کی عنایت اور رحمت پر خیال کر کے کہ اس نے مجھے ایسا بلند مرتبہ کیا، اس لیے اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے خدا سے دعا کی کہ مجھے شکر گزاری کی توفیق دے اور اس جاہ و حشم پر مغرور و متکبر نہ کرنا بلکہ اس بلند اقبالی پر اچھے کام کیا کروں اور جماعت صالحین سے باہر نہ ہوں، یہ قصہ گو بائبل میں نہیں مگر اس کی تصدیق کرنے والی باتیں اول کتاب السلاطین کے چوتھے باب میں بہت کچھ ہیں جن میں سے بعض جملے یہ ہیں۔ ۲۹۔ اور خدا نے سلیمان علیہ السلام کو دانش اور خرد نہایت دی تھی اور دل کی وسعت بھی عنایت کی، ایسی جیسے سمندر کے کنارے کی ریت اور سلیمان کی دانش اہل مشرق اور اہل مصر کی دانش سے کہیں زیادہ تھی، اور اس نے درختوں کی کیفیت بیان کی، سرو کے درخت سے لے کر جو لبنان میں تھا اس زوفہ تک جو دیواروں پر اُگتا ہے اور چارپایوں اور پرندوں اور رینگنے والوں اور مچھلیوں کا حال بیان کیا۔

منطق الطیر کے معنی : منطق الطیر بیضاوی کہتے ہیں نطق کے معنی عرف میں ان الفاظ کا استعمال کرنا جو دل کی بات کو ظاہر کر دیں، خواہ

[1] جیسا کہ چیونٹی وغیرہ جو زمین پر چلتے ہیں۔ ۱۲ منہ

وہ مفرد ہوں، خواہ مرکب اور نطق کا مجازاً اطلاق کبھی اُس حالت پر بھی ہوتا ہے کہ جس سے کوئی بات ظاہر کی جاوے حیوانات کا نطق اسی طرح کا ہے کہ اُن کی آوازیں ان کے تخیلات کے تابع ہیں جو بمنزلہ عبارات کے ہوتی ہیں اور شاید سلیمان علیہ السلام قوت قدسیہ سے ہر حیوان کا وہ خیال دریافت کر لیتے تھے کہ جس خیال سے اُس نے وہ آواز نکالی ہے، انتہی ملخصاً۔ اب حکیمانہ خیال کو بھی کوئی توجیہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات اُن کے نزدیک ناممکن نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت کو چیونٹی کا خیال معلوم ہو گیا ہوگا جو وہ اپنی جماعت کے آگے ظاہر کر رہی تھی۔ خدا نے حیوانات کو بھی علم اور ادراک دیا ہے، ان کے باہم ہمکلامی اور اطلاع دینے کے ذریعے پیدا کئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم نہیں جانتے اس تقدیر پر کیا ضرورت ہے کہ ہمہ کسی قبیلہ کا نام رکھا جائے اور جن سے قوم عمالیق مراد لی جائے۔ ایسی توجیہیں دور از کار ہیں واللہ اعلم۔

وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۫ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ
عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَاْذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ
فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّیْ وَجَدْتُّ
امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا
یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ
السَّبِیْلِ فَهُمْ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِیْمِ ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ
هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا
الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

سو سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی تو کہا کہ کیا بات ہے جو میں ہدہد کو نہیں دیکھتا ہوں، کیا وہ غیر حاضر ہے؟ (اگر ایسا ہے تو) میں اُس کو سخت سزا دوں گا یا اُس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے پاس کوئی صاف وجہ (غیر حاضری کی) بیان کرے پھر تھوڑی دیر کے بعد ہدہد حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضور کے پاس وہ خبر لایا ہوں جو حضور کو معلوم نہیں اور سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں (یعنی) ایک عورت کو دیکھا کہ اُن پر حکمرانی کر رہی ہے اور اُس کو ہر قسم سے ساز و سامان بھی دیے گئے ہیں اور اُس کے پاس ایک بڑا تخت بھی ہے۔ میں نے اُس کو اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا آفتاب کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کے لیے خوشنما کر دکھایا ہے اور اُن کو راہ راست سے روک دیا ہے۔ پھر اُن کو یہ بھی نہیں سوجھتا کہ اللہ ہی کو کیوں نہ سجدہ کریں کہ جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو

آشکارا کیا کرتا ہے اور جو کچھ تم مخفی رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو سب کو جانتا ہے، اس اللہ کو کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ بڑے تخت کا مالک ہے۔ سلیمان نے کہا ہم ابھی دیکھتے ہیں تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹا ہے۔ (جا) میرے اس خط کو لے جا کر اُن پر ڈال دے، پھر اُن سے الگ ہٹ جا پھر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں (اس کو پڑھ کر) بلقیس نے کہا کہ اے دربار والو یہ میری طرف ایک فرمانِ محترم ڈالا گیا ہے اور وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم میرے سامنے تکبر نہ کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلی آؤ۔

ترکیب : غیر بعید ای مکانا غیر بعید او قعدا غیر بعید او مکثا الا یسجد والا لیست زائدۃ وموضع الکلام نصب بدلا من اعمالھم والتحقیق دخل حرف التنبیہ علی الفعل من غیر تقدیر حذف۔ الخباء مصدر بمعنی الخبو من المطر والنبات انہ من سلیمان بالکسر علی الاستیناف وبالفتح بدلا من کتاب اومرفوع بکریم الا تعلوا ای وضعہ رفع بدلا من کتاب۔

تفسیر : (۳) وتفقد الطیر کہ پرندوں کی حاضری لی تو ان میں ہدہد کو نہ پایا، فرمایا کہ اُس کو سزا دوں گا ورنہ کوئی عذر معقول بیان کرے تھوڑی دیر کے بعد ہدہد بھی آحاضر ہوا اور اس نے سبا[1] کی شہزادی بلقیس کا حال بیان کیا کہ اُس کے پاس سب ساز و سامانِ سلطنت حاصل ہیں اور ایک بڑا عمدہ تخت بھی ہے کہ جس پر وہ جلوس کرتی ہے۔ مگر ہا ایں ہمہ آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ لوگ آفتاب پرست تھے یا تو صابی ہوں گے یا کوئی اور مذہب مروج ہوگا جو شیطانی مذہب تھا اور اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے، آسمان کی چھپے ہوئے ستارے آفتاب ماہتاب چھپ جاتے ہیں، پھر ان کو اللہ ہی ظاہر کرتا ہے، پھر ان کو کیا سجدہ کرنا چاہیے اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اور اناج وغیرہ۔ اس میں ہدہد نے اپنی خواہش بھی ظاہر کر دی اور وہ اللہ جو دل کی مخفی اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے، وہ اللہ جو بڑے تخت کا مالک ہے، یعنی اس کے تخت کے آگے ان کے تخت کی کیا حقیقت ہے؟ یہاں تک ہدہد کی گفتگو تھی جو تمام ہوئی، اب سلیمان علیہ السلام اس کے جواب میں فرماتے ہیں، سننظر اصدقت الخ کہ ہم دیکھتے ہیں تو جھوٹا ہے کہ سچا ہے؟ جا تو میرا یہ نامہ لے جا اور جا کر اُوپر سے ڈال دینا، پھر چھپ کر دیکھنا کہ وہ آپس میں کیا کہتے ہیں۔

قصۂ بلقیس : سلیمان علیہ السلام نے نامہ لکھا جس کا یہ عنوان تھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۔ اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ تم میرے پاس مطیع ہو کر حاضر ہو جاؤ اور تکبر نہ کرو اب یہ کچھ ضرور نہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے بعینہٖ یہی لکھا ہو بلکہ ممکن ہے کچھ اور ہو جس کا خلاصہ خدا تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا، لیکن سرنامہ پر بسم اللہ لکھی تھی، یہ نامہ عبرانی زبان میں تھا۔ ہدہد نامہ لے کر گیا اور اُن پر جا کر ڈال دیا، یعنی بلقیس کے تخت پر اُس نے پڑھا اور اپنے ارکانِ دولت سے ذکر کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ سلیمان علیہ السلام کے پاس جاؤں یا نہ جاؤں۔

---

[1] یشجب کا بیٹا اور وہ عرب کا اور وہ قحطان کا جو تمام قبائل یمن کا باپ تھا، پھر سبا کی بہت سی اولاد تھی، پھر اسی کے نام سے یمن میں ایک شہر سبا یا جو صنعا سے تین دن کے فاصلہ پر ہے، سباء سے مراد اگر قبیلہ ہے تو غیر منصرف ہے، ورنہ منصرف (کف) بلقیس الہدہاد کی بیٹی وہ شرجیل کا بیٹا وہ ذی الاذعار کا وہ افریقن کا وہ ذی المنار کا جس کو ابرہہ بھی کہتے تھے، وہ صعب کا جس کو ذوالقرنین کہتے تھے وہ حارث الرائش کا جس کو تبع اول کہتے تھے۔ کئی پشت آگے چل کر اس کا نسب نامہ حمیر سے ملتا ہے جو سباء مذکور کا بیٹا تھا، اسی سباء نے مآرب کی زمین پر ایک پختہ بند بندھوا کر تالاب کے طور پر پانی جمع کیا تھا، جس سے چھوٹی چھوٹی نہروں کے ذریعہ سے ملک میں بڑی سرسبزی تھی۔ آخر لوگوں کی ناشکری سے وہ بند ٹوٹا اور ملک برباد ہوا، جیسا کہ سورۂ سباء میں مذکور ہے۔ شداد بن عاد بن الہاطاط بن سباء بھی سباء کی نسل میں سے تھا۔ بلقیس ان ہی کے تخت پر بیٹھی تھی، اس قوم کی بڑی شان و شوکت کی سلطنت ہو چکی ہے، ان کے آثار اب تک ملک یمن میں پائے جاتے ہیں۔ از تاریخ ابوالفدا و ناقلا عن ابی سعید المغربی۔ ۱۲ منہ

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾
قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا
تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ
اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ
بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۖ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ
اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ
فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ
صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ
مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ
مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ
اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ
هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ
لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

بھیجیں گے کیا سے سردار و میرے معاملہ میں رائے دو میں کوئی بات تمہارے حاضر ہوئے بغیر طے نہیں کرتی، انہوں نے کہا ہم لوگ زور آور اور بڑے سخت لڑنے والے ہیں آگے سرکار کو اختیار ہے۔ جو کچھ حکم دیں اُس کو غور کر لیں۔ بلقیس نے کہا جب کسی شہر میں بادشاہ (بزور) داخل ہوا کرتے ہیں تو اُس کو اُجاڑ کر دیتے ہیں وہاں کے عزت داروں کو ذلیل کر ڈالتے ہیں اور وہ یوں ہی کیا بھی کرتے ہیں اور میں (اول) اُن کے پاس کوئی تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لے آتے ہیں۔ پس جب ایلچی سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا کہ کیا تم میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو۔ سو جو کچھ مجھ کو اللہ نے دے رکھا ہے بلکہ ان سے بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے، بلکہ تم ہی کچھ اپنے تحفہ سے خوش ہوتے ہو گے، اُن کی طرف واپس جاؤ، ہم اُن پر ایک ایسا لشکر بھیجتے ہیں کہ جس کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم اُن کو وہاں سے ذلیل و خوار کر کے نکال دیں گے۔ سلیمان نے کہا۔ اے سردارو تم میں ایسا کوئی ہے کہ اُس کے حاضر ہونے سے پہلے میرے پاس اس کا تخت لا حاضر کرے۔ ایک زور آور جن بول اُٹھا کہ آپ کے دربار سے اُٹھنے سے پہلے ہی میں اُس کو لا حاضر کرتا ہوں اور میں اس پر قوی بھی ہوں (اور) امانت دار بھی، اس شخص نے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا (یہ) عرض کیا کہ میں اُس کو حضور کی آنکھ جھپکنے سے پہلے لا حاضر کرتا ہوں۔ پھر جب اُس تخت کو سلیمان نے سامنے رکھا دیکھا تو کہنے لگے کہ (یہ) میرے رب کی عنایت سے ہے تا کہ مجھے آزماوے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اپنے بھلے کو اور جو

کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بھی بے پروا عزت والا ہے۔

تفسیر: انہوں نے کہا ہم بڑے قوی اور بڑے لڑنے والے لوگ ہیں، سلیمان علیہ السلام سے کچھ خوف نہیں مگر تاہم جو آپ کی رائے ہو وہی کیجئے بلقیس بڑی عقلمند عورت تھی، اس نے سوچا کہ لڑائی کا انجام برا ہے۔ اگر غالب آ گیا تو آ کر الٹ پلٹ دے گا، عزت داروں کو ذلیل کر دے اور بادشاہوں کا یہی دستور ہے، صلح کر لینی بہتر ہے۔ اول مرتبہ اُس کے پاس جانا تو مصلحت نہیں تحفہ تحائف دے کر ایلچیوں کو بھیجنا چاہئے اس سے سلیمان علیہ السلام کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ یہ بات سب کو پسند آئی، بڑے بڑے بیش قیمت ہدیے دے کر ایلچیوں کو بھیجا کہ سلیمان اس مال کو دیکھ کر نرم ہو جائیں مگر سلیمان علیہ السلام کا مقصد اس بت پرست بادشاہزادی کو اسلام میں لانا اور برائی سے بچانا تھا اس لیے ان تحفوں کو کچھ بھی خاطر میں نہ لا کر یہ فرمایا کہ اللہ کا دیا میرے پاس بہت کچھ ہے، ایسے ہدیوں سے تمہیں خوش ہو۔ جاؤ جا کر کہہ دو کہ حاضر ہوں ورنہ میں ایسا بھاری لشکر بھیجتا ہوں کہ جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا اور میں اُن کو وہاں سے ذلیل وخوار کر کے نکال دوں گا۔ ایلچی ادھر روانہ ہوئے، اُدھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے کہا کوئی ہے کہ اُس کے آنے سے پیشتر میرے پاس اُس کا تخت لا دے؟ ایک بڑے قوی جن نے کہا میں اُس کو حضور کے پاس آپ کے دربار کے رخصت ہونے سے پہلے لے آتا ہوں، میں قوی بھی ہوں امانت دار بھی ہوں اس میں کچھ خیانت نہ کروں گا، مگر اُس شخص نے کہ جس کو کتاب الٰہی کا علم تھا، اسم اعظم جانتا تھا، یہ کہا کہ میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں، چنانچہ اُس نے لا کر سلیمان علیہ السلام کے سامنے اُس کو کھڑا کر دیا۔ سلیمان نے اس پر خدا کی عنایت کا یہ اثر ظاہر کیا۔ ومن شکر فانما الخ بھی کہہ دیا کہ جو کوئی خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتا ہے تو اپنے لیے یعنی اللہ کو اس کا کچھ فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بندے کہ وہ اور بھی نعمتیں اُس کو عطا کرتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو اللہ کو کچھ بھی پروا نہیں۔ (یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو دولت وحکومت کا کچھ بھی نشہ نہیں چڑھتا) قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا الخ یہاں سے پھر اصل قصہ شروع ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کے تخت میں یہ ایسا تغیر وتبدل کر دو کہ اس کی پہلی صورت بدل جاوے تا کہ میں جب بلقیس آوے اُس کی عقل کا امتحان کروں کہ۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾
فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ
قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ
مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ
عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ
نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾

سلیمان نے حکم دیا کہ اس کے تخت کو متغیر کر دو (اُس کے امتحان کے لیے) تا کہ ہم دیکھیں کہ وہ راہ پر آتی ہے یا اُن میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔ پھر جب آئی تو کہا گیا کہ کیا آپ کا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ ملکہ نے کہا گویا یہ (ہو بہو) وہی ہے اور ہم کو تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا (کہ آپ برگزیدہ نبی ہیں) اور ہم تو فرمانبردار

ہو چکے ہیں اور اسے خدا کے سوا جو غیر معبودوں کو پوجا کرتی تھی، اس سے اس کو باز رکھا تھا کیونکہ وہ کافروں میں کی تھی ملکہ سے کہا گیا کہ محل میں چلئے، پھر جب اُس نے اس کو دیکھا تو اس کے صحن بلوری کو پانی سمجھی اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھا دیا۔ سلیمان نے کہا کہ یہ تو ایک حوض ہے شیشوں سے پٹا ہوا وہ بولی کہ اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ کی حکم بردار ہوئی ہوں۔

ترکیب: تنظر بالجزم علی الجواب وبالرفع علی الاستیناف وصدها. الفاعل اما الضمیر الراجع الی اللہ تعالیٰ او الی سلیمان ای و صدها ما کانت اخ عبادتها۔ الشمس عن التقدم الی الاسلام انها بالکسر علی الاستیناف وبالفتح علی البدل من ما یکون ما علی هذا مصدریة الصرح القصر و کل رصة الدار۔

تفسیر: دُنیاوی چیزوں کی پہچان میں جب یہ حال ہو تو خدا کی ذات وصفات کے پہچاننے میں تم نے کتنی غلطی نہ کی ہوگی؟ چنانچہ وہ آئی اور اس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کا ایسا ہی تخت ہے، اُس کو پہچان نہ سکی، دھوکے میں آ گئی، کہا ایسا ہی میرا تخت ہے، اُس کو اس کے مشابہ بتلایا پھر کہا کہ یہ وہی ہے، مگر تھوڑی دیر بعد بلقیس کو معلوم کرایا گیا کہ یہ وہی تخت ہے، اس پر اُس نے بطور معذرت کر کے کہا وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ الخ کہ حضور ہم کو کیا آزماتے ہیں، ہم کو تو اس حالت سے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ بڑے طاقتور[1] ہیں۔ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں، وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ اور ہم یہاں حاضر ہونے سے پہلے ہی آپ کے فرمانبردار ہو چکے ہیں جس لیے حاضر ہوئے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمان کا کلام ہے کہ ہم کو پہلے ہی معلوم تھا کہ تو نہ بتلا سکے گی اور ہم ہمیشہ سے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور بلقیس کو ایمان لانے سے آفتاب پرستی نے روک رکھا تھا اور یہ اس لیے کہ وہ بھی کافر قوم میں کی تھی، وصدها الخ کے یہ معنی ہیں۔ یا یہ کہ سلیمان نے اُس کو عبادت غیر اللہ سے روک دیا۔[2]

پھر دوسرا امتحان اور کیا گیا، قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ[3] الخ صرح قصر کو بھی کہتے ہیں، یعنی محل اور اُس کے صحن کو بھی کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک ایسا محل بنایا تھا کہ جس کا صحن پانی کا حوض تھا جس میں رنگ برنگ کی مچھلیاں تھیں، مگر اُس کو اُوپر سے صاف بلوریا سفید شیشے سے پاٹ دیا تھا، اُس کے اُوپر سے آتے جاتے تھے، جب بلقیس کو دربار میں بلایا تو اُس محل کے صدر میں تخت بچھوا کر اُس پر بیٹھے اور بلقیس کو آنے کا حکم دیا جس کا راستہ اُسی حوض پر سے تھا، شیشہ وبلور میں پانی اور مچھلیوں کا پھرنا دیکھ کر یہ سمجھی کہ حوض ہے، اس لیے پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھایا، وہ سمجھ گئی تھی کہ گھٹنے سے کم ہی کم پانی ہے، کپڑا اُٹھانا تھا کہ سلیمان نے فرمایا اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ یہ حوض پانی کا شیشوں سے پٹا ہوا ہے، کپڑا اُٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ عورت تھی اور اُس پر بادشاہِ ملک کے عین دربار میں اس کی بے عقلی اور گنوار پن ثابت ہو جانے سے اُس کو سخت ندامت ہوئی اور سمجھ گئی کہ میری عقل خاک بھی نہیں۔ سلیمان علیہ السلام کے روبرو صاف کہہ دیا۔ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ الخ کہ اے رب! اس وقت تک میں بڑی خطاوار تھی اب سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لائی۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ سے یہ مراد کہ سلیمان کی ہدایت اور رہنمائی سے یا یہ کہ جس طرح سلیمان علیہ السلام لائے ہیں، اس طرح میں بھی، کیونکہ رب العالمین کے پہچاننے میں پہلے سے قاصر تھی۔

قصہ تمام ہوا، اب قرآن میں اس بات کا کچھ ذکر نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اُس نے شادی کی اور وہیں رہ گئی یا پھر یمن میں چلی گئی۔ نہ

[1] اور اس کو غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا۔
[2] کیونکہ تخت منگا لیا اسی لیے ہم مطیع ہو کر آئے ہیں۔ ۱۲ منہ
[3] قال ابن قتیبة الصرح بلاط اتخذ لها من قوارير وجعل تحتها وسمكا واصلا من الصرح وهو الكيف۔ ایسا ہی مضمون الماء ممرد ای مسقف مطبع المرد الحكوك الملس من ظاہر والعلامة ابو البقاء الصرح الرداقی لا ورق لها۔ ۱۲ منہ

یہ کہ اُس وقت تک اُس کی شادی ہو چکی تھی کہ نہیں اور پھر شادی یمن میں کس کے ساتھ ہوئی؟ ان باتوں کا ثبوت تواریخ سے ہوگا، ہم کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ بلقیس پر سلیمان علیہ السلام غائبانہ عاشق تھے اور بلقیس کسی پری یا جنیہ کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی، اس لیے مشہور تھا کہ اُس کی پنڈلیوں پر بال ہیں، اس بات کے دریافت کرنے کو سلیمان علیہ السلام نے یہ تدبیر کی تھی، یہ سب افسانے ہیں جو اپنے خیالات کے مطابق لوگوں نے قرآن واحادیث میں شامل کر دیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فوائد: (۱) قرآن مجید سے صرف یہ ثابت ہوا کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے بلقیس کی مفصل کیفیت بیان کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو نامہ دے کر بھیجا جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ بلقیس مطیع ہو کر یہاں آوے، بلقیس کے آنے سے پیشتر سلیمان علیہ السلام نے اُس کا تخت منگا لیا جس کے لانے کی بابت عفریت جن نے یہ کہا تھا کہ میں آپ کے اُٹھنے سے پیشتر اُس کو لا سکتا ہوں، مگر ایک شخص نے کہ اُس کو کتاب کا علم تھا (نہ اُس کا قرآن میں نام بتلایا ہے، نہ یہ کہ کون سی کتاب کا اُس کو علم تھا نہ یہ کہ کتاب کے علم سے کیا مراد ہے؟ ہاں مفسروں نے اُس کا نام آصف بن برخیا بتلایا ہے اور اُس کو سلیمان علیہ السلام کا وزیر کہا ہے اور علم کتاب سے مراد اسم اعظم کا علم بتلایا ہے) اُس کو لا موجود کیا۔ بلقیس آئی اور اسلام لائی

منکروں کے اعتراضات: (۲) ان باتوں پر عقلی قاعدہ سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، مگر تاہم مخالفوں نے دو قسم کے اعتراضات کیے ہیں، اول اہل کتاب نے کہ یہ قصہ ہماری کتابوں میں نہیں اس لیے غلط ہے۔

اس کا جواب ہم بارہا دے چکے ہیں کہ بہت سی کتابوں کے بائبل میں حوالے ہیں اور اب وہ کتابیں مفقود ہیں تو پھر اہل کتاب کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ اُن میں نہ ہوگا، ملاحظہ ہو اول سلاطین کا باب ۲۲ پھر سلیمان علیہ السلام کے جملہ حالات کا حصر صرف کتاب السلاطین وغیرہ کب بائبل پر کیونکر سمجھ لیا؟ دوسرا اعتراض فلسفیانہ خیالات کا ہے۔ (۱) یہ کہ اگر ہدہد جانور ہے تو اول اُس کی رفتار میں ایسی سرعت کہاں کہ تھوڑی سی دیر میں شام کے ملک سے اُڑ کر یمن میں پہنچ جائے اور وہاں سے لوٹ کر آ جائے۔ دوم اُس جانور کو خدا پرستی اور آفتاب پرستی میں کیا فرق اور پھر اُس نے اس قدر لمبی چوڑی گفتگو سلیمان علیہ السلام سے کیونکر کی؟ یہ باتیں بعید از قیاس ہیں۔ (۲) سلیمان شام کے بادشاہ تھے کیا اُن کو بلقیس کا حال نہ معلوم نہ ہوگا جو وہ بھی ایک بڑی سلطنت کی مالک تھی، باوجود یکہ تم کہتے ہو جن شیاطین اُن کے تابع تھے، پھر صرف ہدہد وغیرہ نے خبر دی؟ (۳) سینکڑوں کوسوں کے فاصلہ سے بلقیس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے سلیمان علیہ السلام کے پاس کیونکر آ گیا اور علم الکتاب سے یہ قدرت کب حاصل ہو سکتی ہے، کیا اب ایسے لوگ نہیں کہ ایک کتاب تو کیا سینکڑوں کتابوں کو دھوئے بیٹھے ہیں، وہ تو دو کوس سے بھی اتنی جلدی تخت تو کیا کوئی تختہ ہی نہیں لا سکتے۔ یہ باتیں پرانے افسانے ہیں۔

جواب: ان کے جواب معتزلہ اور اُن کے پیروان مریدان نے بذریعہ تاویل کے یوں دیے ہیں کہ الطیر جمع طائر پرند کو بھی کہتے ہیں اور تیز گھوڑے کے سوار کو بھی جیسا کہ کسی حدیث[1] میں آیا ہے کہ بہتر وہ شخص ہے کہ جو گھوڑے کی لگام کو اللہ کی راہ میں تھامے ہوئے تیار ہو، یہ طیر جہاں کھٹکا پائے اُڑ جائے الغرض کلام عرب میں طائر تیز گھوڑے کے سوار کو بھی کہتے ہیں۔ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ جمع طائر، یعنی سواروں کی فوج کو دیکھا، ان میں ہدہد کو نہ پایا، جو ان کا سپہ سالار تھا اور ہدہد کا سپہ سالار ہونا کتاب السلاطین[2] سے ثابت ہے، وہ نمک حلال سلطنت تھا، بغرض اطلاع یمن کی طرف بلقیس کے حالات دریافت کرنے چلا گیا اور سلیمان علیہ السلام کو آ کر خبر دی۔ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ کے یہ معنی نہیں کہ اتنی

---

[1] قال قال رسول اللہ ﷺ من خیر عاش الناس لھم رجل ممسک عنان فرسہ فی سبیل اللہ یطیر علی متنہ کلما سمع ھیعۃ او فزعۃ طار علیہ الخ رواہ مسلم۔ ۱۲ منہ

[2] اول کتاب السلاطین کے دسویں باب میں اور ۲ کتاب التواریخ کی ۹ باب میں سلیمان کے پاس سبا کی ملکہ کا حاضر ہونا لکھا ہے اول کتاب التواریخ کے خاتمہ میں داؤد کی دیگر حالات کا حوالہ سموئیل غیب بین کی تاریخ اور ناتن نبی اور جاد غیب بین کی تاریخ کا دیا ہے جو آج مفقود ہیں۔ ۱۲ منہ

وقت آموجود ہوا بلکہ بہت زمانہ نہیں گزرا معمولی زمانہ سفر سے، بہت جلد آ گیا، لوگوں نے ہدہد کو سچ مچ کا ہدہد جانور سمجھ لیا اور تفصیلی خبر سلیمان علیہ السلام کو معلوم نہ تھی اور یہ ممکن ہے کیونکہ اس عہد میں تار اور پل نہ ہونے کی وجہ سے غیر مملکتوں کے حال تفصیل سے بمشکل معلوم ہوتے تھے، اب باقی تخت کا طرفۃ العین میں، حاضر ہونا سو یہ قرآن مجید سے ثابت نہیں جو ثابت ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے اُس کو اپنے روبرو دیکھا تو شکر کیا کہ ایک بادشاہ کا تخت میرے روبرو خدا کی عنایت سے موجود ہے، ہاں ایک عفریت بمعنی قوی جن یعنی عمالیقی آدمی نے یہ کہا تھا اور قوی درخت آدمیوں کو جن سے تعبیر کیا کرتے ہیں جس طرح نیک کو فرشتہ سے اور خوبصورت کو پری سے اور ایک اہل علم نے بھی کہا تھا کہ میں طرفۃ العین میں لا حاضر کرتا ہوں، اب یا تو وہ ان کی زیادہ گوئی تھی یا ایک محاورہ کی بات ہے جلدی کام کرنے کو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ کام طرفۃ العین میں یا پلک جھپکنے میں ہو گیا یا کر دوں گا، لیکن خدا تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ پلک جھپکنے میں تخت آ گیا۔ یہاں تک کہ اس کے لانے والے کا نام بھی نہیں بتلایا بلکہ یہ کہا ہے فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ ممکن ہے کہ یہ اہل علم کسی حکمت عملیہ سے تخت کو لایا ہو اور جلد لایا ہو۔ صحیح جواب یہ ہے کہ جانوروں کا خط لے جانا کچھ مشکل بات نہیں، طوطے اور مینا کی گفتگو اور مالک کو باتوں پر مطلع کر دینا بارہا مشاہدہ میں آیا ہے، پھر ہدہد نے ایسا کیا ہو تو کیا محال بات ہے؟ اور جب ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ جن ایک جداگانہ مخلوق ہے، اُس کے افعال وقویٰ انسانی افعال وقویٰ سے کہیں زیادہ قوی ہیں تو پھر اس سے ایسی بات کیا بعید ہے اسی طرح اسماء الٰہی اور روحانیات کی طاقتیں حد سے باہر ہیں جو اس زمانہ میں مفقود ہیں پھر سلیمان علیہ السلام کے پاس اگر کوئی ایسا شخص ہو تو کیا بعید ہے، انسان کی عادت ہے جس بات کو آنکھ سے نہیں دیکھتا اور وہ اُس کے نزدیک محال معلوم ہوتی ہے تو انکار کر دیتا ہے، تار برقی اور ریل کے جاری ہونے سے پیشتر جو کوئی ان کے حالات بیان کرتا تو مجنون شمار کیا جاتا، تمام عالم خدا کے عجائب اسرار کا مجموعہ ہے، اس وقت کے تعلیم یافتوں نے سمجھ لیا کہ ہم نے سب کا احاطہ کر لیا حالانکہ اسرار وروحانیات اور ان کی تاثیرات اور نفوس قدسیہ کی قوتیں جو کرامت یا معجزہ کہلاتی ہیں، ابھی تک ان کے ذہن بلید تک بھی نہیں، ان فنون سے نا آشنا محض ہیں، اس لیے انکار کرتے ہیں تمسخر سے پیش آتے ہیں، واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ
فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ
الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ
مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰۗىِٕرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي
الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا
تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ
اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ

اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ
اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ
النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا
اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا
امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ
الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾

ع ۵

اور البتہ قوم ثمود کی طرف بھی ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا (یہ حکم دے کر) کہ اللہ کی بندگی کیا کرو، پھر تو وہ دو فریق ہو کر باہم جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا کہ اے قوم! تم کس لیے نیکی سے پہلے برائی کے لیے جلدی کرتے ہو۔ تم اللہ سے معافی کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جاوے۔ اُنہوں نے کہا ہم تو تجھ سے اور تیرے ساتھ والوں سے نحوست معلوم ہوئی، صالح نے کہا تمہاری نحوست خدا کی طرف سے ہے بلکہ تم ایک ایسی قوم ہو کہ جو آزمائش میں ڈالی گئی ہے اور وہ اس شہر میں نو شخص ایسے تھے کہ جو زمین پر فساد مچاتے پھرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا ہم اللہ کی قسم کھاؤ کہ صالح اور اُس کے گھر والوں پر شب خون ماریں، پھر اُس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اُس کے کنبہ کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہ تھے اور ہم بے شک سچے ہیں اور اُنہوں نے ایک داؤ کیا تھا اور ہم نے بھی ایسا داؤ کیا کہ اُن کو خبر بھی نہ ہوئی، پھر دیکھو اُن کے مکر کا کیسا انجام ہوا کہ ہم نے اُن کو اور اُن کی تمام قوم کو غارت کر دیا، پھر یہ اُن کے گھر ہیں کہ خالی پڑے ہوئے ہیں، اُن کے ظلم سے۔ البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے، اُن کے لیے جو جانتے ہیں اور جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کیا کرتے تھے، ان کو بچا لیا اور ہم نے لوط کو بھی بھیجا تھا، دیکھو (بھال) کر یہی بے حیائی کے کام کرتے ہو، کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر خواہش کر کے آتے ہو۔ (کچھ نہیں) بلکہ تم جاہل قوم ہو پھر اُن کی قوم کا اور کوئی جواب نہ تھا۔ بجز اس کے کہ یہ کہہ دیا لوط کے گھر انے کو اپنی بستی سے نکال دو، کیونکہ یہ لوگ بڑے ستھرے ہیں، پھر ہم نے لوط اور اُس کے گھرانے کو بچا لیا مگر اس کی بیوی، کہ (کیونکہ) ہم اُس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ٹھہرا چکے تھے اور (باقی) سب پر (پتھروں) کا مینہ برسا دیا، پھر ڈرائی ہوئی قوم کا کیا برا مینہ تھا۔

تفسیر: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا یہ تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے، اس کی شرح ہو چکی مگر اس جگہ عبارت کا حل کرنا ضروری ہے۔ فَاِذَا هُمْ الخ جب صالح علیہ السلام نے وعظ و دعوت اسلام شروع کی تو دو فریق ہو گئے، ایک اہل توحید کا دوسرا گمراہوں کا اور باہم جھگڑنے لگے لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ حضرت صالح نے فرمایا تھا کہ اگر تم نہ مانو گے تو عذاب الٰہی نازل ہوگا، ۱۰ کہنے لے عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس پر صالح نے فرمایا، خدا سے بدی کیوں مانگتے ہو، بھلائی خیر و برکت مانگو، ایمان لاؤ استغفار کرو، قَالُوا اطَّيَّرْنَا حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کے بعد اُن پر کچھ خشک سالی نمودار ہوئی تھی، اس پر وہ صالح سے کہنے لگے۔ یہ تو تجھ سے اور تیرے ساتھ والوں سے نحوست آئی ہے، صالح علیہ السلام نے فرمایا، یہ تمہارے اعمال کی نحوست خدا کے ہاں مقدر تھی اور تم کو اس سے آزمایا جاتا ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

تُفْتَنُوْنَ، شہر میں نو شخص بڑے بدمعاش تھے، باہم قسم کھائی کہ رات کو گھر میں گھس کر صالح علیہ السلام اور اُس کے کنبہ کو قتل کر ڈالو اور پھر اس کے وارثوں سے کہہ دینا کہ وہاں ہم موجود نہ تھے۔ آخر خدا نے صالح علیہ السلام کو محفوظ رکھا اور وہ تمام قوم آسمانی بلا سے ہلاک ہوئی اور اُن کے گھر خالی ہو گئے، ان کا داؤ غلط ہوا، خدا کی تدبیر صادق ہوئی، ان کے مکر اور فریب کی پاداش کو مکر و فریب سے تعبیر کرنا ایک محاورہ ہے۔ ع بدی را بدی سہل باشد جزا، حالانکہ بدی کی جزا بدی نہیں مگر چونکہ دونوں فعل ایک قسم کے ہوتے ہیں، اس لیے علی سبیل المشاکلہ اس پر بھی وہی لفظ بولا جاتا ہے جو لوگ ایسے محاورات نہیں سمجھتے وہ قرآن پر الزام لگاتے ہیں کہ اس میں خدائے قدوس کو برے صفات سے متصف بنایا ہے، وَلُوْطًا ۱۲ یہ چوتھا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے، وانتم تبصرون یعنی تم جانتے ہو کہ یہ بے حیائی کا کام ہے، پھر اس کو کیے جاتے ہو، اس بات کا ان کی طرف سے یہی جواب تھا کہ لوط علیہ السلام کو اپنے شہر سے نکال دو، یہ بڑی پاکیزگی ظاہر کرتے ہیں۔ واتاکم لتاتون استفہام انکاری ہے یعنی تم کو ایسا نہ کرنا چاہیے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے یعنی لڑکوں سے شہوت رانی کرو۔ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ حضرت لوط علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ بڑی رات سے شہر چھوڑ کر چلے جانا جو پیچھے رہے گا ہلاک ہوگا۔ بیوی پیچھے رہ گئی تو وہ ہلاک ہوئی، فرماتا ہے کہ ازل میں ٹھہر گیا تھا کہ وہ پیچھے رہے گی۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ
فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ
اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا
وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ
وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ
فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ
يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ

هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

کہو سب تعریف اللہ کو ہے اور سلام اُس کے برگزیدہ بندوں پر ہے۔ بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ کہ جن کو وہ شریک بناتے ہیں، بھلا کس نے آسمان وزمین بنائے اور (کس نے) تمہارے لیے آسمان سے پانی اُتارا ہے؟ پھر ہم نے ہی اُس سے تروتازہ باغ اُگائے، تمہیں کیا مقدور تھا کہ تم اُن کے درخت اُگاتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ بلکہ یہ وہی لوگ کجروی کررہے ہیں، بھلا وہ کون ہے کہ جس نے زمین کو پھرنے کی جگہ بنایا اور اُس میں ندیاں جاری کیں اور زمین کے لیے (پہاڑ) لنگر بنائے اور دو دریاؤں میں پردہ رکھا، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ بلکہ وہ اکثر بے علم ہیں۔ بھلا کون ہے جو بے قرار کی دُعا قبول کیا کرتا ہے اور برائی کو دُور کردیتا ہے اور تم کو زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے؟ تم بہت ہی کم سمجھتے ہو، وہ کون ہے جو تم کو جنگل اور دریا کی اندھیریوں میں رستہ بتلایا کرتا ہے اور کون خوش خبری کی ہوائیں چلایا کرتا ہے۔ اپنی رحمت[1] سے آگے کیا کوئی اور بھی معبود اللہ کے ساتھ ہے، اللہ ان کے شرک کرنے سے بالاتر ہے بھلا وہ کون ہے جو از سرِ نو خلقت کو پیدا کرتا ہے، پھر اُس کو دوبارہ بنادے گا اور کون ہے جو آسمان اور زمین سے روزی دیا کرتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ کہو اپنی سند تو لاؤ اگر تم سچے ہو، کہو اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کا کوئی بھی رہنے والا غیب کی بات نہیں جانتا اور اس کی بھی اُن کو کیا خبر کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے بلکہ آخرت کے باب میں تو اُن کی سمجھ گئی گزری ہے بلکہ وہ تو اس سے شک ہی میں ہیں بلکہ وہ تو اندھے ہی ہیں۔

حضرت انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرما کر اور مخالفوں پر ہلاکت کا آنا ظاہر کر کے آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کرتا ہے کہ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى کہہ دو کہ سب تعریف اللہ کو ہے کہ جس نے اپنے پاک باز بندوں کو بچالیا اور سرکشوں کو ہلاک کیا اور ان تمام برگزیدوں پر سلام وصلوٰۃ کہ جنہوں نے خدا کی راہ میں مخالفوں کے کیسے کیسے جور وجفا اُٹھائے؟ یہ کلام گویا قصص سابقہ کا خاتمہ ہے، پر کس خوبی کا خاتمہ کہ جس کا بیان نہیں اور نیز یہ کلام آیندہ باتوں کے لیے تمہید بھی ہے کہ اللہ کی تعریف اور برگزیدوں پر سلام کر کے کوئی نصیحت یا عمدہ کام شروع کرنا چاہیے۔

دلائل توحید : اس کے بعد مشرکین کو اپنے عجائب قدرت ملاحظہ کراتا جاتا ہے اور پوچھتا جاتا ہے کہ بتلاؤ اللہ کے سوا یہ کس کے کام ہیں؟ اول تو مجملاً یہ فرمادیا کہ تمہارے معبود بہتر ہیں، یا اللہ۔ پھر اس کے بعد یہ چند دلائل اللہ کے بہتر اور قادرِ مطلق وحدہ لاشریک لہ ہونے پر بیان فرماتا ہے۔ (۱) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا پھر اُوپر سے پانی برسا کر اُس سے عمدہ عمدہ اور کارآمد باغ اور درخت اُگانا یعنی اُس نے تمہارے لیے آسمان وزمین کا گھر بنایا اور اُس میں تمہارے لیے روزی بھی پیدا کی۔ (۲) زمین کو ٹھہرنے کے لیے بنایا اور اُس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں۔ جو انسان کی راحت کے سامان ہیں، دو دریاؤں میں پردہ رکھا۔ (۳) بے قراری کے وقت انسان کی فریاد رسی وہی کرتا ہے نہ کہ اور۔ تم کو زمین کا خلیفہ بناتا ہے ایک کے بعد دوسرا وارث و مالک ہوتا آتا ہے یعنی اس کا احسان تم پر پشت در پشت ہے۔ (۴) تم کو جنگل اور دریا کی اندھیریوں میں رستہ وہی بتاتا ہے جنگل میں درختوں کی اندھیری پھر رات کی پھر ابر کی اسی طرح سمندر کے سفر میں جب راستہ بھول جاتے ہیں وہاں وہی رہنمائی کرتا ہے۔ (۵) بارش کے آنے سے پیشتر خوش آیند ہوائیں وہی چلاتا ہے۔ (۶) وہی ابتداً پیدا کرتا ہے وہی مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا۔ مبدء ومعاد کی طرف بھی معاش کے بعد اشارہ کردیا۔ (۷) آسمان سے پانی کے ذریعہ سے اور زمین سے نباتات کے واسطے سے ہم ہی تم کو روزی دیا کرتے ہیں۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے یا کوئی اور یعنی اور کوئی معبود نہیں تمہارے بتوں کے معبود ہونے پر کیا دلیل ہے؟ آسمانوں اور زمین کی مخفی بات اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، پھر وہ خدا کے شریک کس بات سے ہوگئے؟ بلکہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مرکر کب زندہ ہوں گے۔ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ اے انتہیٰ وتکامل یعنی باوجود یکہ مشرکین کو معلوم

[1] بارش۔۱۲ منہ

کرادیا گیا کہ آخرت برحق ہے مگر پھر اُس سے شک میں ہیں یا یہ معنی کہ ادرک بمعنی انتہیٰ وفنی من قولک ادرکت الثمر ۃ لان تلک غایۃ جہالتہم عند بالعدم (ک) کہ ان کا علم آخرت کے بارہ میں نیست ہوگیا، جس لیے وہ شک میں ہیں، بلکہ اس سے اندھے ہیں، ان تین باتوں کے لیے تین اضراب ہوئے کہ ان کو حشر کا وقت معلوم نہیں۔[1] بلکہ اس کو جان بھی نہیں سکتے بلکہ اس سے شک میں ہیں بلکہ اس سے اندھے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا
نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ
فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا
يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ
رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا
مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

اور منکروں نے کہہ دیا کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر مٹی ہوگئے تو کیا ہم پھر زمین سے نکالے جائیں گے، اس کا تو ہم سے اور ہم سے پہلے باپ دادا سے بھی وعدہ ہوتا چلا آیا ہے، یہ تو صرف پہلوں کی کہانیاں ہیں۔ (سوائے رسول!) کہو تم زمین میں پھر چل کر دیکھو کہ کیا انجام ہوا گنہگاروں کا اور (اے نبی!) تم نہ ان پر کچھ غم کھاؤ اور نہ ان کے مکر کرنے سے دل تنگ ہوا کرو اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں، اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ وہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ کہہ دو شاید بعض وہ چیزیں کہ جن کی تم جلدی مچا رہے ہو، تمہاری پیٹھ کے پیچھے آگئی ہوں اور البتہ آپ کا رب تو لوگوں پر فضل کرتا ہے، لیکن ان میں سے اکثر شکر بھی نہیں کرتے اور البتہ آپ کا رب جانتا ہے جو کچھ کہ ان کے دلوں میں مخفی ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور آسمان وزمین میں ایسی کوئی بھی مخفی بات نہیں کہ جو کتاب مبین میں درج نہ ہو۔

ترکیب: اذا کا عامل لمخرجون کا مدلول وھو نخرج نہ خود لمخرجون کس لیے کہ ہمزہ وان ولام اس کے عمل کرنے سے مانع ہیں، ہمزہ کا مکرر آنا انکار کی تاکید کے لیے ردف لکم تبعکم ولحکم لام تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا، بعض الذی ردف کا فاعل غایۃ صفات غالبہ ہے ہیت مبالغہ کے لیے جیسا کہ راوی کو مبالغہ راویہ کہتے ہیں یا اسم ہیت ایسی ہے جیسے کہ عاقبۃ میں۔

تفسیر: اب ان کے قصور علم اور اندھے ہونے کا بیان کیا جاتا ہے اور اس مناسبت سے مبدء میں کلام کر کے معاد میں کلام واقع ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قیامت میں شک دو ہی بات پر مبنی ہے، ایک یہ کہ خدائے تعالیٰ کو اس بات پر قادر نہ سمجھا جائے دوسرے یہ کہ ممکنات اور ان کے حالات کے علم اور یادداشت میں اس کو عاری سمجھا جاوے کہ مرنے کے بعد ہر ایک جاندار کے اجزاء کو اُسی کے بدن میں جمع کرنا دشوار سمجھا جاوے، انہیں بنیادوں پر وہ حشر کے برپا ہونے میں کلام کرتے تھے۔ اپنا کمال قدرت تو آیات گزشتہ میں ثابت کردیا تھا کہ ہم نے آسمان وزمین اور سب چیزیں بنائیں اور تمہارے رزق کے کیسے کیسے سامان کیے، اس کے بعد اس کی قدرت میں شک کرنا کمال حماقت تھا، اس لیے ان کے احمقانہ شبہ کو اس کے بعد نقل کرتا ہے، وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا الخ یہ شبہ انہیں دونوں باتوں پر مبنی ہے کہ آیا جب ہم مرگئے اور

[1] یہاں سے اضرابات کا مضمون شروع ہوتا ہے۔

ریزہ ریزہ ہوگئے، پھر ان کو کیونکر جمع کیا جائے گا؟ گویا اس کی قدرت کا بھی انکار کیا اور علم کا بھی کہ ہر ایک بدن کے اجزاء اُس کو کیونکر معلوم ہوں گے؟ یہ تو اصلی شبہ تھا۔ وَلَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا اس پر ان کی فضول گفتگو تھی کہ یہ ناممکن اور غلط بات ہے نہ صرف ہم سے بلکہ ہمارے باپ دادا سے بھی پہلے انبیاء اور ان کے نائب ایسی باتیں کہتے چلے آئے ہیں، یہ کہانیاں اور افسانے ہیں۔ اس کے بعد قل سیروا سے اس انکار کا دنیاوی بدنتیجہ بتلاتا ہے کہ ملک میں پھر کر دیکھو ایسے منکروں کا کیا انجام ہوا، اُلٹی ہوئی بستیاں اوندھے گرے ہوئے قصور عالیہ اُن کے حال زار پر کیا کیا اشکِ حسرت بہا رہے ہیں۔ اس آنے والی مصیبت پر آنحضرت ﷺ کو قوم کا رنج وملال ہونا ضروری تھا۔ آپ سراپا رحمتِ الٰہی تھے، اس پر آپ کو تسلی دی جاتی ہے۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ کہ آپ ان ازلی بدنصیبوں پر کچھ رنج نہ کیجئے۔ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ اور نہ ان کے مکر وفریب سے جو آپ کے ساتھ کرتے ہیں۔ تنگدل ہوں، اس چشمۂ الٰہی کو اپنی تدابیر کی ریتلی مٹی سے یہ بندے کرسکیں گے بلکہ اس سے تو وہ اور بھی چاروں طرف پھوٹ نکلے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اُس کے بعد وہ بے نصیب بجائے خوف کرنے اور ایمان لانے کے دلیرانہ یہ پوچھا کرتے تھے۔ هٰذَا الْوَعْدُ الخ اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ قیامت یا عذاب ہم پر کب آئے گا اس کا جواب دیتا ہے قُلْ عَسٰى الخ کہ ان سے کہہ دو جس کی تم بہت جلدی کر رہے ہو، شاید تمہارے بہت ہی قریب آلگا ہو، چنانچہ قحط اور بدر کا واقعہ بہت جلد پیش آیا اور یوں موت تو سر پر ہی کھڑی ہے، جو قیامت کا دروازہ ہے، مگر خدا کا فضل وکرم ہے جو جلد ہی سزائیں نہیں دیتا۔ اس پر شکر کرنا چاہئے نہ کہ دلیر ہونا مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ قدرت کی بابت تو پہلے کلام ہو چکا، گو وہاں سے علم کامل بھی سمجھا جاتا تھا، لیکن وہ لوگ بلید الذہن تھے، اس لیے علم کا اثبات صراحۃً کرنا پڑا، بقولہ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ کہ خدا ہی اُن کے دل کی باتیں کو جانتا ہے، یعنی جن کا وجود ذہنی ہے وہ باتیں بھی تو اس سے مخفی نہیں، چہ جائیکہ جن کا وجود خارج میں ہو اور اُن کے جمیع افعال وحرکات وحالات سے واقف ہے، یعنی اعراض کہ جو غیر قار ہیں ادھر موجود ہوئے۔ اُدھر مٹ گئے چہ جائیکہ وہ چیزیں جو عرصہ تک قائم رہتی ہیں۔ پھر تعمیم کرتا ہے۔ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کہ ان پر کیا موقوف ہے جو چیزیں[1] آسمان وزمین میں مخفی ہیں، ابھی تک میدانِ ظہور میں نہیں آئی ہیں، وہ سب کتاب مبین یعنی علم الٰہی میں ہیں، جس کو کسی خاص اعتبار سے کتاب مبین اور کبھی لوح محفوظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں ان کے مکر اور مخفی تدابیر پر بھی تہدید ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾
وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ
الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ
عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ
الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَاۗبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا

[1] اگرچہ یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ ان چیزوں کو جانتا ہے مگر جبکہ اس کا خالق ہونا تسلیم کر لیا ہے تو خالق کو مخلوق کا علم ہونا ضروری ہے۔ ۱۲ منہ

ع ۶

بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

ہے۔ یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں سناتا ہے کہ جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور البتہ یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے، ایمان داروں کے لیے بے شک آپ کا رب ان میں اپنے حکم سے آپ فیصلہ کر دے گا اور وہ زبردست (اور) خبردار ہے۔ (اے نبی) پس اللہ پر توکل کیے رہو کیونکہ تم صریح حق پر ہو البتہ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہو۔ (خصوصاً) جب کہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں اور نہ آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی دور کر کے ہدایت کر سکتے ہیں۔ آپ تو اُن ہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، وہی مان بھی لیتے ہیں اور جب ان پر وعدہ پورا ہوگا تو اُن کے لیے ہم زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے کلام کرے گا۔ (اس لیے) کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔

ترکیب: اکثر یقص کا مفعول هادی العمی علی الاضافۃ وبالتنوین والنصب علی اعمال اسم الفاعل عن ضلالتھم هادی سے متعلق اور ممکن ہے العمی سے متعلق والمعنی ان العمی صدر عن ضلالتھم تکلمھم من الکلام اومن الکلم اذا قرئی کلمھم ان الناس بالفتح ای تکلم ان الناس و کسرہ ای انہ قال۔

تفسیر..... دلائلِ حقانیتِ قرآنِ مجید: مبدء ومعاد میں کلام کر کے پھر نبوت میں کلام شروع ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بڑی کامل اور روشن دلیل قرآن مجید ہے، اس لیے سب سے پیشتر قرآن مجید کے ان کمالات کا ذکر کرتا ہے جو اس کے الہامی اور کلام الٰہی ہونے کے صاف شواہد ہیں از انجملہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ کہ اہل کتاب کو شرائع و حالاتِ انبیاء ودیگر امور دینی کو جاننے کا بڑا دعویٰ تھا اور اب بھی ان کے بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو کچھ عمدہ مطالب ہیں ہمارے ہاں سے لیے گئے ہیں اور عرب کے لوگ بھی ان کو علوم کا سرچشمہ جانتے تھے اور آنحضرت ﷺ باوجودیکہ علوم رسمیہ نہیں جانتے تھے، لکھے پڑھے نہ تھے، پھر حضرت ﷺ پر وہ قرآن مجید نازل ہونا جو يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کہ بنی اسرائیل کو بھی ان مواقع میں (کہ جہاں وہ خود گرداب اختلاف باہمی میں غوطے کھا رہے ہیں اور تردد اور شکوک وشبہات بوقلموں میں گرفتار ہیں) رہنمائی کرتا ہے اور جو ٹھیک اور صحیح بات ہو وہی نپی تلی بتلا رہا ہے، اس کے الہامی ہونے کی صاف دلیل ہے، اب دیکھنا چاہیے کہ جو قوم علوم کا سرچشمہ خیال کی جاتی تھی، جب قرآن اُن کو صحیح بات بتلاتا ہے تو بجز اس کے اور کیا خیال ہو سکتا ہے کہ قرآن اُس کا کلام ہے کہ جو تمام جاننے والوں سے زیادہ اور صحیح بات جاننے والا ہو اور وہ بجز اس کے اور کون ہے، پس قرآن اُسی کا کلام ہے۔

وہ مواقع کہ جہاں قرآن نے بنی اسرائیل کو متنبہ کیا ہے: اب بطور نظیر کے میں چند وہ مقامات بتلاتا ہوں کہ جہاں قرآن مجید نے علماء بنی اسرائیل اور اُن کی کتب یعنی تورات واناجیل کو اُن کی اغلاط فاحشہ پر متنبہ کیا ہے: (۱) خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے باب میں بہت سی غلطیاں ان میں تھیں، جن کی قرآن مجید نے اصلاح کی۔ اول یہ کہ تورات موجودہ میں ہے کہ خدا نے چھ روز میں آسمان اور زمین کو بنایا اور ساتویں روز آرام کیا، حالانکہ یہ غلط بات ہے کیونکہ خدا تھکتا نہیں جو آرام کرے، اس لیے قرآن میں فرماتا ہے، وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ کہ ہم کو آسمانوں اور زمین کے بنانے میں تکان نہیں ہوا۔ دوم یہ کہ توریت سفر پیدائش اول باب کے ۲۶ درس میں ہے، تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنادیں، حالانکہ خدا کا کوئی مانند نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی کوئی صورت وشکل ہے۔ یہ باتیں جسمانی چیزوں کے لیے ہوتی ہیں، اس لیے قرآن نے اصلاح کر دی لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کہ اُس کے مشابہ اور اُس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ سوم حضرت آدم کے قصہ میں عجیب خلط ملط کیا ہے، سفر پیدائش کے باب میں لکھا ہے کہ خداوند نے عدن کے پورب طرف ایک باغ لگایا اور آدم کو وہاں رکھا اور اُس باغ کے بیچ میں ایک درخت لگایا جو حیات کا اور نیک وبد کی پہچان کا درخت تھا اور آدم کو اُس درخت کے

کھانے سے منع کردیا۔ (بدیں خیال کہ ہمارے برابر نہ ہوجائے) اور پھر آدم نے اُس کو کھالیا تو اسی رشک وحسد میں آکر باغ سے نکال دیا جیسا کہ اسی سفر کے ۳ باب کے ۲۴ جملہ میں ہے اور خداوند خدا نے کہا دیکھو کہ انسان نیک وبد کی پہچان میں سے ایک کی مانند ہوگیا[1] اور اب ایسا نہ ہو کہ ہاتھ بڑھادے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ کھاوے اور ہمیشہ جیتا رہے، اس لیے خداوند نے اُس کو باغ عدن سے باہر کردیا۔ اس قصہ کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کس خوبی کے ساتھ صحیح بیان کیا ہے کہ بیان سے باہر ہے، پھر اسی سفر کے باب ۶ درس ۵ میں ہے، تب خداوند زمین پر انسان پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو کیا ناعاقبت اندیش اور جاہل سمجھا۔ پھر کتاب خروج کے باب ۱۶ اور باب ۲۹ اور کتاب احبار کے باب ۲۶ دیگر مقامات میں ہے کہ خدا تعالیٰ بدلی میں اُترا اور خیمہ کے دروازہ پر کھڑا رہا اور اس کے منہ سے آگ اور نتھنوں سے دھواں نکلا اور وہ ایک کروبی پر سوار ہوکر اُڑا اور اسرائیل کے ستر لوگوں نے موسیٰ اور ہارون کے ساتھ میں خدا کو کرسی پر بیٹھے دیکھا اور کھایا اور پیا اور اُس کا لباس برف سا سفید اور اُس کے سر کے بال صاف اور ستھرے اُون کی مانند تھے اور نیز کتاب خروج کے باب ۲۰ درس ۵ اور باب ۳۴ درس ۷ اور کتاب یرمیاہ کے باب ۳۲ درس ۱۸ میں تصریح ہے کہ خدا تعالیٰ باپ دادوں کے گناہ کی سزا ان کی تیسری چوتھی پشت کو دیتا ہے۔ اس کا بھی خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فیصلہ کردیا۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کہ کوئی شخص کسی کا گناہ نہیں اُٹھاتا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ اس کی نیکی بدی اُسی کے لیے ہے۔ (۲) ملائکہ کی بابت اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بابت زناکاری بُت پرستی شراب خوری، دغابازی، قتل وغیرہ کی سینکڑوں تہمتیں ان کی توریت واناجیل[3] میں ہیں، چنانچہ انجیل میں مسیح علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے کہ مجھ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے تھے چور وقزاق تھے۔ ان سب باتوں سے قرآن مجید میں انبیاء کو پاک اور مبرا بتلایا۔ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (۳) تاریخی واقعات میں سینکڑوں غلطیاں ہیں اور طرز بیان میں بدعنوانیاں ہیں کہ جن کو حسب موقع قرآن مجید نے درست کیا اور ٹھیک ٹھاک بات کو بتلادیا۔

(۴) خود یہودیوں میں صدوقی اور فریسی وغیرہ کئی فرقے تھے، اس سبب سے کہ جب بار دیگر توریت بنائی گئی تو اس میں آخرت کا کچھ حال نہ لکھا گیا۔ صدوقی فرقہ آخرت کا منکر ہوگیا اور باہم بڑی قیل وقال جو تم پیزار ہوا کرتی تھی، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بہت صاف صاف بیان فرمادیا۔ (۵) باہم عیسائیوں کے فرقوں میں سخت اختلافات تھے۔ یعقوب حواری کہتے تھے کہ بغیر عمل کے ایمان معتبر نہیں، جیسا کہ ان کے خط میں مذکور ہے برخلاف اس کے پولوس شریعت کی پابندی کو لعنت اور خدا کی ناراضی کا سبب بتلاتا تھا، جیسا کہ اس کے نامجات میں متعدد جگہ مذکور ہے اور اسی قسم کے صدہا اختلافات ہیں کہ جن کی قرآن مجید نے اصلاح کی اگر ہر ایک کو مفصل بیان کروں ایک دفتر کی حاجت پڑے، انشاء اللہ اگر فرصت ملی تو اسی ایک آیۃ کی تفسیر ایک ضخیم کتاب میں لکھوں۔

ازانجملہ یہ کہ قرآن ھدی و رحمۃ المومنین کہ قرآن ایمانداروں کے لیے ہدایت ہے، مبداء ومعاد علم اخلاق واحکام قصص ونماز وروزہ وغیرہا میں سے کوئی بات اس نے باقی نہیں چھوڑی اور دوسرا لطف یہ ہے کہ یہ رحمت بھی ہے، یعنی احکام میں جو سختیاں پہلے تھیں سب دور کردی گئیں، سہولت کے لباس سے شریعت کو ملبوس کردیا گیا۔ پھر ایسی کتاب دنیا میں کسی نبی کے بھی ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوئی، چہ جائیکہ اُمی کے ہاتھ پر ظاہر ہو، پھر اس کے الہامی اور اس کے خاتم النبیین ہونے میں کون سا شک ہے؟ پھر اُس پہلی بات کی طرف رجوع کرتا ہے کہ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ کہ ان کے باہمی اختلاف میں تیرا رب اپنے حکم سے فیصلہ کرتا ہے، نہ ان کی

[1] معلوم ہو کہ کئی خدا تھے۔ ۱۲ منہ

[2] ان سب باتوں کو آیات تنزیہات رد کرتی ہیں۔

[3] انجیل یوحنا ۱۰ باب۔ ۱۲ منہ

خواہش اور رائے سے کیونکہ وہ زبردست ہے، کسی سے نہیں دبتا اور خبردار ہے ہر ایک بات اُس کو ٹھیک معلوم ہے، اے نبی فتوکل علی اللہ اللہ پر بھروسہ رکھو جو فریق فیصلہ الٰہی سے ناخوش ہوگا تو آپ کا کیا کرے گا؟ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ آپ تو صاف حق پر ہیں اور حق کا حامی اللہ ہے۔ ان دلائل کے بعد عرب کے ہٹ دھرم کفار کی نسبت فرماتا ہے۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى الخ کہ یہ تو بوجہ نہ ہونے حس باطنی کے مردہ ہیں اور آپ مردوں اور بہروں کے سنانے کے لیے نہیں آئے ہو نہ تم ازلی اندھوں کو ہدایت کرنے آئے ہو، آپ تو انہی کو سنانے اور ہدایت کرنے آئے ہو کہ جن میں ایمان لانے کا مادہ اور صلاحیت بھی ہے۔ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا سے یہی مراد ہے، اس آیت سے یہ ثابت کرتا ہے کہ مردے زندوں کی بات سن سکتے ہیں یا نہیں؟ تکلیف ہے اس کو اس مسئلہ سے کچھ بھی علاقہ نہیں کیونکہ موتی سے مراد یہاں کفار ہیں۔

دابۃ الارض: وَاِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ الخ یہ قرآن مجید کے لیے ایک اور دلیل ہے، جس میں قریب قیامت ایک دابہ یعنی جانور کے نکلنے اور کفار سے کلام کرنے کا ذکر ہے اور نیز اب یہاں سے پھر قیامت کا حال شروع کرتا ہے اور قیامت سے پیشتر اس کی بڑی علامت بیان فرماتا ہے کہ اِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ جب بات پوری ہوجائے گی یعنی ان کے گناہوں کا اخیر الزام قائم ہونے کا وقت آئے گا تو اس سے پہلے ہم لوگوں کے لیے زمین سے ایک ایسا جانور یا چارپایہ نکالیں گے کہ جو لوگوں سے کلام کرے گا، اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے، سو اب دیکھو خدا کی عجیب وغریب نشانی ظاہر ہوئی مگر اب کیا ہوتا ہے یا معنی کہ لوگوں سے وہ دابہ یہ کہے گا کہ یہ لوگ ہماری یعنی اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے یعنی ان پر الزام قائم کرے گا۔

دابۃ الارض: مسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے، قیامت کی اول نشانیوں میں سے آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا اور دابۃ الارض کا لوگوں پر دن چڑھے ظاہر ہونا ہے اور ان میں سے جو کوئی پہلے ہو تو دوسری علامت اُس کے ساتھ ہی ساتھ ہوگی اور بھی احادیث صحیحہ میں اس کا ذکر آیا ہے، قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے صرف قریب قیامت کے ایک دابہ کا نکلنا ثابت ہوتا ہے جو لوگوں سے کلام کرے گا اور قدرت الٰہی کا نمونہ ہوگا، اب قرآن میں یہ نہیں کہ وہ دابۃ الارض کس شکل کا ہوگا، کوئی چار پایہ ہوگا یا دوپاؤں کا ہوگا۔ انسان کی صورت ہوگی یا کسی اور چیز کی؟ یہ باتیں علماء نے ثابت کی ہیں۔ معالم التنزیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ایسا جانور نہ ہوگا کہ جس کے دم ہو بلکہ ڈاڑھی ہوگی مراد آپ کی یہ کہ وہ ایک انسان ہوگا۔ عام خیال یہ ہے کہ وہ جانور ہوگا کہ جو کوہ صفا کے زلزلہ آنے کے بعد اس کی کسی کھوہ میں سے نکلے گا اور لوگوں سے کلام کرے گا اور اُس کا عام چرچا ہوگا۔ دابۃ الارض کی حقیقت بعد اختلاف اقوال علماء اسلام معلوم نہیں، مگر قرب قیامت میں کوئی زمین پر چلنے والی چیز ایسی نمودار ہوگی کہ جو قدرت الٰہی کا نمونہ ہوگی۔ اب خواہ وہ کوئی انسان ہو جو ملک میں دورہ کرکے قدرت کے آثار دکھائے یا کوئی عجیب وغریب جانور ہو جو لوگوں سے باتیں کرے اور مشرکین اور منکرین کو الزام دے والعلم عند اللہ آمنا باللہ۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى
اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ
يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي

الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ
تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ
خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ
اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ
كُلُّ شَيْءٍ ۫ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ
لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور (اس دن کو یاد دلاؤ) جس دن کہ ہر جماعت میں سے ان لوگوں کو جمع کریں گے کہ جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے۔ وہ سب صف بستہ کھڑے کر دیے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب سب حاضر ہو چکیں گے تو اللہ فرمائے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا، حالانکہ تم ان کو سمجھے بھی نہ تھے یا کیا کیا کرتے تھے اور ان کے ظلم سے ان پر الزام قائم ہو جائے گا، پھر وہ بات بھی نہ کر سکیں گے، کیا انہوں نے دیکھا کہ ہم نے ان کے سکون کے لیے رات کو اور دیکھنے کے لیے دن کو بنایا ہے۔ البتہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں، اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں اور جس روز کہ صور پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے، سب ہی گھبرا اٹھیں گے، مگر وہ کہ جس کو اللہ چاہے اور سب اُس کے پاس سرنگوں ہو کر چلے آویں گے اور اے مخاطب! تو جو پہاڑوں کو جمے ہوئے دیکھ رہا ہے یہ تو بادلوں کی طرح اُڑتے پھریں گے، مگر وہ کہ جس کی کاریگری سے کہ جس نے ہر شے کو ٹھیک کر دیا۔ بے شک وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ جو کوئی نیکی لاوے گا، سو اُس کو اُس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ لوگ اُس دن کی گھبراہٹ سے بھی امن میں ہوں گے اور جو بدی لے کر آئیں گے سو وہ منہ کے بل آگ میں ڈالے جائیں گے۔ (کہا جاوے گا) تم کو وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ (اے نبی! کہہ دو) مجھ کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے اُس رب کی عبادت کیا کروں کہ جس نے اُس کو محترم کیا ہے اور سب کچھ اسی کا ہے اور مجھے یہ بھی حکم ہوا کہ میں فرمانبردار ہو کر رہوں اور یہ بھی کہ قرآن سنایا کروں، پھر جو کوئی راہ پر آ گیا تو وہ اپنے بھلے کو راہ پر آتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو کہہ دو کہ بس میں بھی ڈرانے والوں میں سے ہوں اور کہو الحمد للہ وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا، تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب اُن کے کاموں سے بے خبر نہیں ہے۔

ترکیب: یوم منصوب ہے اذکر محذوف سے من کل امة من تبعیض کے لیے ممن یکذب بیان ہے، فوجا مفعول نحشر کا ولم تحیطوا جملہ حال کے لیے ای کذبتم بھا بادی الرای غیر ناظرین فیہا نظر تعقل اما ذا ام ای شیء کنتم تعلمونہ تحسبہا جملہ حال ہے، جبال سے یا ضمیر ترى سے وهي تمر حال ہے، ضمیر منصوب سے جو تحسبها میں ہے، ای تمر مر السحاب صنع اللہ مصدر مؤکد لنفسہ اپنے مضمون الجملة المتقدمة کقولہ تعالیٰ وعد اللہ۔ وان اتلوا معطوف ہے ان اکون پر۔

علامت قیامت کے بعد حشر کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا کہ قیامت کے روز ہم ان لوگوں میں سے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے۔ ہر ایک جماعت کو جمع کر کے پوچھیں گے کہ تم نے بے سمجھے بوجھے میری آیتوں کو کیوں جھٹلایا؟ ان کو وہاں کچھ جواب نہ آئے گا۔ اولم یروا الخ یہ منکرین کے لیے الزام دیا جاتا ہے کہ دُنیا میں ہم نے اپنی قدرت و کمال کے بہت سے نشان دکھائے

تھے۔ منجملہ اُن کے رات اور دن تھے جو کسی سے بھی مخفی نہ تھے، ان میں ہماری قدرت اور یکتائی کے بہت سے نمونہ تھے۔ اول یہ کہ زمانہ یعنی رات دن بھی کسی کے قبضۂ قدرت میں تھے جن میں جس طرح چاہتا ہے صرف کرتا ہے۔ زمانہ کا اور چیزوں پر اثر ہے۔ بڑھاپا جوانی زمانے کے آثار ہیں مگر زمانہ اُسی کے بس میں ہے، برخلاف ان کے معبودوں کے کہ وہ زمانے کے بس میں ہیں۔ دوم یہ کہ دن اور رات قیامت اور فنا کا نمونہ ہے۔ رات کو سناٹا ہوتا ہے۔ دوست دشمن سب دوسرے عالم بے خودی میں ہوتے ہیں، پھر صبح ہوتے ہی بیدار اور شور و غل برپا ہو جاتا ہے۔ سوم یہ کہ رات میں ظلمت دن میں نور ہے جس میں اشارہ ہے کہ یہ دُنیا ظلمت کدہ ہے۔ شہوات کی اندھیریاں بھی ہیں، نیک و بد کچھ نہیں معلوم ہوتا صبح قیامت میں سب روشن ہو جائے گا اور اگر کچھ بھی نہ سمجھا تھا تو ادنیٰ بات یہ تو جانتے تھے کہ رات میں آرام اور دن میں کام ہوتا ہے، یہ کس کی طرف سے نشان ہیں۔ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ الخ یہاں سے پھر حشر اور اس کی ابتداء تفصیل کے ساتھ ذکر فرماتا ہے، کیونکہ اجمال کے بعد تفصیل خوب دل میں جم جاتی ہے۔ صور پھونکنے کا آلہ ترئی یا بگل کی مانند ہے۔ قیامت کی ابتداء یہیں سے ہوگی کہ اسرافیل فرشتہ اس کو منہ سے لگا کر بجاوے گا۔ اس کی آواز اس شدت کی ہوگی کہ اول حیوانات مر جائیں گے، پھر نباتات فنا ہوں گے، پھر جمادات اور اس کی ہیبت ناک آواز سے آسمان و زمین کے سب لوگ گھبرا اٹھیں گے، مگر جن کو اللہ چاہے گا نہ گھبرائیں گے، وہ کون لوگ ہوں گے بعض کہتے ہیں ملائکہ حوران جنت بعض کہتے ہیں۔ اہل اللہ انبیاء اولیاء و شہداء حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی انہی میں ہوں گے وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ اور سب اللہ کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے، یہ جب ہوگا کہ مر کر زندہ کرنے کے لیے دوبارہ صور پھونکا جائے گا۔ اس لیے علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ سے دوسری بار کا صور مراد ہے اور پہلے صور کا اثر ظاہر کرنے کے لیے یہ جملہ ہے۔ وَتَرَى الْجِبَالَ کہ یہ پہاڑ جو تم کو جمے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں بادلوں کی طرح اُڑتے پھریں گے، اس پر جو وہم ہو کہ یہ کیونکر ہوگا تو فرماتا ہے۔ صُنْعَ اللّٰهِ الخ کہ یہ کام اسی اللہ کا ہوگا کہ جس نے ہر شے کو مستحکم کیا ہے، پس جو مستحکم کرنا جانتا ہے وہ اس کو اُکھیڑنا بھی جانتا ہے، اُس کو تمہارے سب کام معلوم ہیں۔ یہ تمہید ہے، میدانِ حشر کے بیان کی۔ اس لیے فرماتا ہے کہ اُس روز اس قانون پر عمل ہوگا، مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ الخ کہ جو کوئی نیکی لے کر آوے گا (ایمان و عمل نیک) وہ اس کا اس سے بہتر بدلہ پاوے گا اور اس دن کی گھبراہٹ سے بھی امن میں رہے گا اور جو برائی لے کر آوے گا کفر و شرک تو جہنم میں ڈال دیا جاوے گا۔ فرشتے کہیں گے یہ تمہارے عمل بد کی سزا ہے اور کچھ نہیں۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الخ مبدء و معاد و نبوت میں کلام کر کے سورہ کو کس عمدہ خاتمہ پر تمام کرتا ہے جو تمام اگلے مضمون کا خلاصہ ہے۔ اول یہ کہ لوگوں کو کہہ دو کہ مجھ کو صرف اس شہر کے رب کی عبادت کا حکم ہوا ہے۔ یعنی مکہ کے رب کی، صرف اللہ کی عبادت پر مامور ہوں تو حید خالص میرا وظیفہ ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ صرف مکہ کا رب ہے، بلکہ تمام شہروں کا اور کل مخلوقات کا لیکن هٰذِهِ الْبَلْدَةِ کہنے سے قریش کو انفعال دلانا مقصود تھا کہ وہ رب کہ جس نے تمہارے اس شہر کو متبرک کیا، حرمت دی، جس کی بدولت تم عرب کی مار دھاڑ سے امن میں ہو اور اسی پر کیا منحصر ہے وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ اس کی اور بہت خوبیاں ہیں اور ہر شے اُس کے قبضہ میں ہے، پس وہی پرستش کے قابل ہے۔ دوم اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ کہ توحید کے بعد خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری نیک باتوں کا بجالانا بُری باتوں سے بچنا بھی میرا فرض ہے۔ سوم وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ کہ تم کو قرآن سناؤں، تبلیغ احکام کروں، پھر جو ہدایت پر آوے گا اپنا بھلا کرے گا نہ مانے گا اپنا برا کرے گا۔ اس ترتیب میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تبلیغ اسی کا کام ہے جو خود تو حید اور اعمالِ صالحہ سے آراستہ ہو، اُسی کی بات اثر بھی کرتی ہے۔ پھر اس خاتمہ کو کس عمدہ جملہ سے تمام کرتا ہے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں، وہ تم کو اپنی وہ نشانیاں بھی دکھاتا ہے جس کی تم کو جلدی ہے، سو ان کو پہچان لو گے، چنانچہ بدر اور قحط کا دخان دیکھ لیا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تمہارے کام سے غافل نہیں، ہر ایک عمل کا بدلہ دے گا۔ وله الحمد اولا و آخرا و ظاہرا و باطنا والصلوٰة والسلام علی عبادہ المصطفین الاخیار خصوصا علی محمد سید الابرار و الآل الاطہار و اصحابہ الاخیار فقط۔

حاشیہ ۳۳۷ متعلق بآیت و انه لفي زبر الاولين

انه کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف بھی پھرتی ہے اور قرآن مجید کی طرف بھی۔ شق ثانی کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ قرآن یعنی اس کے مطالب بھی انو کھے نہیں اولین کے کتب کے موافق ہیں، ان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ باستثناء اُن مواضع کے جہاں کتب اولین میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ اگر اس مطابقت کے لیے میں نظائر پیش کروں تو یہ تمام کتاب بھی بس نہ کرے، جو شخص قرآن مجید اور کتب سابقہ کو دیکھے گا اس بات کی پوری تصدیق کرے گا۔ عجب مشکل بات ہے، مخالف کے ہاتھ سے نجات نہیں اگر قرآن مجید کتب سابقہ کے مطابق ظاہر کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں اُن سے لیا گیا ہے، حالانکہ جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اُمی تھے اور اُن کے ہاں بھی عرب میں کوئی کتب خانہ سابقہ کا نہ تھا، پھر کس نے وہاں سے نقل کیا اور، کب کیا اور کس کی معرفت کیا؟ اسی شبہ کی بنیاد پر ایک پادری صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ اور جو اُن باتوں کو دکھایا جاتا ہے کہ جہاں قرآن مجید نے ان کی غلط باتوں کو چھوڑ کر صحیح بات ذکر کی ہے تو کہتے ہیں لو صاحب قرآن کتب سابقہ کے خلاف کر رہا ہے۔

اول شق پر بھی معنی صاف ہیں، کیونکہ اب کتب سابقہ باتحریف میسر نہیں آتیں، ان کے اہل مذاہب نے اپنی خود غرضیوں سے بھی ان میں ایسی تحریف وتبدیل کی ہے کہ کچھ کا کچھ کر دکھایا، اس بات کو علماءِ اسلام نے کتب مناظرات میں بڑی خوبی کے ساتھ ثابت کر دیا ہے، مگر تاہم اُن میں اب بھی آنحضرت ﷺ اور آپ کے دینِ متین کی بابت اس قدر بشارتیں پائی جاتی ہیں کہ اتنی اور کسی کے لیے نہیں پائی جاتیں۔ اس مقام پر بطور نظیر کے چند بشارات مختصراً نقل کرتا ہوں مفصلاً کتب مناظرات میں ہیں، وہاں دیکھو۔ (۱) توریت سفر استثنیٰ کے اٹھارہویں باب میں ۱۸ درس یہ ہے، میں ان کے لیے (بنی اسرائیل کے لیے) ان کے بھائیوں میں سے (بنی اسماعیل میں سے کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے بھائی ہیں) اے موسیٰ تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا۔ انتہی اس خبر کا مصداق نہ تو حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ہیں جیسا کہ علماءِ یہود کہتے ہیں، کیونکہ وہ خود موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔ کتاب وشریعت جدیدان کے پاس نہ تھی، نہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے کیونکہ باعتقادِ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا' کبھی خدا کے بیٹے، کبھی خدا کے ٹکڑے بحکم تثلیث تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام انسان تھے۔ خدا اور انسان میں کوئی بھی مماثلت نہیں اور نیز عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام باپ سے پیدا ہوئے تھے نہ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مانند ہے نہ ان کا طرزِ نبوت اُن کے طرزِ نبوت سے ملتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت حکومت وشوکت کے ساتھ تھی برخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام کے عہد تک اس بشارت کے بموجب لوگوں کو اس نبی کا انتظار تھا اور یہ نبی موعود ان میں نہایت مشہور تھا، چنانچہ انجیل یوحنا کے اول باب میں ہے کہ لوگوں نے یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا کیا تو الیاس ہے کیا تو مسیح ہے یا وہ نبی ہے۔ وہ نبی سے اشارہ ان کا اسی نبی موعود کی طرف تھا جس کو مسیح اور الیاس کے غیر سمجھتے تھے۔ رہی یہ بات کہ بعض حواریوں نے یہود کے مقابلہ میں اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ کو قرار دیا ہے، جیسا کہ کتاب اعمال سے پایا جاتا ہے تو یہ استدلال ہم پر کوئی عجب نہیں البتہ آنحضرت ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کی مماثلت خود کہے دیتی ہے کہ اس کے مصداق آنحضرت ﷺ ہیں۔ آنحضرت ﷺ والدین سے پیدا ہوئے تھے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کی قید سے رہا کیا۔ آنحضرت ﷺ نے عرب کو غیر قوموں کی حکومت سے ابد تک رہائی دی، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع ایک غیر شخص ان کا جانشین ہوا، اس طرح حضرت کے بعد

۱؎ بعد اس پیشین گوئی کے عرب کے ان پہاڑوں سے خدا کے آنے اور جلوہ گر ہونے کی بجز اس کے کہ آنحضرت ﷺ کا ظہور مراد لیا جائے اور کوئی معنی قائم نہیں ہو سکتے کہ کہ شعیر مدینہ سے ملا ہوا پہاڑ ہے اور فاران مکہ کے پہاڑوں کا نام ہے جس کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانشین ہوئے، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں سردار ہوئے اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بعد خلفاء ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں طہارت' نجاست' حلت وحرمت' قصاص وغیرہ کے متعلق احکام تھے، اس طرح آنحضرت ﷺ کی شریعت میں بھی ہیں اور بہت سی باتیں ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا اس لیے آنحضرت ﷺ کی نبوت کے آنحضرت ﷺ کے معاصر علماءِ یہود بھی قائل تھے، ہاں الفتِ جاہ ومال سے بعض نے دینِ اسلام قبول نہ کیا، بعض نے کیا منجملہ ان کے مخیریق تھا جو جنگ احد میں شریک ہوا اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۲) یشعیا نبی علیہ السلام کی کتاب میں جواب تک اہل کتاب کے نزدیک کلام الٰہی مانی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کی اُمت کا نہایت صراحت کے ساتھ ذکر ہے، چنانچہ اس کے ساٹھویں باب کے یہ جملے ہیں۔ اُٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے (یہ طلوع خداوندی اس پیشین گوئی کے بعد بجز قوم عرب کے اور کسی پر اب تک نہیں ہوا) اور اسی طلوع خداوندی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد ہوا تھا، جیسا کہ توریت سفر استثنی کے تینتیسویں باب میں ہے جس کے یہ جملہ ہیں اور اسے کہا کہ خداوند سیناؔ سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُن کے لیے تھی۔ کوہ سینا سے خدا تعالیٰ کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی فرمانا اور توریت عطا کرنا مراد ہے، اب رہا کوہ شعیر اور کوہ فاران سے آنا جو عرب کے پہاڑوں کے نام ہیں اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنا یہ بجز اسی طلوع خداوندی کے جو آنحضرت ﷺ کے وسیلہ سے عرب پر ہوا اور فتح مکہ میں دس ہزار پاک باز تھے اور یوں بھی بدر وغیرہ میں ملائکہ کے لشکر مدد کو آئے اور ملائکہ قدوسی ہیں۔ یہ بات اور کسی پر صادق نہیں آتی۔ اشعیا نبی کے کلام میں تصریح ہے کہ اس وقت تمام قوموں پر ظلمت ہوگی اور دیگر قومیں اس باخدا جماعت کی روشنی میں آئیں گی اور شاہان اس کی تجلی میں آویں گے۔ یہ بات بھی بجز آنحضرت ﷺ کی بعثت کے اور کسی پر صادق نہیں آسکتی۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے تمام عالم پر تاریکی چھائی ہوئی تھی، غیر قومیں آپ کی روشنی میں آئیں، شاہان مطیعِ اسلام ہوئے، پھر آگے اور بھی تصریح ہے، کثرت سے اُونٹ آکے تجھے چھالیں گے (یہ شہر یروسلم کی طرف خطاب ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اہل اسلام نے اُونٹوں پر سوار ہو کر ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھا) مدیان اور عیفہ کے جوان اُونٹ وہ جو سب سباء کے ہیں آویں گے۔ (سباء سے قبائل یمن مراد ہیں۔ بنو حمیر وغیرہ اس غزوہ میں وہی پیشتر شریک تھے) وے سونا اور لبان لاویں گے اور خداوند کی تعریف کی بشارتیں سنائیں گے۔ قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ عیفہ کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جاویں گے۔ قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام ہے جس کی نسل سے آنحضرت ﷺ اور بہت سے قبائل عرب ہیں۔ ان سب کا جمع ہونا اور خدا کی منظوری کے لیے مذبح پر چڑھایا جانا یعنی شہید ہونا۔ بتلائیں، بجز آنحضرت ﷺ کے اور کس پر صادق آتا ہے؟ پھر آگے چل کر اس شہر اور ہیکل کا تعمیر کرنا اور بیت المقدس کی خدمت کرتے رہنا مذکور ہے۔ اب وہ کون سی قوم ہے جس نے طیطس کے ڈھائے ہوئے ہیکل اور یروسلم کی تعمیر کی اور اس کے بادشاہوں نے اس کی خدمت گزاری کی اور وہاں امن قائم کیا؟ یہ بجز اسلامیوں کے اور کس پر صادق آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی پھر بعد میں شاہان اسلام اس کے اب تک خدمت گزار رہے، وہاں جب سے یہود کو امن ہو گیا۔

۱؎ بعد اس پیشین گوئی کے عرب کے ان پہاڑوں سے خدا کے آنے اور جلوہ گر ہونے کی بجز اس کے کہ آنحضرت ﷺ کا ظہور مراد لیا جاوے اور کوئی معنی قائم نہیں ہو سکتے کہ وہ شعیر مدینہ سے ملا ہوا پہاڑ ہے اور فاران مکہ کے پہاڑوں کا نام ہے جس کا سلسلہ دور تک چلا گیا۔ ۱۲ منہ

پھر ۶۱ باب میں یہ ہے تب وے پرانے اجاڑ مکانوں کی تعمیر کریں گے۔ الخ اور انہیں دائمی شادمانی ہوگی۔ الخ اور ان کے ۔ تحہ ایک ابدی عہد باندھوں گا اور ان کی نسل قوموں کے درمیان نامور ہوگی اور ان کی اولاد امتوں کے درمیان سب جو انہیں دیکھیں گے، اقرار کریں گے کہ یہ وہ نسل ہے جسے خداوند نے مبارک کیا ہے۔ عہد ابدی مسلمانوں سے باندھا گیا، اب تک یروشلم کے قابض ہیں اور شام کی سرزمین کے بھی پھر ۶۲ باب میں یروسلم کا نئے نام سے نامزد ہونا اور اس کی تعمیر کرنے والی قوم کا اس کو محترم جاننا مذکور ہے۔ اُجڑے ہوئے یروسلم کو محترم جان کر بجز مسلمانوں کے اور کس نے تعمیر کیا ہے؟ اور انہی کے عہد میں اس کا نیا نام بیت المقدس مشہور ہوا۔ پھر ۶۵ باب میں مسلمانوں کا یروسلم پر قبضہ پانا اور ان کا خدا کے نزدیک مبارک ہونا صراحتاً مذکور ہے، کیونکہ اس میں نئی قوم سے ابدی عہد باندھنا منظور ہے۔ پھر ۶۶ باب میں ان لڑائیوں کا ذکر ہے جو مسلمانوں اور عیسائیوں میں بیت المقدس کی بابت ہوئیں اور انجام مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ قولہ خداوند کی بات سنو اے تم جو اس کے کلام کے سبب کانپتے ہو (یعنی مسلمان جن کی نسبت آیا ہے۔ تُقْشَعِرُّ جُلُوْدُهُمْ) تمہارے بھائی جو تم سے کینہ رکھتے۔ (عیسائی لوگ) جو بہ نسبت اور قوموں کے مسلمانوں کے بھائی ہیں، کینہ بھی[1] رکھتے تھے اور میرے نام کے واسطے تمہیں خارج کر دیتے ہیں، کہتے ہیں خداوند کی تمجید کی جائے گی۔ (عیسائی مسلمانوں سے دین کی لڑائی سمجھ کر لڑتے تھے کہ یہ برے لوگ خانہ خدا کے کیوں مالک ہوگئے؟ آخر ایک بار غالب آکر مسلمانوں کو وہاں سے خارج کر دیا۔ ستر برس کے قریب تک مسلمان خارج رہے پر وہ (اللہ) تمہاری خوشی کے لیے دکھائی دے گا اور پشیمان ہوں گے۔ شہر کی طرف سے غلغلے کی آواز اور ہیکل کی طرف سے بھی آواز یہ خداوند کی آواز ہے جو اپنے دشمنوں کو بدلہ دیتا[2] ہو۔ (پھر ایک جرار لشکر کے ساتھ صلاح الدین یوسف شاہ مصر نے بیت المقدس پر چاروں طرف سے حملہ کیا اور ہر طرف سے تکبیروں کے نعرے بلند تھے، جس سے خدا کے دشمن مغلوب ہو کر نکلے اور بھاگ گئے۔ شہر فتح ہوا جھنڈا کھڑا کیا گیا۔ ہزاروں دشمن خدا مارے گئے، پھر ۱۴ درس سے اخیر تک اور بھی تصریح ہے، اس کے سوا کتاب دانیال اور زبور حضرت داؤد میں اور انجیل میں اور ان کی دیگر کتب مسلمہ میں کہیں بالا جمال کہیں بالتفصیل آنحضرت ﷺ کی بکثرت بشارتیں موجود ہیں جن کو غور کر کے بہت سے خدا ترس اہل کتاب حضرت پر ایمان لائے اور لاتے ہیں اور جن کے دلوں پر خدا تعالیٰ نے مہر کر دی ہے، وہ کبھی نہیں مانتے سینکڑوں حجتیں پیش کی جاتے ہیں۔ واللہ الہادی۔ ۱۲ منہ غفر اللہ لہ۔

❀❀❀

[1] خصوصاً حرب صلیب کے وقت کہ کئی سو برس تک فرنگستان کے عیسائی حملہ کر کے مسلمانوں پر آئے۔

[2] یہاں سے معلوم ہوا کہ عیسائی مذہب دشمن خدا ہے۔ ۱۲ منہ

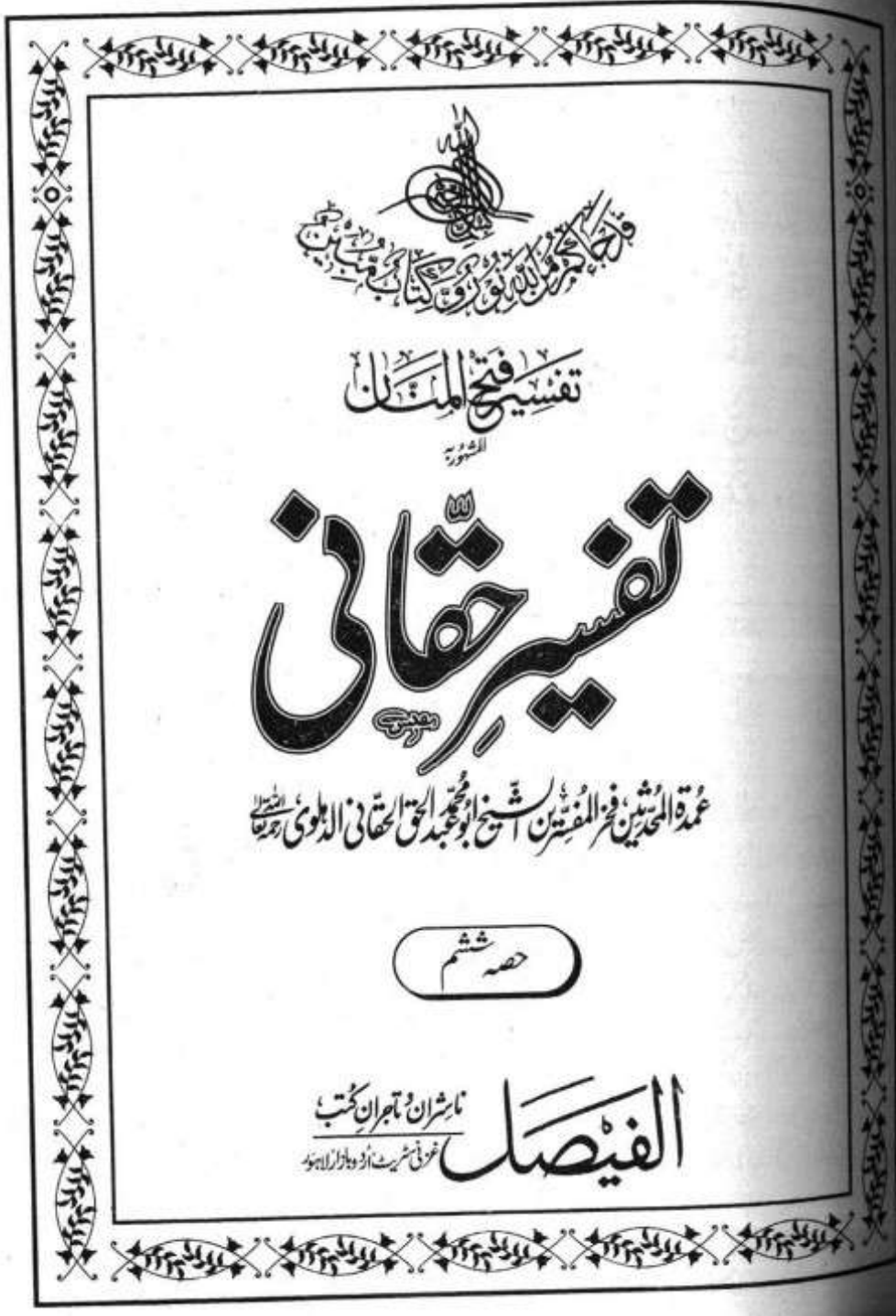
تفسیر فتح المنان
المشہورہ
تفسیر حقانی
عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حصہ ششم
الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

الجلد السادس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥

یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی، ہم آپ کو ایمانداروں کے فائدہ کے لیے موسیٰ اور فرعون کا کچھ صحیح حال سناتے ہیں، البتہ فرعون زمین پر سرکش ہو گیا تھا اور وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ کر ڈالے تھے، اُن میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا کہ اُن کے لڑکوں کو مروا ڈالتا تھا اور لڑکیوں کو جیتا رکھتا تھا، البتہ وہ مفسدوں کا مفسد تھا اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جو ملک میں کمزور کیے گئے تھے، اُن پر احسان کریں اور اُن کو سردار بنا دیں اور ان کو وارث کریں۔ (ملک شام کا) اور ان کو ملک پر قابض کریں اور فرعون اور ہامان اور اُن کی فوج کو وہ چیز دکھا دیں کہ جس کا وہ خطرہ کرتے تھے۔

ترکیب : نتلوا کا مفعول محذوف ای شیئاً من نباء اس کی صفت جو اس پر دال ہے۔ اخفش کے نزدیک من زائد تب یہ نباء موسیٰ مفعول ہے، بالحق حال ہے نباء سے۔ نتلوا کے فاعل سے بھی حال ہو سکتا ہے۔ ای نتلوا متلبسا بالحق لقوم لام نتلوا سے متعلق ونری معطوف ہے، نمکن پر اور وہ اور نجعل لمن پر اَنْ کے بیچے فِرْعَوْنَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا نری کا اول مفعول مَا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ مفعول دوم بعض نُرِيَ سے متعلق اور بعض کہتے ہیں يَحْذَرُوْنَ سے وفیہ مافیہ لان الصلۃ لا تتقدم علی الموصول۔

تفسیر : اس سے پہلے سورۂ نمل کے خاتمہ میں یہ کہا وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ کہ مجھے قرآن سنانے کا حکم ہوا ہے، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس لیے اس سورۃ کا ابتداء قسم حروف مقطعات سے کر کے جن میں ط سے طور اور س سے موسیٰ علیہ السلام اور م سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح کوہ طور پر ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر کتاب لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجی، اسی طرح مکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ سے کلام شروع کیا کہ قرآن کتاب واضح ہے، اس کی یہ آیتیں ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ کتاب اپنی صداقت پر آپ گواہی دے رہی ہے۔ جیسا کہ آفتاب اپنے وجود کی آپ دلیل ہے، مبین یعنی ظاہر ہونے کے سبب۔ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ الخ سے اسی مناسبت سے موسیٰ اور فرعون کا حال شروع کیا کہ فرعون نے اپنی دولت و سلطنت کے غرور میں بنی اسرائیل کو پریشان کر رکھا تھا۔ شیعاً فرقاً یشیعونہ علی ملبریدو یطیعونہ وجعلھم اصنافاً فی استخدامہ فمن بان و حارث (نیشاپوری) یعنی مصر کے لوگوں کے مختلف گروہ کر دیے تھے اپنی قوم قبط کو تو معزز خدمات پر کر رکھا تھا اور بنی اسرائیل کو محنت و ذلت میں ڈال دیا تھا، پھر ان میں بھی مختلف گروہ تھے، کوئی معماری پر کوئی کھیتی پر مامور تھا۔ يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ شِيَعًا کی تفصیل ہے اور ان کے جدا جدا گروہ کر دینے اور باہم پھوٹ ڈالنے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، تاکہ باہمی پھوٹ اور نفاق

سے اُن کا زور جاتا رہے اور ہمیشہ غلامی میں رہیں۔ مزید برآں اُس کی تفصیل ہے کہ ان کے لڑکوں کو قتل کرڈالتا تھا، تاکہ ان کی نسل نہ بڑھے یا اس خوف سے کہ کسی کاہن نے ان میں موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے کی خبر دی تھی، لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا کہ ان سے کچھ خوف نہیں اور تاکہ ان کی عورتوں کو اپنے کام میں لائیں۔ سو سے اُن کی اور بھی ذلت تھی۔ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ یعنی وہ بڑا شریر تھا، ہو نہیں اور ہم کو یہ مقصود تھا کہ ان غریبوں پر احسان کریں اور ان کو ائمہ یعنی مقتدا بناویں بادشاہ یا ہادی دین اور وارث یعنی ملک شام کا مالک اور قابض کریں اور فرعون اور اس کے وزیر ہامان کو ان کے داؤ کو غلط کر دکھائیں اور جس بات سے وہ ڈرتے تھے کہ یہ لوگ کہیں آزاد ہو کر ترقی نہ کر جائیں وہی ان کے سامنے لادیں۔ اس کلام سے یہ مطلب کہ جس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو مصیبت سے بچا کر کے کو موسیٰ بھیجا تھا، اسی طرح اے لوگو! تمہاری بہتری کو حضرت محمد ﷺ کو قرآن دے کر بھیجا اور جس طرح تکبر سے فرعون نہ مانا، ہلاک ہوا، خدا کے ارادہ کو نہ روک سکا، اسی طرح تم سے پیش آئے گا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۗ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۗ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۗ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۚ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم بھیجا کہ اُس کو دودھ پلا، پھر جب تجھے اُس کا خوف ہو تو اُس کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف اور غم نہ کرنا، کیونکہ ہم اس کو تیرے پاس واپس پہنچا دیں گے اور اس کو رسولوں میں سے ایک رسول بنائیں گے، پھر اس کو فرعون کے خاندان والوں نے دریا سے اُٹھا لیا کہ انجام کار وہ ان کا دشمن اور رنج

لے یعنی یہ مضمون کی ۱۲۔

ع عرب نہ صرف جہالت و گمراہی کے ظلمات میں مبتلا تھا بلکہ قوموں کی نظروں میں ذلیل بھی تھا قیصر و کسریٰ کے دبدبہ سے دنیا ہل رہا تھا لیکن صرف ان کو ورطۂ ضلالت سے بچایا بلکہ ملکوں کا بادشاہ اور قوموں کا سردار بھی کر دیا اور ابوجہل فرعون مکہ کا کچھ داؤ نہ چلا اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ انسان کو لازم ہے کہ مشیتِ الٰہی کا خلاف نہ کرے اور ارادۂ آسمانی کا مخالف نہ بنے ورنہ ہلاک ہوگا کیونکہ اللہ اپنی مخلوق پر ہمیشہ سے رحم کرتا آیا ہے۔ ۱۲ منہ

دینے والا ہے۔ بے شک فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر خطا کار تھے اور فرعون کی بیوی نے کہا۔ یہ لڑکا میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل نہ کرو، شاید کہ وہ نفع دے یا اس کو ہم بیٹا بنا لیویں اور اس انجام کی خبر نہ تھی (کہ بڑا ہو کر کیا کرے گا) اور صبح کو موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا، اس راز کو ظاہر ہی کر دیا ہوتا۔ اگر ہم اس کے دل کو صبر نہ دیتے تاکہ اس کو ہمارے وعدہ کا یقین رہے اور اس نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا، سو وہ اُس کو اجنبی بن کر دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو خبر نہ تھی اور ہم نے پہلے سے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا، سو اس کی بہن بولی کہو تو میں ایک ایسا گھر نہ بتاؤں کہ جو اس کی پرورش کرے اور وہ اس کے درد مند بھی ہوں۔ پس میں نے موسیٰ کو اُس کی ماں کے پاس پہنچا دیا کہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، وہ آزردہ خاطر نہ رہے اور وہ معلوم کر لے اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن بہت لوگ جانتے ہی نہیں۔

ترکیب : اَنْ اَرْضِعِيْهِ اگر ان مصدریہ ہے تو یہ اوحینا کا مفعول اور اگر بمعنی ای تفسیر کے لیے تو یہ اوحینا کی تفسیر ہوگی، لیکون و اللام للصیرورۃ او للغرض فارغًا ای خالیا من الصبر او الخوف او مما سواہ یہ اُصْبَحَ کی خبر فؤاد ام موسیٰ اسم، ان کادت ان مخففہ ہے، ثقیلہ سے واسمہا محذوف ای انہا وقیل بمعنی ما جواب او محذوف دل علیہ ان کادت لتکون لام متعلقہ ربطنا عن جنب من مکان بعید اختلاسا ہو فی موضع الحال من الفاعل فی بصرت والمراضع جمع مرضعۃ ویمکن ان یکون جمع مرضع بمعنی مصدر۔

تفسیر : واوحینا یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ہم نے وحی کی یعنی اُس کے دل میں القاء کیا (اس لیے کہ یہاں وحی سے مراد وحی انبیاء نہیں) کہ تو بے کھٹکے موسیٰ کو دودھ پلائے جب فرعونی تلاش کرنے آویں جیسا کہ ان کا قانون اور دستور تھا کہ لڑکے کی خبر پا کر اُس محلہ کے لوگ آتے اور اُس کو وہیں یا اور جگہ لے جا کر قتل کر ڈالتے تھے تو اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا صندوق میں رکھ کر اور اس بات سے کچھ خوف نہ کرنا کیونکہ ہم اس کو پھر تیرے پاس پہنچا دیں گے۔ (یہ بات فرشتے نے ان کی ماں سے کہی یا ان کے دل میں القا کیا) آخر ڈال دیا اور وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس آیا۔ انہوں نے اُٹھایا کھولا تو ایک حسین بچہ زندہ معلوم ہوا، خدا نے فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کی تدبیر کو کس طرح سے غلط کیا کہ اس بچے کو اپنے گھر میں فرزند بنا کر پرورش کرنے لگے کہ انجام کار یہی بچہ ان کے خاندان کی ہلاکت کا باعث ہوا، مگر موسیٰ کی ماں نے اپنی بیٹی سے کہہ دیا تھا کہ تو اجنبی بن کر اس صندوق کے ساتھ دیکھتی جا کہ کدھر جاتا ہے اور تجھ کو کوئی نہ پہچانے، پھر جب فرعون کے محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچ گئے اور دودھ پلانے کے لیے انائیں بلائی گئیں تو حضرت نے کسی کا دودھ بھی نہیں پیا۔ حضرت پر ان کے دودھ حرام کر دیے تھے، تب ان کی بہن نے کہا کہو تو میں تم کو ایک انا بتاؤں جو اس کو اچھی طرح سے دودھ پلائے اور دل سے پرورش کرے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا اس نے اپنی ماں کو بلایا۔ انہوں نے دودھ پلایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پینے لگے۔ آخر کار پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پاس آ گئے، خدا نے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں، رنج دور کر دیا اور بتلا دیا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اگر جانتے تو اس کے عذاب سے ڈرتے اور رزق وغیرہ کی بابت جو اس نے وعدہ کیا ہو اس پر توکل کرتے، در بدر مارے مارے نہ پھرتے، دنیا کے لیے عقبیٰ برباد نہ کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے جب اُن کو دریا میں ڈالا تو بیٹے کی محبت میں دل بے اختیار ہو گیا، قریب تھا کہ چیخیں مار مار کر روتی مگر اللہ نے اس کے دل کو صبر اور مضبوطی عطا کی۔ فالتقطہ التقاط برداشتن اُٹھا کر یا بون لے جانا اُچک لینا اسی لیے پڑی ہوئی چیز کہ جس کو لوگ اُٹھا لیتے ہیں، لقطہ کہتے ہیں اور پڑے ہوئے لڑکے کو جو اُٹھا لیتے ہیں، یعنی لاوارث کو لقیط، لِيَكُوْنَ لَهُمْ یہ لام عربی میں لام عاقبت کہلاتا ہے نہ لام غرض یعنی موسیٰ کے اُٹھا لینے سے ان کی غرض اپنا دشمن پالنا اور رنج مول لینا نہ تھا، لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ کانو اخطئین ان کی یہ تدبیر غلط تھی، وقالت امرات فرعون یہ محل کے اندر کی گفتگو ہے، جبکہ بعض قیافے والوں نے یہ کہا کہ یہ بچہ کوئی بنی اسرائیل میں سے ہونہار معلوم ہوتا ہو، کہیں یہ وہی نہ ہو جس کی نجومیوں نے خبر دی ہو، اس کو مار ڈالو تب فرعون کی بیوی نے کہا نہ مارو، اس کے دل میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی بے شمار محبت ڈال دی تھی۔ فرعون کے کوئی لڑکا نہ تھا، کہا یہ

میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، کسی شریف کا بچہ ہے، نفع پہنچا دے گا، ہم اس کو بیٹا بنالیں گے، اگر بیٹا نہ بنائیں گے تو بھی اس سے بھلائی کی توقع ہے۔ اگرچہ اس صندوق کو فرعون کی بیٹی نے اُٹھوا منگایا تھا مگر سفارش بیوی نے کی اس لیے اس میں دونوں شریک تھے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝
وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۡ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۡ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَاۗىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۭ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۚ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ وَجَاۗءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَاۗىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ ۭ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ع

اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچا اور مستحکم ہوا تو ہم نے اُس کو حکمت و علم دیا اور ہم نیک بندوں کو اسی طرح سے بدلا دیا کرتے ہیں اور موسیٰ شہر میں لوگوں کی بے خبری کے وقت داخل ہوا، پھر اس نے وہاں دو شخصوں کو ہاتھ لڑتے ہوئے پایا کہ یہ ایک اس کی جماعت کا تھا اور یہ دوسرا مخالفوں میں سے تھا، پھر اس نے جو موسیٰ کے گروہ کا تھا اپنے دشمن پر موسیٰ سے مدد چاہی، تب موسیٰ نے مخالف کے مکا مار اتو کام تمام کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے یہ تو شیطانی حرکت سرزد ہو گئی۔ بے شک شیطان صریح گمراہ کرنے والا ہے۔ موسیٰ نے دعا کی اے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو مجھے بخش دے، چنانچہ بخش دیا۔ البتہ وہ جو ہے تو بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ موسیٰ نے کہا اے رب! جیسا کہ آپ نے مجھ پر کرم کیا ہے تو آئندہ میں بھی کسی شریر آدمی کا مددگار نہ ہوں گا۔ پھر موسیٰ نے شہر میں ڈرتے انتظار کرتے ہوئے صبح کی (پھر کیا دیکھتا ہے کہ) وہی شخص کہ جس نے کل موسیٰ سے فریاد کی تھی، اس کو پھر پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اُس سے کہا، بے شک تو صریح کجرو ہے۔ پھر جب موسیٰ نے

قصد کیا کہ اپنے اور اُس کے دشمن پر ہاتھ دراز کرے تو یہ کہنے لگا۔ اے موسیٰ! تو مجھے بھی قتل کیا چاہتا ہے، جیسا کہ کل ایک کو قتل کر چکا ہے تو یہی چاہتا ہے کہ ملک میں زبردستی کرنا پھرے اور تو یہ نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو کر رہے اور ایک شخص نے جو شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا تھا۔ یہ کہا اے موسیٰ! درباری تیرے لیے مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کریں۔ سو تو نکل جا البتہ میں تیرا خیر خواہ ہوں، پھر موسیٰ شہر سے ڈرتے انتظار کرتے ہوئے نکلے۔ کہا اے رب! مجھ کو ظالم قوم سے بچا لے۔

ترکیب : اتینہ جواب لما علی حین غفلة حال من المدینة ویجوزان یکون حالاً من الفاعل ای متلبساً۔ هذا من الخ الجملتان فی موضع نصب صفة لرجلین بما انعمت الباء للقسم والجواب محذوف دل علیه فلن اکون ویمکن ان یکون المعنی بحق انعامک علی اعصمنی خائفاً حال من فاعل اصبح یترقب بدل منها او تاکید لها یسعی صفة اخری الرجل او حال والایتمار الائتمار لان کل واحد من المتشاورین یامر صاحبه ای یشیر علیه بامر۔

تفسیر : الغرض موسیٰ علیہ السلام جب بھرپور جوان ہو گئے تو خدا نے ان کو حکم یعنی دانائی اور حکمت دی اور علم عطا کیا۔ نیک و صالح اور باخدا اُٹھے، لیکن ہنوز نبوت نہیں عطا ہوئی تھی۔ بعض کہتے ہیں اشد اور استویٰ کے ایک ہی معنی ہیں اور قوی یہی ہے کہ دونوں لفظوں کے جدا جدا معنی ہیں۔ اشد بلوغ اور استویٰ جہاں تک بڑھنے کی حد ہو بڑھ چکنا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اشد کا اٹھارہ برس سے تیس تک کا زمانہ ہے اور استویٰ تیس سے لے کر چالیس تک کا (نیشاپوری)۔ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ الخ مدینہ سے کون سا شہر مراد ہے کہ جہاں لوگوں کو غافل پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے گئے تھے اور غافل پا کر جانے کا کیا سبب تھا؟ اس بارہ میں علماء مفسرین نے کئی قول لکھے ہیں، بہت لوگ کہتے ہیں کہ شہر مصر سے دو فرسخ کے فاصلہ پر فرعون نے اپنے رہنے کو ایک جدی بستی آباد کی تھی، وہاں موسیٰ علیہ السلام کے آنے کی ممانعت تھی، کس لیے کہ اپنے عالمانہ اور حکیمانہ خیالات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کے طریقہ پر معترض ہوا کرتے تھے۔ نگہبانوں کی آنکھ بچا کر ایک روز آپ وہاں چلے گئے، پھر وہاں یہ قصہ پیش آیا کہ ایک مصری اور ایک اسرائیلی کو باہم لڑتے دیکھا، مصری اپنی قومی شوکت کے گھمنڈ پر زیادتی کر رہا تھا۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی آپ نے چھڑانے کی غرض سے مصری کے سینہ میں ایک ہاتھ مار کر دھکا دیا۔ شہ زور آدمی تھے، اُس کے دل پر کوئی صدمہ پہنچا مر گیا۔ اگرچہ موت ناگہانی تھی، اس میں موسیٰ علیہ السلام کا کوئی قصور نہ تھا، مگر تاہم ایک آدمی ان کے ہاتھ سے ضائع ہوا، اس لیے افسوس کیا اور اس کو شیطانی کام کہا اور خدا سے استغفار کیا۔

عصمتِ موسیٰ علیہ السلام: اس واقعہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طعن کرنا اور عصمتِ انبیاء میں کلام کرنا بے فائدہ بات ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا اس میں درحقیقت گناہ ہی کیا تھا، دوسرے اس وقت تک آپ نبی ہی کہاں ہوئے تھے۔ نبوت تو مدین سے واپس آتے وقت ملی جیسا کہ قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے۔ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّاۗلِّيْنَ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا (شعراء) پس موسیٰ علیہ السلام نے قسم کھائی کہ آئندہ مجرموں کی کبھی مدد نہ کروں گا۔ مدد تو اسرائیلی کی کی تھی، وہ مظلوم تھا مجرم نہ تھا، پھر یہ کیا فرمایا کہ آئندہ مجرموں کی مدد نہ کروں گا، پہلے کب مجرموں کی مدد کی تھی اور اگر وہ اسرائیلی مجرم تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے حمیتِ قومی سے اس کی مدد کی تھی تو پھر موسیٰ علیہ السلام کے گناہ میں کیا کلام باقی رہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند اسرائیلی مجرم نہ تھا زیادتی مصری کی تھی مگر مشہور ہے ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی، بہرحال بازاروں میں لڑنا لڑائی کا ہونا صالحین کی سیرت نہیں ان کو جو کوئی برا بھلا بھی کہتا ہے تو صبر ہی کر جاتے ہیں، آمادۂ جنگ نہیں ہوتے، اس لیے اس اسرائیلی کو

لہ ضحاک کہتے ہیں عین الشمس مراد ہے بعض کہتے ہیں مصر مراد ہے۔ عین غفلة سے بعض کہتے ہیں شام کا وقت بعض کہتے ہیں دوپہر کا وقت اس کا سبب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ لڑکپن میں جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ڈاڑھی پکڑ لی اور لکڑی کھینچتے ہوئے سر میں ماردی تو ناراض ہو کر حکم دیا کہ ہمارے محل میں نہ آئے نہ خاص شہر میں یہ ممکن ہے کہ ایسا ہو مگر صاف بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شہزادوں کی طرح پرورش پاتے تھے ادھر ادھر جانے کا حکم نہ تھا لوگوں کو غافل پا کر نکل آئے ہوں واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ

اگلے روز آپ نے اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ کہا، اس لحاظ سے حضرت علیہ السلام نے اس کو بھی مجرم ہی قرار دیا اور قصد کیا کہ آئندہ سے ایسے جھگڑوں میں نہ پڑوں گا، مگر خدا کی قدرت اگلے روز اُسی اسرائیل کا کسی اور شخص سے بازار میں جھگڑا ہو رہا تھا، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر پھر اس نے فریاد کی، آپ نے خفا ہو کر اُس کو فرمایا کہ تو بڑا بے ہودہ ہے، ہر روز لوگوں سے لڑا کرتا ہے، ان کو چھوڑانا اور ہاتھ بڑھا کر الگ کر دینا چاہا تو اس بے ہودہ اسرائیلی نے اس پہلی خفگی کی بات سے یہ سمجھا کہ میرے مارنے کو ہاتھ بڑھایا ہے، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو کہا جس طرح سے کہ آپ نے کل ایک آدمی کو مار ڈالا آج مجھے بھی مارنا چاہتے ہیں۔ اس کے اس کہنے سے راز قتل افشاء ہو گیا۔ یہ خبر فرعون کے دربار تک پہنچی، ان کے اعتراضات اور تنفر کی وجہ سے وہ پہلے ہی ان سے ناراض اور باغی سمجھتے تھے، اب تو اور بھی غضبناک ہو گئے اور انتقام میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی تدبیر کرنے لگے۔ فرعونیوں میں سے ایک نیک مرد موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ بھی تھا وہ دوڑا ہوا آیا اور موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی اور کہا آپ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی حالت میں نکل پڑے اور مدین کی طرف رُخ کیا۔ یہ ایک بستی قلزم کے پار فرعون کی عملداری سے باہر عرب میں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لوگوں کی تھی، حضرت شعیب علیہ السلام ایک پیر مرد اسی بستی میں رہتے تھے، ان کی صرف دو لڑکیاں تھیں۔ بکریوں پر گزر اوقات تھی، کنوئیں سے ڈول کھینچ کر جب لوگ پانی پلا چکتے تو بچا ہوا یہ بھی پلا تیں اور اتنی دیر اپنی بکریوں کو رو کے کھڑی رہتی تھیں۔ اتفاقاً حضرت علیہ السلام کئی دن کا سفر طے کر کے مدین آئے اور اُسی کنوئیں پر پہنچے، سایہ دار درخت کے تلے بیٹھے ہوئے دیکھ رہے تھے، لڑکیوں سے پوچھا تم کیوں نہیں پلاتیں۔ اُنہوں نے کہا ہم سے ڈول نہیں کھینچ سکتا اور ہمارا باپ بوڑھا ہے، ان کو رحم آیا۔ قوی مرد تھے۔ تنہا چرس کھینچ کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا، گھر جا کر انہوں نے باپ سے کہا ایک نووارد مسافر آیا ہوا ہے اور بڑا نیک اور قوی ہے۔ آپ اُس کو نوکر رکھ لیجیے، باپ نے کہا اُس کو بلا لاؤ، ایک آئی مگر شرم وحیا کے ساتھ آ کر کہا میرے باپ آپ کو بلاتے ہیں کہ آپ کی اُجرت دیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے اور سب قصہ بیان کیا۔ شعیب نے فرمایا خوف نہ کر خدا نے تجھ کو نجات دی۔

خدمات کا مہر ہونا : پھر کہا میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا تیرے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں، اس شرط پر کہ آپ آٹھ برس تک میرے ہاں کام کاج کریں اور دس پورے کر دیں تو آپ کی مہربانی اور میں آپ کو تکلیف نہ دوں گا۔ آخر نکاح ہوا اور باہمی قول و قرار پر اللہ کو ضامن کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں رہنے لگے۔ یہ آٹھ برس کی نوکری گویا حضرت کا مہر تھا، اُس وقت بجائے مال کے خدمات بھی مہر قرار پاتی تھیں۔ بعض علماء نے اس سے اور نیز بعض احادیث سے کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھانا مہر قرار دیا ہے، آج کل بھی اس قسم کا مہر مقرر کرنا جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ظاہر یہ کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مال ہی کو مہر قرار دیتے ہیں۔ بدلیل قولہ تعالیٰ اِبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ الآیۃ۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا
وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۗ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ
امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۗ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۗ وَاَبُوْنَا
شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ
اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۖ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ

لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۗ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ
لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ
خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ
هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ
اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ
وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ
وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہا اُمید ہے کہ اللہ مجھے سیدھا رستہ بتا دے گا اور جب کہ مدین کے پانی پر پہنچے تو لوگوں کا مجمع پایا جو پانی پلا رہے تھے اور ان سے الگ دو عورتیں دیکھیں جو اپنے چارپایوں کو روکے ہوئے تھیں۔ موسیٰ نے اُن سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے، وہ بولیں جب تک چرواہے پلا کر نہیں ہٹ جاتے ہم اپنی بکریوں کو نہیں پلاتے اور ہمارا باپ بڈھا بڑی عمر کا ہے۔ پھر موسیٰ نے اُن کے جانوروں کو پلا دیا اور پلا کر چھاؤں کی طرف ہٹ آئے۔ پھر کہنے لگے اے رب اتو جو کچھ خیر میرے پاس بھیجے تو میں محتاج ہوں۔ پھر اُن دونوں میں سے ایک عورت موسیٰ کے پاس شرم سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی میرے باپ نے تم کو بلایا ہے کہ تم کو پلائی کی اُجرت دے۔ پھر جب موسیٰ اُس کے پاس آئے اور سب قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا خوف نہ کر وتم قوم ظالم سے بچ آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا اے باپ اس کو نوکر رکھ لو، البتہ جس کو آپ نوکر رکھیں تو قوی امانت دار ہونا بہتر ہے۔ ان کے باپ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں سے ایک تمہارے ساتھ نکاح کر دوں، اس شرط پر کہ تم آٹھ برس تک میری نوکری کرو۔ پھر اگر تم دس پورے کر دو تو تمہاری طرف سے احسان ہے اور میں تم پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا تم مجھے انشاء اللہ اچھے ہی لوگوں میں سے پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان عہد ہے۔ ان دونوں مدتوں میں سے جونسی بھی پوری کر دوں تو مجھ پر زیادتی نہ ہو اور اللہ ہمارے قول و اقرار پر گواہ ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام وہ میعاد پوری کر چکے تو بیوی کو لے کر وطن (مصر) کی طرف چلے، سردی کا موسم تھا۔ رستہ بھی رات میں بھول گئے تھے، گھر کے لوگوں سے کہا کہ وہ جو دُور سے جنگل میں آگ چمک رہی ہے، تم یہیں ٹھہرو، میں وہاں جا کر دریافت کرتا ہوں، یعنی رستہ کے لیے کہ اس آگ کے پاس کوئی ہوگا اور جو آگ زیادہ ہوئی تو اس میں سے ایک انگارا بھی تمہارے تاپنے کو لا دوں گا، جب موسیٰ علیہ السلام وہاں آئے تو رستہ کے دائیں جانب ایک جنگل کی پاک جگہ میں ایک درخت سے یہ آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں ہوں "اللہ رب العالمین" یہ وادی کہ جہاں درخت میں سے دُور سے رات کو موسیٰ علیہ السلام کو آگ دکھائی دی تھی، کوہ طور کی وادی ہے۔ قلزم کے قریب اُس کی دونوں شاخوں کے درمیان مدیان سے ایک دو روز کے فاصلہ پر مصر جاتے ہوئے یہ وادی ملتی ہے۔ الغرض موسیٰ علیہ السلام نے جو دُور سے آگ کا شعلہ دیکھا تھا، دراصل وہ آگ نہ تھی، تجلی الٰہی کی روشنی تھی، چنانچہ جب وہاں آئے تو خدا سے ہمکلام ہوئے آگ لینے آئے تھے، نبوت مل گئی۔ وہیں عصا اور ید بیضا

ع ۲

ل اسی لفظ کی مناسبت سے اس سورہ کو سورہ قصص کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کے دو معجزے ملے اور حکم ہوا کہ فرعون کو جا کر سمجھاؤ دُعا کی کہ میری زبان میں لکنت ہے، میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی مددگار کردے، چنانچہ آئے اور فرعون سے ملے اور معجزے دکھائے، وہ کب مانتا تھا۔ آخر وہ اور اُس کا تمام لشکر قلزم میں غرق ہوا۔ یہ قصہ اور سورتوں میں مفصل ہے، یہاں اختصار کر دیا گیا، کیونکہ جس غرض سے بیان ہوا وہ اسی قدر میں حاصل ہوگئی۔ اب کلام اس میں ہے کہ درخت میں سے جو آواز آئی اور موسیٰ کو سنائی دی وہ کس کی آواز تھی؟ فرشتہ کی یا خود خدا تعالیٰ کی۔ اگر فرشتہ کی آواز تھی تو اُس نے کیونکر کہہ دیا کہ اللہ میں ہوں، اگر خدا تعالیٰ کی تھی تو اس کا کلام آواز اور حروف سے پاک ہے، جیسا کہ محققین کا مذہب ہے۔

ترکیب : عَلٰی اِسْتِحْیَاءٍ حال ماسقیت، مصدریۃ ان تاجرنی فی موضع الحال و ثمانی ظرف۔ فمن عندك یجوز ان یکون خبر مبتدا محذوف ای فالاتمام الرعاء اجمع راع تذودان تمنعان اغنامهما عن الماء۔ الزیادمنع۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ
قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ
مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ
فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَ
اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ
يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ڰ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ
تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ
بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ
رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ
هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾
قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ
بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا
بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ
تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا
الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ
لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

غرض جب موسیٰ اپنی مدت پوری کر چکے اور اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر چلے تو (رستہ میں) کوہ طور کی طرف سے ایک روشنی دیکھی، گھر والوں سے کہا تم یہیں ٹھہرو مجھے ایک روشنی دکھائی دی ہے۔ شاید کہ وہاں سے تم کو (رستہ کی) خبر لاکر دوں یا آگ کا انگارا لاؤں تا کہ تم تاپو۔ پھر جب موسیٰ اُس کے پاس آئے تو اس مقدس وادی کے دائیں جانب سے ایک درخت میں سے یہ آواز آئی کہ اے موسیٰ! تمام جہان کا پروردگار کرنے والا اللہ میں ہوں اور یہ بھی کہ تم تو اپنا عصا ڈال دو، پھر جب موسیٰ نے اس کو دیکھا کہ سانپ کی طرح لہرا رہا ہے تو منہ پھیر کر اُلٹا بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ ہم نے کہا اے موسیٰ! سامنے آؤ ڈرو نہیں (تم کو کچھ بھی خطرہ نہیں) اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالو کہ وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا اور خوف سے اپنے دونوں بازو اپنی طرف ملا لو (یعنی اطمینان رکھو) پس یہ دو سند ہیں آپ کے رب کی طرف سے۔ فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس جانے کے لیے بے شک وہ بدکار قوم تھی۔ موسیٰ نے کہا اے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے، سو خوف ہے کہ (اُس کے بدلے میں) کہیں مجھے نہ مار ڈالیں اور میرا بھائی ہارون وہ مجھ سے فصیح اللسان ہے، اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ فرمایا ہم تمہارے بھائی سے تمہارا بازو قوی کرا دیتے ہیں اور تم کو غلبہ دیں گے۔ پھر وہ تم تک پہنچ بھی نہ سکیں گے، ہماری نشانیوں کے سبب تم اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے۔ پھر جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے تو لوگ بولے یہ ہے کیا، مگر جادو بنایا ہوا اور ہم نے تو اس کو اپنے اگلے باپ دادا میں سنا بھی نہ تھا اور موسیٰ نے کہا کہ میرا رب خوب جانتا ہے، جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے (اور اس کو بھی خوب جانتا ہے) کہ جس کے لیے دارِ آخرت کی خوبیاں ہوں گی۔ البتہ ستمگار فلاح نہیں پاتے اور فرعون نے کہا اے سردارو! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور معبود ہے۔ پھر اے ہامان! تو میرے لیے گارا پکوا (یعنی پزاوا) پھر میرے لیے ایک بلند محل چنوا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو جھانکوں اور میں تو اُس کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔

ترکیب : شاطئ الوادی جانبہ ومن الاولی والثانیۃ کلتاھما لابتداء الغایۃ ای اتاہ النداء من شاطئ الوادی من قبل الشجرۃ فالثانیۃ بدل الاولی بدل الاشتمال لان الشجرۃ کانت نابتۃ علی الشاطئ۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا
لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

ذکر جاء اللہ فی معنیین احدھما حقیقۃ وھو انہ لما قلب اللہ لعصا حیۃ فزع واضطرب فاقتضاھا بیدہ وکما یفعل الخائف من الشیء فقیل لہ ان انقلاب یدک فی نقصان تدرک عند الاحداء فان اتقیھا فلک ما تتطلب حیۃ فادخل یدک تحت عضدک مکان انقلابک بہا ثم اخرجھا بیضاء لیحصل الامران اجتناب النقص واظہار معجزۃ اخری وبالمعنی الاول مجاز وھو ان یرد بضم الجناح انجمد وضبط النفس حتی لا یضطرب فیکون استعارۃ من فعل الطائر لانہ اذا خاف ارخی جناحیہ والاضمہما ومعنی الرہب من اجل الخوف (نیشاپوری)

لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ
الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ع
بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ
الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا
قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا
وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور فرعون اور اُس کے لشکروں نے ناحق کا ملک میں سر اُٹھایا تھا اور سمجھ لیا تھا کہ ہماری طرف لوٹ کر نہ لائے جائیں گے، پھر ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا۔ پھر اُن کو دریا میں پھینک دیا سو دیکھئے ستمگاروں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے اُن کو پیشوا بنایا تھا (گمراہی میں)۔ وہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلایا کرتے تھے اور قیامت کے دن اُن کو مدد نہ پہنچے گی اور ہم نے اس دُنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن تو اُن کی بہت بری گت ہوگی اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (تورات) بعد اس کے کہ ہم پہلے قرنوں کو ہلاک کر چکے تھے۔ وہ کتاب لوگوں کے لیے بینائی اور ہدایت اور رحمت تھی تا کہ وہ لوگ سمجھیں (اور نصیحت پکڑیں) اور (اے محمدؐ!) جبکہ ہم نے موسیٰ کے لیے نبوت کا حکم دیا تھا تو آپ (کوہ طور کے) غربی جانب موجود نہ تھے اور نہ آپ اُن کو دیکھ رہے تھے، لیکن ہم نے بہت سے ان کے بعد قرن پیدا کئے مدتیں دراز گزر گئیں اور نہ تو آپ مدین کے لوگوں میں ہی رہا کرتے تھے۔ جو ان کو ہماری آیتیں سنایا کرتے تھے، لیکن ہم رسول بھیجتے رہے۔ (اسی طرح آپ کو بھیجا اور الہام سے یہ واقعات آپ کو معلوم ہوئے) لیکن آپ کے رب کی رحمت ہے کہ اُس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا تا کہ آپ اس قوم کو تنبیہ کریں کہ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

تفسیر : کیونکہ یہ باتیں جسمانی چیزوں کے کلام میں ہوتی ہیں، اس کے جواب میں معتزلہ نے تو یہی کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کسی جسمانی چیز کے ذریعہ سے کلام کر سکتا ہے، یعنی اپنا کلام اس میں پیدا کر کے سنوا دیتا ہے۔ پتھر کی طرف توجہ کی تو پھر اس کی طرف سے زبان بن کر کلام کرنے لگا۔ درخت کی طرف کی تو وہ بولنے لگا۔ ماوراء النہر کے علماء اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ وہ کلام قدیم جو اللہ کی ذات سے قائم ہے سنا نہیں جا سکتا اور جو درخت میں سے سنا گیا وہ ایک آواز اور حروف تھے، جو اس کے کلام پر دلالت کرتے تھے۔ اشعری فرماتے ہیں کہ وہ کلام کہ جو نہ آواز کے ذریعہ سے ہو نہ حروف کے وہ بھی ممکن ہے کہ سنائی دی جاوے، جیسا کہ ذاتِ الٰہی جو نہ جسم ہے نہ عرض ہے، ممکن ہے کہ دکھائی دی جاوے (نیشاپوری) خلاصہ جواب یہ کہ فرشتہ کی آواز نہ تھی۔

بات یہ تھی کہ اس درخت پر خدا کی تجلی ہوئی اور موسیٰ وہاں پہنچے تو وہاں ان کی روح کو انکشاف ہوا، روحانی طور پر خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے، پس اس ندا کو آواز اور حروف ظاہری کی حاجت نہیں، ایسی باتوں کی پوری کیفیت حیطۂ بیان سے بھی باہر ہے۔

بعض فلسفیانہ خیالات کے مسلمان اس روشنی کو فاسفورس کے سبب سے بیان کرتے ہیں اور اس آواز کی اور پھر دونوں معجزوں کی بھی عجب اب بے سروپا توجیہیں کرتے ہیں، جو محض بے فائدہ بات ہے۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ تک فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تھا۔ اس کو تمام کر کے ولقد آتینا موسی الکتب الخ سے اس قصہ کے نتائج کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب پہلی قرن یعنی زمانے والے ہلاک ہو چکے تو خلق کی رہنمائی کے لیے ہم نے موسیٰ کو مبعوث کیا۔ اُس کو یہ یہ باتیں پیش آئیں، جنگل میں کلام کیا۔ معجزات دیے اور کتاب یعنی تورات عطا کی جو بصارت اور ہدایت اور رحمت تھی۔ سمجھداروں کے لیے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد جب گمراہی کا ایک زمانہ دراز گزر گیا۔ خلق کی ہدایت کے لیے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو مبعوث کیا اور تجھ پر قرآن نازل کیا جس میں گزشتہ انبیاء کے صحیح صحیح واقعات تجھ پر ظاہر کئے ورنہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو آپ جانب غربی میں تھے، یعنی اُس مکان میں جو غربی رُخ تھا، جہاں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی۔ اس سے مراد کوہ طور کی وادی ہی ہے جو عرب میں غربی سمت پر واقع ہے، یا اسی وادی کے غربی جانب مراد ہے۔ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ اور نہ تو اس معاملہ کا دیکھنے والا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، یہ معنی ہوئے کہ نہ تو آپ اس جگہ موجود تھے اور جو موجود بھی ہوتے تو ان وقائع کو نہ دیکھتے۔ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا لیکن موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے لے کر تیرے زمانہ تک بہت سے قرن[1] پیدا کئے۔ فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ پس بُعدِ زمانہ کی وجہ سے علوم اور شرائع معدوم ہو گئے تھے تو ہم پر رسول بھیجنا ضرور ہوا، پھر تفصیل کرتا ہے۔ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا اى مقيما فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ کہ نہ تو مدین میں رہا کرتا تھا جو تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا تو ان مکہ والوں کو ان کے حالات بتا رہا ہے۔ (مقاتل) اور ضحاک کہتے ہیں تو مدین والوں کا رسول نہ تھا، بلکہ ان کا اور رسول تھا شعیب علیہ السلام۔ تو اور رسول ہے جو سب کے بعد آیا۔ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا اور نہ تو کوہ طور کے پاس تھا، جبکہ ہم نے موسیٰ کو پکارا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے کسی دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جبکہ ستر آدمیوں کو لے کر گئے تھے۔ وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ مگر تیرے رب نے اپنے فضل سے تجھ پر وحی کی اور یہ باتیں بتائیں اور تجھ کو رسول بنایا۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا کہ تو ان لوگوں کو متنبہ کرے کہ جن کے پاس رسول نہیں آیا وہ تیرے زمانہ کے لوگ ہیں لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تا کہ وہ سمجھیں اور ہدایت پاویں۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ
اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ
يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۡ وَقَالُوْٓا اِنَّا
بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ

[1] قرن سینگ کو بھی کہتے ہیں اور زمانہ کو بھی یہاں اخیر معنی مراد ہیں قرن میں اختلاف ہے کوئی بارہ برس کے زمانہ کو قرن کہتا ہے کوئی کہتا ہے اس سے زیادہ کو کہتے ہیں اس کا ہندی میں ٹھیٹھ ترجمہ جگ ہے کہتے ہیں کئی جگ بیت گئے یعنی کئی زمانے گزر گئے چونکہ آج کل خود قرن کا لفظ مستعمل ہے اس لیے ہم نے اسی کو اختیار کیا اور جہاں کہ آیا ہم نے بہت سے قرن ہلاک کیے وہاں مراد یہ ہے کہ بہت سے قرنوں کے لوگ ہلاک کیے۔ ۱۲ منہ

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰ ع ۸

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے اپنے ہی اعمال بد کے سبب سے ان پر مصیبت نازل ہو جائے (اس وقت) کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے پاس تو نے کس لیے رسول نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے (حکموں کو مانتے) اور ایمان لانے والوں میں سے ہوتے، پھر جب کہ اُن کے پاس ہماری طرف سے دین حق آ گیا تو یہ کہنے لگے کہ رسول کو ویسا (معجزہ) کیوں نہ دیا گیا۔ جیسا موسیٰ کو دیا گیا تھا، کیا جو معجزے موسیٰ کو دیے گئے تھے لوگوں نے اُن کا پہلے انکار نہیں کیا تھا۔ کہہ دیا تھا دونوں جادوگر (اور) دوسرے کے مددگار ہے اور (صاف صاف) کہتے تھے کہ ہم کسی کو بھی نہیں مانتے۔ (اے رسول!) آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو خدا کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں سے ہدایت میں بڑھ کر ہو کہ میں اُس پر چلوں، پھر اگر آپ کا کہنا نہ کریں (نہ مانیں) تو جان لو کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کے تابع ہیں اور اُن سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا کہ جو خدا کی ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہشوں پر چلتا ہو، بے شک اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا (توفیق قبولِ ہدایت کی نہیں دیتا)

ترکیب : لولا کلمہ شرط ان تصیبھم ان مصدریہ بما قدمت سے متعلق ای لولا اصابۃ المصیبۃ علیھم بسبب ما ای اعمال سیئۃ قدمت والعائد محذوف ای اعمال کسبوھا فیقولوا ف تفریع یا تعقیب کے لیے پورے جملہ مقدمہ سے یعنی لوو قع علیھم المصیبۃ باعمالھم لقالوا ربنا الخ یہ سب جملہ حیز شرط میں ہے جواب محذوف مالارسلناک الیھم رسولا۔ قالوا سحران جملہ بیان ہے۔ اولم یکفروا کاسحران بالالف ای موسیٰ وہارون وقیل موسیٰ ومحمد وبغیر الالف سحران القرآن والتوراۃ۔

تفسیر : لَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ یہاں سے پھر اسی رسولوں کے بھیجنے کے مسئلہ کو مدلل کرتا ہے کہ ہم اس لیے بھی رسول بھیجا کرتے ہیں کہ لوگ جب ان پر ان کے اعمالِ بد کی شامت سے عذاب آوے یہ نہ کہنے لگیں کہ اگر اللہ ہمارے پاس رسول بھیجتا تو ہم آیاتِ الٰہی پر چلتے ایماندار ہو جاتے، اس مصیبت کو نہ دیکھتے، کس لیے کہ پھر برے کام ہی نہ کرتے۔ اس الزام کو دفع کرنے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انبیاء بھیجے تا کہ پھر کسی کو کوئی عذر باقی نہ رہے، لیکن فَلَمَّا جَاۗءَهُمُ الْحَقُّ الخ جب ان کے پاس دینِ حق آیا تو اس میں شبہات کرنے لگے کہ لَوْلَآ اُوْتِيَ مثل ما اوتی موسیٰ اس رسول کو ایسے معجزے کیوں نہ دیے گئے جو موسیٰ کو دیے گئے تھے۔ عصا کا سانپ بن جانا ید بیضا وغیرہ۔ خدا تعالیٰ ان کے اس شبہ کا جواب دیتا ہے۔ اولم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا کیا اگلے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کا پہلے انکار نہیں کر دیا ہے اور کہہ دیا کہ دونوں بھائی جادوگر ہیں، ایک دوسرے کا مددگار بن گیا ہے۔ قریش نے یہود مدینہ کے کہنے سے یہ کہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے مانند معجزات دکھاؤ، فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو کب لوگوں نے مانا تھا اور یہ قریش اب بھی موسیٰ علیہ السلام کو کب مانتے ہیں، دونوں بھائیوں کو ساحر کہتے ہیں۔ جس نے ساحران پڑھا ہے تب تو معنی ظاہر اور جس نے سحران پڑھا ہے تب تو یہ مبالغہ پر محمول ہوگا۔ جیسا کہ زید عدل یا سحران بمعنی ذوسحران بعض مفسرین کہتے ہیں سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا سے ان کی مراد توریت وقرآن ہے جو اپنے مضامین کی مطابقت کی وجہ سے ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے اور یہی تظاہر یعنی باہم مدد کرتا ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ وقالوا انا بکل کفرون یہ بھی کہہ دیا کہ ہم سب کے منکر ہیں، نہ توریت کو مانتے ہیں نہ قرآن کو نہ موسیٰ وہارون کو نہ محمد علیہ السلام کو۔

ضرورتِ نبوت : اس کے جواب میں فرماتا ہے، یہ تو تم بھی مانتے ہو کہ اللہ اپنے بندوں پر لطف وکرم کرتا ہے۔ ان کی سخت ضرورتوں کو دفع کرتا ہے۔ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی بچہ کے لیے دودھ تیار کر دیتا ہے، وقت پر مینہ برساتا ہے۔ طیور کو پر اور درندوں کو دانت اور چنگل عطاء کرتا ہے۔ پھر انسان کی اس سے بڑھ کر اور کیا ضرورت ہے کہ اختلاف عقول وعادات کے وقت دارِ آخرت اور راہ راست بتانے کے

لیے اس کے پاس کوئی اس کا بھی دستور العمل آنا چاہیے کہ جس پر چلے قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اب تم کوئی کتاب الٰہی توریت اور قرآن سے بہتر بتلاؤ کہ میں بھی اس پر چلوں، اگر تم سچے ہو۔ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَاۗءَهُمْ پس اگر وہ کوئی ایسی کتاب نہ لا سکیں تو ظاہر ہو جائے گا کہ وہ اپنی خواہشِ نفسانی کے پیرو ہیں، جھوٹی حجتیں کرتے ہیں۔ ومن اضل الخ اور جو ایسا کرتا ہے اس سے زیادہ کون گمراہ ہو؟ یہ ہٹ دھرم بے انصاف ہیں اور ہٹ دھرم بے انصافوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ غرض یہ کہ رسول نہ آتا تو یوں عذر کرتے اور وہ بھی جبکہ ان پر عذاب آتا نہ کہ اپنے کفر پر آخرت میں آپ نادم ہوتے۔ (اب بے تمہارا کفر) اور جو رسول آیا تو یوں کہنے لگے۔ پھر ایسوں کو ہدایت کہاں؟ ازلی بدنصیب ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۱ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝۵۳ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا
وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۵۴ وَاِذَا سَمِعُوا
اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ
لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝۵۵ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۵۶

اور البتہ ہم ان کے پاس ہدایت بھیجتے رہے تا کہ وہ سمجھیں (وہ جو منصف ہیں) جن لوگوں کو ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان کو یہ کلام الٰہی سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم تو اس کو پہلے ہی سے مانتے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کو دوہرا بدلہ ملے گا، اُن کے صبر کی وجہ سے اور یہ نیکی کے ساتھ بدی کو دفع کرتے ہیں اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیتے ہیں اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال (دور ہی سے) تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔ (اے رسول!) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہی راہ پر آنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

ترکیب : لھم وصلنا سے ای متعلق بیتذکرون القول القرآن مفعول وصلنا۔ من قبلہ ای من قبل القرآن پس یہ آیتنا سے متعلق ہے۔

تفسیر : اہل مکہ کا ایک یہ بھی شبہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک ہی بار تمام کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہ دی گئی؟ تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوتا ہے؟ اور نیز کیا موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کافی نہ تھی۔ پھر نئی کتاب کیوں نازل کی گئی؟ (آج کل کے بعض ناواقف پادریوں نے بھی یہی شبہ کیا ہے) اس کا جواب دیتا ہے، وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ کہ ہم جو پے در پے[1] قول یعنی ہدایت کی بات قرآن مجید اور اس کی آیت کے بعد دیگر اس لیے بھیجتے رہے کہ وہ سمجھیں ہر روز ایک نئے فائدے اور نئی حکمت سے فیض اُٹھانا اور تدریجاً یاد کرنا اور ہر ایک واقعہ اور زمانہ کی ضرورت کے موافق حکمتِ نو آمیہ اور اسرارِ شریعت سے واقف ہونا زیادہ تر مؤثر ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ اور تجربہ شاہد ہے۔

[1] قرآن ۲۳ سنہ

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ تمہارے اس شبہ کی کچھ بنیاد نہیں، وہ لوگ کہ جن کو اس سے پہلے کتابیں دی گئی ہیں توریت، زبور و دیگر صحف انبیاء و انا جیل وہ قرآن مجید کے مضامین عالیہ پر نظر کر کے اس پر ایمان لاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ مصلحتوں کے لحاظ سے ہر وقت میں یکے بعد دیگر خدا تعالیٰ انبیاء پر الہام کرتا آیا ہے۔ توریت کے بعد زبور اور پھر اور بہت سے نبیوں کی کتابیں اور ان کے بعد انجیل مقدس نازل ہوئی، ایک کتاب کافی نہ سمجھی گئی اور یہ بھی نہیں ہوا کہ ان کتابوں کو ایک ہی بار نازل کر دیا ہو اور نہ وہ صرف ایمان ہی لاتے ہیں بلکہ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ الخ وہ اس کے برحق ہونے کی گواہی بھی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر پہلے ہی سے ایمان لائے ہوئے ہیں، کیونکہ پہلی کتابوں میں انہوں نے اس کی بابت پیشین گوئیاں دیکھی تھیں، پس اعتبار ان اہل علم کی شہادت کا ہے جو کلام الٰہی کے پہچاننے کا ملکہ رکھتے ہیں نہ کہ تم جاہلوں کا کہ تم کلام الٰہی کے اسلوب ہی سے واقف نہیں۔ پھر تمہارے شبہ کی کیا وقعت ہو؟ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی نسبت ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے شریعت سابقہ پر عمل کرتے تھے، پھر جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ پر بھی ایمان لائے۔ منجملہ اُن کے سلمان اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم ہیں۔ مقاتل کہتے ہیں، چالیس عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے کہ جن میں سے بتیس آدمی تو وہ ہیں کہ جو جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ شام سے آئے تھے اور رفاعہ بن قرظہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس آدمیوں کے بارے میں ہے کہ جن میں سے ایک میں بھی ہوں، مگر ان کی خصوصیت نہیں جس کسی میں یہ صفات پائے جاویں۔ (نیشاپوری)

خدا تعالیٰ ان لوگوں کے حق میں خوشخبری دیتا ہے اور ان کے چند اوصاف بھی ذکر فرماتا ہے، خوشخبری یہ ہے اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ کہ ان کو دگنا ثواب ملے گا اور دو چند بدلہ دیا جائے گا، پہلی شریعت پر عمل کرنے کا بھی اور اس شریعت پر عمل کرنے کا بھی یا اُن کے ایمان لانے کا اور پھر شہادت دینے کا کیونکہ ان کو بڑی بڑی سختیاں پیش آئی ہیں جس پر انہوں نے صبر کیا۔ بما صبروا۔ یہ اول وصف تھا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ یہ دوسرا وصف ہے کہ جو کوئی ان سے برائی کرتا ہے وہ اس کے درجواب اس سے بھلائی سے پیش آتے ہیں۔ گالی کے بدلے دعا دیتے ہیں۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کہ اللہ کے دیے میں سے دیتے ہیں۔ خیرات وصدقات بھی کرتے ہیں، صرف زبانی جمع خرچ نہیں۔ یہ تیسرا وصف تھا۔ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ اور جب جاہلوں کج بحثوں کی بے ہودہ باتیں اور رکیک جنتیں اور بدزبانیاں سنتے ہیں تو کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں، اچھا بھئی تمہارے اعمال تمہارے لیے اور ہمارے اعمال ہمارے لیے، ہم تم سے لڑنا تکرار کرنا نہیں چاہتے۔ یہ چوتھا وصف ہے۔ فرماتا ہے کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دور سے ان اجنبیوں کو کیوں ہدایت ہو گئی اور ان لوگوں کو کیوں نہ ہوئی کہ جن کی ہدایت کی تجھے بڑی کوشش ہے کس لیے کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ الخ ہدایت تیرے قبضہ میں نہیں، اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔ زجاج کہتے ہیں تمام اہل اسلام متفق ہیں کہ یہ آیت ابی طالب[2] کے بارے میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بہت کچھ چاہا کہ ایمان لا دیں پر وہ ایمان نہ لائے۔ اس آیت اور اس آیت میں کچھ منافات نہیں وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ کیونکہ نفی جو ہے تو ایصال الی المقصود کی ہے اور اثبات جو ہے تو ارائۃ الطریق کا یعنی آپ رستہ بتاتے ہیں مگر اس پر چلنا اور مقصد تک پہنچنا اللہ کے

[1] اہل کتاب کے علماء کی طرف اشارہ ہے وہ اپنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا ذکر دیکھ کر حضرت ﷺ کے ظاہر ہونے سے پہلے اسلام کی طرف مائل تھے۔ ۱۲ منہ

[2] بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب ابی طالب کا وقتِ وفات قریب پہنچا۔ تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس آئے وہاں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے آپ نے فرمایا اے چچا کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ لے میں اس سے تیرے لیے اللہ کے ہاں سند پکڑوں گا۔ ان دونوں نے کہا اے ابی طالب کیا تو ملتِ عبدالمطلب سے پھرتا ہے حضرت بار بار وہی فرماتے تھے اور وہ بھی وہی اپنی کہتے تھے یہاں تک کہ آخر میں مطالب نے یہی کہہ دیا کہ میں تو عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں اور کلمہ نہ پڑھا۔ حضرت ﷺ کو رنج ہوا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ۱۲ منہ

بس میں ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا
اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ
لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ
رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا
كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ع

اور (کافر مکہ) کہتے ہیں۔ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت پر چلیں تو اپنے ملک سے اُچکا لیے جاویں۔ کیا ہم نے اُن کو حرم میں امن سے جگہ نہیں دے رکھی ہے کہ جس کی طرف ہر قسم کے میوے کھنچے چلے آتے ہیں جو ہماری طرف سے روزی ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے اور ہم نے بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر ڈالیں کہ جو عیش میں حد سے بڑھ کر اترا گئی تھیں سو (دیکھو) یہ ان کے گھر ہیں (کہ اُجڑے پڑے ہیں) کہ جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد ہوئے ہیں اور آخر کار ہم ہی (ان کے) وارث بنے اور آپ کا رب ایسا بھی نہ تھا کہ بستیوں کو بغیر اس کے کہ ان کی بڑی بستی میں رسول بھیجے جو ان کو ہماری آیتیں سنائے (یوں ہی) غارت کر دے اور ہم بستیوں کو بغیر اس کے کہ وہاں کے لوگ نافرمان ہو جائیں۔ ہلاک نہیں کیا کرتے اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے، سو وہ دنیا ہی کی زندگی کا اسباب اور اس کی آرائش ہے اور جو کچھ (نعمتیں) اللہ کے پاس (موجود) ہیں وہ ان سے بہتر اور باقی رہنے والی ہیں۔ پھر کیا تمہیں (اتنی بھی) عقل نہیں۔

ترکیب: معك متبع سے متعلق نتخطف جواب شرط خطف ربودن اُچکنا تمکن بمعنی نجعل اس لیے حرما کی طرف بنفسہ متعدی ہوا۔ امنا بمعنی مؤمن او ذا امن صفت ہے حرما کی یجبیٰ جملہ صفت ہے ثانیہ رزقا یجبیٰ کے معنی سے مفعول مطلق وقیل حال و کم فی موضع نصب باھلکنا معیشتها کا نصب بطرت ہے جس کا فاعل ضمیر قریۃ لان المعنی کفرت نعمها او جاوزت الحد۔ لم تسکن حال والعامل فیہ اشارۃ الا قلیلا او زمانا قلیلا فمتاع الحیوۃ ای فالمتوی متاع۔

تفسیر: مشرکین مکہ کا ایک اور شبہ تھا جس کو بعد وضوح دلائل کے پیش کیا کرتے تھے، اس کو خدا تعالیٰ یہاں نقل فرماتا ہے۔ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ کہ اگر ہم تیرے ساتھ ہدایت پر آ جاویں تو لوگ ہم کو اسی جگہ سے مار کر نکال دیں، روایت ہے کہ حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف نے آنحضرت ﷺ سے کہا ہم جانتے ہیں جو کچھ آپ کہتے ہیں۔ حق ہے لیکن کیا کریں ہم کو خوف ہے کہ ہم کو عرب جلدی نکال دیں گے۔ ہمارے لیے جنگ پر یک بیک سب آمادہ ہو جائیں گے اور مکہ سے نکال دیں گے اور اکثر اہل دنیا حق معلوم ہو جانے پر بھی ایسے ایسے اغراض دنیا یہ نظر کر کے دین حق قبول نہیں کیا کرتے، اس کا جواب دیتا ہے اور لم نمکن لهم حرمًا امنا الخ کہ کیا ہم نے ان کو حرم مکہ میں امن سے نہیں بسایا ہے؟ عرب کی باہم مار دھاڑ ہوتی تھی، مگر حرم کے رہنے والوں کو کوئی نہیں چھیڑتا تھا۔ دوسرے باوجودیکہ تمام ملک میں واقع ہو مگر يُجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ ہر قسم کے پھل اور میوے وہاں باہر سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ پھر جبکہ وہ مکہ میں

بت پرستی کررہے ہیں، اس پر بھی ہم نے اسی جگہ کی بزرگی سے ان کو وہاں امن اور رزق دے رکھا ہے تو خدا پرستی میں یہ بات ان سے ہم کیوں دور کریں گے؟ اور جو خدا پرستی میں کوئی مصیبت آوے اس کی برداشت کر کے دارِ آخرت کی نعمتیں حاصل کرنا ابدی جہنم میں جانے سے بہتر ہے، مگر عرب کے جاہلوں کو اول ان کے مسلمات ہی سے ساکت کیا، یہ جواب بعد میں دیا۔ بقولہ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا الخ کہ تم ناز ونعمت کے بھروسے پر بھی نہ رہنا کیونکہ ہم نے بہت سے ایسے شہران کے کفر اور بدکاری کی وجہ سے ہلاک کردیے ہیں کہ جن کے سامانِ عیش حد سے زیادہ تھے اور وہ اس کی شکرگزاری نہ کرتے تھے، پھر ہلاک بھی ایسا کیا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ کہ ان کے مکانات خالی پڑے رہ گئے، پھر ان کے بعد ان میں کوئی آ کر نہ بسا مگر کم مسافر یا کوئی دوار صادر عارضی طور پر بابل اور نینوئی کے خرابات' کسریٰ کی عمارات' صور وصیدا کے کھنڈر' یمن میں عاد کے بلند محل عبرت کی نشانیاں ہیں، وہ سب مرگئے۔ آخر ہم ہی مالک رہے، کیونکہ فناءِ خلق کے بعد ہم ہی باقی رہتے ہیں۔ شبہ ہوتا تھا کہ اگر خدا کو یوں ہی شہروں کو غارت کردینا تھا تو نبی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ دوم بہت سے ایسے شہر ہیں اور تھے کہ جو ہر طرح کی بدکاری میں مبتلا تھے۔ باوجود یکہ غارت نہ ہوئے۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا کہ ہماری شان یہ نہیں کہ کسی شہر یا گاؤں کو یونہی ہلاک لے برباد کردیں، بغیر اس کے کہ ان کے پاس ہمارا رسول آ کر ان کو ہماری آیتیں سنائے۔ یعنی حجت تمام کئے بغیر ہلاک نہیں کرتے۔ رسول اللہ بھیج کر اپنے احکام سے مطلع کردیتے ہیں، اس پر بھی جب وہ نہیں مانتے تب غارت ہوتے ہیں، تاکہ بے خبری کا عذر باقی نہ رہے، اس لیے رسول بھیجے اور جہاں جب تک رسول نہیں آئے وہ لوگ غارت نہیں کئے گئے اور ہم ناحق کسی کو برباد نہیں کرتے۔ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ہم جب ہی کسی بستی کو غارت کرتے ہیں کہ جب وہاں کے لوگ ظلم پر کمر باندھتے ہیں اس لیے حجت تمام کرنے کے لیے اہل مکہ تم میں رسول بھیجا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ نیک شہر برباد نہیں ہوتے اور وہ بربادی جب ہوتی ہے کہ جب رسول یا اس کا نائب احکام پہنچا دیتا ہے۔ پھر وہ نہیں مانتے، پھر تیسرا جواب اور دیتا ہے۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ کہ جس دنیا اور اس کے لذائذ کے لیے تم دین قبول نہیں کرتے وہ بے حقیقت اور فانی ہے، ہاں وہ جو اللہ کے پاس ہے، بہتر اور باقی ہے۔ سرورِ جاودانی اسی عالم میں نصیب ہے، پھر جو کوئی بے بنیاد چیز کے لیے دائمی نعمت کو چھوڑے اس سے زیادہ کون بے عقل ہے؟ اس لیے اخیر میں فرمایا۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کہ تم کیوں عقل نہیں پکڑتے۔ بس عاقل وہی ہیں کہ دنیا کی بے ثبات لذتوں سے منہ پھیر کر دارِ آخرت اور یادِ الٰہی کی طرف متوجہ ہیں۔ متاع برتنے کی ضروری چیزیں کھانا کپڑا مکان بیوی اور زینت اوپر کی آرائش اور تکلفات۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ

لے حیف ہے اول ان لوگوں کی عقل پر جو دنیا فانی کے لالچ میں آ کر دین چھوڑ دیتے ہیں یا کسی گناہ اور بدکاری کو اختیار کر لیتے ہیں ہائے کے دن اور کے سال اس کو کھا نہیں گے نہیں دیکھتے کہ ان کے روبرو کیسے کیسے نازونعم والے بادشاہ اور والیانِ ملک خاک میں مل گئے نہ آج ان کے وہ رنگ محل ہیں نہ باقی گھوڑے نہ زروزنقد نہ وہ عیش کے سامان نہ وہ حکومت وشوکت نہ وہ شراب اور اس کے طلائی گلاس نہ وہ مہ دیاں تپکا رنقط ایک خاک کا ڈھیر ہے اور اس کے اردگرد حسرتوں کا انبار اور جہنم کی نار ہے۔ عبرت عبرت ۱۲ منہ

رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَآ ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

پھر کیا وہ شخص کہ جس کو ہم نے (جنت کا) وعدہ دیا ہو، سو وہ اس کو پانے والا بھی ہو، اس کے برابر ہوسکتا ہے کہ جس کو ہم نے دُنیا کی چند روز زندگی کے اسباب سے بہرہ مند کیا، پھر وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آوے اور جس روز اُن کو پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں ہمارے وہ شریک کہ جن کا تمہیں گھمنڈ تھا، وہ لوگ کہ جن پر الزام قائم ہو چکا ہوگا، کہیں گے اے ہمارے رب! یہی ہیں وہ کہ جن کو ہم نے بہکایا تھا (اور) ان کو ہم نے گمراہ کیا تھا، جیسا کہ ہم خود گمراہ ہوئے تھے، اُن کی ذمہ داری سے آپ کے حضور میں دست برداری کرتے ہیں۔ یہ ہم کو نہیں پوجا کرتے تھے اور مشرکوں سے کہا جائے گا، تم اپنے معبودوں کو پکارو (کہ تمہاری مدد کریں) سو وہ اُن کو پکاریں گے۔ پھر وہ اُن کو جواب بھی نہ دیں گے اور عذاب دیکھیں گے۔ آرزو کریں گے۔ اے کاش! یہ لوگ ہدایت پر ہوتے اور جب ان کو پکار کر پوچھے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔ پھر اُس روز اُن کو کوئی بات بھی نہ سوجھے گی۔ پھر وہ باہم بھی پوچھ گچھ نہ کرسکیں گے، پھر جس نے (دُنیا میں) توبہ کی ہوگی اور ایمان بھی لایا ہوگا اور نیک عمل بھی کیا ہوگا پس اُمید ہے کہ وہ شخص فلاح کو پہنچے (کامیاب ہو) اور (اے رسول!) آپ کا رب جیسا چاہتا پیدا کرتا اور جس کو چاہتا منتخب کر لیتا ہے۔ ان کو اس میں کچھ اختیار نہیں، اللہ پاک اور برتر ہے ان کے شریک کرنے سے اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ اُن کے سینوں میں مخفی ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

ترکیب : هولاء مبتداء، موصوف الذی صله موصول صفت اَغْوَيْنٰهُمْ خبر كما غوينا صفت ویمکن هولاء مبتداء الذین الخ خبر یطیعونهم جملہ مستانفہ لو انهم کلمہ تحسر۔ اگر شرط ہو تو بارادہ جواب محذوف۔

تفسیر : پھر دنیا کی نعمت اور آخرت کی مصیبت والے کا اس سے مقابلہ کر کے دکھاتا ہے کہ جس کے لیے حیات جاودانی اور سرور ابدی تیار رکھا ہے، اس کے جانے ہی کی دیر ہے، بقولہ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ الخ کہ کیا دونوں شخص برابر ہوگئے؟ ہرگز نہیں، بھلا کہاں وہ کہ اس کے لیے اس عالم میں بے شمار نعمتیں تیار کر رکھی ہوں اور وہ اس کو ملنے والی ہیں، اُس کے برابر ہے کہ جس کو دُنیا کی زندگانی کا اسباب عطا ہوا، لیکن قیامت کے روز اس کے لیے عذاب تیار ہے۔ ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ اور ابی جہل کے بارے میں ہے اور دوسرے طریق سے منقول ہے کہ اس میں حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کی طرف اشارہ ہے، افمن وعدنه سے حمزہ رضی اللہ عنہ کمن متعناه سے ابوجہل۔ چونکہ تمثیل کے طور پر آخرت کا ذکر آیا تھا، اس لیے مسئلہ نبوت کو تمام کر کے مسئلہ آخرت ذکر فرمایا کہ وہاں مشرکوں سے یہاں سوال ہوگا، من المفلحین تک۔ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اب یہاں سے وہ قیامت کی بازپرس شروع کرتا ہے کہ ان سے کہا جائے گا بتاؤ کہاں ہیں وہ کہ جن کو تم نے میرا شریک سمجھ رکھا تھا؟ اس کا جواب ان سے کچھ نہ بن آئے گا مگر وہ لوگ کہ جن کے گمراہ کرنے سے یہ بہکے تھے

اور اس عدالت میں ان پر جرم ثابت ہو کر سزائے جہنم کا حکم ہو چکے گا اپنی برأت کے لیے یوں کہیں گے۔ یہ لوگ اُن کو ہم نے گمراہ کیا، ہم نے ان پر کوئی جبر نہیں کیا تھا، جس طرح باتوں باتوں میں پہلوں نے ہم کو بہکایا تھا، اسی طرح ویسی ہی باتیں ان سے ہم نے بھی کیں، یہ آپ بہک گئے، ہم ان سے بری ہیں۔ یہ لوگ ہرگز ہم کو نہیں پوجتے تھے۔ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ سے لے کر مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ تک کے یہی معنی ہیں۔ غرض یہ کہ جن کی تقلید کر کے آج یہ ان کو پوجتے ہیں، کل میدانِ قیامت میں ان کا ساتھ دینا تو درکنار ان سے بیزاری ظاہر کریں گے۔ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ الخ یہاں سے ایک دوسرے عتاب کا بیان ہے کہ ان سے کہا جاوے گا اپنے معبودوں کو بلاؤ کہ وہ تمہاری فریاد رسی کریں، پھر وہ ان کے معبود انہیں، کچھ جواب نہ دیں گے۔ کقولہ تعالیٰ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ یہ اس لیے کہ ان کو اپنے معبودوں کی بے قدرتی اور بیزاری ثابت ہو، کہ جن کو یہ آج پوج رہے ہیں، یعنی برے وقت وہ کچھ کام نہ آئیں گے، بلکہ وہ مصیبت دیکھیں گے۔ وراوا العذاب پھر حسرت کریں گے۔ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ کہ کاش ہدایت پر ہوتے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں لو شرطیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے۔ ضحاک و مقاتل کہتے ہیں، یعنی المتبوع، والتابع یرون العذاب ولو انهم كانوا يهتدون فی الدنیا ما ابصروه فی الآخرة یہ تو ان پر توحید اختیار نہ کرنے سے الزام قائم ہوگا کہ جس کو رسولوں بغیر عقل سلیم بھی منواتی تھی، باقی دیگر احکام حلال و حرام جو رسولوں کے ذریعہ سے پہنچتے ہیں ان پر عمل نہ کرنے پر خاص رسولوں کی بابت سوال ہوگا کہ تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا۔ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ الخ یعنی ہمارے ایلچیوں کو کیوں نہیں مانا، فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ ان کو کچھ بھی جواب نہ آئے گا۔ فهم لا يتساءلون کہ آپس میں پوچھ بھی نہ سکیں گے کہ پوچھ کر بتا دیں، سخت ہیبت اور دہشت ہوگی۔ فاما من تاب الخ یہاں سے حشر کا فیصلہ بیان فرماتا ہے کہ جس نے کفر و شرک اور بدکاری سے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے ان کو فلاح اور نجات ہوگی۔ کلمہ عسیٰ امید دلانے کے لیے ہے، حشر کا حال بیان کر کے مناسب ہوا کہ کفار کے اس شبہ کا بھی جواب دے کہ جو ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت میں تھا اس لیے کہ ابھی حشر میں انبیاء کے ماننے کی بابت سوال ہونے کا ذکر تھا جس کا یہ مطلب کہ آج تم نبوت میں یہ شبہ کرتے ہو، کل میدانِ حشر میں تمہارا نبوت کے نہ ماننے پر یہ حال ہوگا۔ شبہ یہ تھا کہ یہ قرآن کسی بڑے سردار پر کیوں نہ اُترا ایسے غریب آدمی کو کیوں نبی کیا۔ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ، اس کا جواب دیتا ہے۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ کہ اللہ کو اختیار ہے جو چاہے پیدا کرے، جس کو چاہے برگزیدہ کرے، ان کا کچھ اختیار نہیں اور نہ ان کے معبودوں کا کہ جن کو وہ خدائی میں شریک کرتے ہیں۔ اللہ ان کے شریک کرنے سے پاک ہے وہ سب کچھ جانتا ہے، ظاہر کی باتیں بھی، دل کے خیالات بھی، جب وہ علام الغیوب ہے تو اس مصلحت کو بھی وہی جانتا ہے کہ فلاں کو کیوں نبی کیا؟

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

لے اور ممکن ہے کہ یہ جملہ وربك یخلق الخ ایک جدی دلیل ہو وہ شرک کے لیے کہ تیرا رب قادر و عالم و متصرف ہے بہ خلاف ان کے معبودوں کے کہ وہ نہ اختیار رکھتے ہیں نہ قدرت نہ علم حشر میں خود ہوں گے اور کیا بھلا کر سکیں گے اور ربك بہ تعریض بھی ہے کہ تیرا رب ایسا ہے بہ خلاف ان کے معبودوں کے اور اس وہم کے دفع کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا نے کسی کو نبی کسی کو کافر کسی کو جنتی کسی کو دوزخی کیوں بنایا۔ حشر کے ذکر پہ یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا اس کا جواب دیا کہ وہ قادر و خالق و علیم ہے۔ ۱۲ منہ

اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ع ۱۵

اور وہی اللہ ہے اُس کے سوا کوئی (اور) معبود نہیں، اُسی کی تعریف ہے دنیا اور آخرت میں اور اُسی کے لیے فرمانروائی ہے اور اُسی کے پاس تم کو پھر کر جانا ہوگا، کہو بھلا دیکھو اگر اللہ تم پر رات کو قیامت تک دراز کر دے تو کوئی اللہ کے سوا (اور) معبود ہے جو تم کو روشنی میں لائے، پھر کیا تم سنتے بھی نہیں۔ کہو دیکھو تو (سہی) اگر تم پر اللہ قیامت تک دن کو دراز کرے تو کون معبود ہے، اللہ کے سوا جو تم کو رات میں لا دے جس میں تم آرام پاؤ۔ پھر کیا تم اس نعمت کو دیکھتے بھی نہیں اور اپنی رحمت ہی سے اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تا کہ تم اس میں آرام پاؤ اور اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو اور جس دن ان سے پکار کر پوچھے گا کہ جن کو تم ہمارا شریک جانتے تھے وہ کہاں ہیں اور ہر گروہ میں سے ہم گواہی دینے والا الگ کر لیں گے، پھر ہم کہیں گے تم اپنی دلیل لاؤ تب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ حق اللہ ہی کے لیے ہے اور جو کچھ وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے گئے گزرے ہو جائیں گے۔

ترکیب : سرمدًا یجوز ان یکون حالاً من اللیل وان یکون مفعولا ثانیاً لجعل والی یتعلق بسرمدًا من الله الخ جواب ہے ان جعل الله کا۔

تفسیر : وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سے مبدء میں گفتگو شروع ہو گئی تھی، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں اس لیے وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے اس کی تکمیل کی جاتی ہے گویا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے اور قرآن مجید کی عادت ہے کہ کبھی مبدء میں گفتگو کرتا ہے۔ کبھی معاد میں، کبھی نجات و شرائع میں اور یہی باتیں مقصود بالذات بھی تھیں۔ فرمایا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں دنیا و آخرت میں اپنی نعمتوں کے سبب وہی ستائش کا مستحق ہے اور فرمانروائی اسی کے لیے ہے اور اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے اور کون ہے کہ جس میں یہ اوصاف ہیں؟ مشرکین گرچہ دوسرے خدا کے قائل نہ تھے، مگر چونکہ اور چیزوں کو بھی خدائی میں شریک جانتے تھے اور نافع و ضار سمجھ کر ان کو پکارتے تھے اور نذر و نیاز کرتے تھے، اس لیے ان سے یہ کلام کیا گیا کہ خدا کی جو باتیں ہیں وہ تو اللہ ہی میں ہیں۔ ذکی کے لیے تو اسی قدر بس تھا مگر وہ پشت در پشت ایسے ناپاک اور ظلمانی خیالات کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے، وہ اتنی بات سے کب سمجھتے ہیں، اس لیے ان کے معبودوں سے قدرت و اختیار نفع ضرر پہنچانے کی نفی کی گئی اور سب سے پہلے ایک ایسی بات میں عاجزی ثابت کی کہ جس کی طرف انسان کو اشد ضرورت ہے اور بغیر اس کے کسی طرح چارہ نہیں۔ وہ کیا رات دن کا اپنے اندازۂ خاص پر ہونا اور ان سے آرام اُٹھانا؟ پس فرماتا ہے قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الخ کہ ان سے پوچھو اگر خدا تم پر رات کو اس قدر دراز کر دے کہ قیامت تک صبح نہ ہو تو پھر تمہارے معبودوں سے کوئی ایسا ہے کہ صبح کر دے؟ اسی طرح اگر دن کو اس قدر بڑا کر دے کہ قیامت تک شام نہ ہو تو پھر تمہارے معبودوں میں سے وہ

کون سا ہے جو تمہارے آرام کے لیے رات پیدا کرے؟ رات میں آرام پانا سکونِ طبع ہونا ایک طبعی بات ہے۔ رات کی درازی میں تو فلا تَسْمَعُوْنَ فرمایا تھا کیونکہ رات میں اندھیرا ہوتا ہے، دکھائی کم دیتا ہے، کانوں سے کام لیا جاتا ہے، اندھیرے میں آدمی سن سکتا ہے، دیکھ نہیں سکتا اور دن میں دیکھنا ہو سکتا ہے اور روشنی میں آنکھ زیادہ کام دیتی ہے، اس لیے یہاں افلا تبصرون فرمایا۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ فرماتا ہے اس کی عنایت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا۔ لتسکنوا تا کہ آرام پاؤ۔ سکون ملے، یہ رات کا فائدہ ہے۔ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ کہ اس کے فضل یعنی روزی کی تلاش کرو تجارت، زراعت وغیرہ اسباب معاش میں مصروف ہو۔ یہ دن کا فائدہ ہے، کیونکہ دن میں انسان کاروبار کرتا ہے۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ دونوں سے متعلق ہے۔ یہ چیزیں اس لیے بنائیں کہ تم شکر کرو۔ اب روزمرہ کی نعمت کی بے قدری اور ناشکری کو دیکھیے۔

اس برہان کے بعد حشر کے دن کا عجز بیان کرتا ہے۔ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ الخ کہ ان سے پکار کر کہا جاوے گا تا کہ ہر کوئی سنے اور ان کی رسوائی سب پر ظاہر ہو کہ وہ تمہارے معبود کہاں ہیں؟ اور اس عدالت میں ہم ہر ایک اُمت میں سے گواہی دینے والا نبی یا اس کا نائب بلائیں گے جو گواہی دے گا کہ میں نے ان کو حکم پہنچا دیا تھا۔ پھر خدا تعالیٰ ان مجرموں سے کہے گا کہ اب کوئی دلیل یا سند پیش کرو کیا خاک پیش کریں گے۔ پس ان پر ظاہر ہو جاوے گا کہ اللہ کا فرمان برحق ہے اور ہمارے جھوٹے ڈھکوسلے تھے کہ فلاں دیوی قیامت میں یہ کرے گی، دیوتا یوں کام آوے گا۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ

وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۚ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، پھر وہاں سے اکڑنے لگا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ اس کی کنجیاں چند زور آور مرد بمشکل اُٹھاتے تھے (قارون کے اکڑنے پر) جب اس کو اس کی قوم نے کہا کہ اترا مت کیونکہ اللہ کو اترانے والے نہیں بھاتے اور جو کچھ تجھ کو اللہ نے دیا ہے، اُس سے آخرت کا گھر حاصل کر اور اپنا حصہ دُنیا میں سے نہ بھول اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تجھ سے بھلائی کی اور ملک میں خرابی ڈالتا نہ پھر کس لیے کہ اللہ کو مفسد لوگ پسند نہیں آتے۔ اس نے کہا مجھے تو یہ ایک ہنر سے ملا ہے جو مجھے حاصل ہے۔ کیا اُس نے معلوم نہیں کیا کہ اللہ نے اُس سے پہلے ایسے قرن ہلاک کر دیے ہیں جو قوت اور مال میں اس سے بھی زیادہ تھے اور گناہ گاروں کے گناہوں سے پرسش نہیں کی جاتی ہے، پھر (ایک دن) وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی تیاری سے نکلا تو دُنیا کی زندگی کے طالب کہنے لگے کہ اے کاش! ہمارے لیے بھی ویسا ہی ہوتا جیسا کہ قارون کو دیا گیا ہے، وہ تو بڑا نصیبے والا ہے اور علم والوں نے کہا کم بختو اللہ کا ثواب بہتر ہے، اس کے لیے جو ایمان لایا اور نیک کام کیا اور یہ نہیں ملتا مگر صبر کرنے والوں کو۔ پھر ہم نے قارون اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ پھر اس کی ایسی کوئی بھی جماعت نہ تھی جو اس کو (عذاب) اللہ سے بچا لیتی اور نہ وہ خود بچ سکا اور وہ لوگ جو کل اُس کے مرتبہ کی تمنا کرتے تھے آج صبح کو کہنے لگے کہ ہائے رے! اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ اگر خدا کی ہم پر مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی زمین میں دھنسا دیا ہوتا، ہائے کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔

ترکیب : مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ، بمعنی الذی فی موضع نصب باتینا وان واسمها وخبرها صلة الذی ولهذا کسرت ان، تنوء الخ ای تثقلهم فالباء للتعدیة وقد یقال ناءه ونوء ت، به وقیل صلی القلب ای لتقوء به العصبة و من الکنوز متعلق باتیناه واذ قال له ظرف لاتیناه والاوجه ان یقال اذکر اذ قال له قومه۔ فیما اتاک، مصدریة او بمعنی الذی وهی فی موضع الحال ای واطلب منقلبا فیما اتاک الله اجر الآخرة ویجوز ان یکون ظرفا فلا یبتغ علی علم فی موضع الحال وعندی صفة لعلم من قبله ظرف لاهلکنا من هو مفعول۔

تفسیر : کلام اس میں آ گیا تھا کہ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى کہ دنیا کے ناز و نعم بے ثبات ہیں۔ نعماء باقیہ دار آخرت کی ہیں، پھر اس کے سبب دار آخرت کو چھوڑنا پوری بدنصیبی اور بے عقلی ہے، اس کے بعد اسی کے متعلق کلام رہا۔

قارون کا قصہ : اب اس کی توضیح و تمثیل کے لیے ایک بڑے مالدار کا قصہ بیان کرتا ہے کہ جس نے مال کے غرور میں دار آخرت کی محرومی حاصل کی اور نبی سے سرکش ہو گیا، جس سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ پھر یہ دولت دُنیا ہی میں جاتی رہتی ہے اور بلائے آسمانی نازل ہو جاتی ہے، یعنی دار آخرت کا عذاب تو کچھ ہو گا سو ہو گا مگر جس دولت پر پھولا ہوا ہے وہ بھی دُنیا میں سدا اس کے پاس نہیں رہتی اور وہ مالدار

ایک شخص بنی اسرائیل کا تھا جس کا نام قارون تھا، فَقَالَ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ الخ فبغی علیھم سو اس نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل کے فرمانبردار سرداروں سے سرکشی اور مقابلہ کیا اور حالانکہ اس کو خدا نے اس قدر خزانے دیے تھے کہ ان مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ اس کی کنجیوں کے اُٹھانے سے چند زور آور آدمی تھک جاتے تھے۔ والمفاتح جمع مفتح بکسر المیم وھو ما یفتح بہ الباب یعنی مفتح کنجی مفاتیح اس کی جمع کنجیاں، اور جمع مفتح بالفتح وھو الخزانہ، مفتح بالفتح خزانہ اگر مفاتیح اس کی جمع ہوگی تو اس کے معنی بہت سے خزانے۔ (نیشاپوری)۔ بعض مفسرین پہلے معنی پر طعن کر کے دوسرے ہی کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس قدر مال ہو نہیں سکتا کہ جس کی کنجیوں کے بوجھ سے ایک جماعت تھک جاوے اور اگر ہم ایک شہر سونے سے بھرا ہوا بھی فرض کر لیں تو اس کے لیے بھی ایک کنجی کافی ہے، اسی لیے ابورزین کہتے ہیں کہ تمام کوفہ کو ایک کنجی کافی ہو سکتی ہے اور نیز کنوز دفینہ کو کہتے ہیں، اس کے لیے کنجیوں کی کیا ضرورت ہے؟ پس معنی یہ ہوئے کہ اس کے پاس اس قدر خزانے تھے کہ جن کو اُٹھانے سے چند قوی آدمی تھک جاتے تھے اور یہ ممکن ہے لیکن جو لوگ مفاتح کو کنجیاں سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں وہ زمانہ اور طور کا تھا، آج کل کے عمدہ قفلوں اور باریک اور نازک کنجیوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ موٹی موٹی بھاری بھاری کنجیاں ہوں گی، جیسا کہ اب بھی بنیوں کی دکانوں کی ہوتی ہیں۔ خصوصاً دیہات میں اور پھر اس کنجوس نے ہر ہر چیز کو ایک صندوق میں مقفل کر رکھا تھا، کسی میں کپڑے، کسی میں برتن، کسی میں کچھ، کسی میں کچھ۔ اس طرح کئی سو صندوق ہوں تو پھر ایسی کنجیوں کے اُٹھانے کے لیے ضرور کئی آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہوگی اور کئی خچروں پر لاتے ہوں گے، پس یہ ممکن ہے اور اسی کو ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن نے اختیار کیا ہے۔ ابومسلم کہتے ہیں مفاتح سے مراد علم کے مفاتح ہیں جن کا احاطہ جماعت ذی قوت پر دشوار ہے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ یہ توجیہ بالکل غلط ہے اور ابومسلم کو شاید کتب اہل کتاب کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اِذْ قَالَ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ کہ اترا نہیں خدا کو اترانا نہیں بھاتا۔ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ کہ جو کچھ اللہ نے تجھ کو دیا ہے، مال و عزت اس سے دار آخرت حاصل کر وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا اور جو کچھ دنیا میں تیرا حصہ ہے، کھانے پینے میں اس کو فراموش نہ کر، یعنی دولت سے نفع اُٹھا، کیونکہ وہ بڑا بخیل تھا یہ اس لیے کہا مطلب یہ کہ اللہ کی راہ میں دے اور خود بھی کھا پی اور تکبر اور سرکشی نہ کر قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ کہ میں نے یہ جو کچھ حاصل کیا ہے تو اپنی دانائی اور ہوشیاری سے حاصل کیا ہے، جیسا کہ آج کل نئی روشنی والے جب کامیاب ہو جاتے ہیں تو اس کو اللہ کا فضل نہیں سمجھتے، اپنی ہی لیاقت اور دانائی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے بڑھ کر استعداد اور علم کے لوگ کیسے نامراد پھرتے ہیں؟ اَوَلَمْ يَعْلَمْ میں اللہ تعالیٰ اس کی اس ناشکری پر تہدید ظاہر فرماتا ہے کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ نے اس سے پہلے کیسے کیسے مالداروں زور آوروں کو غارت کر دیا ہے اور پھر جب وقت آجاتا ہے تو مجرموں سے کچھ نہیں پوچھا جاتا، یعنی ان کا کوئی عذر نہیں سنا جاتا۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ایک روز بڑی آرائش سے قوم کے ساتھ آیا اور ممکن ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ اپنی زینت میں قوم سے مقابل و مخالف ہوا بولتے ہیں خرج علی فلاں ای بغی علیہ۔ جس کو دنیاداروں نے دیکھ کر بڑی حسرت کی، آخر وہ مال کے ساتھ زمین میں غرق کر دیا گیا، اس پر لوگوں کو متنبہ کیا۔ یہ قصہ توریت کے سفر عدد کے سولہویں باب میں بالتصریح مذکور ہے جس کے مختصر جملے یہ ہیں۔ "اور قارح (یعنی قارون) بن اظہار بن قہات بن لاوی نے لوگ لیے اخ اڑھائی سو شخص جو سرگروہ اور نامی اور جماعت کے مشہور تھے۔ موسیٰ کے مقابلے میں اُٹھے اور وہ موسیٰ اور ہارون کی مخالفت پر جمع ہوئے اور انہیں کہا۔ الخ تم کیوں آپ کو خداوند کی جماعت سے بڑا جانتے ہو، الخ پھر موسیٰ نے قارح کو کہا اے بنی لاوی سن رکھو الخ اب تم کہانت (امامت) کو بھی چاہتے ہو سو تو اور سب تیرے گروہ خداوند کی مخالفت پر اکٹھے ہوئے اور ہارون کون ہے جو تم اس کی شکایت کرتے ہو۔ (قارون چاہتا تھا کہ موسیٰ اور ہارون کے برخلاف لوگوں کو اُکسا کر سرداری آپ لے اور خصوصاً کہانت کے عہدہ کا اس کو بڑا رشک تھا کہ یہ اپنے بھائی ہارون کو کیوں دیا، مجھے کیوں نہ دیا) تب موسیٰ کا غصہ بھڑکا اور

خداوند سے یوں بولا ان کے ہدیئے کی طرف توجہ مت کر۔ میں نے ان سے ایک گدھا بھی نہیں لیا نہ ان میں سے کسی کو دُکھ دیا۔ پھر موسیٰ نے قارح کو کہا کہ تو اپنے سارے گروہ سمیت تو اور وے اور ہارون بھی خداوند کے حضور کل کے دن حاضر ہوں اور ہر ایک شخص اپنا اپنا عودسوز لیوے اور اس میں بخور ڈالے، الخ سو ہر ایک آدمی نے اپنا اپنا عودسوز لیا اور اس میں آگ بھری اور اس پر بخور ڈالا اور جماعت کے خیمے کے دروازے پر موسیٰ اور ہارون سمیت آ کھڑے ہوئے اور قارح نے اس سارے گروہ کو ان کی مخالفت پر جماعت کے خیمے کے دروازہ پر جمع کیا"۔ (فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ کے یہی معنی ہیں) "تب خداوند کا جلال اس سارے گروہ کے سامنے ظاہر ہوا اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو خطاب کر کے فرمایا، تم آپ کو اس گروہ میں سے جدا کرو تا کہ میں انہیں ایک پل میں ہلاک کروں۔ الخ تب موسیٰ نے کہا تم اس سے جانو کہ خداوند نے مجھے بھیجا ہے الخ۔ اگر یہ آدمی اس موت سے مریں جس موت سے سب مرتے ہیں یا ان پر کوئی حادثہ ایسا ہووے جو سب پر ہوتا ہے تو میں خداوند کا بھیجا ہوا نہیں پر اگر خداوند کوئی نئی بات پیدا کرے اور زمین اپنا منہ پھیلا دے اور ان کو اس سب سمیت جو ان کا ہے نگل جاوے اور جیتے جی گور میں جاویں تو تم جانیو کہ ان لوگوں نے خداوند کی اہانت کی اور یوں ہوا کہ جوں ہی موسیٰ یہ سب باتیں کہہ چکا تو زمین جو ان کے نیچے تھی پھٹی اور زمین نے اپنا منہ کھولا اور انہیں اور ان کے گھروں اور ان سب آدمیوں کو جو قارح کے تھے اور ان کے سب مال کو نگل گئی۔ سو وہ اور سب جو ان کے تھے جیتے جی گور میں گئے اور زمین نے انہیں چھپا لیا اور جماعت کے درمیان سے فنا ہو گئے" (فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ کے یہی معنی ہیں) "اور سارے بنی اسرائیل جو ان کے پاس تھے، ان کے چلانا سن کے بھاگے کہ انہوں نے کہا ایسا نہ ہو کہ زمین ہم کو بھی نگل جاوے"، انتہی ملخصاً وَيَكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ (دنیا کی مالداری کچھ مقبولیت کی دلیل نہیں) لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ کے یہی معنی ہیں، یعنی اس کی دولت دیکھ کر جو ہم حسرت کرتے تھے اور اس کو بڑا شخص جانتے تھے، اگر اور لوگوں کی طرح ہم بھی ان کے ساتھ ہو جاتے تو ہلاک ہو جاتے۔ کافرون یعنی پیغمبروں سے مقابلہ کرنے والوں کو فلاح نہیں ہوتی۔

قارون کی دولت کا توریت میں کچھ ذکر نہیں مگر قرآن سے اس کا مالدار ہونا معلوم ہوتا ہے اور اپنی قوم میں بڑا مالدار تھا یہ مال اس نے سرمیں تجارت یا فرعون کی نوکری سے حاصل کیا تھا، باقی اس کی کیمیا گری اور فسوں سازی کے جو افسانے لوگوں نے لکھے ہیں، بے سند معلوم ہوتی ہیں۔ قصہ گو تھوڑی سی بات کو بڑا کر لیتے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

ل دیکھا فذلک عند الکونین یعنی ویلک وجوز جار اللہ ان یکون الکاف کاف الخطاب مضمومۃ ای فمی ۱۲ منہ

ع یہ قصہ توریت میں بھی ہے مگر قرآن مجید نے کن الفاظ میں ادا کیا اور کس خوبی کے ساتھ جو عبرت دلاتا اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا
تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ
اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ
الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

(دنیا تو عام ہے) یہ آخرت کا گھر ہم خاص ان کو ہی دیتے ہیں جو نہ زمین میں گردن کشی کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد اور انجام تو پرہیزگاروں کا ہی اچھا ہے جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اُس کو اُس سے بہتر بدلہ ملے گا اور جو کوئی بدی لائے گا سو بدی کرنے والوں کو اسی قدر سزا دی جائے گی، جو وہ کرتے تھے۔ (اے نبی!) جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ ضرور آپ کو معاد کی طرف پھیر لائے گا۔ (اے نبی!) کہدو میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون دین حق لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے اور آپ کو توقع بھی نہ تھی کہ آپ پر کتاب اُتاری جائے گی، مگر آپ کے رب کی آپ پر مہربانی ہوئی (جو کتاب اُتاری) پھر کافروں کی طرف داری نہ کرنا اور ایسا نہ ہو کہ اللہ کی آیتیں نازل ہو چکنے کے بعد آپ کو ان سے کوئی باز رکھے اور آپ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے چلے جائیے اور ہرگز مشرکین میں شامل نہ ہونا اور اللہ کے ساتھ اور کسی معبود کو نہ پکارنا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر چیز مٹ جانے والی ہے، مگر اُس کی ذات اسی کی بادشاہی ہے، اُسی کے پاس تم کو پھر کر جانا ہے۔

ترکیب : تلك مبتداء والدار نعت و نجعلها خبر من موضع نصب میں ہے۔ اعلم سے ومن یہ معطوف ہے، من اول پر۔ لا رحمة ای ولکن القی رحمة الاوجهه استثناء من الجنس ای الا ایاه۔

تفسیر : قارون کی بربادی کا حال بیان فرما کر اور یہ بات ثابت کر کے کہ دارِ آخرت کی نعماء باقی اور بہتر ہیں۔ یہ بات بتلاتا ہے کہ اس دارِ آخرت کا کون مستحق ہے اور کن کن باتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ فقال تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا کہ یہ دارِ آخرت ہم اس کو دیں گے کہ جو دنیا میں سرکشی اور فساد کرنے کا قصد بھی نہ کرے گا۔ علو گردن کشی، تکبر اس کی ضد اسلام گردن نہادن یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کے آگے گردن جھکائے ان کی سب باتوں کو مانے، اس میں تمام عقائد آگئے۔ یعنی قوتِ نظریہ کی تکمیل اور فساد کی ضد اصلاح ہے، اس میں اعمالِ صالحہ آگئے، یعنی نیک کام کرے۔ اب یہ خیال کرنا کہ دارِ آخرت کے لیے ایمان اور عملِ صالح کی کوئی شرط نہیں تکبر اور فساد نہ کرنا ہی کافی ہے، محض غلط خیال ہے۔ ان اعتقادیات اور عملیات کو ترکِ تکبر اور فساد کے الفاظ سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ فرعون اور قارون کہ جن کا اس سورہ میں ذکر ہے، وہ کمبخت اسی تکبر اور فساد سے ہلاک ہوئے ہیں۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ اس کی تصریح ہے کہ ترکِ تکبر اور ترکِ فساد سے ایمان اور عملِ صالح مراد ہیں، کیونکہ بغیر اس کے متقی نہیں ہوتے اور عاقبت یعنی آخرت اور اس کی خوبیاں متقیوں کے لیے ہیں۔ یہ جملہ کلامِ سابق کی تفسیر یا تاکید ہے، مِنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ الخ میں اور بھی تصریح و تفصیل ہے کہ جو کوئی نیکی کرے گا اس سے بھی بہتر بدلہ پاوے گا اور جو بدی کرے گا اُس کی سزا پاوے گا۔ یہ دارِ آخرت کا قانون ہے۔ کفار اور بت پرست دار آخرت کا ذکر سن کر کہتے تھے کہ دراصل ہم ہی دارِ آخرت کے مستحق ہیں جو کام ہم کر رہے ہیں، وہی ہدایت اور سعادت کے کام اور دارِ آخرت

کے سامل ہیں۔ (اور تمام مذاہب باطلہ کو یہی خبط ہے کہ وہ اپنے اعتقاد بد اور عملِ فاسد کو موجبِ نجات جانتے ہیں، دوسرے کو محروم) اور اسی لیے حضرت ﷺ کو کہتے تھے کہ تجھے دارِ آخرت نصیب نہیں اور نہ تو ہدایت پر ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ کہ جس نے تجھ پر قرآن کا پڑھنا اور لوگوں کو سنانا فرض کیا جو راہ راست اور ہدایت کا سرچشمہ ہے، ضرور تجھے معاد یعنی دارِ آخرت میں پہنچاوے گا۔ یعنی وہاں کی خوبیاں نصیب کرے گا۔ معاد جائے بازگشت۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ یہ کفار جو تجھے مکہ سے نکالتے ہیں ہم پھر تجھے یہاں لاویں گے، چنانچہ بعد ہجرت کے آنحضرت ﷺ مکہ میں تشریف لائے اور یہاں کے قابض ہوئے، خدا تعالیٰ نے اس پیشین گوئی کو صادق کر دیا اور حضرت کا اعجاز پورا ہوا۔ ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ جب آپ مکہ سے نکلے اور جحفہ تک پہنچے تو مکہ کا شوق ہوا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ معاد سے مکہ مراد ہے۔

اور ان سے کہدے کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہدایت پر کون ہے اور گمراہی صریح میں کون پڑا ہوا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو تسکین دیتا ہے، وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا الخ کہ اس وحی کی تجھے تو امید بھی نہ تھی، پھر خود ہم نے اپنی رحمت سے قرآن نازل کیا، پھر تو خاموشی اختیار کر کے کافروں کا مددگار نہ بن اور ان کے شبہات سے اللہ کی آیتوں سے نہ رُک۔ تو شوق سے اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلا اور مشرکوں میں شامل نہ ہو اور اللہ کے سوا کسی کو نہ پکار کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا جو کوئی ہوتو فنا ہونے والا ہے، دنیا سے یا ممکن الوجود ہے، مگر وہ وجہ سے اس کی ذات تعبیر کی گئی ہے اور اس کی بادشاہی ہے اور سب کو اسی کے پاس پھر کر آنا ہے۔ یہ تین علامتیں معبودِ برحق کی ہیں، باقی اور ابدی ہونا، بادشاہی ہونا، اس کے پاس سب کو پھر کر آنا۔ یہ باتیں اور کسی میں نہیں، پس وہ معبود بھی نہیں، اس لیے ان کے پکارنے سے منع کیا۔ حاصل یہ کہ تو راہ راست پر ہے اور لوگوں کو توحید کی تعلیم کر ان کے کہنے کا کچھ بھی خیال نہ کر۔ سبحان اللہ سورہ کو کن عمدہ مقاصد پر کس لطف کے ساتھ تمام کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾
مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۵﴾
وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم آمنا کہہ کر چھوٹ جاویں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جاوے گی اور بے شک ہم نے ان سے پہلوں کو بھی آزمایا ہے، پھر اللہ ضرور

اس قید سے وہ تعارض اٹھ گیا جو نعماءِ جنت کے لیے دائمی اور باقی رہنے والا فرمایا ہے کس لیے کہ اس نعماء اور ہلاک سے مراد فنا اس عالم کا ہے اور جس سے ہلاک کے معنی ممکن الوجود کے لیے ہیں اس کے نزدیک تو سرے سے تعارض ہی نہیں۔ ۱۲ منہ

معلوم کر کے رہے گا کہ کون سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔ کیا بدی کرنے والوں نے (یہ) سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہم سے بھاگ کر آگے نکل جائیں گے بہت ہی بری تجویز کیا کرتے ہیں، جس کسی کو (مر کر) اللہ سے ملنے کی توقع ہو تو اس کو ضرور تیاری کرنی چاہیے، کیونکہ اس کی مقرر کردہ اجل ضرور آنے والی ہے اور ہر کچھ سنتا جانتا ہے اور جو کوئی کوشش کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرتا ہے۔ البتہ اللہ تو تمام جہان سے بے نیاز ہے۔

ترکیب : ان یترکوا ان وما عملت فیہ یسد مسد المفعولین۔ ان یقولوا ای بان یقولوا وبجوز ان یکون بدلا من ان یترکوا من کان شرط والجواب فان اجل اللہ والتقدیر لایئسہ۔

تفسیر : پہلی سورہ کے خاتمہ میں فرمایا تھا کہ ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الیٰ معاد اور معاد دار آخرت کی طرف کامیابی کے ساتھ جانا آسان بات نہیں، اس میں بڑی بڑی جانفشانیاں کرنی پڑتی ہیں اور بڑی سختیوں کی برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لیے اس سورہ میں الم سے ایک خاص مطلب کی طرف اشارہ کر کے، یہ فرمایا اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ کہ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ لا الہ الا اللہ کہہ دینا اور صرف ایمان لا کے بیٹھ رہنا کافی ہے اور ان کی کوئی آزمائش نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی کس لیے کہ ان سے پہلے بھی ایمانداروں نے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ آزمائے گئے ہیں گھر بار لوٹے گئے ہیں، ماریں پڑی ہیں، دیس سے نکالے گئے ہیں۔ اس سے اہل اسلام کو مضبوط کیا جاتا ہے کہ اسلام میں تکالیف دیکھ کر نہ گھبرائیں، ایسی ہی آزمائشوں میں سچے جھوٹے کا امتیاز ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں خصوصاً ہجرت سے پیشتر ایمانداروں کو بڑی بڑی مصیبتوں کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ برادری کا چھوٹنا، کافروں سے مار کھانا، جلاوطن ہونا، مارا جانا، جورو بچے چھٹنا، مال واسباب سے دست بردار ہونا وغیرہ وغیرہ، چنانچہ ایک بار آنحضرت ﷺ کعبہ کی دیوار سے تکیہ لگائے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بعض صحابہ نے مشرکین کے ظلم وستم کی شکایت کی کہ ہم یوں یوں ستائے جا رہے ہیں۔ آپ نے نہیں کرتے۔ خفا ہو کر فرمایا تم سے پہلے دیندار آرے سے چیرے گئے ہیں، پر وہ دین سے نہ ہٹے لوہے کے کنگھے ان کے سر میں کیے گئے کہ گوشت چیر کر ہڈی تک پہنچ گئے، پر وہ تب بھی اپنے دین سے نہ ہٹے اور قسم ہے اللہ کی یہ دین تو پھیلے گا یہاں تک کہ صنعا سے لے کر حضرموت تک سوار امن سے جاوے گا، لیکن تم جلدی کر رہے ہو۔ رواہ البخاری مفسرین متفق ہیں کہ یہ ان اہل اسلام کی شان میں نازل ہوا ہے کہ جن کو کفار سے تکلیفیں پہنچ رہی تھیں۔ جیسا کہ عمار بن یاسر اور ولید بن الولید وسلمہ بن ہاشم رضی اللہ عنہم، فتنہ جان اور مال اور آبرو پر مصیبت آنا۔ الغرض مسلمانوں کو تسلی اور ثابت قدمی دی گئی کہ راہ حق میں جو تکالیف پیش آویں ان کی برداشت کرو زبانی دعویٰ کافی نہیں۔ یہ آزمائش ہے جو ثابت قدم رہا، صادقوں میں لکھا گیا ورنہ کاذب قرار دیا گیا اور یہ کچھ نئی بات نہیں تم سے پہلے بھی دینداروں کو بڑی تکلیفیں پہنچی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب ان کے حواری یا اُن کے مرید روم میں پہنچے تو روم کے بادشاہوں نے کسی کو لوہے کے ستونوں سے گرم کر کے بندھوا دیا۔ کسی کو آگ میں ڈلوا دیا۔ کسی کو درندوں سے پھڑوا دیا مگر وہ ثابت قدم رہے۔

---

۱ الم یہ حروف مقطعات مخاطب کو متنبہ کرنے کے لیے شروع کلام میں آتے ہیں جیسا کہ سنو۔ دیکھو تا کہ یہ معلوم ہو کہ اس کے بعد کوئی بڑی بات کہی جائے گی اس لیے بجز تین صورتوں کے اس کلمہ کے بعد کتاب یا تنزیل یا قرآن کا ذکر آیا ہے جو بڑی بھاری بات ہے مگر ان تین سورتوں میں بھی اور دوسری بھاری بات بیان ہوئی کھیعص۔ الم۔ غلبت الروم الم احسب الناس سو یہ بھی ایک بڑی بات تھی کہ لوگ زبان سے آمنا کہنا کافی سمجھتے تھے اور حروف میں اور بھی اشارات ہوتے ہیں جیسا کہ یہاں الف سے اللہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ ہی نے سب کہا یا اور وہی باقی رہے۔ ۱۲ منہ علم مبدأ کا یا سے رسول کہ اس نے دنیا کی رہنمائی کو رسول بھیجے۔ علم بالوسطہ آگیا م سے معاد یعنی دار آخرت اور وہاں کی خوبیاں اس میں علم معاد آگیا اور لطف یہ ہے کہ پہلے اللہ کا حرف اول لیا بیچ میں رسول کا حرف اخیر پر معاد کا حرف اول تا کہ معلوم رہے کہ رسولوں کا بھیجنا ہدایت کا ذریعہ ہے اور مقصد ومبدء معاد ہے۔ رسول کا اخیر حرف لینا یہ بتلاتا ہے کہ اب رسولوں کا بھیجنا آخر ہوا۔ ۱۲ منہ

اس کے بعد ان تکلیف دینے والوں کو بھی آگاہ کرتا ہے، بقولہ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ الخ یہ برائی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم سے بڑھ جاویں گے، یعنی ہمارے قابو میں نہ آویں گے۔ اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ہم بہت جلد اپنے نبی کی مدد کریں گے۔ سرکشوں کے سر توڑ ڈالیں گے، چنانچہ چند روز کے بعد ایسا ہی ہوا۔ پھر دینداروں کی طرف روئے سخن کر کے فرماتا ہے کہ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰہِ الخ کہ جو کوئی دار آخرت کا طالب اور اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے کہ اس کے پاس جاؤں اور حیات ابدی پاؤں تو اللہ کا وعدہ آنے والا ہے، یعنی موت چلی آ رہی ہے۔ اس کے بعد اس کو وہ کچھ ملے گا کہ جو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا، نہ دل میں گزرا ہے اس کو چاہیے کہ سرگرمی سے ایمان اور نیکوکاری میں مصروف رہے۔ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اور تمہاری یہ کوشش ایسی نہیں کہ جو اس کو معلوم نہ ہو کیونکہ وہ سنتا ہے، منہ کی بات سنتا ہے۔ علیم ہے، دل کے بھید جانتا ہے، وَمَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ الخ اور یہ بھی یاد رہے کہ جو کوئی نیکی میں کوشش اور سرگرمی کرتا ہے تو اپنے فائدہ کے لیے کیونکہ اللہ کو کسی کی کچھ بھی حاجت نہیں۔ اصول دین تین ہیں، مبداء کا پہچاننا اس کی طرف امنا میں اشارہ کیا اور وسط کا جاننا وہ رسولوں کا بھیجنا اور شریعت کا قائم کرنا اسی کی طرف وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ میں اشارہ کیا۔ معاد سے واقف ہونا اس کی طرف من کان یرجوا میں اشارہ کیا۔ اس میں یہ بھی بتلا دیا کہ مرنے کے بعد روح جاتی رہتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاھَدٰکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّھُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ فَاِذَآ اُوْذِیَ فِی اللّٰہِ جَعَلَ فِتْنَۃَ النَّاسِ کَعَذَابِ اللّٰہِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّکَ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّا کُنَّا مَعَکُمْ ؕ اَوَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ ۝

الذین آمنوا مبتداء لندخلنھم خبر من یقول مبتداء من الناس خبر۔

ترکیب : حسنا منصوب بوصینا وقیل محمول علی المعنی والتقدیر الزمناہ حسنا۔ والذین آمنوا مبتداء لندخلنھم خبر من یقول مبتداء من

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے تو ضرور ہم اُن سے ان کی برائیاں مٹا ڈالیں گے اور ہم اُن کو اُن کے کام کا بہت ہی اچھا بدلہ بھی دیں گے ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ سے نیکی کرے اور (ہاں) اگر وہ اس بات پر اصرار کریں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک کرے کہ جس کو تو جانتا بھی نہیں تو ان کا کہنا نہ مان تم سب کو پھر کر میرے ہی پاس آنا ہے، تب میں تم کو بتلا دوں گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل بھی کیے ہم ضرور نیک بختوں میں داخل کریں گے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ (زبان سے) جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لے آئے، پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے لوگوں کی تکلیف کو اللہ کے عذاب کے برابر سمجھتے ہیں اور اگر آپ کے رب کے پاس سے آجائے تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے اور کیا خدا دنیا جہان کے دلوں کی باتیں نہیں جانتا؟

تفسیر : اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ میں فی الجملہ ایک تہدید ہی تھی جس سے کم سمجھ لوگوں کے دل پر شبہ ہوتا تھا کہ پھر نیک کام کیا ہے؟ اس لیے اس خیال کو رد کر کے فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے۔ ہم بار بار بیان کر آئے ہیں کہ ایمان شروع میں جو کچھ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے، اس کو سچا جاننا اور ماننا ہے، جن میں سے اللہ کی ذات پاک اور اس کی صفات اور ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان لانا یعنی تصدیق کرنا از حد ضروری ہے۔ اور عمل صالح وہ کام ہے کہ جس کی رغبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دلائی اور عمل فاسد وہ کہ جس سے منع کیا۔ عمل ایک عرض غیر قار ہے باقی نہیں رہتا، مگر نیت اور خلوص سے۔ ان دونوں کے انعام میں دو چیزیں عطاء فرمانے کا وعدہ کیا لَنُكَفِّرَنَّ ایمان کے بدلے میں کہ ہم ان کی پہلی برائیاں مٹا دیں گے۔ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ کہ ان کے اعمالِ خیر کا عمدہ بدلہ دیں گے۔ جنت اور وہاں کے نعماء اور نیز دنیا میں بھی کبھی بدلہ مل جاتا ہے۔

چونکہ اعمالِ صالحہ کا ذکر تھا، اس لیے ان میں سے بعض ان عملوں کا ذکر کرتا ہے کہ جن کے صالح ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں اور اس کی کس لطف کے ساتھ فرضیت ثابت کرتا ہے، بقولہ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا کہ ہم نے انسان کو حکم دے دیا ہے (اس کو بلفظہٖ صیغہ تاکید کے لیے فرمایا) کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کیا کرے، کیونکہ یہ اس کے بڑے محسن ہیں۔ لڑکپن میں جبکہ یہ کچھ بھی کما نہیں سکتا تھا، اس کو پالا پرورش کیا، علم و تہذیب سکھائی، مگر وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ الخ وہ اس بات کی اگر کوشش کریں کہ تو میرا کسی کو شریک کرے تو ان کا کہنا اس بات میں نہ ماننا کس لیے کہ سب سے زیادہ میں محسن ہوں، ماں باپ سے بھی زیادہ میرے احسانات ہیں، اس لیے میری بے ادبی نہ کرنا کہ کسی کو میرا شریک ٹھہرانے لگے۔ وہ پڑے جھگڑا کریں تو مانیو ہی نہیں۔ تم سب میرے پاس آؤ گے، میں تم کو وہاں بتا دوں گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ یعنی اس بارے میں تیرے ماں باپ کے اور تیرے جھگڑے کا میں فیصلہ کر دوں گا اور ممکن ہے کہ یہ جملہ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ خلوصِ نیت کے لیے تاکید ہو۔ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کہ جس کو تو جانتا نہیں اس کو بھی میرا شریک نہ کرنا اور جس کو تو جانتا ہے اس کو تو بدرجہ اولیٰ نہ کرنا کس لیے کہ جب تجھے خود معلوم ہے کہ فلاں شے مخلوق اور حادث ہے، اس کو کیا شریک کرے گا، یہاں جس کو جانتا بھی نہیں جہاں وسوسہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ شخص خدائی میں شریک ہونے کی قابلیت رکھتا ہے۔ پس اس لیے مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کی قید لگائی۔

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ پہلے کلام کی تاکید ہے کہ جو اچھے کام کرے گا ہم اس کو صالحین کے زمرہ میں داخل کر دیں گے۔ وہ کہ جن کے لیے کون و فساد نہیں۔ اس میں علویات بھی آ گئے۔ یہ حکماء کا قول ہے۔ پھر اسی پہلی بات کی طرف دوسرے عنوان سے رجوع کرتا ہے۔ فَمَالَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ زبان سے تو کہتے ہیں۔ اصلاً کہ ہم ایمان لائے، مگر فَاِذَا اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ جب اس کو اللہ کی راہ میں کوئی ایذا پہنچتی ہے تو اس کے ڈر سے دین سے اس طرح رُک جاتا ہے کہ جس طرح اللہ کے عذاب کے ڈر سے لوگ گناہوں سے رُکتے ہیں اور اس تکلیف کی وہ کچھ بھی برداشت نہیں کرتا اور لطف یہ ہے وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ کہ اللہ کی طرف سے کوئی فتح نصیب ہو جاوے تو کہنے لگیں اِنَّا مَعَكُمْ کہ ہم تو پہلے سے تمہارے ساتھ تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ کہ کیا خدا لوگوں کے دلوں کی بات نہیں جانتا۔ پس ہم ان کے دلی راز سے واقف ہیں، یعنی ان کا یہ جھوٹ ہم سے نہیں چل سکتا۔ **مسائل**: ماں باپ کی اطاعت فرض ہے مگر گناہ کے کام میں نہیں۔ انسان کو کبھی تکلیف سے یا کسی کے خوف سے دین یا اس کی کسی بات کو ترک کرنا حرام ہے۔ دین پر سختی اور نرمی میں ثابت قدم رہنا فرض ہے۔

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ
اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ
اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ
وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور البتہ اللہ ایمان داروں کو جانچ لے گا اور منافقوں کو بھی اور کافر ایمانداروں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے طریق پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھائیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اُٹھانے والے نہیں، وہ بالکل جھوٹے ہیں اور (ہاں) البتہ وہ اپنے بارِ گناہ اُٹھائیں گے اور بار بھی اپنے بوجھوں کے ساتھ اور اٹھائیں گے۔ اور قیامت کے دن ان کی فتنہ پردازیوں کا ضرور پوچھا جائے گا اور البتہ ہم نے نوح کو ان کے قوم کی طرف بھیجا پھر وہ اس میں پچاس کم ہزار (ساڑھے نو سو برس) تک رہے پھر ان لوگوں کو طوفان نے آلیا، حالانکہ وہ بدکاری میں مصروف تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچا لیا اور کشتی کو دنیا کے لیے نشانی بنا دیا۔

ترکیب : الذین امنوا یعلمن کا مفعول اتبعوا الخ مقولہ ہے قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کا ولنحمل عطف علی اتبعوا وارادوا التجمع بدان والمراد فی الحمول ان تتبعوا طریقتنا وان نحمل خطایا کم نظیرہ لیکن منک العطاء ولکن منی الدعا انهم لکاذبون فی اخبار حمل الخطایا وان صدرہ لفظ الامر۔ وعندی اذا کان الوعد من غیر صمیم القلب اسمی هذا فی العرف بالکذب فعلی هذا لا یحصر لکذب فی الاخبار بل قد یکون فی الانشاء ایضا ظلمون حال من ضمیر هم فی اخذهم۔

تفسیر : وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ یہ کلام سابق کا تتمہ ہے کہ وہ جو ایسی باتیں بناتے ہیں اللہ پر کوئی بات مخفی نہیں، وہ دلوں کے راز جانتا ہے اور آئندہ مومن اور منافق کا پورا امتیاز ہو جاوے گا۔ اللہ کو ہر چیز کا ہمیشہ سے علم ہے۔ پھر یہ جو قرآن میں آیا کرتا ہے تا کہ اللہ جان جاوے اور اللہ جان جاوے گا وغیرہ تو اس سے علم تفصیلی مراد ہے؟ ایک حادثہ اور تجربہ کے بعد اس شخص کو بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ جس کا یہ معاملہ ہے اور لوگ بھی جان لیتے ہیں کہ اس کے الزام کے لیے بھی اس پر حجت ہوا کرتا ہے۔ یہاں یہ کلام ہو سکتا ہے کہ یہ سورۂ مکیہ ہے اور مکہ میں یا کافر تھے یا مومن منافق کہاں تھے؟ منافق یعنی دل میں کافر ظاہر میں مومن یا کسی لالچ پر ہوتے ہیں یا کسی خوف سے اور مکہ میں تو اہلِ اسلام کی طرف سے کوئی توقع نفع کی تھی اور نہ کچھ خوف تھا، کیونکہ خود مسلمان مصیبت میں تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کسی شخص کا واقعہ نہیں بلکہ ایک تمثیل ہے کہ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں کہ زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں اور لوگوں کی تکلیف سے ایسا ڈرتے ہیں کہ جیسا اللہ کے عذاب[1] سے ڈرتے ہیں اور راحت کے وقت ایمانداروں کے ساتھ رہنا بیان کرتے ہیں، یا یوں کہو کہ یہ پیشین گوئی ہے کہ ایسے لوگ بھی اسلام میں آویں گے چنانچہ مدینہ میں آ کر یہ بات پیش آئی اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اسلام میں

[1] جعل فتنۃ الناس کعذاب اللہ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جب اس کو دنیا میں اسلام پر کوئی تکلیف پہنچتی ہے کسی ظالم کی طرف سے تو اس کو وہ اللہ کی طرف کا عذاب سمجھ کر اسلام سے پھر جاتا ہے یعنی اسلام کو نا مبارک سمجھتا ہے۔ ۱۲ منہ

فتوحات پیش آویں گی، حال کی مصیبت سے نہ ڈرو۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے ان ظالم کافروں کی ایک اور ڈھٹائی بیان فرماتا ہے۔ وہ کمبخت کافر بے کس مسلمانوں کو از حد ستاتے تھے، اس پر ان سے یہ کہتے تھے کہ تم یہ تکالیف کس لیے اٹھاتے ہو، کس لیے اسلام نہیں چھوڑ دیتے؟ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے اس گناہ سے ڈرتے ہیں، آخرت کا خوف ہے، اس کے جواب میں وہ کہتے تھے اچھی تم چھوڑو دنیا کے مزے اُڑاؤ تمہارے گناہ ہم اُٹھالیں گے (چنانچہ آج کل فساق ایک دوسرے کو یہی کہہ کر گناہ پر آمادہ کیا کرتے ہیں کہ میری قسم شراب کی پیالی پی لو تمہارا گناہ ہمارے سر پر، تمہارے عوض ہم عذاب اُٹھالیں گے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَمَا هُمْ بِحَامِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ کہ وہ ان کا کوئی گناہ بھی نہ اُٹھا سکیں گے وہ اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں، اول تو دارِ آخرت کی تکلیف پر کوئی اپنی تکلیف کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ دوسرے کی تکلیف اور خدا تعالیٰ کا عدل کب مقتضی ہے کہ کسی کے گناہوں پر کسی اور سے مطالبہ کرے، البتہ وہ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ اپنے گناہوں کا بار اُٹھادیں گے وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ اور اس کے ساتھ اپنی اس دلیری اور ان کے بہکانے کا بھی بار گناہ اُٹھاویں گے اور ان کی اس افتراء پردازی سے قیامت کو باز پرس ہوگی کہ تم کس جرأت اور بے باکی سے ایسی باتیں بناتے تھے؟

اول سورہ میں فرمایا تھا کہ تم سے پہلے لوگ بھی دینداری کے سبب بہت کچھ ستائے گئے ہیں۔ اب اس کی تصدیق کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کا حال بیان فرماتا ہے، فقال تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ الخ کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، پھر وہ اس میں ساڑھے نو سو برس[1] تک رہا، بہت کچھ وعظ و پند کیا مگر نہ مانا اور نوح علیہ السلام کو اور اُن کے ساتھ چند ایمانداروں کو وہ وہ تکلیفیں دیں کہ جو بیان سے باہر ہیں۔ آخر کار فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ الخ ان کو طوفان نے آلیا اور وہ اس وقت تک ویسے ہی بدکار رہتے اور ہم نے نوح علیہ السلام کو اور اس کے ساتھ جو کشتی میں تھے بیوی بیٹے اور چند دینداروں کو بچالیا اور قرنوں تک اس کشتی کو اپنی قدرت کا نمونہ دکھانے کے لیے باقی رہنے دیا کہ دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں اور اس عہد کو یاد کریں اور اپنی سرکشی سے باز آویں، اس میں کفار مکہ کی طرف روئے سخن ہے کہ غرہ نہ ہونا جس طرح قوم نوح کو ہلاک کیا تم بھی ایک روز گرداب بلا میں آجاؤ گے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

[1] توریت سفر التکلیفہ کے پانچویں اور چھٹے باب میں یوں لکھا ہے کہ آدم کی عمر ایک سو تیس برس کی ہوئی تو اس کے ہاں سیت (شیث) پیدا ہوا۔ آدم کی کل عمر نو سو تیس برس کی ہوئی اور سیت کے ایک سو پانچ برس کی عمر میں انوس پیدا ہوا اور اس کی کل عمر نو سو بارہ برس کی ہوئی اور انوس کی جب نوے برس کی عمر ہوئی تو اس سے قینان پیدا ہوا اور انوس کی کل عمر نو سو پانچ برس کی ہوئی اور قینان کی ستر برس کی عمر میں محلل ایل پیدا ہوا اور قینان کی کل عمر نو سو دس برس کی اور محلل ایل کی پینسٹھ برس کی عمر میں اس سے یارد پیدا ہوا اور محلل ایل کی کل عمر آٹھ سو پچانوے برس کی ہوئی اور یارد کی ایک سو باسٹھ برس کی عمر میں اس سے حنوک پیدا ہوا۔ اور یارد کی کل عمر نو سو باسٹھ برس کی ہوئی اور حنوک کی پینسٹھ برس کی عمر میں اس سے متوسلخ پیدا ہوا اور حنوک کی کل عمر تین سو پینسٹھ برس کی تھی کہ اس کو خدا نے لیا اور غائب ہوگیا اور وہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور متوسلخ ایک سو ستاسی برس کا ہوا اس سے ملک پیدا ہوا اور متوسلخ کی کل عمر نو سو انہتر برس کی ہوئی اور ملک ایک سو بیاسی برس کا تھا کہ اس سے نوح پیدا ہوا اور ملک کی کل عمر سات سو ستتر برس کی ہوئی اور نوح پانچ سو برس کا تھا کہ اس سے سام، حام، یافث ہوئے نوح کی عمر جب چھ سو برس کی ہوئی تب طوفان آیا اور طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین سو برس جیتا رہا۔ اور نوح کی ساری عمر نو سو پچاس برس کی ہوئی لہٰذا ضمیم کی ضمیر خاص اس کافر قوم کی طوف راجع نہیں جو طوفان سے ہلاک ہوئے بلکہ ان کی طرف اور ان کے بعد والوں کی طرف یعنی قوم ہی کی طرف راجع ہے اور بعث کے معنی یہ ہوں گے کہ ان میں ساڑھے نو سو برس کی عمر تک جیتے رہے۔ ۱۲ منہ

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾

ع ۱۴

اور ابراہیم (کے حالات بھی بیان کرو) جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کیا کرو اور اُس سے ڈرا کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر خبر رکھتے ہو۔ تم اللہ کے سوا بتوں کو پوجتے اور جھوٹی باتیں بناتے ہو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں، پس تم روزی بھی اللہ ہی سے مانگو اور اُس کی عبادت بھی کیا کرو اور اُس کا شکر یہ کیا کرو، اُسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پیشتر بہت سے لوگ (رسولوں کو) جھٹلا چکے ہیں اور رسول پر تو یہی ہے کہ کھول کر پیغام پہنچادے یہ کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ اول بار کیونکر پیدا کیا کرتا ہے، پھر اُس کو بار دگر لوٹاتا ہے۔ بے شک یہ کام اللہ پر آسان ہے۔ کہہ دو زمین پر (چل) پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح سے ابتداءً پیدا کیا، پھر اللہ آخرت کا جی اُٹھنا بھی پیدا کرے گا۔ بے شک اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے، جس کو چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور تم اُس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے اور تم نہ زمین میں (چھپ کر) ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور نہ تمہارا اللہ کے سوا کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار۔

ترکیب: و ابراہیم معطوف علی المفعول فی انجیناہ وعلی تقدیر واذکر واعلی ارسلنا النشاۃ الآخرۃ بالمد والقصر لغتان اوثانا مفعول تعبدون جمع وثن ای صنم و تخلقون معطوف علی تعبدون ای تقولون۔ افکا ای کذبا تمیز من ضمیر تخلقون او مفعول مطلق الذی اسم ان تعبدون من دون اللہ صلۃ لہ والعائد محذوف لا یملکون خبر کیف ھو والجملۃ مفعول اولم یروا کیف بمعنی الکیفیۃ ابداء الخلق، یبدء بضم اولہ وفتحہ من بدا وابدء بمعنی واحد ای خلقھم ابتداء فی الارض متعلق بمعجزین والمفعول رکم۔

تفسیر: و ابراھیم یہ دوسرا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت نوح کے علیہ السلام بیٹے سام کی نسل سے ہیں ان کے اور نوح علیہ السلام کے نام میں آٹھ پشت ہوتی ہیں۔ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ایشیاء کو چک سے پورب رخ عراق عرب میں آرہی تھی اور اسی جگہ انہوں نے شہر بابل اور ایک بلند برج آیندہ طوفان سے بچنے کے لیے بنایا تھا۔ پھر نوح کی اولادیں یہیں سے تمام دنیا میں پھیلیں۔ گویا سب کا قدیم وطن یہی ویلس ہے۔ جیسا کہ توریت سفر التکلیفہ کے گیارہویں باب سے ثابت ہے۔

[1] حکایۃ کلام اللہ تعالیٰ لابراھیم او محمد علیہما السلام۔ ۱۲ بیضاوی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد تک جو حضرت نوح علیہ السلام سے سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے لوگوں میں بت پرستی از حد ہو گئی تھی۔ یہ لوگ صابی مذہب کے تھے، عناصر اور کواکب اور دیگر روحانیات کی مورتیں بنا کر ان کو پوجتے تھے اور ان کو اپنے رزق اور دنیا کی راحت کا مالک جانتے تھے اور دار آخرت کے قائل نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے۔ انہوں نے وعظ کیا کہ اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور جن کو تم پوجتے ہو ان کو تمہاری روزی کا کچھ بھی اختیار نہیں، یہ جھوٹے خیالات ہیں کہ وہ روزی دیتے ہیں۔ روزی اللہ دیتا ہے، اسی سے طلب کرو، اس کی عبادت کرو، اس کا شکریہ کرو، تم کو اُس کے پاس پھر کر جانا ہے، اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ الخ اور اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو تو کوئی جدید بات نہیں، تم سے پہلے بہت سے گروہ اور فرقے پہلے انبیاء کو جھٹلا چکے ہیں۔ نوح اور شیث اور ادریس علیہم السلام کو ان کے لوگوں نے جھٹلایا تھا۔ رسول کا کام صاف صاف حکم پہنچا دینا ہے، اب تم مانو یا نہ مانو۔

اس مسئلہ کو دو دلیلوں سے مدلل کیا۔ فقال اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ الْخَلْقَ کہ کیا وہ عقلی برہان سے نہیں دیکھتے جو قائم مقام آنکھوں کے دیکھنے کے ہے کہ اللہ نئے سرے سے کیونکر پیدا کرتا ہے، ہر حجر و شجر و حیوانات کو دیکھو کہ پہلے کب تھے از خود تو ہونے نہیں کیونکہ کوئی شے جو حادث ہو از خود نہیں، اگر از خود ہوتی ہو تو پہلے ہی کیوں نہ تھی، کسی نے تو اس کو روک رکھا تھا، پھر جس نے روک رکھا تھا وہی تو اس کا خالق ہے۔ وہ اللہ ہے جو تم کو حس سے محسوس نہیں ہوتا اور جو ابتداءً پیدا کرتا ہو (اور اس کو تو تم بھی مانتے ہو، اس لیے استفہام کے طور پر اَوَلَمْ يَرَوْا فرمایا) اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے، اس کو قیاس عقل چاہتا ہے اور اس لیے آیت کو اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ پر ختم کر دیا۔ اس کے بعد دوسری دلیل ذکر فرماتا ہو، قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ الخ اگر تم کو علم یقینی اور حدس مذکور حاصل نہ ہو تو اقطار الارض میں یعنی ملکوں میں پھر کر دیکھو اور موالید ثلثہ معادن نبات حیوان کے پیدا ہونے کی کیفیت ملاحظہ کرو کہ ان کو کس طرح سے پیدا کیا ہے، تا کہ یہ فکر مشاہدہ تک پہنچا دے اور اسی لیے اس جگہ کیف بدء الخلق

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۖ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ؘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور جو اللہ کی آیتوں اور اُس کے ملنے کے منکر ہوئے وہی میری رحمت سے بھی ناامید ہو گئے ہیں اور انہی کے لیے عذاب الیم ہے، پھر اُس کی قوم کے پاس بغیر اس کے اور کچھ جواب ہی نہ تھا۔ کہنے لگے کہ اس کو یا تو مار ڈالو یا جلا دو، پھر ابراہیم کو اللہ نے آگ سے بچا لیا۔ البتہ اس میں بھی ایمان لانے والی قوم کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور ابراہیم نے (اپنی قوم سے) کہا تم نے جو اللہ کے سوا بت بنا رکھے ہیں تو آپس کی محبت کے لیے جو دُنیا کی زندگی میں ہے، پھر قیامت کے دن تو ایک دوسرے کا انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور (اُس وقت) تمہارا ٹھکانا آگ ہوگا اور تمہارے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔ پس ابراہیم کو لوط نے مانا اور کہا میں اپنے رب کی طرف وہ وطن چھوڑ کر جاتا ہوں۔ بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کیا اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم کی اور ہم نے دُنیا میں بھی اُس کا بدلہ اُس کو دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک بختوں میں سے ہوں گے۔

ترکیب : قال جار اللہ الزمخشری مودة بالنصب اما باضافة او بغیر اضافة فعلی الاول التعلیل لتو دوا بینکم وعلی الثانی یکون مفعولاً ثانیاً علی حذف المضاف او علی ان المصدر بمعنیٰ بمفعول ای اتخذتم الاوثان سبب المودة بینکم واتخذتموها مودودة بینکم وقری بالرفع ایضاً باضافة فعلی الوجهین یکون خبر ان علی ان ما موصولة والتقدیر ان التی اتخذتموها اوثاناً هی سبب مودة بینکم او مودة بینکم۔

تفسیر : بلفظ ماضی ذکر کیا کہ اگر آئندہ اول بار پیدا کرنے اور بار دگر پیدا کرنے میں شک ہو تو پیدا کی ہوئی چیزوں کو دیکھو انسان کو ایک قطرۂ حقیر سے بنایا، درختوں کو ایک ذرا سے تخم سے بلند و بالا کیا، پھر اس سے سمجھ لو کہ وہ بار دگر یعنی مرنے کے بعد پھر دوبارہ تم کو پیدا کرے گا۔ پس دونوں جملوں میں ایک جملہ کا دوسرے پر معنی کے لحاظ سے عطف ہے۔ پھر ثم اللہ ینشیء میں بجائے ضمیر کے لفظ اللہ کے لانے میں یہ نکتہ ہے کہ یہ تمہارے معبودوں کا کام نہیں، دلائل الانفس والافاق کے بعد نتیجہ ثابت کرتا ہے، اللہ علی کل شیء قدیر کہ وہ اول بھی پیدا کر سکتا ہے، پھر مٹا کر اس کو بار دگر بھی بنا سکتا ہے دار آخرت قائم کر کے یُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ، وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ جس کو چاہے گا سزا دے گا جس پر چاہے گا مہربانی کرے گا۔ اسی طرح دُنیا میں بھی تم کہیں مرو کہیں دفن ہو یا جلائے جاؤ اِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ سب اسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔ ہم سے نہ زمین میں کہیں بھاگ کر جا سکتے ہو نہ آسمان میں چڑھ سکتے ہو۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ اور نہ کسی معبود کی مدد سے سامنے ہو کر مقابلہ کر سکتے ہو، کس کے لیے کہ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ اس کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہے نہ مددگار، پھر جب مجبوراً ہمارے دربار عدالت میں لائے جاؤ گے تو وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ وہ جو اللہ کی آیتوں اور اس کے پاس جانے کے منکر ہو گئے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وہ درحقیقت میری رحمت سے ناامید ہو گئے ہیں، پس اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ان کو سخت سزا ملے گی، یہ آخرت کا فیصلہ ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا سے لے کر اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ تک بقرینہ قولہ تعالیٰ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں جملہ معترضہ ہے، جس میں قریش مکہ سے کلام ہے۔ اس لیے کہ عرب کی حالت کفر و شرک و انکار حشر میں بعینہٖ قوم ابراہیم کی حالت تھی فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ سے پھر ابراہیم علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے کہ اس کی قوم کو بجز اس کے اور کچھ جواب نہ آیا کہ جل کر یہ کہہ دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو قتل کر ڈالو یا آگ میں جلا دو۔ چنانچہ آگ میں ڈال دیا۔ اللہ نے حضرت کو سلامت وہاں سے نکالا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اس میں ایمانداروں لیے

نوح کی کشتی کے لیے آیۃ للعالمین آیا ہے اور یہاں اٰیات لقوم یؤمنون آیا اس سبب سے کہ وہ کشتی صرف ایک ہی نشانی تھی اور جہان کے لیے بھی کے قرنوں دوبارہ رہی ہر ایک شخص کافر و مومن اس کو دیکھتا تھا برخلاف ابراہیم کے آگ سے نکلنے کے اس کو وحی کے سبب ایمان والے ہی) مانتے ہیں اور اس میں چند نشانیاں ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ ۱۲ منہ

بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ کہ اللہ ایسا قادر ہے کہ آگ میں ڈال کر سلامت نکال لیتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ دینداروں پر ہمیشہ اس کی عنایت رہتی ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ امتِ محمد یہ ملتِ ابراہیمیہ کی پابند ہے جس طرح ان کو آگ سے نجات دی اس کے پیروؤں کو جہنم کی آگ سے بھی نجات دے گا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وعظ شروع کیا کہ آج دُنیا میں تم نے باہمی محبت سے بت پرستی کر رکھی ہے، باپ دادا کی محبت سے اُن کے غلط طریق پر چلتے ہو اور برادری کی محبت سے غلط بات کو نہیں ترک کرتے قیامت میں وہ محبت بھی جاتی رہے گی، وہی تم پر لعنت کریں گے اور تم جہنم میں جاؤ گے کوئی نہ بچائے گا۔ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ پس اس قوم میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجا لوط علیہ السلام ایمان لایا اور وہ وطن چھوڑ کر پہلے حران اطراف کوفہ میں آئے، پھر وہاں سے ملکِ شام میں گئے، مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ یعنی رب کے حکم سے ہجرت کرتا ہوں، جہاں وہ لے جاتا ہے جاتا ہوں، وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ یہاں سے حضرت ابراہیم پر جو کچھ انعام الٰہی ہوا، اس کو بیان فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو ایسا بلند اقبال بیٹا اسحاق اور پوتا یعقوب علیہما السلام عطا کیا اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم کی گئی توریت زبور انجیل قرآن اسی کی اولاد کو ملی اور دُنیا میں بھی اس کو بدلہ دیا مال واسباب واولاد وعزت اور آخرت میں بھی وہ کاملین میں ہیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ
مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ
فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ
الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا ع ۴
اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا
نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا ؕ لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ
الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ
قَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ
الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا
كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور (بیان کرو) لوط کا (حال) جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم تو وہ بے حیائی کرتے ہو کہ جو تم سے پہلے دُنیا میں کسی نے بھی نہیں کی، کیا تم لڑکوں کے پاس جاتے ہو اور رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلس میں برا کام کرتے ہو۔ پھر اُس کی قوم کے پاس بجز اس کے کچھ جواب نہ تھا کہ تو ہم پر اللہ کا عذاب لے کر آ اگر تو سچا ہے۔ لوط

نے کہا کہ اے رب! (ان) بدمعاش لوگوں پر مجھے غالب کر اور جبکہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس مژدہ لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو غارت کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں۔ ابراہیم نے کہا اس بستی میں تو لوط بھی ہے۔ وہ بولے ہم خوب جانتے ہیں جو اس میں ہے، ہم لوط کو اور اس کے کنبے کو بچا لیں گے، مگر اُس کی بیوی کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی اور جبکہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے تو لوط کو اُن کا آنا برا معلوم ہوا اور اُن سے دل میں تنگ ہوئے اور فرشتوں نے کہا اب کچھ خوف نہ کیجیے اور نہ غم کھائیے۔ بے شک ہم آپ کو اور آپ کی بیوی کے سوا گھر والوں کو بچا لیں گے، کیونکہ وہ تو پیچھے رہ جانے والوں میں قرار پا چکی۔ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے ایک آفت اُتارنے والے ہیں، اس سبب کے کہ وہ بدکاری کرتے ہیں اور البتہ اس بستی کے کچھ کھلے ہوئے نشان تو عقلمندوں کے لیے باقی رکھ چھوڑے ہیں۔

ترکیب : وَلُوْطًا معطوف علی نوح وابراہیم۔ المنکر مفعول تاتون، منجوك و اهلك الكاف فی الموضع خبر عند سیبویہ۔ من الغابرین الباقین فی العذاب او من الماضین ذکرہم او من مضی زمانہ وبقی، سیء بهم حزن بسببهم وضاق بهم ذرعًا صدرا۔ اوضاق بشانهم وتدبیر امرهم ذرعای طاقۃ ان جات ان صلۃ لتاکید الفعلین۔

تفسیر : یہ تیسرا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے جو ان کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ شام میں پہنچ کر یہ قرار پایا کہ دونوں صاحب جدا جدا رہیں، کیونکہ دونوں کے چار پائے اور مویشی بکثرت تھے۔ ابراہیم علیہ السلام تو کنعان میں رہے اور لوط علیہ السلام نے دریائے یردن کی ساری ترائی اپنے لیے پسند کی اور شہر سدوم کے پاس آ کر مقام کیا۔ یہ شہر اس شور جھیل کے کنارے پر آباد تھا کہ جس کو بحر المیت کہتے ہیں، کنعان سے پورب اور جنوب میں یہاں کے لوگ بڑے بدکار اور فاسق تھے، مردوں سے بدفعلی کرتے تھے اور راہ گیر کو بھی پکڑ کر اس سے ایسی بدفعلی کرتے تھے، اس لیے اس طرف کا رستہ بند ہو گیا تھا اور رہزنی بھی کرتے تھے اور مجلس میں بیٹھ کر بے حیائی کے کام کرتے تھے، لوط علیہ السلام نے منع کیا وہ کب مانتے تھے، تمسخر کے طور پر کہنے لگے کہ اللہ کے عذاب کو لے آ اگر سچا ہے، لوط نے دُعا کی کہ مجھے ان بدمعاشوں پر فتح یاب کر یعنی ان کو سزا دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دوپہر کے وقت بلوطوں میں اپنے خیمے میں بیٹھے تھے کہ ان کو تین شخص نظر آئے۔ ابراہیم نے ان کی ضیافت کے لیے بچھڑیاں اور تلا ہوا بچھڑا تیار کروایا، اُنہوں نے کھانے سے ہاتھ روکا ابراہیم علیہ السلام ڈر گئے کیونکہ اس وقت جو کوئی کسی کے پاس بدارادہ سے جاتا تھا تو اس کے ہاں کا کھانا نہ کھاتا تھا۔ فرشتوں نے کہا خوف نہ کر ہم تجھ کو بشارت دینے آئے ہیں کہ تیری بیوی سارہ کے ہاں فرزند پیدا ہوگا اور جب چلنے لگے تو کہا ہم سدوم کو غارت کرنے جاتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا وہاں تو لوط بھی ہے۔ انہوں نے کہا ہم کو معلوم ہے، اُس کو اور اُس کے کنبے کو بچا لیں گے مگر اُس کی بیوی نہ بچے گی، کیونکہ وہ پیچھے اس بستی کو مڑ کر دیکھے گی، ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوگی۔ شام کو وہ لوگ سدوم آئے اور لوط علیہ السلام سدوم کے دروازہ پر بیٹھے تھے، اُن کو مسافر سمجھ کر اپنے گھر لے گئے مگر دل میں ناخوش ہوئے اور بہت تنگ ہوئے، اس لیے کہ وہ خوبصورت لڑکوں کی صورت میں تھے۔ شہر کی حالت معلوم تھی، مگر مہمان نوازی ضروری تھی، یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کو گھر میں نہ لاتے، خاطر مدارات نہ کرتے، ابھی وہ سونے کے لیے نہ لیٹے تھے کہ شہر کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھے تک نے ان کا گھر آ گھیرا اور کہنے لگے، ان مہمانوں کو ہمارے حوالے کر کہ ان سے بدفعلی کریں۔ لوط علیہ السلام کو اڑ کھول کر باہر ان کے پاس گئے اور بہت سمجھایا کہ یہ میرے مہمان ہیں، وہ بولے پرے ہٹ کیا تو یہاں گزر کرنے آیا ہے یا حکومت کرنے، تب وہ کواڑ توڑ کر اندر کو لپکے فرشتوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کے لوط علیہ السلام کو تو اندر کھینچ لیا اور وہ دروازہ بند کر دیا اور ان کو اندھا کر دیا کہ وہ دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے، تب ان مہمانوں نے لوط علیہ السلام سے کہا۔ سنو جی ہم فرشتے ہیں، آپ کچھ خوف وغم نہ کیجیے، ہم اس شہر کو غارت کرنے آئے ہیں۔ آپ صبح ہونے سے پیشتر اپنے لوگوں کو لے کر باہر نکل جائیے، چنانچہ لوط علیہ السلام باہر نکلے اور سورج کے نکلنے کے وقت خدا تعالیٰ نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور

آگ برسائی، بیوی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا، وہ نمک کا کھمبا بن گئی اور اس شہر کے کچھ نشان عبرت کے لیے باقی رہ گئے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ
وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِى
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا
مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى
بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا
بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ
الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا تب اُس نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اور قیامت کی توقع رکھو اور ملک میں فساد مچاتے نہ پھرو، سو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا، تب تو اُن کو زلزلہ نے آلیا، پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور ہم نے ہی عاد اور ثمود کو (غارت کیا) اور البتہ تم کو اُن کے کچھ مکانات بھی دکھائی دیتے ہیں اور شیطان نے اُن کے اعمال (بد) پر اُن کو رجھا دیا تھا، پھر ان کو رستہ سے روک دیا تھا، حالانکہ وہ سمجھ بوجھ بھی رکھتے تھے اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہلاک کیا) اور البتہ اُن کے پاس موسیٰ نشانیاں بھی لے کر آئے تھے (باوجود اس کے) پھر انہوں نے زمین میں سرکشی کی اور وہ بھاگ کر نہ جا سکے۔ پھر ہم نے ہر ایک کو اُس کے گناہ پر پکڑ لیا، پھر کسی پر تو ان میں سے ہم نے سخت آندھی بھیجی اور ان میں سے کسی کو کڑک نے آلیا اور کسی کو ان میں سے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو غرق کر دیا اور اللہ تو ان پر کیوں ظلم کرنے لگا تھا، لیکن خود وہی اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔

ترکیب : شعیبًا مفعول لارسلنا بدل من اخاھم مفسدین حال موکدۃ لعاملھا من عثی بکسر المثلثۃ افسد۔ الرجفۃ الزلزلۃ الشدیدۃ۔ جاثمین بارکین علی الرکب تبتین۔ وعادا وثمودا ای اھلکنا ثمود بصرف ثمود وترکہ بمعنی الحی والقبیلۃ مُسْتَبْصِرِيْنَ ذوی بصائر۔ قارون ای اھلکنا قارون منصوب باخذنا۔

تفسیر : وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔ یہ چوتھا قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا قنتورہ کے شکم سے تھا۔ عرب کے شمال وغرب میں قلزم کے اس پار آرہے تھے، انہی کے نام سے اس بستی کو مدین کہنے لگے، انہی کی اولاد وہاں بستی تھی اور حضرت شعیب علیہ السلام بھی انہی میں سے تھے جو اس گروہ کے نبی کر کے بھیجے گئے تھے۔ یہ لوگ بت پرست تھے اور قیامت کے منکر اور لوٹ مار ان کا پیشہ تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے تین باتوں کی نصیحت کی فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو نہ پوجو، یہ توحید کی تعلیم تھی۔ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ اور قیامت پر ایمان لاؤ۔ یہ ایمان بالبعث کی تعلیم تھی۔

وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ اور ملک میں فساد مچاتے نہ پھرو، یہ اصلاح معاش کی بابت تعلیم تھی، مگر فَكَذَّبُوْهُ وہ کب ماننے والے تھے۔ آخر نہ مانا پھر ان پر بلائے آسمانی نازل ہوئی، زلزلہ نے آلیا، سب مرکر وہیں پڑے رہ گئے۔

وعادا و ثمودا الخ پانچواں قصہ مجملاً عاد و ثمود کا ہے۔ قوم عاد عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں رہتی تھی اور قوم ثمود ان کے بعد اُنھی عرب کے شمالی حصہ میں آباد تھی۔ ان قوموں کی بڑی سلطنت اور حشمت ہو چکی ہے، ان کا حال کئی جگہ ہم مفصل بیان کر آئے ہیں۔ ان کے تباہ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک ان کے مکانات کے آثار قدیمہ باقی تھے جن کو سفر میں آتے جاتے اہل مکہ دیکھا کرتے تھے، اس لیے فرماتا ہے۔ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ، ان کا حال کیا تھا وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ کہ ان کے برے کام ان کو عمدہ معلوم ہوتے تھے، اس لیے راہ راست سے رُک گئے۔ باوجودیکہ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ سمجھ بوجھ رکھتے تھے۔ دُنیاوی کاموں میں بڑے ہوشیار تھے۔ معاذ اللہ جب انسان اپنی برائی کو بھلائی اور برے کام کو اچھا سمجھنے لگتا ہو تو اس مرض لادوا کا کوئی علاج ہی نہیں بجز موتِ روحانی کے۔ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ چھٹا تذکرہ موسیٰ کے ہم زمانہ تین سرکش لوگوں کا ہے۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا۔ ہامان اس کا وزیر قارون موسیٰ علیہ السلام کی برادری میں سے تھا، بڑا مالدار۔ تینوں کے رسول موسیٰ علیہ السلام تھے۔ معجزات بھی دکھائے لیکن فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ زمین میں تکبر اور سرکشی اور غرور نے ان کو مطیع نہ ہونے دیا، پھر اللہ سے کہاں جا سکتے تھے؟ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ۔ بعض معترضین کہا کرتے ہیں کہ ہامان تو خسرویں شاہ ایران کا وزیر تھا نہ کہ فرعون کا، یہ ان کا اعتراض بیجا ہے۔ کس لیے کہ ایک نام کے کیا دو شخص نہیں ہوتے، فرعون کے وزیر کا نام بھی ہامان تھا۔ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ عاد اور ثمود و قارون و فرعون و ہامان کا ذکر کر کے سب کی ایک جملہ میں سزا بیان فرماتا ہے۔ پہلے تو اجمالاً یہی کہہ دیا کہ ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے سبب پکڑ لیا، پھر تفصیل کرتا ہے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا کہ ان میں سے بعض پر سخت آندھی بھیجی کہ جس میں کنکریاں تھیں۔ (حاصبا ریحا عاصفا فیھا حصباء جلالین) اس سے قوم عاد مراد ہے، ان پر بھی عذاب آیا تھا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ جیسا کہ قوم ثمود وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ جیسا کہ قارون وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا۔ جیسا کہ فرعون و ہامان۔ زجر کے طور پر یہ آیت بلاغت و فصاحت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ پھر کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اللہ نے اپنی مخلوق پر ظلم کیا، اس لیے بعد میں فرمایا۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ کہ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا نہ یہ اس کی شان ہے، ہاں وہی خود اپنے اوپر ظلم کر کے برباد ہوئے، بری بات کا برا نتیجہ بھگتا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ
بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا
الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

وقف لازم

ع ۴